https://ataunnabi.blogspot.com/

سلسلہ بیت الحکمت نمبر (۱۴)

دینی، علمی، ادبی، فکری، تاریخی اور سوانحی مضامین و مقالات کا وقیع مجموعہ

نگارشات

﴿رشحات قلم﴾

نازش علم و فن شہر یار تحریر و قلم مفکر اسلام

حضرت علامہ ڈاکٹر محمد عاصم صاحب قبلہ اعظمی

بی۔اے، ایم۔اے، بی۔ٹی۔ایچ، ایم۔ٹی۔ایچ، پی۔ایچ۔ڈی

شیخ الحدیث دار العلوم اہل سنت جامعہ شمس العلوم گھوسی، مئو۔یوپی

مرتب

مولانا نعیم الاسلام قادری

کریم الدین پور بکہی گھوسی، مئو۔یوپی

﴿ناشر﴾

جمیع طلبہ و طالبات جامعہ شمس العلوم گھوسی، مئو، یو۔پی

۱۴۳۵ھ/۲۰۱۴ء

http://t.me/rehqaat

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

سلسلۂ بیت الحکمت نمبر ۱۴

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ !

کتاب	:	نگارشات
رشحات قلم	:	حضرت علامہ ڈاکٹر محمد عاصم اعظمی صاحب قبلہ مدظلہ بی۔اے،ایم۔اے،بی۔ٹی۔ایچ،ایم۔ٹی۔ایچ،پی۔ایچ۔ڈی شیخ الحدیث دارالعلوم اہل سنت جامعہ شمس العلوم،گھوسی
مرتب	:	مولانا نعیم الاسلام قادری کریم الدین پور بگہی،گھوسی ضلع مئو
ناشر	:	جمیع طلبہ وطالبات جامعہ شمس العلوم گھوسی،مئو،یوپی ۱۴۳۵ھ/۲۰۱۴ء
تقسیم کار	:	کمال بک ڈپو جامعہ شمس العلوم گھوسی،مئو،یو۔پی
پروف ریڈنگ	:	مفتی محمد عثمان شمسی،مولوی محمد احسان شمسی
کمپوزنگ	:	دانش کمپیوٹر سینٹر بڑا گاؤں امجدی روڈ،گھوسی،مئو
صفحات	:	۴۸۰
سن طباعت	:	۱۴۳۵ھ/۲۰۱۴ء
قیمت	:	....

ملنے کا پتہ

کمال بک ڈپو جامعہ شمس العلوم،گھوسی،مئو،یو۔پی

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

شرف انتساب

میرے خانوادے کے بزرگ ترین عالم ربانی

حضور صدر الشریعہ بدر الطریقہ فقیہ اعظم ہند

حضرت علامہ الحاج الشاہ مفتی حکیم

ابو العلاء محمد امجد علی اعظمی

علیہ الرحمۃ والرضوان

مصنف بہار شریعت وفتاویٰ امجدیہ

کی دینی علمی فقہی بصیرتوں

کے نام

جن کا فیضان علم آپ کے واسطہ در واسطہ شاگردوں کے ذریعہ

آج پوری دنیائے علم وفن میں جاری ہے۔ ؎

سلامی جا بجا ارض و سما دیں — مہ و خورشید پیشانی جھکا دیں

ترے خدام اے صدر الشریعہ — جدھر جائیں فرشتے پر بچھا دیں

نعیم الاسلام قادری

http://t.me/Tehqiqat

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

فہرست عناوین

شمار	عنوان	صفحہ
	دعائیہ	۶
	عرض حال	۷
	پیش لفظ	۸
	علامہ ڈاکٹر محمد عاصم اعظمی احوال اور کارنامے	۱۲
الف	**سیرت**	۳۷
۱	انسانیت کے محسن اعظم	۳۸
۲	پیکر خلق عظیم	۴۲
۳	روحانیت کی فتح مبین	۴۶
۴	عہد وسطیٰ کا معاشرتی نظام اور خطبہ حجۃ الوداع کے چند اقتباسات	۴۸
ب	**اسلامیات**	۶۱
۵	اسلامی نظم معاشرت اور حقوق العباد	۶۲
۶	اسلام کا عائلی نظام	۷۶
۷	اسلامی جمہوریت کے نقش ونگار	۸۳
۸	اسلام اور انسانی خون کا ادب واحترام	۹۳
ج	**علوم وفنون**	۹۹
۹	اسلام میں دینی مدارس کا آغاز وارتقا	۱۰۰
۱۰	مسلمان اور علم کی ترویج	۱۰۹
۱۱	مسلمانوں کا علمی ذوق اور چند سندھی علما	۱۱۷
۱۲	مسلمان اور فن تحریر وخطاطی	۱۲۴
۱۳	جونپور سے مبارکپور تک	۱۴۳
د	**تصوف واخلاق**	۱۶۱
۱۴	پیکر صبر ورضا	۱۶۲
۱۵	خداشناس ضمیر کی آواز	۱۶۶
۱۶	حضرت صدر الشریعہ اور تصوف	۱۷۱
۱۷	شعیب الاولیا اور بیعت وارشاد	۱۷۷
۱۸	شہزادی جہاں آرا بیگم کی مشائخ چشت سے عقیدت	۱۸۵
ہ	**احوال**	۱۹۱
۱۹	حضرت بابا قاسم سلیمانی قادری (چنار)	۱۹۲

http://t.me/Tehqiqat

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

شمار	عنوان	صفحہ
۲۰	شیخ الاسلام مقتداء العالمین شیخ طیب بنارسی	۲۰۱
۲۱	شیخ العلما علامہ غلام جیلانی سے ایک ملاقات	۲۱۶
۲۲	حضرت شارح بخاری علیہ الرحمہ حیات اور خدمات	۲۳۵
۲۳	حضرت علامہ عبدالمصطفیٰ اعظمی۔ایک تعارف	۲۴۰
و	**کارنامے**	۲۶۳
۲۴	امام احمد بن حنبل شخصیت اور کردار	۲۶۴
۲۵	علامہ ابن جریر طبری شخصیت اور کارنامے	۲۶۹
۲۶	تاج الفحول علامہ عبدالقادر بدایونی اور رد روافض	۲۷۷
۲۷	حضور حافظ بخاری اور رد فرق باطلہ	۲۹۱
۲۸	اشرف الاولیا کی تبلیغی و دعوتی سرگرمیاں	۳۱۱
ز	**یادیں**	۳۲۳
۲۹	مفتی اعظم ہند اور خدمت خلق	۳۲۴
۳۰	مجاہد ملت کی زریں یادیں	۳۳۲
۳۱	آہ! شیخ العلما	۳۳۸
۳۲	علامہ نسیم بستوی کچھ یادیں کچھ باتیں	۳۴۴
۳۳	مفتی اعظم راجستھان ایک شخص ایک کارواں	۳۴۸
ح	**شعروادب**	۳۵۵
۳۴	اردو نثر کی ترقی میں احادیث نبوی کے تراجم وتشریحات کی اہمیت	۳۵۶
۳۵	نعت رسول اور ہندو شعرا	۳۶۷
۳۶	ہندو شعرا کے کلام میں اسلامی افکار وعقائد کی جھلکیاں	۳۸۴
۳۷	مرزا صائب اصفہانی اور اس کی اخلاقی شاعری	۴۰۶
۳۸	آزادی ہند میں مسلم صحافت کا کردار	۴۱۶
۳۹	مولانا اسماعیل میرٹھی اور ان کی شعری وادبی خدمات	۴۳۱
ط	**تاریخ**	۴۴۹
۴۰	اسلامی فتوحات	۴۵۰
۴۱	اور ظالم کے خون سے زمین لالہ زار انصاف بن گئی	۴۵۵
۴۲	شارح بخاری کے قصبہ گھوسی کا ایک تاریخی جائزہ	۴۵۸

http://t.me/Tehqiqat

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

دعائیہ

نازش علم وفن شہر یار تحریر وقلم مفکر اسلام

حضرت علامہ الحاج ڈاکٹر محمد عاصم اعظمی صاحب قبلہ دامت برکاتہم العالیہ

بی۔اے،ایم۔اے،بی۔ٹی۔ایچ،ایم۔ٹی۔ایچ،پی۔ایچ۔ڈی

شیخ الحدیث دار العلوم اہل سنت جامعہ شمس العلوم گھوسی،مئو،یو۔پی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

۱۹۶۷ء سے لے کر ۲۰۰۹ء تک ملک کے متعدد جرائد ورسائل میں وقتاً فوقتاً میرے جو مضامین شائع ہوتے رہے،محبّ گرامی حضرت علامہ محمد عبد المبین نعمانی صاحب کی خواہش تھی،کہ مختصر مضامین کا ایک مجموعہ منظر عام پر آنا چاہیے اور جو مضامین طویل ہوں،ان کو الگ الگ کتابچوں کی صورت میں شائع کیا جائے۔

تقریباً چار سال پہلے عزیزی مولانا نعیم الاسلام قادری شمسی صاحب سلمہ نے ۴۳؍سال کے دوران شائع ہونے والے سیکڑوں مضامین کا انتخاب نگارشات میں کیا،جو بفضلہٖ تعالیٰ اب طباعت و اشاعت کے مرحلے میں ہے۔

اس سلسلے میں جامعہ شمس العلوم گھوسی ۱۴۳۵ھ/۲۰۱۴ء کے طلبۂ درجہ فضیلت اور طالبات جامعۃ البنات شمس العلوم قابل ستائش ہیں،انہوں نے اپنے اجتماعی تعاون سے مصارف طباعت کا بوجھ اٹھایا ہے۔

صمیم قلب سے دعا ہے،کہ رب کائنات جل شانہ اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے میں ان طلبہ وطالبات اور دیگر معاونین کی خدمات کو قبول فرمائے،ان کے علم وعمل میں اضافہ،عمروں میں برکت اور دین کا سچا خادم بنائے۔نیز گلشن علم وحکمت جامعہ شمس العلوم کو سدا بہار رکھے اور اس کے غنچہ وگل کی معارف پرور نکہتوں سے دنیائے علم وعرفان کی مشام جان معطر فرمائے۔آمین بجاہ سید المرسلین

محمد عاصم اعظمی غفرلہ

خادم الطلبہ جامعہ شمس العلوم گھوسی،مئو،یو۔پی

۲۰؍جمادی الاولیٰ ۱۴۳۵ھ/۲۳؍مارچ ۲۰۱۴ء بروز اتوار

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

عرض حال

ناچیز نے ۱۴۳۰ھ/۲۰۰۹ء میں نازش علم وفن شہر یار تحریر وقلم مفکر اسلام استاذ گرامی حضرت اقدس علامہ الحاج ڈاکٹر محمد عاصم اعظمی صاحب قبلہ دامت برکاتہم القدسیہ کے منتخب مضامین کا ایک وقیع مجموعہ مرتب کیا۔ ترتیب، نظر ثانی، کمپوزنگ اور پروف ریڈنگ کے تمام مراحل اسی وقت پایہ تکمیل کو پہنچ چکے تھے۔ مگر کتاب کے کافی ضخیم ہو جانے کے سبب اس کی اشاعت وطباعت مجھ بے بضاعت کے لیے کارے دارد کے مترادف قرار پائی، وسائل کی نایابی اور میری حرماں نصیبی کی وجہ سے ہنوز کتاب منظر عام پر نہ آسکی تھی۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ بھلا کرے گہوارہ علم وادب مادر علمی دار العلوم اہل سنت جامعہ شمس العلوم گھوسی کے ان تمام طلبا وطالبات کا جنہوں نے اس مجموعہ مضامین کی طباعت واشاعت کا بار گراں اپنے ناتواں کندھوں پر لیا اور اس راہ کی مشکلات دور ہوئیں۔

میں ان کے لیے دعا گو ہوں اور قارئین سے درخواست کرتا ہوں کہ ان طلبہ وطالبات کے حق میں دعا کریں کہ مولا تعالیٰ انہیں علم نافع عمل صالح کی دولت سے بہرہ ور کرے، ان کے اندر خدمت دین کا جذبہ صادق پیدا کرے، ان کی عمروں میں برکت عطا فرمائے اور دارین کی سعادتوں سے نوازے۔

ساتھ ہی جامعہ شمس العلوم گھوسی کے مخلص ومشفق اساتذہ کرام اور ان تمام حضرات کا بھی ممنون وشکر گزار ہوں، جنہوں نے ان طلبہ وطالبات کی حوصلہ افزائی کی، ان کا تعاون کیا اور اپنی دینی وعلمی بیداری ظاہر کی۔

اخیر میں دعا ہے کہ مولا! جن لوگوں نے جس طرح بھی اس کتاب کو منظر عام پر لانے کے لیے اپنا تعاون پیش کیا، ان کی خدمت کو قبول فرما اور مزید ایسی خدمات کی توفیق رفیق عطا فرما اور انہیں دارین میں خیر وفلاح سے نواز۔ آمین یارب العالمین بجاہ حبیبک سید المرسلین علیہ وآلہ واصحابہ الصلوۃ والتسلیم!

نعیم الاسلام قادری

۲۱/جمادی الاولیٰ ۱۴۳۵ھ/۲۴/مارچ ۲۰۱۴ء بروز پیر

http://t.me/Tehqiqat

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

اسلامی تاریخ کے ہر دور میں دین حق کی تبلیغ واشاعت کی غرض سے متعدد ذرائع استعمال کیے گئے، وقت اور حالات کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے شجر اسلام کی آبیاری کے لیے مختلف طریقے رائج ہوئے، فرزندان اسلام نے نوع بہ نوع وسائل کو بروئے کار لا کر اپنے دین کے فروغ کی خاطر وہ کارہائے نمایاں انجام دیے، کہ رہتی دنیا تک اسلام کی تاریخ انہیں خراج عقیدت پیش کرتی رہے گی۔

عصر حاضر میں مذہب اسلام کے فروغ واشاعت کے تین اہم ذرائع ہیں (۱) تصنیف وتالیف (۲) وعظ وتقریر (۳) درس وتدریس۔ یہ تینوں ذرائع اپنی جگہ اہمیت وافادیت کے حامل ہیں، مگر ان کے درمیان تصنیف وتالیف کو نمایاں مقام حاصل ہے۔

ان تینوں میں سب سے زوداثر، دوررس اور فکر انگیز تصنیف وتالیف ہی ہے، کیونکہ درس و تدریس کی اثر آفرینی صرف درسگاہوں کے مدورہ حلقوں ہی تک کارگر ہوتی ہے، وعظ وتقریر کا اثر چند محدود دائروں تک ہی مسلم ہے، مگر قلم کے ذریعے لامحدود حدوں تک کارہائے نمایاں انجام پا سکتے ہیں۔

عہد رفتہ میں بھی اسلام کی تبلیغ واشاعت اور مذہب کی خدمت کے لیے تحریر وقلم کا سہارا لیا گیا، کیونکہ تبلیغ اسلام اور خدمت دین کا یہی وہ مستحکم وپائیدار ذریعہ ہے، جو ابدالآباد تک قائم ودائم رہتا ہے، یہ قلم ہی کا کرشمہ ہے، کہ حضرت آدم تا ایں دم واقعات وحوادث، اخبار وآثار، حالات وکیفیات اور برگزیدہ شخصیات کے تذکار سے ہم آگہی حاصل کر لیتے ہیں، قلم ہی کے ذریعہ ہم قرآن وحدیث، آثار وسنن، بزرگوں کے اقوال وآرا، علمی وادبی مباحث سے روشناس ہوتے ہیں۔

بلاشبہ علم وحکمت کے فروغ واشاعت میں قلم کا کلیدی کردار رہا ہے، تحریر وکتابت کا اگر وجود نہ ہوتا، تو پوری دنیا جہالتوں کی تاریکی میں گھر جاتی، دلوں سے علم کا نور کافور ہو جاتا، قلم ہی کی بدولت فیضان علم جاری وساری ہے۔

لوح وقلم کی اہمیت کے لیے یہی کیا کم ہے، کہ جب پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم پر پہلی وحی نازل

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ہوئی، تو دعوت وتبلیغ کے اس موثر ترین ذریعہ کو فراموش نہ کیا جاسکا، فرمایا گیا "اقــرأ وربک الاکـــرم الذی علم بالقلم" پڑھو اور تمہارا رب بڑا کریم ہے۔ جس نے قلم سے لکھنا سکھایا۔ (العلق)

قلم کا سرمایۂ افتخار ہے، کہ خود خالق کائنات جل وعلا تحریر وقلم کی یاد فرماتا ہے "نٓ والــقــلـــم ومایسطرون" قلم اور اس کی تحریر کی قسم۔ (القلم)

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے معتقدین کو حکم دیا، کہ تحریر کو وسیلہ بنا کر اپنی آنے والی نسلوں کے لیے علم وحکمت کا ذخیرہ جمع کرتے جاؤ، ارشاد فرمایا "قیـد والعلم بالکتابة" تحریر کے ذریعہ علم کو محفوظ کرلو۔

چنانچہ تحریر ہی کے ذریعہ صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین، ائمہ مجتہدین اور علمائے ربانیین سے تفسیر وحدیث، عقائد وکلام، فقہ وافتا، اصول وقواعد زبان، منطق وفلسفہ، صرف ونحو، بلاغت وعروض اور دیگر علوم وفنون وراثۃً ہم تک منتقل ہوتے رہے اور مشعل قلم کی روشنی میں کاروان دانش وبینش اپنی منزل کی سمت رواں دواں ہے۔

ہم اسلاف کی مقدس زندگیوں کا مطالعہ کرتے ہیں، تو ہم پر آشکار ہوتا ہے، کہ متعدد ایسی شخصیتیں گزری ہیں، جنھوں نے اپنی حیات کا ایک ایک لمحہ تحریر وقلم کے لیے وقف کردیا، کتنے ایسے علمائے ربانیین جہان لوح وقلم میں جلوہ گر ہوئے، جنھوں نے ہزاروں جلدوں اور لاکھوں صفحات پر علمی جواہر پارے بکھیرے اور دنیا نے ان سے استفادہ کیا، ذیل میں چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

علامہ ابن جریر طبری کے متعلق حافظ شمس الدین ذہبی لکھتے ہیں۔

"قـال تـلـمیذہ ابو محمد الفرغانی حسبت تلامذة ابی جعفر منذ احتلم الیٰ ان مـات فقسموا علی المدة مصنفاته فصار لکل یوم اربع عشرة ورقة" حضرت امام ابن جریر طبری کے شاگرد ابو محمد فرغانی کہتے ہیں، کہ امام طبری کے شاگردوں نے آپ کے سن بلوغ سے لے کر وفات تک کی تصانیف کا اندازہ کیا، تو ثابت ہوا کہ آپ ساری عمر فی یوم چودہ ورق لکھتے تھے۔ (تذکرۃ الحفاظ ج۲ص ۲۵۳)

ذرا غور کریں! علامہ ابن جریر طبری کی ولادت ۲۲۴ھ اور وفات ۳۱۰ھ میں ہوئی۔ اس طرح آپ نے کل تقریباً ۸۶؍سال عمر پائی، جس میں سے سولہ سال کو ایام بلوغت سے خارج کرکے ۷۰؍سال کی عمر کے ایام کی تعداد ۲۴۸۵۰؍ہوتی ہے، لہٰذا ان ایام میں لکھے ہوئے اوراق کی تعداد ۳۴۷۹۰۰؍اور صفحات کی تعداد ۶۹۵۸۰۰؍ہوگی۔

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

یوں ہی علامہ ابن جوزی نے اس قدر احادیث اور دیگر موضوعات پر کتابیں اپنے ہاتھ سے قلمبند کیں کہ بوقت وصال وصیت فرمائی، کہ ان کے غسل کا پانی اس کترن اور برادے سے گرم کیا جائے، جو حدیث کے لکھنے کے لیے قلم بنانے میں جمع ہو گیا تھا، چنانچہ وفات کے بعد ان کے قلم کے کترن سے پانی گرم کیا گیا، وہ اتنا تھا، کہ پانی بھی گرم ہو گیا اور برادہ بچ رہا۔ (ابن خلکان ص ۳۹۵)

قاضی عیاض کے متعلق علامہ ذہبی لکھتے ہیں ''صنف التصانیف اللتی سارت بھا الرکبان'' قاضی عیاض نے اتنی کتابیں لکھیں، جو دو سواریاں اٹھاتی تھیں۔ (تذکرۃ الحفاظ ج۴ ص ۹۶)

موجودہ دور جسے قحط الرجال کا زمانہ کہا جاتا ہے، اس وقت تحریر و قلم سے غفلت عام ہے، مگر پھر بھی حاملین قلم ناپید نہیں ہیں، بلکہ کچھ ایسی استثنائی شخصیتیں آج بھی پائی جاتی ہیں، جن کی بدولت شمع تحریر و قلم روشن و تاباں ہے، انھیں میں شہر یار تحریر و قلم نازش علم و فن مفکر اسلام حضرت علامہ ڈاکٹر محمد عاصم اعظمی صاحب قبلہ اعظمی دامت برکاتہم العالیہ کی ممتاز ذات اور امتیازی شخصیت ہے، جو اصحاب قلم اسلاف کرام کی دیرینہ وراثت کے امین ہیں، آپ کی تحریریں کمیت و کیفیت کے اعتبار سے عصر حاضر کے مصنفین کی صف میں آپ کو نمایاں مقام عطا کرتی ہیں، آپ کی مطبوعہ و غیر مطبوعہ تصانیف (جن کی تعداد ۲۵ ہے) اور دستیاب مضامین تقریباً نو ہزار صفحات پر مشتمل ہیں اور ایک اندازہ کے مطابق آپ کے نایاب مضامین ہزار صفحات کو محیط ہوں گے، اس طرح یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے، کہ آپ کے سیال قلم نے تقریباً دس ہزار صفحات پر علم و حکمت کی روشنی بکھیری ہے۔

''نگارشات'' آپ کی کوئی مستقل تصنیف نہیں، بلکہ دینی، علمی، ادبی، فکری، تاریخی، سماجی اور سوانحی مضامین و مقالات کا مجموعہ ہے، جو لفظوں کے حسین پیراہن میں معنویت کا دلآویز گلدستہ ہے، یہ مجموعہ آپ کے کل مضامین کا احاطہ نہیں کرتا، بلکہ بہت سے ایسے مضامین ہیں، جو اس گلدستہ مضامین میں شامل نہ کیے جا سکے، جب کہ وہ مختلف رسائل و جرائد میں شائع ہوئے، مگر حضرت قبلہ نے ان کی کوئی کاپی محفوظ نہ رکھی اور وہ رسائل جن میں ان کی اشاعت ہوئی حضرت تک نہ پہنچ سکے اور میری ان تک رسائی نہ ہو سکی، کاش وہ بھی محفوظ ہوتے، تو اس شاندار مجموعہ ''نگارشات'' کی شان دوبالا سے سہ بالا ہو جاتی۔ نیز بہت سے مضامین آپ کی مطبوعہ کتابوں میں شائع ہو چکے ہیں، اس لیے ان کو ''نگارشات'' میں شامل نہیں کیا گیا ہے۔

''نگارشات'' کا ہر مضمون بجائے خود عمدہ، ٹھوس اور مدلل و مبرہن ہے، انداز بیان بہت شستہ، دل آویز سلیس عام فہم ہے، زبان کی شستگی و روانی، سنجیدگی و دلنشینی اور دلائل سے آراستگی آپ کے قلم کا خاصہ

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ہے،اسلوب نگارش کی چاشنی اورطرز خطاب کی شیرینی قارئین کی دلچسپی میں اضافہ کا باعث ہے۔

حضرت علامہ ڈاکٹر محمد عاصم صاحب قبلہ اعظمی مدظلہ العالی ایک صائب الرائے عالم دین، بلند پایہ فاضل ومحقق، صاحب طرز ادیب، پختہ کار مدرس، نکتہ آفریں خطیب اور دین کے بے لوث خادم ہیں، اخلاق واوصاف میں سنجیدہ ومتین، کم سخن، مگر جب بولتے ہیں تو دلچسپ اور معلومات افزا، شگفتہ مزاج، مطالعہ کے شوقین اور مرنجاں مرنج شرست کے مالک ہیں، ہم نے آپ کا قدرے تفصیلی تعارف بھی پیش کر دیا ہے، جو آپ کی حیات کے اہم گوشوں اور دینی وملی خدمات کو آشکار کرتا ہے۔

دعا ہے، کہ مولا تعالیٰ حضرت کا سایہ تادیر جماعت اہلسنت پر قائم رکھے اور ہمیں مزید حضرت سے کسب فیض کا موقع ملے ''نگارشات'' مقبول انام ہو اور اس کے فوائد تام ہوں، آمین۔

احسان مند ہوں، حضرت الاستاذ علامہ ڈاکٹر محمد عاصم صاحب قبلہ اعظمی مدظلہ العالی کا کہ حضرت قبلہ نے میری ادنی گزارش پر مضامین عطا کیے اور نظر ثانی بھی فرمائی، یوں بھی حضرت ہر موقع پر میری رہنمائی فرماتے ہیں اور آپ کی حوصلہ افزائی مجھے آگے بڑھنے کی قوت بخشتی ہے۔

شکر گزار ہوں برادر گرامی مفتی محمد عثمان شمسی اور رفیق گرامی مولانا محمد احسان شمسی کا جنھوں نے نظر ثانی میں حضرت قبلہ کا ہی کا تعاون کیا اور عرق ریزی کے ساتھ پروف ریڈنگ کی، اللہ تعالیٰ ان کے علم وعمل اور عمر میں برکت عطا فرمائے، آمین۔

بے حد ناسپاسی ہوگی، اگر شکر نہ ادا کروں محبّ گرامی مولانا محمد کمال شمسی مالک کمال بکڈپو گھوسی کا جنھوں نے مجھے اس کام کی طرف متوجہ کیا اور اپنا تعاون دیا۔

ہیچ مداں

نعیم الاسلام قادری

کریم الدین پور بگہی، گھوسی ضلع مئو، یوپی

۲۵؍رمضان المبارک ۱۴۳۰ھ/ ۱۶؍ستمبر ۲۰۰۹ء بروز بدھ

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

حضرت علامہ ڈاکٹر محمد عاصم اعظمی صاحب قبلہ

احوال اور کارنامے

مشرقی یوپی کے قصبہ گھوسی کو شہر علم و حکمت اور طیبۃ العلما ہونے کا شرف حاصل ہے، اس سرزمین نے علم و دانش کے متعدد ایسے چراغوں کو روشن کیا، جن کی شعاعوں سے اقصائے عالم ضیابار ہوئے، روئے زمین کا یہ خطہ فکر و آگہی کی ایسی کوہ پیکر ہستیوں کے وجود سے بوجھل ہوا، جن کے رشحات علم و قلم سے اہل سنت کا ہر طبقہ فیض یاب و شادکام ہوا اور جن کی آغوش سے نکلے ہوئے بہت سے علمی آبشاروں نے مختلف بلاد و امصار سے گزر کر بحر و بر کی سرحدوں کو عبور کیا، یہاں کی خاک نے ایسے افراد کو جنم دیا، جو بذات خود علم کی ایک لائبریری اور فکر و فن کا ایسے پاور ہاؤس تھے، جہاں سے علم و ادب کی روشنی سپلائی ہوئی۔

علامہ غلام نقشبند گھوسوی ثم لکھنوی، حضور صدر الشریعہ بدر الطریقہ علامہ مفتی حکیم امجد علی اعظمی مصنف بہار شریعت، خیر الاذکیا علامہ غلام یزدانی اعظمی، شیخ العلما علامہ غلام جیلانی اعظمی، شارح بخاری فقیہ اعظم ہند مفتی محمد شریف الحق امجدی، سید المحدثین والمفسرین علامہ عبد المصطفیٰ ازہری، فخر المحدثین علامہ عبد المصطفیٰ اعظمی، محدث کبیر علامہ ضیاء المصطفیٰ قادری کی وہ شخصیتیں ہیں، جو افق گھوسی پر علم و ادب کا آفتاب عالم تاب بن کر چمکیں اور درس و تدریس، تقریر و تحریر کے ذریعہ پوری دنیا کے طالبان علوم کے افکار و نظریات کو منور و درخشاں کیا، یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے، اور انشاء اللہ کل بھی جاری رہے گا، اسی سلسلۃ الذہب کی ایک سنہری کڑی نازش علم و فن شہریار تحریر و قلم مفکر اسلام حضرت علامہ ڈاکٹر محمد عاصم صاحب قبلہ اعظمی مدظلہ العالی کی ذات گرامی وقار ہے۔

ولادت:۔ علامہ ڈاکٹر محمد عاصم صاحب قبلہ اعظمی گہوارہ علم و ادب گھوسی مئو یوپی کے مردم خیز خطہ محلّہ کریم الدین پور میں ۲۹ر محرم الحرام ۱۳۶۸ھ بروز جمعرات جلوہ آرائے گیتی ہوئے۔

خاندان:۔ دوہری گھاٹ سے مدھوبن جانے والی سڑک کے جنوبی کنارے پر ایک قدیم بستی قرولی باسی ہے، جو دوہری گھاٹ سے تقریباً پانچ کلومیٹر جانب مشرق واقع ہے، آپ کا خاندان صدیوں پہلے یہیں

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

آباد تھا، برادران وطن کے ساتھ کسی مسئلہ میں تنازع کی وجہ سے آبادی کے دوسرے مسلمان خانوادوں کے ساتھ ترک وطن کر کے محلّہ کریم الدین پور گھوسی میں آباد ہو گیا، آپ کے اجداد سیدھے سادے راسخ العقیدہ سنی مسلمان تھے، پارچہ بافی کی صنعت سے معاشی ضروریات پوری کرتے تھے، پردادا جناب محمد عباس مرحوم فن سپہ گری اور شمشیر زنی میں ماہر تھے، انھوں نے ۱۸۹۳ء میں آبادی پر حملہ آور بلوائیوں کا بڑی جاں بازی کے ساتھ مقابلہ کیا تھا اور ان کے ہیرو کو مار کر ان کو راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور کر دیا تھا، دادا جان محمد عمر مرحوم کم خواندہ مگر متدین اور سچے پکے مسلمان تھے، حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ ان کو احتراماً ''گرو جی'' کہہ کر پکارتے تھے، ان کے چھ صاحبزادگان اور ایک صاحبزادی تھیں۔

والد گرامی:۔ حضرت ڈاکٹر محمد عاصم صاحب قبلہ اعظمی کے والد محترم حضرت مولانا محمد سالم صاحب قبلہ امجدی علیہ الرحمہ متدین عالم دین تھے، انھوں نے ابتدائی تعلیم گھوسی میں پائی، پھر جامعہ اشرفیہ مبارکپور میں داخل ہو کر متوسطات تک تعلیم حاصل کی، بعدہ مزید تعلیم کے لیے مرکزی دار العلوم مظہر اسلام بریلی شریف میں داخلہ لیا اور وہیں سے ۱۳۶۴ھ میں سند فراغت حاصل کی، آپ حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کے مرید خاص اور منظور نظر تھے، حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے آپ کو خدمت دین کے لیے پالی مارواڑ راجستھان بھیجا، جہاں آپ نے ۱۹۴۶ء تا ۱۹۸۸ء مدرسہ امجدیہ مسجد چھیپان میں تقریباً ۴۲؍سالوں تک ناقابل فراموش دینی و علمی کارنامے انجام دیے، اہلیان پالی ان کے بار احسان سے سبکدوش نہیں ہو سکتے، ۱۹۸۸ء کے بعد خرابی صحت کی وجہ سے مستقل طور پر وطن مالوف گھوسی ہی میں قیام پذیر رہے اور یہیں ۱۵؍صفر ۱۴۲۴ھ/ ۱۸؍اپریل ۲۰۰۳ء کو داعی اجل کو لبیک کہا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

والدہ محترمہ:۔ حضرت علامہ ڈاکٹر محمد عاصم صاحب قبلہ اعظمی کی والدہ محترمہ کبیر النساء صاحبہ بنت جناب عبد الاحد بن عبد الصمد ادری ہیں، اللہ تعالیٰ موصوفہ مرحومہ کی مغفرت فرما کر جوار رحمت میں عطا کرے۔ کہ والد صاحب کے پالی میں دینی خدمات میں مصروف رہنے کی وجہ سے تعلیم و تربیت کا سارا بار والدہ محترمہ کے دوش ناتواں نے برداشت کیا، علامہ موصوف اور ان کے برادران ماسٹر محمد قاسم صاحب اور ڈاکٹر محمد قائم اعظمی صاحب کی پرورش و پرداخت اور تعلیم و تربیت گھر کے دیگر کاموں کے ساتھ جس خوش اسلوبی اور احسن طریقے سے محترمہ نے فرمائی، وہ انھیں کا حصہ ہے، موصوفہ کا یہ کارنامہ قابل تعریف اور لائق تقلید ہے، یہ ان کے فیضان تربیت کا ہی کرشمہ ہے، کہ دنیا علامہ موصوف کو محقق و مورخ، ادیب و قلمکار اور ذی وقار عالم سے یاد کرتی اور ڈاکٹر محمد قائم صاحب اعظمی کو تجربہ کار طبیب اور ماہر صاحب قلم جانتی مانتی ہے۔

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

تحصیل علم:۔ ۱۹۵۳ء/۵۴ میں علامہ ڈاکٹر محمد عاصم صاحب اعظمی نے جب سن شعور میں قدم رکھا اور لکھنے پڑھنے کے قابل ہوئے، تو خاندانی روایات کے مطابق آپ کا داخلہ وطن کے قدیم اور مرکزی ادارہ دارالعلوم اہلسنت جامعہ شمس العلوم گھوسی میں کرادیا گیا، جہاں آپ نے قاعدہ بغدادی اور قرآن مجید ناظرہ خوانی کے ساتھ درجات پرائمری میں چہارم تک اردو، ہندی، ریاضی اور دینیات کی تعلیم حاصل کی، پھر فارسی وقواعد فارسی اور ابتدائی عربی کی تحصیل کی طرف متوجہ ہوئے، گلستاں، بوستاں، میزان ومنشعب، صرف میر، دروس الادب اور اخلاق محسنی کا درس وہاں کے مایہ ناز اساتذہ سے حاصل کیا۔

۱۹۶۳ء میں جماعت منشی میں داخل ہوئے، کورس کی کتابوں کے ساتھ ریاضی، الجبرا، تاریخ اور جغرافیہ بھی پڑھا، اسی دوران خارجی کتابوں کے مطالعے کا احساس ہوا اور خارجی اوقات میں غیر درسی کتابوں کے مطالعے کے عادی ہوگئے، منشی کے بعد کامل، مولوی اور عالم کی باقاعدہ تعلیم اسی ادارے میں ہوئی، چونکہ اس وقت جامعہ شمس العلوم کا معیار تعلیم بہت بلند نہ تھا، اسی لیے عالم پاس کرنے کے بعد تعلیمی سلسلہ کچھ رسمی سارہا اور باضابطہ دورہ حدیث نہ ہوسکا، پھر بھی آپ نے ذاتی ذوق وشوق جدوجہد، محنت و لگن اور مخلص ومہربان اساتذہ کی خصوصی توجہ وعنایت سے بخاری شریف، بیضاوی شریف اور ہدایہ اولین وغیرہ کے متعدد اسباق پڑھے اور تحصیل علوم وفنون سے اعلیٰ پوزیشن پر فارغ ہوکر ۱۹۶۹ء میں سند فضیلت سے سرفراز کیے گئے۔

اساتذہ:۔ آپ نے جن اساتذہ سے کسب علم وفضل کیا، ان کے اسما ملاحظہ ہوں۔

حضرت علامہ قمرالدین صاحب قمر اشرفی، حضرت مفتی وکیل احمد صاحب اعظمی علیہ الرحمہ، حضرت مولانا محمد رمضان صاحب علیہ الرحمہ، حضرت مولانا سمیع اللہ صاحب علیہ الرحمہ، حضرت مولانا عبدالسلام صاحب علیہ الرحمہ، حضرت مولانا شمس الدین صاحب علیہ الرحمہ، جناب مولوی محمد یوسف صاحب علیہ الرحمہ، جناب ماسٹر اعجاز احمد صاحب مرحوم، جناب حافظ قمرالحق صاحب مرحوم، جناب منشی شرف الدین صاحب، جناب ڈاکٹر محی الدین صاحب مرحوم۔

ڈگریوں کا مینا بازار:۔ درس نظامی کی اعلیٰ سند کے علاوہ جامعہ اردو علی گڑھ سے ادیب ماہر، ادیب کامل، معلم اردو اور عربی وفارسی بورڈ الہ آباد سے منشی، مولوی، عالم، کامل، فاضل دینیات، فاضل ادب اور فاضل طب کی اسناد حاصل کیں، اس کے باوجود آپ کی علمی تشنگی نہ بجھی اور تدریسی مصروفیات میں بھی بی۔ اے، ایم۔ اے کی ڈگریاں گورکھپور یونیورسٹی بی۔ ٹی۔ ایچ، ایم۔ ٹی۔ ایچ کی ڈگریاں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی اور پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری پٹنہ یونیورسٹی سے حاصل کی اور بقول حضور بحرالعلوم مفتی عبدالمنان صاحب

http://t.me/Tehqiqat

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

قبلہ اعظمی شیخ الحدیث وصدر شعبہ افتا جامعہ شمس العلوم گھوسی''اس طرح مولانا موصوف کی ذات علوم وفنون کا ایک سرسبز گلزار اور سندوں ڈگریوں کا مینا بازار ہے''۔(تفہیم الفرائض ص ۸)

درس وتدریس:۔ جنوری ۱۹۷۰ء میں حضرت علامہ ڈاکٹر محمد عاصم صاحب قبلہ اعظمی کا تقرر بحیثیت مدرس دارالعلوم اسحاقیہ جودھپور میں ہوگیا، چونکہ وطن سے دور رہنے کا یہ پہلا اتفاق تھا، اس لیے یہاں جی نہ لگا اور حضرت قبلہ ڈیڑھ مہینے بعد گھر آگئے، ارادہ یہ تھا، کہ خاندانی پیشہ سے وابستہ ہوکر زندگی گزاریں گے، چنانچہ عملی زندگی میں سرگرم بھی ہوگئے، مگر اسی دوران دارالعلوم فیض الاسلام جامع مسجد گھوسی کا قیام عمل میں آیا، جس کے بانی حضرت مولانا قاری محمد عثمان اعظمی علیہ الرحمہ کی خواہش پر جنوری ۱۹۷۱ء میں تدریسی خدمات انجام دینے لگے، لیکن بدستور خاندانی پیشے سے بھی جڑے رہے، صبح ساڑھے سات بجے سے گیارہ بجے تک تدریسی فرائض انجام دیتے اور باقی دن گھر کا کام کرتے، یہ سلسلہ ۱۴رجنوری ۱۹۷۱ء تک جاری رہا، ۱۵رجنوری ۱۹۷۲ء کو جامعہ شمس العلوم گھوسی میں بحیثیت صدرالمدرسین آپ کا تقرر ہوا، تقریباً چھ ماہ اس عہدہ کو سنبھالنے کے بعد نامساعد حالات کے سبب اس منصب جلیل سے استعفا دے دیا اور مدرس عالیہ کی مسند تدریس کو زینت بخشی، اس طرح تادم تحریر مسلسل ۴۲ر برسوں سے اسی جامعہ میں ایک کامیاب مدرس اور سینئر استاذ کی حیثیت سے تدریس میں مصروف ہیں، ۱۹۹۹ء میں جب جامعہ شمس العلوم کے پرنسپل علامہ قمرالدین صاحب قبلہ قمر اشرفی ریٹائرڈ ہوگئے، تو آپ نے عارضی طور پر اس عہدہ کو سنبھالا، لیکن جب مستقلاً اس منصب کی پیش کش ہوئی، تو تلخ تجربات اور دوربین نگاہ نے اس ذمہ داری کے عدم قبول کا فیصلہ کیا اور بدستور محض تدریسی ذمہ داریوں کو ترجیح دی۔ ۱۵محرم الحرام ۱۴۳۴ھ مطابق ۲۹رنومبر ۲۰۱۲ء کو جامعہ شمس العلوم کے شیخ الحدیث استاذ گرامی حضور بحرالعلوم مفتی عبدلمنان اعظمی علیہ الرحمہ کا وصال ہوا، تو جامعہ کے ارباب حل وعقد نے حضور بحرالعلوم کی جگہ آپ کو شیخ الحدیث منتخب کیا۔ جون ۲۰۱۴ء میں سرکاری ملازمت سے وظیفہ یاب ہوئے۔ ریٹائرمنٹ کے بعد بھی اسی ادارے میں بحیثیت شیخ الحدیث خدمت تدریس میں مصروف ہیں۔

آپ نے فقط بطور ملازم جامعہ شمس العلوم ہی میں تدریسی خدمات انجام نہیں دی، بلکہ دین کے خادم کی حیثیت سے اوقات مدرسہ کے علاوہ بھی تشنگان علوم کی علمی پیاس بجھائی، اپنے گھر کو مدرسہ اور دارالمصنفین بنایا، قوم کے نونہالوں کی علمی ترقی کے لیے عملی تدبیریں اختیار کرکے ان کو زیور علم و ہنر سے مزین وآراستہ کیا، دوران تصنیف بہتوں کو خدمت میں رکھ کر نہ صرف قلم پکڑنا بلکہ عمدہ سے عمدہ لکھنا سکھایا، مضمون نگاری کے آداب، مقالہ نویسی کے اصول وقوانین اور تحریر وقلم کے اسرار ورموز سے آگاہ کیا، دینی

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

علوم کی تحصیل کرنے والوں کے علاوہ بڑی بڑی یونیورسٹیوں میں عصری علوم وفنون کی تعلیم لینے والے طلبہ کی بھی خوب سے خوب تر رہنمائی فرمائی، حوصلہ بخشا، دعاؤں سے نوازا، شاہراہ فوز وفلاح پر گامزن کیا، یہی وجہ ہے، کہ حضرت قبلہ کے تلامذہ میں جہاں مقررین ومدرسین کی بڑی تعداد ہے، ڈاکٹروں اور قلمکاروں کی لمبی قطار بھی ہے، الحمدللہ کہ مجھے بھی زمانہ طالب علمی میں تقریباً ساڑھے تین سال خارج اوقات مدرسہ حضرت کے دولت کدہ پرخدمت میں رہ کر بیکراں علم وہنر سے استفادہ کا شرف حاصل ہے۔

تلامذہ :۔ ہزاروں شائقین علوم آپ کی بارگاہ میں سیراب ہوئے، آپ کے خرمن علم سے وقت کے مستند علما اور معتبر فضلا کی ایک جماعت نے خوشہ چینی کی، متعدد دانشوروں اور ادیبوں نے استفادہ کیا، حلقۂ تلامذہ کا معتدبہ حصہ ملک وبیرون ملک میں علمی ودینی، عصری وسماجی خدمات کی انجام دہی میں مصروف ہے، چند اہم تلامذہ کا نام درج ذیل ہے۔

(۱) مولانا عبدالرشید اعظمی صاحب مرحوم سابق نائب شیخ الحدیث جامعہ لطیفیہ سراج العلوم نہال گنج (۲) مولانا فروغ احمد اعظمی صاحب پرنسپل دارالعلوم علیمیہ جمداشاہی (۳) مولانا امتیاز احمد صاحب اعظمی پرنسپل جامعہ غازیہ سید العلوم بہرائچ شریف (۴) مولانا فیض الحق صاحب اعظمی پرنسپل دارالعلوم فیض العلوم محمد آباد گوہنہ (۵) مولانا فیضان المصطفیٰ قادری شیخ الحدیث جامعہ امجدیہ گھوسی (۶) مولانا اختر کمال صاحب استاذ جامعہ اشرفیہ مبارکپور (۷) مولانا ڈاکٹر شکیل احمد اعظمی صاحب پرنسپل مدرسہ حق الاسلام لال گنج بستی (۸) مولانا نعمان احمد صاحب ازہری پرنسپل جامعہ نظام الدین اولیا دہلی (۹) پروفیسر خواجہ اکرام صاحب جواہر لال نہرو یونیورسٹی دہلی (۱۰) مولانا وصی احمد صاحب شمسی نائب شیخ الادب جامعہ شمس العلوم گھوسی (۱۱) مولانا مقصود اختر صاحب اشرفی گھوسی (۱۲) مولانا جمال مصطفیٰ صاحب قادری پرنسپل جامعہ امجدیہ گھوسی (۱۳) مولانا علاء المصطفیٰ صاحب قادری ناظم اعلیٰ جامعہ امجدیہ گھوسی (۱۴) مولانا عرفان المصطفیٰ صاحب ازہری استاذ جامعہ امجدیہ گھوسی (۱۵) مولانا شہباز عالم صاحب پرنسپل دارالعلوم امیر العلوم کچھوچھہ (۱۶) مفتی محمد عثمان صاحب شمسی استاذ ومفتی دارالعلوم مجاہد ملت دھام نگر اڑیسہ (۱۷) مفتی محبوب عالم صاحب شیخ الحدیث الجامعۃ الصابرہ گوپی گنج (۱۸) مولانا اسلم مینائی کلکتہ (۱۹) مولانا قاسم ضیا شیخ الادب دارالعلوم حبیبیہ گوپی گنج (۲۰) مولانا اخلاق احمد صاحب استاذ دارالعلوم فاروقیہ بنارس (۲۱) مولانا خورشید عالم صاحب شیخ الادب جامعہ عربیہ مدینۃ العلم بھدوہی (۲۲) مولانا نعیم الحق ازہری جامعہ ازہر مصر (۲۳) مولانا رجب القادری پرنسپل جامعہ رضویہ چھپرہ بہار (۲۴) مفتی منظر رضا صاحب پرنسپل دارالعلوم گلشن مدینہ جوگیشوری بمبئی (۲۵) مولانا اشتیاق احمد صاحب

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

مصباحی استاذ دارالعلوم ضیاء العلوم گونٹھا (۲۶) مولانا نذیر احمد صاحب منانی استاذ دارالعلوم ضیاء العلوم خیرآباد (۲۷) مولانا محمد ہارون صاحب پرنسپل ضیاء العلوم گونٹھا (۲۸) مولانا کمال اختر اشرفی (۲۹) مولانا امیرالدین شمسی (۳۰) مولانا امیر اعظم شمسی (۳۱) ڈاکٹر ملیح اصغر گھوسی (۳۲) ڈاکٹر قائم اعظمی مہراجگنج (۳۳) ڈاکٹر امتیاز احمد گھوسی (۳۴) ڈاکٹر انجم گھوسی (۳۵) ڈاکٹر کمال اصغر گھوسی (۳۶) ڈاکٹر کلیم احسن گھوسی (۳۷) ڈاکٹر زاہد مہراجگنج (۳۸) ڈاکٹر جاوید احمد گھوسی (۳۹) ڈاکٹر محمد وزیر علی گڑھ (۴۰) ڈاکٹر ندیم اشرف وغیرہم۔

انداز تدریس:۔ آپ کا انداز تدریس نرالا اور موثر ہوا کرتا ہے، کوئی طالب علم عبارت خوانی کرتا ہے پھر آپ عبارت کا سلیس بامحاورہ اور فصیح ترجمہ کرتے ہیں بعدہ سنجیدہ لب ولہجہ میں ایسی تشریح فرماتے ہیں کہ مصنف کا مقصود ومطلوب بالکل آشکار ہو جاتا ہے، مغلق مقامات کی توضیح اتنے سہل طریقہ پر فرماتے ہیں کہ ادنیٰ فہم رکھنے والا طالب علم بھی تھوڑی توجہ کے بعد عبارت کی تفہیم پر قادر ہو جاتا ہے، اثنائے تدریس ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مصنف کی عبارت کے مفاہیم حضرت کی تقریر میں ڈھلتے چلے جا رہے ہیں، میرا احساس ہے کہ آپ طلبہ کی نفسیات سے آشنا اور مختلف درجے کی استعداد کے لڑکوں کی تدریس کے گر سے واقف ہیں، بلاشبہ آپ جس فن کی تعلیم دیتے ہیں اس فن کی معرفت کی صحیح استعداد طلبہ میں پیدا فرمادیتے ہیں۔

درس نظامیہ کے جملہ علوم وفنون کی کتابیں حسب موقع پڑھاتے ہیں لیکن حدیث ومیراث آپ کے خاص فن ہیں بالخصوص میراث میں یدطولیٰ رکھتے ہیں، اس کی تدریس میں آپ کا جواب نہیں، بلیک بورڈ کے سہارے مسائل میراث کو مثالوں کے ذریعہ خوب واضح فرمادیتے ہیں اس طرح طلبہ بآسانی قوانین میراث اور استخراج مسائل کے اصول کو ضبط کر لیتے ہیں، حدیث کی توضیح وتشریح بھی حسن تفہیم کے ذریعہ خوب فرماتے ہیں، مسائل متخرجہ کے بیان کے ساتھ اختلاف ائمہ پر بھی بھرپور روشنی ڈالتے اور مذہب احناف کی قوت وصحت کو دلائل وبراہین سے ثابت فرماتے ہیں، فقہ وتفسیر پر بھی گہری نظر ہے اور ان کی تدریس کا انوکھا اسلوب آپ کے یہاں پایا جاتا ہے، غرض وہ کون سا فن ہے جس کی تعلیم وتدریس میں مہارت نہ رکھتے ہوں۔

مادر علمی سے قلبی لگاؤ:۔ حضرت علامہ ڈاکٹر محمد عاصم صاحب قبلہ اعظمی نے از ابتدا تا انتہا جامعہ شمس العلوم میں تعلیم پائی اور فراغت کے بعد مسلسل ۳۷؍سالوں سے اس کے شعبۂ تدریس سے وابستہ ہیں اور یہ وابستگی حد جنوں تک پہنچی ہوئی ہے، چنانچہ تحصیل وتدریس علم کے فرض وقرض نے ہمیشہ آپ کو حساس

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

رکھا،اورآپ اس بار سے سبکدوشی کے لیے ہمہ وقت کوشاں رہے،مادر علمی سے جدا ہونا کبھی گوارا نہیں کیا۔

۱۹۷۲ء میں جب شمس العلوم گھوسی کی نشأۃ ثانیہ ہوئی، مجلس عاملہ کے ایک رکن کی حیثیت سے آپ کا انتخاب عمل میں آیا اور اپنے گہوارۂ علم وادب کی تعمیری ترقی اور تعلیمی سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے کا موقع ہاتھ لگا، جسے آپ نے بسروچشم قبول کیا اور جامعہ کی فلاح و بہبود اس کے نظم ونسق اور معیار تعلیم و تدریس کو موثر و بہتر بنانے میں بتمام جدو جہد مصروف اور سرگرداں ہوگئے۔

طلبا کی تعلیم وتدریس کے ساتھ دیگر امور بھی پوری تندہی کے ساتھ انجام دیتے ہیں اور مادر علمی کے لیے ہر ممکن جہت سے کوشش کرتے ہیں، جامعہ شمس العلوم میں جامعہ اردو علی گڑھ کے امتحانات کے سینٹر کی منظوری آپ ہی کی سعی جمیل کا نتیجہ ہے، آپ صرف جامعہ کے اوقات درس ہی کے پابند نہ رہے بلکہ خارجی اوقات میں بھی طلبا کو سنوارنے اور سدھارنے کا کام کیا، جامعہ شمس العلوم میں مدرسہ کی درسی لائبریری کے علاوہ غیر درسی لائبریری ’’کہکشاں لائبریری‘‘ آپ ہی کی قائم کردہ ہے، اور اس کا مکمل انتظام وانصرام بھی آپ فرماتے ہیں، جس سے طلبا و مدرسین کے علاوہ عوام بھی مستفید ہوتے ہیں۔

دارالعلوم اہلسنت جامعہ شمس العلوم سے متعلق جامعۃ البنات کے قیام میں بھی آپ کا بہت اہم رول رہا ہے، یہ آپ کی مادر علمی سے سچی محبت اور قلبی لگاؤ ہی کا ثمرہ تھا کہ آپ نے اس کے لیے اس طور پر راہ ہموار کی کہ ایسے ماحول میں جہاں بچیوں کی اعلیٰ تعلیم سے گریز کیا جاتا تھا، لوگوں سے مل مل کر اعلیٰ نسواں تعلیم کی اہمیت بیان کی اور مفت میں بچیوں کو کوچنگ کرایا، جس سے خوابیدہ ماحول بیدار ہوا، پھر لڑکیوں کی تعلیم کا ایک سلسلہ شروع ہوگیا، آپ نے چند ایسی لڑکیوں کو تیار کیا جو تدریسی فرائض انجام دے سکیں، چنانچہ جب جامعۃ البنات شمس العلوم میں تعلیمی افتتاح ہوا، تو آپ ہی کے پاس کوچنگ کرنے والی بچیوں کو تدریس کے لیے منتخب کیا گیا، جنھوں نے آپ کی ہدایت ورہنمائی میں عمدہ کارکردگی دکھائی اور تعلیم نسواں عام سے عام تر ہوگئی۔

کہکشاں لائبریری:۔ مدارس میں عام طور پر جو کتب خانے ہوتے ہیں، ان میں نصابی کتابیں ہی مہیا کی جاتی ہیں، خارجی کتابوں کی فراہمی پر توجہ نہیں دی جاتی، جبکہ طلبا میں مطالعے کے شوق اور ہر موضوع سے متعلق معلومات کے لیے ایک ایسا دارالمطالعہ ضروری ہے جس میں ہر قسم کی کتابیں اور رسائل دستیاب ہوں، اسی احساس کے ساتھ حضرت علامہ ڈاکٹر محمد عاصم صاحب اعظمی نے ۱۹۷۳ء میں جامعہ شمس العلوم کے اساتذہ اور طلبا کے تعاون سے ’’کہکشاں لائبریری‘‘ کی بنیاد رکھی، ابتدا میں آپ نے جامعہ اردو علی گڑھ کے نصاب کی کتابیں اور چند دوسری اپنی ذاتی کتابیں اس لائبریری کو وقف کیں، پھر آپ کے مخیّر

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

احباب نے وقتاً فوقتاً کتابوں کے کچھ عطیے دیے، اس لائبریری کے لیے آپ نے اجتماعی چندہ کبھی بھی نہیں کیا، اساتذہ وطلبا کی ممبری فیس، ادارے کے مالی تعاون اور گاہے بگاہے یوپی اردو اکیڈمی کی امداد نیز امتحانات جامعہ اردو میں شریک ہونے والے طلبا کی ممبری فیس اور عطیات سے اس لائبریری کو آگے بڑھاتے رہے۔

قطرہ قطرہ دریا ہوتا ہے، کی مثال اس لائبریری پر صادق آتی ہے، آمدنی کی قلت کے باوجود آج زبان وادب، تاریخ، سیاسیات، طب، سائنس، سیرت و سوانح، تصوف واخلاق، معاشیات و اقتصادیات، فقہ وعقائد، حدیث وتفسیر اور دوسرے موضوعات پر ہزاروں کتب ورسائل کا بیش قیمت ذخیرہ آپ نے اس لائبریری کے لیے مہیا کردیا ہے، بے سروسامانی کے عالم میں اتنا وقیع سرمایہ یقیناً حیرت انگیز ہے مگر یہ اللہ کے فضل کا کرشمہ اور آپ کے جذبۂ ایثار اور پرخلوص کوششوں کا نتیجہ ہے۔

<u>ذاتی لائبریری ''بیت الحکمت'':۔</u> کتابوں کی خریداوران کی حفاظت کا شوق بچپن سے رکھتے ہیں، آپ کو تہوار پر جو پیسے ملتے، انھیں بے مقصد چیزوں میں ضائع کرنے کی بجائے ان سے درسی وغیر درسی کتابیں خریدتے تھے، جب ملازمت کے دوران خود کی ایک مستقل آمدنی ہوگئی، تو تنخواہ کا ایک حصہ کتابوں کی خریداری کے لیے مخصوص کرلیا، آج بھی یہ ذوق بدستور باقی ہے، جو اچھی کتاب سامنے آتی ہے، جیب اجازت دے یا نہ دے ان کو خریدنا آپ کا امتیازی وصف ہے، کتابوں کو مستعار لے کر پڑھنے سے بہتر خریدنا سمجھتے ہیں، چنانچہ ادیب اور منشی بلکہ ابتدائی سے لے کر پی، ایچ، ڈی تک نصاب کی کتابیں آپ نے خود خریدیں اور آپ کی کتابوں سے دوسرے لوگ مستفید ہوئے، یہ خصوصیت دیگر اسکالروں کے یہاں کمیاب ہے۔

مختلف علوم وفنون پر مشتمل ہزاروں کتابوں کی خرید کے ساتھ بعض ایسے نادر ونایاب قلمی نسخے بھی آپ نے زیروکس کرائے ہیں جن کے دیدار کے لیے آنکھیں ترستی ہیں، بہت سی کتابیں جن کی اشاعت موقوف ہے ان کی فوٹو کاپی کرا کر جمع کرنا آپ کی عادت سی بن گئی ہے، آپ نے اپنے ذاتی کتب خانہ میں جمع فرمودہ اس دینی وعلمی ذخیرہ کو ''بیت الحکمت'' کے نام سے موسوم کیا ہے، بیت الحکمت میں موجود کتابوں کی تعداد دس ہزار سے متجاوز ہے، ہزاروں علمی وادبی، دینی ومذہبی رسائل وجرائد بھی نگاہوں کو خیرہ کرتے ہیں، اس خزینہ حکمت سے آپ اپنے تصنیفی کاموں میں مدد لیتے ہیں اور دوسرے اسکالروں کو بھی مستفید کرتے ہیں۔

<u>مضمون نگاری اور تصنیف وتالیف:۔</u> حضرت علامہ ڈاکٹر محمد عاصم صاحب قبلہ اعظمی نے جس

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ادارے میں تعلیم پائی تھی، وہاں نصابی کتابوں کے علاوہ غیر درسی کتب ورسائل اوراخبارات پڑھنے کا شوق بیشتر طلبا میں عام تھا، حضرت موصوف قبلہ بھی خارجی مطالعے میں دلچسپی لیتے رہے، آپ کے استاذ حضرت علامہ قمرالدین صاحب قبلہ قمر اشرفی کبھی کبھی آپ کی جماعت کے لیے کوئی عنوان منتخب فرماتے اور مضمون لکھنے کا حکم دیتے، جس کی بنا پر مضمون نگاری کا شوق بیدار ہوا اور آپ مضمون لکھنے لگے۔

دوران طالب علمی ۱۹۶۸ء میں آپ کا پہلا مضمون ماہنامہ جام نور کلکتہ میں ''روحانیت کی فتح مبین'' کے عنوان سے شائع ہوا، مضمون کی اشاعت سے حوصلوں کو قوت ملی اور مضامین لکھنے میں دلچسپی بڑھی، ۱۹۷۱ء سے ماہنامہ اعلیٰ حضرت بریلی شریف میں آپ کے مضامین مستقل شائع ہونے لگے، پھر احباب، اہل قلم اور رسالوں کے مدیروں کی فرمائشوں کا ایک تسلسل پیدا ہوگیا اور مضمون نگاری کا یہ سلسلہ سرعت کے ساتھ آگے بڑھتا رہا اور آپ کے مضامین ماہنامہ اعلیٰ حضرت بریلی شریف، ماہنامہ فیض الرسول براؤں شریف، ماہنامہ جام نور کلکتہ، ماہنامہ استقامت کانپور، ماہنامہ پاسبان الہ آباد، ماہنامہ المیزان بھیونڈی، ماہنامہ اشرفیہ مبارکپور، ماہنامہ قاری دہلی، ماہنامہ مظہرحق بدایوں، سہ ماہی امجدیہ گھوسی، سہ ماہی امام احمد رضا میگزین بستی، ماہنامہ پیام حرم جمداشاہی اور مختلف اردو اخبارات میں شائع ہوتے رہے، آج بھی یہ سلسلہ جاری ہے، اب تک تقریباً سیکڑوں مضامین آپ کی نوک قلم سے صادر ہوچکے ہیں، مگر افسوس آپ نے ان تمام مضامین کی حفاظت نہ کی اور نہ ہی آج ان تمام رسائل تک ہماری دسترس ہے، جن میں آپ کے مضامین شائع ہوئے، اس کثرت کے ساتھ مضمون نگاری سے ایسی مشاقی پیدا ہوئی، کہ آپ کی تحریری لیاقت ذروۂ کمال کو پہنچ گئی اور نوبت بایں جارسید کہ بقول مولانا عبدالحکیم صاحب نوری:

''جس رسالہ میں آپ کا مضمون شائع ہوجاتا ہے، اس کی عزت ووقار میں چار چاند لگ جاتے ہیں''۔ (ماہنامہ قاری دہلی نومبر ۱۹۹۱ء)

۱۹۶۸ء سے ۱۹۸۲ء تک آپ محض مضمون نگاری پر اکتفا کرتے رہے، کسی مستقل تصنیف پر ہاتھ نہیں لگایا، ۱۹۸۲ء میں پہلی بار باقاعدہ کتاب کی تالیف کے لیے قلم اٹھایا اور تاریخ داؤدی کا اردو ترجمہ کیا، ۱۹۸۳ء میں پٹنہ یونیورسٹی سے پی۔ ایچ۔ ڈی کے لیے ''حدیث نبوی کے اردو تراجم وتشریحات'' کے موضوع پر کام کا آغاز کیا اور ۱۹۸۵ء میں یہ پہلا تصنیفی کارنامہ پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری حاصل کرنے کے لیے انجام پذیر ہوا، پھر بزرگوں اور دوستوں کی فرمائشوں کی تکمیل اور اپنے ذاتی ذوق کی تسکین کے لیے کتابوں کی تصنیف وتالیف اور ترجمے میں مشغول اور سرگرم عمل ہوگئے اور مسلسل کتابیں لکھنے لگے، اب تو

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

مشاقی اور تجربہ کاری کا یہ عالم ہوگیا ہے، کہ جب آپ کا کہنہ مشق قلم چلتا ہے تو چلتا ہی رہتا ہے لکھتا ہے تو لکھتا ہی رہتا ہے، یہاں تک کہ اہل علم کہنے پر مجبور ہوجاتے ہیں، کہ لکھنے کا حق ادا کردیا، قارئین بے باک اعتراف کرتے ہیں، کہ ''اللہ تعالیٰ نے تحریر ونگارش کا لاجواب ملکہ اور خصوصی سلیقہ عطا فرمایا ہے'' جس موضوع پر قلم اٹھایا، کما حقہ تفتیش کی، تلاش وجستجو کے بعد جو کچھ لکھا، خوب لکھا، پوری تحقیق کے ساتھ لکھا، آپ کے سیال قلم نے جس وادی کا رخ کیا، اسے سیراب کردیا، جس میدان کی طرف آپ کا رہوار قلم چلا، اسے اشہب فکر ونظر کی مدد سے پامال کرتا گیا۔

کتب بینی اور مطالعہ کی کثرت کے سبب آپ ضعف بصر کے شکار ہوگئے، مگر اس کے باوجود بھی اپنی وسعت معلومات، گیرائی فکر ونظر اور غیر معمولی بصیرت کی بدولت اب تک پچیسوں کتابیں ضبط قلم کرچکے ہیں، جن میں سے چودہ کتابیں زیور طبع سے آراستہ ہوکر خواص وعوام سے داد تحسین حاصل کررہی ہیں، آپ کی مطبوعہ وغیر مطبوعہ تصانیف کی فہرست یہ ہے۔

<u>مطبوع:۔</u> (۱) حدیث نبوی چند مباحث ومسائل (۲) حدیث نبوی کے اردو تراجم (۳) داستان حرم (۴) خواجہ غریب نواز (۵) محبوب الٰہی (۶) تذکرہ خلفائے راشدین (۷) تفہیم الفرائض (۸) تذکرہ مشائخ عظام (۹) مشاہیر حدیث (۱۰) تاریخ داؤدی (۱۱) تذکرہ مولانا علیم اللہ شاہ (۱۲) محدثین عظام (۱۳) ترجمہ مونس الارواح (۱۴) داستان کربلا (۱۵) مفتی مجیب الاسلام۔ احوال وافکار (۱۶) ترجمہ مرآۃ مداری (۱۷) ترجمہ منتخب اللغات (۱۸) ترجمہ فتوحات فیروز شاہی

<u>زیر طبع:۔</u> (۱۹) ائمہ اربعہ (۲۰) ترجمہ تذکرہ شورش (۲۱) ترجمہ مناقب رزاقیہ (۲۲) نگارشات

<u>زیر ترتیب:۔</u> (۲۳) ترجمہ بحر زخار (۲۴) مولانا سید سلیمان اشرف بہاری

<u>غیر مطبوع:۔</u> (۲۵) خلاصۃ القواعد (۲۶) تذکرہ دانشوران گھوسی (۲۷) فارسی ادب کی تاریخ (۲۸) تذکرہ شعرائے گھوسی

<u>طرز نگارش:۔</u> آپ کا طرز نگارش نہایت عمدہ، سلیقہ مند اور ادبی چاشنی سے بھرپور ہوتا ہے، اسلوب تحریر عام فہم، آسان، دل نشیں، اثر آفریں، سلیس اور شستہ ہوتا ہے، آپ کی تحریریں نو آموز ادیب وقلم کار کے لیے قابل تقلید نمونہ اور افاضل واماثل کے معیار کے مطابق ہیں، خواص ان سے مستفید اور عوام مستفیض ہوتے ہیں، حضور بحر العلوم مفتی عبد المنان اعظمی صاحب قبلہ لکھتے ہیں۔

''تحریر میں قلم آپ کا رواں دواں اور طرز تحریر دلکش وجاذب ہے، موضوع اور طرفگی زیب عنوان ہے''۔ (تفہیم الفرائض ص ۹)

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

حضور بحرالعلوم مشاہیر حدیث کی تقدیم میں لکھتے ہیں،''آپ کی تحریریں ژولیدہ بیانی سے پاک ہوتی ہیں، زبان و بیان کی چاشنی اور بھرپور لذت تاثیر رکھتی ہیں، جن میں حقائق کا سیدھا سادا اظہار ہوتا ہے، جس کی بناپر خواص وعوام یکساں طور پر اس سے مستفید ہوتے ہیں''۔(مشاہیر حدیث ص۹)

ڈاکٹر محمد عاصم اعظمی نے عام ذوق کے خلاف ایک الگ روش تحریر اختیار کی ہے، آپ کا اشہب قلم شرعیات و دینیات، اسلام کی متفقہ شخصیات، سیر وتذکار، تاریخ و ادب، مسلمہ مسائل، تصوف اور اخلاقیات کا چکر لگاتا ہے۔

ایک اہم خصوصیت:۔ آپ کی ایک اہم خصوصیت ہے، جس نے مصنفین کی صف میں انھیں نمایاں مقام عطا کیا ہے، وہ یہ کہ آپ ایسے موضوعات کا انتخاب فرماتے ہیں، جن پر جماعت کے کسی اور فرد نے قابل ذکر کام نہ کیا ہو، آپ کی تصانیف کا مطالعہ کرنے والے یہ احساس کیے بغیر نہیں رہتے، کہ پیش نظر کتاب کی اشد ضرورت تھی۔

حضور شارح بخاری مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ آپ کی پہلی قلمی کاوش''حدیث نبوی چند مباحث ومسائل'' کی تقریظ میں اس حقیقت کا اعتراف یوں کرتے ہیں۔

''جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے، اس موضوع پر ہنوز کوئی کتاب یا کوئی رسالہ نہیں لکھا گیا، یہ موضوع بالکل جدید ہے لیکن بہت اہم ہے، نوآموز انشاپرداز کے لیے کسی بھی نئے موضوع پر کوئی تحقیقی مقالہ لکھنا کتنا مشکل ہے اسے وہی لوگ جانتے ہیں جو تصنیف وتالیف سے کچھ شغف رکھتے ہیں، مولانا موصوف نے اس پر پیچ وادی میں قدم رکھا اور اللہ عزوجل کا شکر ہے، کہ وہ کامیابی کے ساتھ منزل تک پہنچ گئے، یہ ان کی ذاتی کوشش، فطری استعداد وصلاحیت کی بین دلیل ہے''۔(حدیث نبوی چند مباحث ومسائل ص۵)

حضور شارح بخاری علیہ الرحمہ علامہ موصوف کی ایک دوسری کتاب ''تذکرہ خلفائے راشدین'' کی تقدیم میں رقم طراز ہیں۔

''یہ کتاب جناب مولانا محمد عاصم صاحب اعظمی زیدمجدہم نے بڑی محنت اور کاوش سے لکھی ہے، اس کتاب کے بہت سے اہم مقامات مجھے پڑھ کر سنائے گئے، جس سے مجھے اندازہ ہوا کہ اس کتاب کی تصنیف میں عزیز ممدوح نے کافی محنت کی ہے، واقعات کے جزئیات بہت تفصیل کے ساتھ جمع کیے گئے ہیں، طرز بیان بہت دلآویز اور عام فہم ہے، مجھے امید ہے کہ میری طرح کتاب ہذا کا مطالعہ کرنے والا ہر قاری اسے پسند کرے گا.......بہر حال جہاں تک مجھے معلوم ہے خلفائے راشدین کی سوانح مبارکہ پر

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

اہلسنت کی کوئی جامع کتاب نہیں، جناب مولانا محمد عاصم اعظمی زیدمجدہ نے اس کمی کو پورا فرمایا، مولیٰ عزوجل انہیں جزائے خیرعطا فرمائے اوراس کتاب کوعوام وخواص میں مقبول فرمائے''۔(تذکرہ خلفائے راشدین ص۲۱/۲۵)

جماعت اہلسنت کے مشہور صاحب قلم مولانا عبدالمبین نعمانی صاحب، علامہ محمد عاصم اعظمی صاحب کی تصنیف ''تذکرہ مشائخ عظام'' کے مقدمہ میں رقم طراز ہیں۔

''اولیاءاللہ اورصوفیہ کرام پرمختلف جہتوں سے ضرور کام ہوئے اور ہو رہے ہیں، کسی نے کسی خاص ملک کے صوفیا پرکام کیا تو کسی نے کسی خاص سلسلے کے بزرگوں پر قلم اٹھایا اورکسی نے عہداورزمانہ کو بنیاد بنا کر طبقات صوفیہ وطبقات اولیا پر کتابیں لکھیں لیکن مولانا محمد عاصم اعظمی نے دنیا میں پائے جانے والے مشہور سلاسل طریقت کے ان اکابر پر قلم اٹھایا جن سے طریقت کے سلسلے منسوب ہیں، کم ازکم میرے مطالعہ میں اب تک کسی مصنف کی کوئی ایسی کتاب سامنے نہیں آئی جو بانیان سلاسل تصوف کے لیے خاص ہو''۔(تذکرہ مشائخ عظام ص۱۲/۱۱)

آپ کی کتابوں کا مطالعہ کرنے والا منصف مزاج شخص اس خصوصیت سے انکارنہیں کرسکتا۔

ذیل میں حضرت علامہ ڈاکٹرمحمد عاصم اعظمی کی مطبوعہ کتابوں کا اجمالی تعارف ہدیۂ ناظرین ہے۔

<u>حدیث نبوی چندمباحث ومسائل</u>:۔ اس کتاب میں ڈاکٹر صاحب نے حدیث نبوی کی تعریف، تدوین، حدیث کی تاریخ، اصول روایت ودرایت، وضع حدیث کے اسباب ومحرکات، انکارحدیث کے ابطال اورحدیث رسول کے حجت شرعی ہونے پر سیر حاصل بحث کی ہے، سنت رسول سے متعلق مباحث و مسائل کی ضروری معلومات فراہم کی گئی ہیں، پوری کتاب تحقیق وتصنیف کے اصولوں کو سامنے رکھ کرلکھی گئی ہے اورحوالوں کا خاص خیال رکھا گیا ہے، صحابی وتابعی کی تعریف پربھی بحث کی گئی ہے اوران حضرات نے حدیث رسول کی روایت وحفاظت کا جو بے مثال کارنامہ انجام دیا ہے اس پربھی روشنی ڈالی گئی ہے، صحابہ کرام، تابعین عظام نے روایت حدیث میں کس قدر احتیاط، جدوجہداورشغف کامل کا ثبوت دیا ہے اور حصول حدیث کے سلسلے میں کیسی کیسی مشقتیں برداشت کی ہیں، مصنف نے اس پربھی بھرپور گفتگو کی ہے اور دلائل و واقعات سے احادیث رسول کے ذخیرۂ دینی اور قابل استشہاد شرعی ہونے کا ثبوت کافی بہم پہنچایا ہے۔

آج کے پرفتن دور میں ظہور پذیر ہونے والے فتنوں میں انکارحدیث کا فتنہ سرفہرست ہے مصنف نے انکارحدیث کے گمراہ کن نظریات کے خدوخال بھی پیش کیے ہیں اور دلائل قاطعہ وبراہین

http://t.me/Tehqiqat

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ساطعہ کی روشنی میں ان کا رد بلیغ کرتے ہوئے منکرین حدیث کے ان تمام باطل مزعومات کے تارو پود بکھیر دیے ہیں جن پر انکار حدیث کی عمارت کھڑی کی گئی ہے۔

شروع کتاب میں حضور شارح بخاری مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ کی ایک پر مغز تقریظ بھی شامل ہے جو مختصر ہونے کے باوجود احادیث رسول کے حجت شرعی ہونے پر ایک بہترین تحریر ہے، کتاب کے آخر میں ضمیمہ بھی ہے، جس میں حدیث کے اقسام و مصطلحات کی تعریف ذکر کی گئی ہے۔

اردو زبان میں اپنی نوعیت کی یہ واحد کتاب ہے جو عوام و خواص بالخصوص علما و طلبائے مدارس دینیہ کے لیے بے حد مفید ہے، کتاب ۱۵۲ر صفحات پر مشتمل ہے۔

حدیث نبوی کے اردو تراجم:۔ یہ کتاب ڈاکٹر محمد عاصم اعظمی کا تحقیقی مقالہ ہے، جو تین ابواب پر مشتمل ہے، پہلے باب (حدیث نبوی چند مباحث و مسائل) کا تعارف پیش کیا جا چکا ہے، دوسرا باب دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ (الف) حدیث نبوی کے ۲۸ر اہم مترجمین اور ان کے تراجم کا ذکر جنھیں تراجم حدیث کے باب میں لسانی، تاریخی اور ادبی اہمیت حاصل ہے۔ (ب) حدیث نبوی کے ان تمام اردو تراجم کا اجمالی جائزہ جو دوران تصنیف مصنف کی نظر سے گزرے۔ تیسرے باب میں اردو نثر کے تاریخی ارتقا میں اس کے مقام کی تعیین کی کوشش کی گئی ہے، صفحات کی مجموعی تعداد ۳۰۴ر ہے۔

ابتدا میں حضور بحر العلوم مدظلہ کے تاثرات شامل ہیں، حضرت لکھتے ہیں "حضرت مولانا محمد عاصم صاحب اعظمی استاذ دارالعلوم شمس العلوم گھوسی نے اپنے ڈاکٹریٹ (پی، ایچ، ڈی) کے مقالہ کے لیے احادیث نبوی کے اردو تراجم کو اپنا عنوان بنایا اور اس اچھوتی راہ پر انھوں نے اپنے مقالہ میں خوب خوب داد تحقیق دی اس طرح مولانا موصوف نے بھی خادمان حدیث کی صف میں ایک موقر جگہ پائی"۔
(حدیث نبوی کے اردو تراجم ص۲)

داستان حرم:۔ اس کتاب میں علامہ عاصم اعظمی نے قانون آزمائش، ضرورت آزمائش، انعام آزمائش اور صبر و استقامت سے متعلق قرآن و حدیث کی روشنی میں گفتگو کی ہے اور یہ باور کرانے کی کامیاب کوشش فرمائی ہے کہ "آزمائش ایک اٹل قانون فطرت ہے، جس سے ہر صاحب ایمان کو دوچار ہونا ہے، نیز یہ سنت الٰہیہ ہے کہ ہر داعی و مبلغ کو آزمایا جاتا ہے اور دنیا میں حق و صداقت کے علم برداروں کو ہر دور میں مصائب و آلام سے گزرنا پڑا ہے"۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت اسماعیل علیہ السلام، حضور اکرم سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ جیسے ان برگزیدہ داعیان حق کے واقعات ابتلا و آزمائش کا تذکرہ کیا ہے جن

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کوسرزمین حرم سے خاص نسبت حاصل ہے۔

''داستان حرم'' حق وصداقت کی تاریخ کا ایک ایسا روشن باب ہے جو کافی اہمیت وافادیت کا حامل ہے، اسلامیات سے تعلق رکھنے والے ہر قاری کے لیے یہ کتاب یقیناً ایک علمی، تاریخی اور دینی تحفہ سے کم نہیں، اہل علم اور عوام دونوں طبقے کے لیے یہ کتاب مفید ہے، مقررین وواعظین کے لیے بھی اس کا مطالعہ نفع سے خالی نہ ہوگا، صفحات کی تعداد ۱۳۶ر ہے۔

سلطان الہند خواجہ غریب نواز:۔ یہ کتاب سلطان الہند حضرت خواجہ غریب نواز معین الدین چشتی اجمیری علیہ الرحمہ کی سیرت وسوانح اور ان کے روحانی کارناموں پر ایک اہم دستاویز کی حیثیت رکھتی ہے جسے علامہ عاصم اعظمی نے چھ ابواب میں تقسیم کیا ہے، پہلے باب ''ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد'' کے تحت عرب وہند کے تعلقات، ابتدائی فتوحات ہند، محمد بن قاسم ثقفی اور فتوحات سندھ، غزنویوں کے کارنامے، پنجاب میں اشاعت اسلام، سلطان شہاب الدین غوری اور ہندوستان میں ہمہ گیر اشاعت اسلام جیسے عنوانات قائم کر کے ان کے ذیل میں بہت ہی معلومات افزا اور دلچسپ مباحث کا ذکر کیا ہے۔ دوسرے باب میں سلسلۂ چشتیہ کا تعارف اور خواجہ غریب نواز سے پہلے کے مشائخ چشت کا تذکرہ ہے۔ تیسرے باب میں خواجہ غریب نواز علیہ الرحمہ کے مکمل حالات اور ازواج واولاد کا بیان ہے۔ چوتھے باب میں فضائل واخلاق، علمی ذوق، تصنیفات وتعلیمات، ارشادات وفرمودات، صف اولیا میں خواجہ غریب نواز کا نمایاں مقام ومرتبہ اور کشف وکرامات کا ذکر ہے، پانچویں باب میں حضرت خواجہ صاحب کے اہم خلفا، بالخصوص قطب الاقطاب خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، سلطان التارکین صوفی حمید الدین ناگوری کے احوال وکوائف درج ہیں، چھٹاں باب سلاطین وامرا کا دربار خواجہ میں خراج عقیدت پر مشتمل ہے، یہ کتاب تاریخ سلسلۂ چشت کی نہایت اہم کڑی ہے، قبولیت عامہ کا شرف رکھتی ہے، ہر طبقہ کے لوگ اسے کافی پسند کرتے ہیں، اس کے کئی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں، صفحات کی تعداد ۱۸۰ر ہے۔

محبوب الٰہی:۔ ہندوستان کے عظیم روحانی رہبر ورہنما حضرت خواجہ نظام الدین اولیا بدایونی ثم دہلوی کی حیات وخدمات پر قابل فخر دستاویز ہے، جس میں حضرت محبوب الٰہی کے علاوہ دیگر مشائخ چشت کے حالات وکوائف بھی تحریر کیے گئے ہیں، جنھوں نے سلسلۂ چشتیہ کے روحانی واصلاحی مشن کو فروغ دینے کے لیے اپنی زندگی وقف کر دی اور عظیم روحانی واخلاقی کارناموں کے ذریعہ تصوف وروحانیت کی تاریخ میں وہ منفرد وممتاز مقام حاصل کر لیا جہاں تک سلوک ومعرفت کی خال خال ہستیاں پہنچتی ہیں۔

حضرت علامہ عاصم صاحب قبلہ اعظمی نے اس کتاب میں چھ ابواب قائم کیے ہیں۔ پہلے باب

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

میں بدایوں کی علمی وروحانی تاریخ اوران علما ومشائخ کا تذکرہ ہے جو ابتدا سے عہد نظام الدین اولیا تک بدایوں میں پیدا ہوئے یا باہر سے آکر یہاں کی علمی وروحانی فضا پر اثر انداز ہوئے۔ دوسرے باب میں خانوادہ چشت کے تیسرے روحانی سربراہ خواجہ نظام الدین اولیا کے مرشد کامل حضرت خواجہ فرید الدین مسعود گنج شکر قدس سرہ کے مفصل حالات بیان کیے گئے ہیں۔ تیسرے باب میں سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیا کی سوانح حیات، روحانی تعلیم وتربیت، سلسلۂ چشتیہ کے سربراہ کی حیثیت سے دہلی میں قیام اور پیش آنے والے واقعات، سلاطین وامرا سے بے تعلقی، نظام الاوقات اور آخری ایام کا مفصل ذکر ہے۔ چوتھے باب میں حضرت محبوب الٰہی کے اخلاق وکردار اور شمائل وخصائل۔ پانچویں باب میں خانقاہی نظام، کشف وکرامات، مذہبی، اخلاقی وروحانی تعلیمات وارشادات، ہندوستان کی دعوت وعزیمت اور تصوف وسلوک کی تاریخ میں محبوب الٰہی کے مقام ومرتبہ۔ چھٹویں باب میں آپ کے دستور ارادت وخلافت اور نامور خلفا کا تذکرہ ہے۔

علامہ عاصم اعظمی کی تصنیف ''سلطان الہند خواجہ غریب نواز'' کے ساتھ اس کو ضم کر دیا جائے تو بانی سلسلہ چشتیہ خواجہ ابواسحاق شامی علیہ الرحمہ سے لے کر خواجہ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی علیہ الرحمہ تک خواجگان چشت کے مفصل حالات وخدمات کا احاطہ ہو جاتا ہے۔

کتاب کی زبان عام فہم ہونے کے باوجود ادبی چاشنی سے بھرپور ہے، اس لیے ہر طبقہ کے لوگ اس سے مستفید ہوتے ہیں اور اس میں مذکورہ باتوں کو دل کے نہاں خانہ میں جگہ دیتے ہیں۔ کتاب ۳۶۳ رصفحات پر مشتمل ہے۔

<u>تذکرہ خلفائے راشدین:</u>۔ یہ کتاب خلفائے راشدین کی حیات وخدمات پر مشتمل گراں قدر اور بیش بہا دینی، علمی اور ادبی تحفہ ہے، جس میں خلفائے راشدین کی زندگی سے متعلق ضروری باتوں کا تفصیلی ذکر ہے، نام ونسب، خاندان، قبل اسلام، قبول اسلام، قبل ہجرت، بعد ہجرت، غزوات میں شرکت، خلافت وامارت، فضائل ومناقب، علم وفضل، اخلاق وکردار، دینی وعلمی خدمات، ازواج واولاد اور اولیات اس کتاب کے لازمی عناوین ہیں۔

علامہ ڈاکٹر محمد عاصم اعظمی نے اس کتاب میں عہد خلفائے راشدین میں پیش آنے والے تمام معرکوں، فتوحات، بغاوتوں کا انسداد اور جملہ شعبہائے خلافت کے انتظام وانصرام سے متعلق ناگزیر معلومات کا استقصا کیا ہے، اس کتاب کے مطالعہ کے بعد قارئین کو خلفائے راشدین کے بارے میں کسی دوسری کتاب کے مطالعہ کی ضرورت محسوس نہ ہوگی۔ خلفائے راشدین پر دوسروں نے تو بہت کچھ لکھا ہے

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

مگر اپنی جماعت میں اب تک اس سلسلے میں کوئی قابل ذکر کام نہ ہوا تھا، حضرت موصوف نے اس ضخیم کتاب میں خلفائے راشدین کی بزم رحمت سجا کر جماعت پر احسان کیا ہے۔

کتاب کے شروع میں ڈاکٹر اعظمی نے شاندار حرف آغاز لکھا ہے جس میں حکومت الٰہیہ کا مقصود، خلافت کا معنی ومفہوم اور خلافت خلفائے راشدین کی اہمیت کو اجاگر کیا ہے، شارح بخاری مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ کے قلم سے ایک معلومات افزا تقدیم بھی شامل کتاب ہے، جس نے تذکرۂ خلفائے راشدین میں چار چاند لگا کر اس کی قدر و قیمت اور اہمیت میں اضافہ کر دیا اور مصنف کو سند اعتبار عطا کر دی ہے، صفحات کی تعداد ۵۳۶ رہے، اس کے کئی ایڈیشن شائع ہو کر داد تحسین حاصل کر رہے ہیں۔

تفہیم الفرائض:۔ یہ علم الفرائض کی ایک اہم اور مفید کتاب ہے، جس میں علم میراث کے جملہ اصول و قواعد جو قرآن وفقہ اور حدیث سے ماخوذ ہیں تفصیل وترتیب سے بیان کیے گئے ہیں، پھر تمام حصہ پانے والوں کے مختلف حالات عملی مثالوں کے ذریعہ خوب وضاحت کے ساتھ لکھے گئے ہیں، کتاب کے شروع میں علامہ موصوف نے ایک گراں قدر مقدمہ بھی لکھا ہے، جس میں علم میراث کی فضیلت اس فن کی تاریخ اور ان آیات قرآنیہ واحادیث نبویہ کا مبسوط تذکرہ ہے، جن سے علم الفرائض کے قواعد ومسائل مستنبط و متفرع ہوتے ہیں۔

کتاب کے آخر میں مشقی سوالات بھی درج ہیں، اور پوتے کی میراث کے سلسلے میں ایک مضمون بھی بطور ضمیمہ شامل کتاب ہے جس میں مغربی مستشرقین کے پھیلائے ہوئے ان شبہات کے ازالہ کی کوشش کی گئی ہے، جن سے سادہ لوح مسلمان محجوب الارث پوتے کی محرومی کے متعلق طرح طرح کی غلطیوں کے شکار ہیں۔

ابتدا میں حضور بحر العلوم کے قلم سے ایک معلومات افزا تقدیم اور محقق دوراں مفتی نظام الدین صاحب کی پر مغز تقریظ کو بھی شامل کیا گیا ہے، جس کی بدولت کتاب کی عظمت دوبالا ہو گئی ہے اور وہ استنادی حیثیت کی حامل ہو گئی ہے۔

یہ کتاب اپنی گوناگوں خوبیوں کی بدولت عوام وخواص سب کے لیے مفید ہے بالخصوص مدارس کے اساتذہ وطلبہ کی ایک اہم ضرورت ہے، اپنی اہمیت وافادیت کے پیش نظر متعدد مدارس میں داخل درس ہے۔ صفحات ۱۵۲ رہیں۔

تذکرہ مشائخ عظام:۔ یہ ان صلحائے امت، سروران طریقت کے حالات وخدمات کا ایک سدابہار گلدستہ ہے، جن کی طرف کسی نہ کسی سلسلۂ تصوف وطریقت کا انتساب کیا جاتا ہے، کتاب کے دو حصے

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ہیں، پہلے حصے میں تصوف اور اہل تصوف کے عنوان سے تصوف کی تعریف، صوفی کی وجہ تسمیہ، شریعت وطریقت کے امتزاج، تصوف کے ماخذ قرآن وسنت ہیں، صوفی کی نظر میں تصوف اور تصوف کی اہمیت جیسے موضوعات پر گفتگو کی گئی ہے، بیعت وارشاد کے سلسلے کے عنوان کے تحت، بیعت کی ضرورت، بیعت و توبہ کا ثبوت، خانقاہی نظام کا قیام، اصلاح باطن کے لیے صوفیہ کی خدمات، سلسلے کیسے وجود میں آئے، سلاسل صوفیہ کی امتیازی خصوصیات درج ہیں، دوسرا حصہ تذکرہ مشائخ عظام ہے، جس میں ۵۰؍ بانیان سلاسل مشائخ کے حالات وکمالات، اخلاق وکردار، علم وفضل، کشف وکرامات اور ارشادات وفرمودات، نامور خلفا اور دیگر موضوعات پر سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے، شروع میں علامہ افتخار احمد اعظمی کی پر مغز تقریظ اور مولانا عبدالمبین نعمانی کا گراں قدر مقدمہ بھی شامل ہے۔ صفحات کی تعداد ۴۸۰؍ ہے۔

<u>تاریخ داؤدی</u>:۔ یہ کتاب فارسی زبان میں افغان سلاطین کی مستند تاریخ ہے، جس میں لودی اور سوری ارباب اقتدار کے حالات وواقعات اور ان کے اہم کارناموں کے متعلق مفصل معلومات درج کی گئی ہیں، بادشاہوں اور راجاؤں کے حوالے سے جن جن باتوں کا ذکر ضروری ہوتا ہے، یہ کتاب ان کا احاطہ کرتی ہے، عبداللہ کی یہ تاریخ غیر معمولی اہمیت وافادیت کی حامل ہے، بعد کے مورخین نے اس سے کافی استفادہ کیا ہے۔

کسی بھی زبان کو اس کے صحیح مفہوم ومعنی کے ساتھ دوسری زبان میں منتقل کرنا کتنا دشوار کام ہے، اس کا اندازہ اسی کو ہوسکتا ہے جسے اس راہ سے گزرنے کا موقع نصیب ہوا ہو، ایک زبان کا دوسری زبان میں ترجمہ کرنے کے لیے ضروری ہے کہ مترجم دونوں زبانوں کے اسرار ورموز سے واقف اور آشنا ہو، مولانا محمد عاصم اعظمی نہ صرف یہ کہ فارسی اور اردو کے جاننے والے ہیں بلکہ دونوں زبانوں کے معتبر فاضل مستند عالم، عظیم اسکالر ومحقق اور بلند پایہ ادیب ہیں، اس لیے انھوں نے کتاب کا اس کے صحیح معنی ومفہوم کے ساتھ ایسا اچھوتا اور عمدہ ترجمہ فرمایا ہے کہ یہ احساس بھی نہیں ہوتا کہ ''ہندوستان کے افغان سلاطین ترجمہ تاریخ داؤدی'' فارسی کتاب تاریخ داؤدی کا اردو ترجمہ ہے، بلکہ گمان ہوتا ہے کہ یہ افغان سلاطین کے احوال وکوائف اور ان کے کارناموں پر اردو زبان میں مستقل تصنیف ہے، ترجمہ نہایت آسان، عام فہم، دلنشیں، سلیس اور بامحاورہ ہے، ساتھ ہی ذیلی عنوانات بھی قائم کردیے گئے ہیں اور ان کے لیے ایسے الفاظ وعبارات کا انتخاب کیا گیا ہے کہ قاری دیکھتے ہی اس کو پڑھنے کے لیے بے قرار ہوجائے، کتاب کے اندر عبرت ونصیحت کا عنصر بھی کافی حد تک موجود ہے، بہت سے حیرت افزا، تعجب خیز اور درس آمیز واقعات وحوادث کا بھی ذکر ہے جس کی وجہ سے یہ کتاب علما وطلبا، خواص وعوام اور تمام

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

شائقین کے لیے یکساں طور پر مفید، پرکشش اور دل نواز ہے، صفحات کی مجموعی تعداد ۲۷۲ رہے۔

شروع کتاب میں ایک کابلی پروفیسر عبدالخالق رشید ویزیٹنگ پروفیسر جواہر لال نہرو یونیورسٹی کے قلم سے لکھا ہوا چار صفحات پر مشتمل ابتدائیہ بھی شامل ہے، اس کے بعد مترجم کے قلم سے ایک طویل و مبسوط معنی خیز، فکر انگیز اور پر مغز مقدمہ ہے، جس میں حضرت مولانا عاصم اعظمی نے بطور پس منظر عہد افاغنہ سے قبل کی حکومتوں کا سرسری جائزہ پیش کیا ہے، بعدہ افغان قوم کی تاریخ، افغان سلاطین کی کارکردگی اور تاریخ داؤدی پر اختصار کے ساتھ روشنی ڈالی ہے، کتاب پر مفید اور ضروری حواشی بھی لگائے ہیں، جن میں عبداللہ کے تسامحات کی نشاندہی کے ساتھ دوسری بہت سی نادر و نایاب باتیں کتب تاریخ کے حوالے سے ذکر کی ہیں، مقدمہ اور حاشیہ کو اگر الگ سے ترتیب دے کر کتابی شکل میں یکجا کر دیا جائے تو ایک مستقل تاریخی دستاویز تیار ہو سکتی ہے۔

<u>مشاہیر حدیث:۔</u> یہ کتاب ایسے صحابہ و تابعین کے حالات و کمالات کا بیش بہا گلدستہ ہے جن سے بکثرت احادیث مروی ہیں، جس میں ۵۴ر صحابہ اور ۷۰ر تابعین کا تذکرہ ہے، ان حضرات نے روایت و حفاظت حدیث کا جو بے مثال و مہتم بالشان کارنامہ انجام دیا ہے اس پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے، عام طور پر تذکروں میں علم و فضل، حدیث، تفسیر، قرآن، فقہ، زہد و ورع اور اخلاق و کردار وغیرہ کے ذیلی عنوانات قائم کیے گئے ہیں۔ اصحاب تذکرہ کے مشائخ و تلامذہ کا ذکر بالالتزام کیا گیا ہے۔

ابتدا میں حضور بحر العلوم مفتی عبدالمنان صاحب قبلہ اعظمی کی ایک بہت پر مغز تقریظ بھی شامل ہے، علامہ ڈاکٹر عاصم اعظمی نے ایک شاندار، گراں قدر اور معلومات افزا مقدمہ بھی تحریر کیا ہے، جس میں حدیث کی تشریعی حیثیت، احادیث قرآن کی شرح، صحابہ کرام و تابعین عظام کے فضائل، ان کا اتباع سنت، تعامل بالسنہ، محیر العقول قوت حافظہ کے ذریعہ حدیث کی حفاظت و صیانت، حدیث کی درسگاہیں، مذاکرہ و تکرار حدیث، اہتمام روایت حدیث، روایت حدیث میں ان کا حزم و احتیاط، وضع حدیث اور فن اسماء الرجال کی ابتدا وغیرہ دیگر موضوعات پر سیر حاصل بحث کی ہے، راویان حدیث کے حالات سے واقفیت کے لیے اس کتاب کا مطالعہ فائدہ سے خالی نہ ہوگا۔ حدیث کے طلبہ اور کتب حدیث پڑھانے والے اساتذہ اس سے کافی مستفید ہو سکتے ہیں۔ صفحات ۴۸۰ رہیں۔

<u>محدثین عظام:۔</u> مشاہیر حدیث کا دوسرا حصہ ہے جس میں امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے لے کر اعلیٰ حضرت و صدر الشریعہ علیہما الرحمہ سمیت ملک العلما علامہ ظفر الدین بہاری علیہ الرحمہ تک ۹۸ر جلیل القدر محدثین کے حالات و کمالات، علم و فضل، اخلاق و کردار اور ناقابل انکار خدمات و کارنامے ذکر کیے

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

گئے ہیں، یہ کتاب ان تمام عظیم محدثین کا احاطہ کرتی ہے، جنھوں نے درس حدیث، روایت حدیث، کتابت حدیث اور تدوین حدیث کا مہتم بالشان کارنامہ انجام دیا، ساتھ ہی اس میں ان محدثین کا بھی تذکرہ ہے جنھوں نے کسی خاص موضوع اور منہج پر احادیث رسول کی تخریج کی اور انھیں مدون کیا یا اہم کتب حدیث پر استدراک کیا، کسی مسئلہ پر متفرق احادیث کو یکجا کیا، کتب حدیث کی شرحیں لکھیں، حدیث کے غریب اور نادر الفاظ اور جملوں کی لغوی تحقیق اور مناسب توضیح وتشریح کی، ثقہ اور ضعیف راویوں کے حالات پر کتابیں لکھیں، جرح وتعدیل رواۃ کے اصول وضع کیے اور راویان حدیث کے حالات وکوائف کا دقت نظر سے مطالعہ کیا اور ان پر ثقہ، حجت، متقن، ثبت، کذاب، ضعیف، منکر، مجہول وغیرہ ہونے کا حکم لگایا، علوم حدیث اور تاریخ حدیث پر محققانہ کتابیں تصنیف کیں، جن پر علمائے ملت اسلامیہ کا اعتماد ہے۔

شروع کتاب میں ایک بہت ہی طویل ومبسوط مقدمہ حدیث، تدوین حدیث اور محدثین سے متعلق شامل کتاب ہے، جو حضرت مصنف کے شاہکار قلم کا نتیجہ ہے، حدیث نبوی کی حفاظت، طلب حدیث کے لیے سفر، فن اسماء الرجال، جرح وتعدیل، کتابت حدیث، صحابہ اور تابعین کے رسائل حدیث جیسے موضوعات پر بھرپور روشنی ڈالی گئی ہے اور عہد رسالت سے احادیث کے کتب احادیث میں محفوظ ہونے تک تدوین حدیث کی مکمل روداد پیش کی گئی ہے۔ صفحات کی تعداد ۱۲۱۷ رہے۔

__مشعل راہ تذکرہ مولانا شاہ علیم اللہ خاں صاحب فتح پوری:۔__ گھوسی کے مضافات میں فتح پور مسنا ایک زرخیز علاقہ ہے، جس کی خاک سے کئی گراں قدر ہستیاں پیدا ہوئیں، ان میں حضرت علامہ علیم اللہ شاہ علیہ الرحمہ کی ذات گرامی سرفہرست ہے، موصوف برگزیدہ عالم دین، متدین ومتورع اور صاحب کشف وکرامات بزرگ تھے، اس کتاب میں ڈاکٹر اعظمی نے ان کے حالات وکمالات اور کشف وکرامات کا تذکرہ کیا ہے، کتاب کے آخر میں علامہ علیم اللہ شاہ کے شاگرد رشید امام الفارسی حضرت علامہ سعید احمد خاں فتح پوری علیہ الرحمہ اور ان کے صاحبزادے شیخ المعقولات والمنقولات علامہ معین الدین خاں صاحب اعظمی علیہ الرحمہ کے مختصر حالات زندگی بھی تحریر ہیں۔ صفحات کی تعداد ۴۸ رہے۔

__مونس الارواح:۔__ مغل شہزادی جہاں آرا بیگم بنت شاہجہاں بادشاہ کی یہ کتاب ”مونس الارواح“ اکابر مشائخ چشت کے حالات وکوائف، فضائل وکمالات، اخلاق وعادات، کشف وکرامات، ریاضات و مجاہدات، اقوال وارشادات پر مشتمل مستند علمی ذخیرہ اور قیمتی دستاویز ہے، جس میں سلطان الہند خواجہ غریب نواز، قطب الاقطاب خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، سلطان التارکین خواجہ حمید الدین ناگوری، قدوۃ الواصلین خواجہ فرید الدین مسعود گنج شکر، شیخ المشائخ محبوب الٰہی خواجہ نظام الدین اولیا، اور قدوۃ العارفین

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

خواجہ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی علیہم الرحمۃ والرضوان کی سوانح حیات مختصر مگر جامع طور پر بیان کی گئی ہے۔

مونس الارواح کی اہمیت وافادیت اور دستاویزی حیثیت کو مدنظر رکھتے ہوئے علامہ ڈاکٹر محمد عاصم اعظمی نے اسے اردو کا جامہ پہنا کر شائع کرایا، تاکہ کم پڑھے لکھے اردو داں جو بزرگان دین کے واقعات وحالات کے مطالعہ سے دلچسپی رکھتے ہیں، اس قیمتی سرمایہ سے کلی طور پر مستفید ہوں۔

شروع میں مترجم کے قلم سے ایک معلومات افزا تقدیم شامل کتاب ہے، جس میں مغل سلاطین کی خواجگان چشت سے عقیدت وارادت، ان کی علم دوستی، علما پروری اور شہزادیوں بالخصوص شہزادی جہاں آرا بیگم کی علمی خدمات اور ان کے مختصر حالات پر روشنی ڈالی گئی ہے، بعدہ محترمہ پروین کاظمی کے قلم سے ایک مفید "ابتدائیہ" "تذکرہ وتبصرہ" کے عنوان سے مندرج ہے، اسلوب نگارش کے لحاظ سے یہ ترجمہ نہایت آسان، عام فہم، دلنشیں، سلیس اور بامحاورہ ہے، مطالعہ کی سہولت کے پیش نظر ذیلی عنوانات بھی قائم کر دیے گئے ہیں اور جا بجا مفید حواشی کا بھی اضافہ کر دیا گیا ہے، یہ کتاب حالات بزرگان دین کے طالبین وقصص کے شائقین اور عوام وخواص قارئین کے لیے کافی دلچسپ ہے۔ صفحات کی تعداد ۸۰ر ہے۔

<u>داستان کربلا:۔</u> یہ کتاب حضرت علامہ ڈاکٹر محمد عاصم اعظمی کی تحقیقی تحریر ہے، جس میں خلفائے راشدین اور اہل بیت اطہار کے فضائل، حسین ویزید اور واقعات کربلا کے تذکرے بڑی تفصیل سے شامل ہیں، اس کی پہلی اشاعت "داستان حرم" میں کربلا کے حوالے سے حق وباطل کی جنگ کو حضرت امام حسین کی تاریخی شہادت پر ختم کر دیا گیا تھا، اب ارباب علم ودانش کی خواہش پر مندرجہ ذیل مرکزی موضوعات کو بھی شامل کر دیا گیا ہے، زینب بنت علی میدان کربلا سے دربار دمشق تک، مرگ یزید، مختار ثقفی اور قاتلین حسین کا انجام، فاضل محقق نے تاریخ ابن ہشام، تاریخ ابن خلدون، تاریخ طبری، بدایہ ونہایہ جیسی اہم اور مستند کتابوں کا سہارا لیا ہے، زبان عام فہم، دلنشیں ہے، خطبا ومقررین کے لیے بہترین تحفہ ہے۔ صفحات ۲۴۰ر ہیں۔

شہریار تحریر وقلم حضرت علامہ ڈاکٹر محمد عاصم صاحب قبلہ اعظمی دامت برکاتہم العالیہ کی مطبوعہ وغیر مطبوعہ تصانیف وتراجم اور دستیاب ونایاب مضامین تقریباً دس ہزار صفحات پر مشتمل ہیں، بلاشبہ کمیت وکیفیت کے اعتبار سے آپ کا یہ کارنامہ ناقابل فراموش سرمایہ اور مایہ ناز پونجی ہے، جماعت اہلسنت اس پر جتنا فخر کرے بجا ہے، اس دور قحط الرجال میں جبکہ تحریر وقلم کو خاص اہمیت نہیں دی جاتی اور بہت کم لوگ جہان لوح وقلم میں قدم رکھتے ہیں، آپ کی ذات استثنائی حیثیت کی حامل ہے، انشاء اللہ آپ اپنی ان

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

خدمات کی بدولت زندہ و پائندہ رہیں گے۔

خطابت:۔ جلسوں میں بہت کم حاضری دیتے ہیں، کبھی باصرار مدعو کیے جاتے ہیں تو گیارہ بجے سے زیادہ وقت نہیں دیتے، خالص علمی وفکری تقریر کرتے ہیں، نکات عمدہ سے عمدہ بیان کرتے ہیں، لیکن تقریر کو کبھی مشغلہ نہیں بنایا، اس خیال سے کہ کہیں طلبا کے اسباق میں ناغہ نہ ہو جائے، کیونکہ اکثر مقررین ہفتوں پروگراموں اور دوروں میں مصروف رہتے ہیں اور مدرسے کی ذمہ داریاں بحسن وخوبی انجام نہیں دے پاتے۔

حج وزیارت:۔ آپ نے دو حج کیے۔ پہلا حج ۱۴۰۹ھ مطابق ۱۹۸۸ء میں والد محترم حضرت مولانا سالم امجدی علیہ الرحمہ کے ہمراہ حج وزیارت حرمین شریفین سے مشرف ہوئے، حج وزیارت سے فراغت کے بعد عراق گئے، جہاں کربلا، نجف اشرف اور بغداد کے مقامات مقدسہ پر حاضری دی، کربلا میں حضرت امام حسین، حضرت عباس علمبردار اور دیگر شہدا حضرت حر، حضرت عون ومحمد، رضوان اللہ علیہم اجمعین، نجف اشرف میں حضرت علی رضی اللہ عنہ، بغداد میں حضور غوث اعظم جیلانی، حضرت امام اعظم ابوحنیفہ، حضرت معروف کرخی، حضرت سری سقطی، حضرت جنید بغدادی اور حضرت بہلول دانا علیہم الرحمہ کے مزارات مبارکہ کی زیارت سے سرفراز ہوئے، کوفہ میں حضرت مسلم بن عقیل، حضرت ہانی اور جامع کوفہ کی زیارت کی، نیز حضرت یونس علیہ السلام کے مزار اور حضرت ایوب علیہ السلام کے مکان اور اس کنویں کی زیارت سے مشرف ہوئے جس کے پانی سے وہ شفایاب ہوئے تھے۔

۱۴۳۱ھ مطابق ۲۰۱۰ء میں دوسری بار حج وزیارت حرمین کے شرف سے مشرف ہوئے۔

بیعت وارادت:۔ ۸۱/۱۹۸۰ء میں جامعہ حبیبیہ الہ آباد میں سید التارکین حضور مجاہد ملت حضرت علامہ شاہ حبیب الرحمٰن صاحب قبلہ علیہ الرحمہ کے دست مبارک پر سلسلہ عالیہ قادریہ میں شرف بیعت سے مشرف ہوئے، حضور مجاہد ملت نے کچھ اوراد و وظائف کی تلقین کی اور شجرہ مبارکہ عطا کیا۔

اجازت وخلافت:۔ دوسرے حج کے موقع پر حضور مفتی اعظم مہاراشٹر اشرف الفقہا خلیفہ حضور مفتی اعظم ہند مفتی محمد مجیب اشرف رضوی گھوسوی ثم ناگ پوری صاحب قبلہ مدظلہ بانی دارالعلوم امجدیہ ناگ پور نے بلا طلب سلسلہ عالیہ قادریہ برکاتیہ رضویہ نوریہ کی اجازت وخلافت اور اجازت حدیث عطا کی۔

شعروشاعری:۔ شاعری آپ کا مشغلہ ہے اور نہ ہی آپ نے کبھی باقاعدہ شاعری کی ہے، پھر بھی شعرو شاعری سے آپ کو یک گونہ تعلق ہے، کورس کی کتابوں میں اشعار سے واسطہ پڑتا رہا، اس طرح دوسروں کے اشعار پڑھتے پڑھاتے اشعار سے ایسا شغف پیدا ہوا کہ بمقتضائے طبیعت اپنے اندر شعر گوئی کا جذبہ

http://t.me/Tehqiqat

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

مچلتا ہوا محسوس کیا اور بیٹھے بٹھائے اشعار موزوں کرنے لگے، آج سے تیس پینتیس سال قبل آپ نے شاعری کا آغاز کیا اور بہت کم مدت میں ۴۰؍۵۰ غزلیں لکھنے کے بعد اس صنف سخن کو اس طور پر ترک کر دیا کہ اب باقاعدہ اشعار نہیں کہتے مگر تفریح طبع کے لیے دوستوں کی محفل میں برملا اشعار موزوں کر لیتے ہیں مگر انہیں محفوظ نہیں کرتے، اگر چہ آپ نے اپنے کو کبھی شاعر ظاہر نہیں کیا، مگر شاعروں نے اپنے کلام کی آپ سے اصلاح کرائی اور اشعار کے تعلق سے استصواب رائے کیا، ذیل میں آپ کے چند اشعار ملاحظہ کریں اور آپ کی شاعرانہ عظمت کو داد و تحسین سے نوازیں۔

کہتے ہوئے شرماتے نہیں آج مسلمان
اسلاف کی تاریخ کو فرسودہ روایات
کیوں بیٹھ کے کرتے ہو زمانے کی شکایت
کیوں اٹھ کے بدل دیتے نہیں صورت حالات
دیتے ہیں سبق آج بھی انسانوں کو عاصمؔ
اجڑے ہوئے شہروں کے یہ پامال خرابات

☆☆☆

شعلہ زار غم و آلام ہے یہ عرصۂ زیست
جس جگہ امن و مسرت کا تصور ہے حرام
طرح جمہور و اخوت تو ہے ڈالی پھر بھی
پھیلتا جاتا ہے کیوں فرقہ پرستی کا جذام
تلخی شام الم اور بڑھی جاتی ہے
ناامیدی کے اندھیروں میں بھٹکتے ہیں عوام

☆☆☆

آج بھی ہوتا ہے ایوانوں میں جشن رقص و مے
مفلسوں کے گھر میں برپا آج بھی کہرام ہے
جگمگاتی مادی دنیا کے ذہن و فکر میں
مذہبیت کا تصور اک خیال خام ہے
دے رہا تھا آسماں تیری رفعت کو خراج

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کیوں تری عظمت کا لاشہ آج زیرگام ہے

☆☆☆

کیا آج جلایا گیا میرا نشیمن اٹھتا ہوا گلشن سے دھواں دیکھ رہا ہوں
زر دار غریبوں کا لہو چوس رہے ہیں کب بدلے گا عاصؔم یہ جہاں سوچ رہا ہوں

☆☆☆

دیا ہے ہم نے تو ہرگام پر وفا کا ثبوت اب آگے ان کی خوشی ہے جو اعتبار کریں
بہار آئے گی غنچے ضرور مہکیں گے خزاں نصیب ابھی اور انتظار کریں

☆☆☆

کمی نہیں ہے خلوص و وفا کی دنیا میں شعور چاہیے انساں کو دوستی کے لیے

☆☆☆

چھوڑیے آپ بھلا قصۂ ماضی اپنا دیکھ لی میں نے نمی عارض تاباں کے قریب

☆☆☆

حیرت میں ہے صیاد کہ ناشاد عنادل زندہ ہیں قفس میں تو دعا کیوں نہیں دیتے

☆☆☆

فکر مستقبل زریں میں کٹی عمر تمام پھر بھی حاصل نہ ہوا صبح مسرت کا پیام

﴿غزل﴾

کس درجہ طرب خیز تھی وہ شام ملاقات وہ ساعت پر کیف وہ رنگین خیالات
ناگاہ وہ نظروں کا سرراہ تصادم وہ کوشش اخفائے خلش ریزئ جذبات
وہ چشم فسوں ساز میں اشکوں کا تلاطم وہ ہونٹوں پہ مبہم سے مرے چند سوالات
وہ موسم گل صحن چمن باد بہاری رنگینئ جذبات سے معمور وہ نغمات
وہ بحر خیالات میں اٹھتی ہوئی موجیں پوشیدہ ہر اک موج میں وہ سیکڑوں جذبات
روتی ہیں بہت خون کے آنسو مری آنکھیں یاد آتے ہیں جس وقت وہ گزرے ہوئے لمحات

ہے آرزو اے عاصؔم دل خستہ پھر اک بار
آجائیں وہی لوٹ کے گزرے ہوئے دن رات

مفتی مجیب الاسلام نسیم اعظمی ادروی علیہ الرحمہ کی شان میں منقبت کے اشعار ملاحظہ ہوں ۔

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

چلے ہیں چھوڑ کے ہستی نسیم سوئے عدم
خدا کرے کہ رہے ہم سفر ہوائے ارم
چراغ راہ ہدایت تھا تیرا نقش قدم
ترے وجود سے قائم تھا سنیت کا بھرم
ہر آبگینہ دل میں تری وفا کی جھلک
تمہاری یاد میں اب چشم اہل دل ہے نم
ترے وجود کی تابانیوں سے روشن ہے
چراغ فکر و نظر اور بساط لوح وقلم
خدا نے کردیا ہے بے نیاز ہر غم سے
نہیں ولی خدا کو ذرا بھی رنج و الم
جھکا سکا نہ کبھی دشمن رسول کوئی
تمہارے دست مقدس سے علم وفن کا علم
تو علم و فضل و عمل کا عظیم تھا مینار
مگر اٹھایا نہ سر تونے بہر جاہ و حشم
کبھی نہ لوٹ کے آئے گا بزم امکاں میں
تمہاری سیرت و خدمت ہمیشہ ہوگی رقم
جو نقش ہوگئے احساس آج کاغذ پر
نبی کا فیض ہے عاصم خدا کا لطف و کرم

اخلاق وکردار:۔ مجھے اپنے زمانۂ طالب علمی میں فروری ۲۰۰۳ء تا اکتوبر ۲۰۰۶ء تقریباً ساڑھے تین سال تک اوقات درس کے علاوہ حضرت قبلہ کے دولت کدے پر خدمت عالیہ میں رہ کر کسب فیض کا شرف حاصل ہے، اس دوران میں نے حضرت کے علم سے خوب خوب خوشہ چینی کی اور آپ کے اخلاق وکردار کا بہت قریب سے مطالعہ کیا۔

میں نے آپ کی خارجی وداخلی زندگی میں یکسانیت کا مشاہدہ کیا، میرا احساس ہے، کہ تضییع اوقات آپ کو گوارا نہیں، آپ کے اندر ہر وقت کسی نہ کسی علمی وادبی، دینی واسلامی اور قومی وسماجی کارنامے کی انجام دہی کا جذبہ کارفرما رہتا ہے، آپ کی مصروفیات اور مشاغل کو دیکھنے کے بعد مجھے ایسا لگا، کہ آپ کی جدوجہد اپنے مفاد ومنفعت کے لیے کم اور دوسروں کے لیے زیادہ ہوتی ہے، آپ کی زندگی کا مقصد قوم کی خدمت ہے، جو بھی کدوکاوش کرتے ہیں، اپنے مفاد کا تصور کیے بغیر دوسروں کی زندگی سنوارنے، سدھارنے اور نکھارنے کے لیے زندگی کے شب وروز صرف کرتے ہیں۔

جھوٹ، غیبت، شکوہ شکایت سے آپ کو نفرت ہے۔حد درجہ غیور وخوددار ہیں۔کسی سے مرعوب نہیں ہوتے۔جو سچ جانتے ہیں دوٹوک بول دیتے ہیں۔دورخی اور چاپلوسی سے دور کا کوئی رشتہ نہیں۔دل میں کچھ زبان پر کچھ کے معاملہ سے بری ہیں۔ملنساری آپ کا خاصہ ہے۔لوگوں کی دل آزاری گوارا نہیں۔اسی لیے تو ہر کس وناکس سے خندہ پیشانی کے ساتھ ملتے ہیں۔مہمان نوازی میں کوئی کسر نہیں اٹھاتے۔آپ کے اعلیٰ اخلاق وکردار ہی کا نتیجہ ہے کہ عوام وخواص، طلبا ومدرسین میں کافی مقبول ہیں۔

حضرت مولانا عبدالحکیم نوری صاحب آپ کا تعارف کراتے ہوئے رقم طراز ہیں:

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

لمبا قد، گورا رنگ، چھریرا بدن، چہرے پر داڑھی کی بہاریں، چوڑا پائجامہ، کلی دار کرتہ، کبھی شیروانی، سر پر خوب صورت ٹوپی، آنکھوں پر چشمہ جس سے علمی وقار عیاں، گفتگو میں متانت وسنجیدگی، اہل علم سے قربت، جہالت وسفاہت سے نفرت دوستوں میں بے تکلفی، ہر معاملہ میں سنجیدگی، مطالعہ کتب کا شوق، گھر کو لائبریری میں منتقل کرنے کا ذوق، ہر قسم کی کتابوں کے جمع کرنے کی فکر، چاپلوسی سے چڑھ، ارباب تحقیق کے رہبر خلوص ومحبت کے پیکر............ یہ ہیں حضرت علامہ وبالفضل اولینا ڈاکٹر الحاج محمد عاصم صاحب قبلہ اعظمی دام ظلہ العالی۔ (محبوب الٰہی ص۱۲)

میں اپنی گفتگو علامہ بدرالقادری صاحب قبلہ کے اس کلام پر ختم کرتا ہوں، جو انہوں نے منتخب اللغات کی تاریخ کے لیے رقم کیا ہے ؎

حضرت مولانا عاصم اعظمی کی عالی ذات — ماہر تاریخ اسلامی و عالم شش جہات
منبع خلق و نوازش حامل مہر و وفا — مہربانی و تواضع سادگی جن کی صفات
فاضل اردو و عربی فارسی بیشک ہیں آپ — ذات والا آپ کی ہے جامع اعلی صفات
درس دین نبوی میں جن کا گزر جاتا ہے دن — شرح شرع پاک میں جن کی بسر ہوتی ہے رات
شغل قال قال رکھنے والوں سے ہے انس انہیں — مصطفی کی بات کرنے والوں کی کرتے ہیں بات
ڈرتے ہیں تشہیر سے ہاں گوشہ گیری ہے پسند — ہم خراباتیوں سے لیکن وہ کر لیتے ہیں بات
ہر کس و ناکس سے ملتے ہیں خلوص اور پیار سے — شیریں باتیں ان کی گویا منہ میں رکھتے ہیں نبات
اپنی تنہا ذات میں بیشک ہیں آپ ایک انجمن — ”بیت حکمت“ سے رواں ان کی کتابوں کی برات
ان کی سالوں کی مشقت کا نتیجہ ہے کہ آج — اردو کا جامہ لیے حاضر ہے منتخب اللغات
شہ جہاں کے عہد میں لکھی گئی تھی جو کتاب — جامع تھے عبدالرشید ٹھٹھوی عالی صفات
شکر رب اردو کا حلہ اس کو عاصم نے دیا — مستفید ہوتی رہیں گی اس سے علما کی ذوات
چودہ سو انتیس ہجری دو ہزار اور آٹھ میں — شیخ عاصم اردو میں لے آئے منتخب اللغات
اس لیے تاریخ اس کی بدر نے تحریر کی — تاکہ ہو مرقوم تاریخ ادب میں ان کی بات

نعیم الاسلام قادری

کریم الدین پور بگہی، گھوسی، مئو۔ یوپی

https://t.me/Tehqiqat

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

سیرت

http://t.me/Tehqiqat

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

انسانیت کے محسن اعظم ﷺ

آج سے تقریباً چودہ سو برس پہلے کا وہ دور جسے حیات انسانی کا بھیانک دور کہا جائے تو بے جانہ ہوگا، وہ دور جب ایک انسان دوسرے انسان سے دست وگریباں تھا جب ایک خاندان دوسرے خاندان سے برسر پیکار تھا، جب ایک قبیلہ دوسرے قبیلہ سے نبرد آزما تھا، جب ایک بھائی دوسرے بھائی پر قاتلانہ حملہ کے لیے شمشیر بکف رہا کرتا تھا۔

وہ بھیانک اور تاریک دور جب باپ بیٹے کے خون کا پیاسا تھا، تو بیٹا باپ کی گردن اڑا دینے کی تدبیریں سوچا کرتا تھا۔

وہ قیامت آفریں دور، جب کمزوروں اور ناداروں کی قسمت کے فیصلے با اقتدار طاقتور انسانوں کے کاشانۂ کبر وغرور سے صادر ہوا کرتے تھے۔

وہ پر آشوب دور، جب انسان کی عزت وآبرو کا سر بازار سودا کیا جاتا تھا، کمزوروں اور مجبوروں پر ظلم وتشدد کی گرم بازاری عام تھی، جب انسانی زندگی حادثات پیہم اور ظلم وتشدد کی سخت آندھیوں کی زد پر تھی۔

وہ صبر آزما دور، جب لاکھوں اور کروڑوں انسان اپنے فطری حقوق سے محروم کر دیے گئے تھے، دوسروں کی غلامی کا گراں بار طوق ان کی گردنوں میں ڈال کر سماج نے ان کے لیے آرام وآسائش کو حرام قرار دے دیا تھا، معاشرے کے پیہم جبر وتشدد نے ان کے احساس آزادی وحریت کو ختم کر دیا تھا، وہ روح فرسا دور، جب بنی نوع انسان کے ایک گروہ کو انسان تصور کرنے میں پس وپیش کیا جارہا تھا، ان کی تخلیق کا مقصد فقط انسانی نسل کا فروغ اور خواہشات نفسانی کی تکمیل تصور کیا جاتا تھا، جب مجبور صنف نازک، ظالم انسانوں کا مال تجارت بن کر بھیڑ بکریوں کی طرح بازاروں میں بکا کرتی تھی کرم ونوازش کے بجائے آہنی طوق وسلاسل اس کی تقدیر کے عطیے سمجھے جاتے تھے۔

وہ دور کتنا روح فرسا دور تھا، کتنا بھیانک عہد تھا، کتنا تاریک زمانہ تھا، جب ظلمت وگمراہی اور سفاکیت وبربریت کے تیز وتند طوفان نے ہر مذہبی اصول اور اصلاحی تحریک کو پامال کر دیا تھا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تشریف لے گئے پانچ سو ستر برس گزر چکے تھے، مسیحی تعلیمات سسکیاں لے کر دم توڑ رہی تھیں،

http://t.me/Tehqiqat

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

نفسانی خواہشات کے بحر بیکراں میں مسیحی دستور حیات کا سفینہ ہچکولے کھا رہا تھا، نفس پرستی اور شہوت کے تند جھونکوں میں مسیحی تہذیب و معاشرت کا چراغ جھلملا رہا تھا۔

نفس پرست راہبوں نے مسیحی مذہب کو صرف رہبانیت (ترک دنیا) تک محدود کر دیا تھا، نفس کشی اور تجرد کی ہمہ گیر تعلیم کے پردے میں تقدس مآب راہب اور پادری شب و روز سیکڑوں چمنستان عفت و عصمت کو تاراج کیا کرتے تھے۔

وہ کیسا پرفتن دور تھا، جب انسان اپنے خالق و مالک کو بھول کر نفسانی خواہشات کی پرستش کیا کرتا تھا، خود ساختہ بتوں کے سامنے اپنی باعظمت پیشانی ٹیک دیتا تھا، کہیں چمکتے ہوئے چاند اور ستاروں سے اپنے تکمیل مقاصد کی دعائیں مانگتا تھا، بہتے ہوئے چشمے اور تیز رو دریاؤں کی پرستش کرتا تھا، کہیں باہیبت اور پرشکوہ پہاڑوں کو اپنا محافظ سمجھ کر اس کے سامنے جھک جاتا تھا، کہیں دہکتے ہوئے انگاروں اور لپکتے ہوئے شعلوں کو اپنا خدا تصور کر کے پوجا کی جاتی تھی۔

وہ دور جب انسان کفر و ضلالت کی خارزار اور بھیانک وادیوں میں ٹھوکریں کھا رہا تھا، اور سنگ راہ ہی کو منزل مقصود تصور کر رہا تھا۔

الامان! اس پرآشوب دور اور پرفتن ماحول میں جہالت و گمراہی اپنے آخری مرحلے میں قدم رکھ چکی تھی، غیر مہذبانہ رسمیں شباب پر تھیں۔

جب غلاموں کے درد و کرب بھرے نالے، مجبوروں اور بیکسوں کی دلگداز فریادیں، مظلوموں کی پرسوز چیخ و پکار نے اس خاکدان گیتی کو ہنگامۂ محشر بنا رکھا تھا، جب جابر و ظالم انسانوں نے انسانیت اور رحم دلی کا پیراہن اتار کر بہیمیت و سفاکیت کا لبادہ اوڑھ لیا تھا، جب مظلوموں کی آہ و فغاں پرشکوہ محلات کے کنگروں سے ٹکرا رہی تھیں، جب بے سہارا بیواؤں کی شعلہ بار آہیں اور بلبلاتے ہوئے یتیموں کے گرم آنسو پتھروں کا جگر پانی پانی کر رہے تھے، جب ظلم و ستم تشدد و بربریت کی زد میں آ کر لاکھوں نادار بیکس و مجبور انسان شاہراہوں پر ٹھوکریں کھا رہے تھے۔

جب کفر و ضلالت کی زلفیں چہرۂ عالم پر بکھر کر سارے ماحول کو بھیانک بنا چکی تھیں، مذہب و ملت ہو یا امن و آشتی، تحفظ و سالمیت ہو یا انسانی ہمدردی، اس خاکدان گیتی سے مفقود ہو چکی تھی، حق و صداقت، امن و اتحاد اور مذہب و ملت کے آبگینے بے رحم اور پرتشدد انسانوں کے ہاتھوں پاش پاش ہو چکے تھے۔

اس وقت نسیم صبح نے گوش گل میں جشن بہاراں کی نوید کہی، آکاش کی بسیط فضا میں جھلملاتے

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ہوئے ستاروں نے خوشگوار ماحول کی غمازی کی۔

سپیدۂ سحری نے نمودار ہوکر خاک نشیں اور پابستۂ زنجیر انسانوں کو پیغام مسرت سنایا، کہ اب بیکسوں کا غمخوار، بے سہاروں کا سہارا اس دنیا میں آنے والا ہے۔

حضرت بی بی آمنہ کی گود میں انسانیت کے محسن اعظم نے کروٹ لی، خاکدان گیتی میں نور سحر پھیل گیا، ظلمت وگمراہی کی سیاہ چادریں تارتار ہوکر بکھر گئیں۔

کچھ کفر نے فتنے پھیلائے کچھ ظلم نے شعلے بھڑکائے
سینوں میں عداوت جاگ اٹھی، انسان سے انساں ٹکرائے
پامال کیا برباد کیا کمزوروں کو طاقت والوں نے
جب ظلم و ستم حد سے گزرے تشریف محمد لے آئے
رحمت کی گھٹائیں لہرائیں دنیا کی امیدیں بر آئیں
اکرام و عطا کی بارش کی اخلاق کے موتی برسائے
ہر چیز کو رعنائی دے کر دنیا کو حیات نو بخشی
صبحوں کے چہروں کو دھویا راتوں کے بھی گیسو سلجھائے

اس پیکر رحم وکرم نے مجبوروں اور ناداروں کو جو ذلت کی خاک پر پڑے اپنی بدنصیبی پر آنسو بہارہے تھے، اٹھا کر سینے سے لگایا، وہ بیوائیں جو اپنے روٹھے ہوئے مقدر پر آہ وفغاں کے نعرے بلند کررہی تھیں، ان کے زخمی دلوں پر تسکین کا مرہم رکھا، اوران کی دلجوئی فرمائی۔

وہ یتیم ونادار بچے جو مادرانہ شفقتوں سے محروم ہوکر غم والم اور حرماں نصیبی کا مجسمہ بن گئے تھے، انھیں رحمت عالم نے اپنی آغوش رحمت میں بٹھا کر ان کے آنسو پونچھے اور انھیں در یتیم بنادیا۔

ظلم واستبداد کے پنجوں میں جکڑے ہوئے غلاموں کو جو نفرت وحقارت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے، جن کے لیے انسانی حقوق تو کیا؟ آرام وآسائش اور آزادی وحریت کا ایک لمحہ حرام تھا، انھیں انسانیت کے محسن اعظم نے تشدد وبربریت کے آہنی پنجوں سے چھڑا کر نہ صرف آزادی وحریت اور انسانی حقوق عطا کیے، بلکہ آقا بنا کر دنیا کے سامنے پیش کیا، وہ مظلوم صنف نازک جو اپنی بے بسی سے تنگ آکر دلگداز فریادیں کررہی تھی، اسے رحمۃ للعالمین نے عفت وعصمت، حیا وشرم کا تابناک زیور پہنا کر بنی نوع انسان کا محبوب نظر بنادیا۔

مظلوموں کی فریاد سنی مجبوروں کی غمخواری کی

http://t.me/tehqiqat

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

زخموں پہ خنک مرہم رکھے بےچین دلوں کے کام آئے
عورت کو حیا کی چادر دی غیرت کا غازہ بھی بخشا
شیشوں میں نزاکت پیدا کی کردار کے جوہر دکھلائے

وہی ماحول جو مایوسیوں کی اندھیری چادر دنیا کے چہرے پر ڈال چکا تھا، وہی خطۂ ارض جو بیکسوں مجبوروں، بیواؤں اور یتیموں کی دلگداز آہ وفریاد، جگرسوز گریہ وزاری سے ہنگامۂ محشر بنا ہوا تھا، وہی سرزمین جس پر ہزاروں بے گناہ مظلوموں کی لاشیں تڑپ تڑپ کر سرد ہو چکی تھیں، وہی سماج جہاں امن و آشتی، یکجہتی واتحاد کا نام ونشان نہ تھا، وہی کائنات جسے کفر وشرک، جہالت وگمراہی اپنا مسکن بنا چکی تھی۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک نگاہ کرم والتفات نے ان کا نقشہ بدل کر رکھ دیا، ظلمت و تاریکی کی جگہ روشنی ونور، آہ وفغاں، گریہ وزاری، نالہ وفریاد کی جگہ خوشی ومسرت کے ترانے، ظلم وتشدد، بربریت وسفاکیت کی جگہ رحم دلی اور شفقت ومہربانی، نفاق وکینہ کی جگہ یک جہتی واتحاد، کفر وشرک کی صداؤں کی جگہ توحید ورسالت کے نغمے فضا میں بکھر گئے، اور سارا ماحول خوشگوار بن گیا۔

وہی باعظمت پیشانیاں جو معبودان باطل کے سامنے سجدہ ریز ہوا کرتی تھیں، خدائے وحدہٗ لاشریک کی بارگاہ میں جھکنے لگیں۔ ؎

اللہ کے رشتے کو جوڑا باطل کے طلسموں کو توڑا
خود وقت کے دھارے کو موڑا طوفاں میں سفینے تیرائے

مصلح انسانیت نے اس قوم کو جو بادیہ پیمائی اور جہالت وگمراہی میں پھنسی ہوئی تھی، انتشار و افتراق سے دوچار تھی، انھیں اتحاد کے مضبوط رشتے میں منسلک کر دیا، اخلاق وکردار اور تہذیب وتمدن کا وہ سبق دیا، جس نے ان صحرانشینوں کو دنیا کا سب سے بڑا معلم اخلاق وروحانیت اور تہذیب وتمدن کا نمونہ بنا دیا، جس کی جانب ساری دنیا جھک پڑی۔ ؎

تہذیب کی شمعیں روشن کیں اونٹوں کے چرانے والوں نے
کانٹوں کو گلوں کی قیمت دی ذروں کے مقدر چمکائے

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

پیکرِ خُلقِ عظیم

انک لعلیٰ خلق عظیم

تری خلق کوحق نے جمیل کیا ترے خلق کوحق نے عظیم کہا
کوئی تجھ ساہواہے نہ ہوگا شہا ترے خالق حسن واداکی قسم

مشہور مغربی دانشور ڈاکٹر سیموئل اسمائلز اپنی کتاب کیرکٹر میں لکھتا ہے۔

''کردار سب سے بڑی دولت ہے اور سب سے بیش بہا متاع ہے اور پسند عالم کی نگاہ میں ایک جاگیر ہے''۔

حسن سیرت وکردار انسانیت کا وہ گراں بہا جوہر ہے، جو نہ صرف انسان کی زندگی کو تابناک و درخشاں بناتا ہے، بلکہ گردوپیش کے ماحول کو روشن کردیتا ہے، اخلاق حسنہ کی متاع گراں قدر اور جاگیر لامحدود وجاوداں کائنات ہستی کے ہر گوشہ اور تاریخ کے ہر دور سے خراج تحسین حاصل کرتی ہے۔

حسن اخلاق کے زیور سے آراستہ ہستیاں ہدایت کا روشن مینار ہوتی ہیں، انسانیت کا معیار انھیں سے بلند ہوتا ہے اور انھیں سے آبروئے آدمیت کو قوت وجلا حاصل ہوتی ہے۔فاضل مفکر ایسے ہی عظیم انسانوں کے بارے میں لکھتا ہے۔

''دل چاہتا ہے کہ ایسی شخصیتوں کی بارگاہ میں سرنیاز خم کیا جائے، ان کے سامنے اعتماد کی نذریں پیش کی جائیں اور ان کے قدم بہ قدم چلا جائے، ایسے لوگ دنیا میں نیکیوں کا ستون ہیں اور ان کے بغیر دنیا سنسان ہے''۔

یوں تو دنیا میں بے شمار معلمین اخلاق پیدا ہوئے اور ہزار ہا اصلاحی تحریکیں وجود پذیر ہوئیں، ان معلمین و مصلحین میں انبیا ورسل کی مقدس و پاکیزہ ہستیاں بھی ہیں اور باشعور دانشوران روزگار کا طبقہ بھی۔ دونوں طبقوں نے عالم انسانیت کی اخلاقی قدریں بلند کرنے اور انسان کو مقام انسانیت پر فائز کرنے کے لیے درخشاں، جاذب نظر ضوابط وقوانین اخلاق کی تعلیم دی اور آج بھی دنیا دوسری قسم کے افراد اور تحریکوں سے خالی نہیں ہے، ہمیں انتہائی افسوس کے ساتھ اس امر کا اعتراف کرنا پڑتا ہے، کہ دنیاوی فلاسفہ وعقلا کے ضابطہ ہائے اخلاق کا بلند معیار اپنی جگہ مسلم مگر عملی دنیا میں ان کا چلن مفقود ہے، اس کی

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

بنیادی وجہ یہ ہے کہ خود ان مبلغین و معلمین اخلاق و دانش کی زندگیاں اپنے اختراعی ضابطوں کے خطوط اور دائروں سے الگ ہیں، ان کے اصول جس قدر تابناک ہیں، ان کی زندگیاں اس سے کہیں زیادہ تاریک و بے نور ہیں۔

جس طرح سب سے پہلے دنیا حسن اخلاق کے لفظ اور مفہوم سے انبیا و رسل کی تعلیمات کے ذریعہ روشناس ہوئی، اسی طرح اس نے ضابطہ ہائے اخلاق کی عملی تعبیریں بھی ان کی بے مثال زندگیوں کے آئینوں میں دیکھیں اور اہل جہاں نے ان برگزیدہ ہستیوں کے نقوش پا کو اپنے لیے مشعل راہ بنا کر چراغ زندگی کو اس طرح منور کیا کہ وہ خود بھی اپنے گردوپیش کے ماحول اور آنے والی نسلوں کے لیے مینارۂ نور ثابت ہوئے۔

ابتدائے آفرینش ہی سے انسانوں کی ہدایت و رہنمائی کے لیے انبیا و رسل کی آمد کا سلسلہ قائم ہوا اور دین و دنیا کے اصول اور ان کے عملی نمونے سر چشمۂ ہدایت بن کر آتے رہے، انسانی زندگی کے تاریک گوشے ان سے جلا پاتے رہے، اور خاکدان گیتی ان نفوس قدسیہ سے اکتساب فیض کر کے امن و آشتی کے نور سے جگمگاتی رہی۔

جب انسانی ذہن و فکر نے اپنے ارتقائی مراحل طے کر لیے اور شعور و دانش نے اپنی آخری منزل پر قدم رکھ دیا تو خداوند تعالیٰ نے اپنا مکمل دین نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ دنیا والوں کے سامنے پیش فرمایا۔

"الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی"

چونکہ دین اسلام اخلاق حسنہ کی کامل ترین تعلیمات لے کر پوری کائنات اور قیامت تک کے لیے آخری سرچشمۂ ہدایت بن کر آیا، اسی لیے اس دین کا حامل و مبلغ طبقۂ انبیا کا افضل ترین فرد مبعوث ہوا، جس کی سیرت و شخصیت اس آخری ضابطہ حیات و اخلاق کا مکمل اور جامع ترین عملی نمونہ تھی۔

اسلامی نظریہ حیات اور نظام اخلاق سے نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس زندگی اس قدر ہم آہنگ تھی کہ قرآن کے مطالعہ سے جہاں رسول کی شخصیت اور منصب رسالت کا تعارف ہوتا ہے، وہیں رسول کا آئینہ حیات قرآن کی تفسیریں پیش کرتا ہے، چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے حضور کی سیرت مبارکہ کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا۔

"کان خلقه القرآن" یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مظہر قرآن تھی۔

انسان کی فطرت یہ ہے کہ وہ کسی بھی رہنما اصول کی صداقتوں کا معترف اور اس پر عمل پیرا اسی وقت

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ہوتا ہے، جب ان اصولوں پر کاربند کوئی عملی نمونہ بھی نگاہوں کے سامنے ہو، مشیت خداوندی نے انسانی فطرت کے تقاضوں کے عین مطابق جب ایک ضابطہ دین اور نظام حیات پیش کیا تو جامع اخلاق و کردار شخصیت کو بھی انسانوں میں بھیجا تا کہ قومیں رسول کی ذات گرامی کی روشنی میں اسلامی نظام حیات کو اپنے دل و دماغ میں مرتسم کریں اور رسول کے اخلاق حسنہ کو اپنا کر منصب انسانیت پر فائز ہو جائیں، چنانچہ قرآن حکیم اپنے لانے والے پیغمبر کی شخصیت و اخلاق کی جانب دنیا والوں کی توجہ ان الفاظ میں مبذول کراتا ہے۔

"لقد كان لكم في رسول الله اسوة حسنة"

جس طرح اسلام انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں پر حاوی ہے، اس کی روشنی ہر طبقۂ بشر پر یکساں انداز سے پڑتی ہے، اسی طرح رسول گرامی کی سیرت مبارکہ انسانی زندگی کے ہر دور اور بشریت کے ہر طبقہ کے لیے مشعل راہ بن کر روشن و تابناک ہے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی دوسرے معلمین اخلاق کی زندگیوں کی طرح پردۂ خفا میں نہیں، بلکہ چودہ سو سال کی طویل مدت گزر جانے کے باوجود بھی امتداد زمانہ کا غبار اس منارۂ نور کو اپنی آغوش میں نہ چھپا سکا، رسول اکرم کا معصوم بچپن ہو یا عالم شباب ہو، قبل اعلان نبوت کی زندگی ہو یا بعد اعلان نبوت کے حالات ہوں، قبل ہجرت کی مظلومانہ زندگی ہو یا ہجرت کے بعد آزاد فضا میں دین کی تبلیغ و اشاعت کا زمانہ، مدافعانہ جنگ ہو یا فاتحانہ پیش رفت، مہد سے لحد تک مکمل حالات و کوائف کھلی ہوئی کتاب کی طرح آج بھی موجود ہیں، بچہ ہو یا بوڑھا، جوان ہو یا سن رسیدہ، تاجر ہو یا خریدار، حاکم ہو یا محکوم (عام شہری) آزاد ہو یا قیدی، لائق سپہ سالار ہو یا جنگجو سپاہی، تجرد پسند زاہد ہو یا شہری ہنگاموں میں رہنے والا صاحب عیال انسان، فاتح ہو یا مفتوح، غرضیکہ انسانی زندگی کے تمام طبقات سے تعلق رکھنے والے افراد رسول اکرم کی زندگی کو اپنے لیے مشعل ہدایت بنا سکتے ہیں، رسول کی بارگاہ سے کوئی بھی نامراد نہیں لوٹ سکتا۔

اصول و نظریات کا اختراع بڑا آسان ہے، مگر عمل کر کے دکھانا بہت دشوار اور انتہائی مشکل ہے، لیکن سیرت رسول اکرم کا یہ اعجاز ہے کہ زبان نبوت سے جو بات نکلتی ہے، کردار نبوت اس کا نمونہ بن کر سامنے ہوتا ہے۔

کون نہیں جانتا کہ عفو و درگذر کردار کا عظیم جوہر ہے، مگر جب عفو و درگذر کا مرحلہ سامنے آتا ہے، تو سارے زبانی دعوے اور اعترافات معدوم نظر آنے لگتے ہیں، انتقام کا جوش نظریہ عفو اور رحم کو پس پشت ڈالنے پر مجبور کر دیتا ہے، مگر دنیا نے جب رسول ہاشمی کی زبان مبارک سے اس نظریہ کو سنا، تو ان کی سیرت نے اس کا عملی ثبوت بھی دنیا کے سامنے پیش کیا، چشم فلک نے ہزاروں فاتحین کو مفتوح قوموں کی لاشوں

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

سے گزرتے ہوئے دیکھا ہے، تاریخ شاہد ہے کہ جابر و ظالم فاتحین نے صرف اسلحوں سے آراستہ اپنے مقابل حریفوں کو چن چن کر قتل نہیں کیا، بلکہ پرامن شہریوں کو بلا تفریق مرد و زن بے دریغ قتل کیا اور آباد شہروں کو کھنڈروں میں تبدیل کر دیا، مگر دنیا کی تاریخ میں ایک ایسا فاتح بھی نظر آتا ہے، جس نے اپنے بدترین دشمنوں کو بھی امن کا مژدۂ دلنواز سنایا ہے، اسلام کے خلاف برسوں صف آرا ہونے والے معاندین پر عفو و کرم کی شبنم افشانی فرمائی ہے اور سحاب رحمت دشمنوں پر کھل کر برسا ہے، فتح مکہ کا وہ دن تاریخ عالم کا بڑا مقدس دن تھا، جب اسلامی فوجیں پورے تزک و احتشام کے ساتھ حوصلہ مندیوں سے سرشار ہو کر مکہ میں داخل ہو رہی تھیں، دنیا تو یہ سمجھتی تھی، کہ آج ماضی کے جابر فاتحین کی تاریخ دہرائی جائے گی، آج محمد کفار قریش کے ایک ایک مظالم کا بھرپور انتقام لیں گے، دیگر فاتحین کی طرح شہر مکہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں گے، مکہ کی سڑکوں پر لاشوں کے انبار ہوں گے، مگر پیکر رحم و کرم رسول اس شان رحمت کے ساتھ مکہ میں داخل ہو رہا ہے، کہ اس کے منادی مکہ کی گلی کوچوں میں اعلان کرتے پھر رہے ہیں، جو شخص ہتھیار رکھ دے اسے امان ہے، جو لوگ اپنے گھروں کا دروازہ بند کر لیں انھیں پناہ ہے، جو حرم کعبہ میں آ جائیں وہ مامون ہیں، جو ابوسفیان کے گھر میں چھپ جائے وہ محفوظ ہے، یہ وہی لوگ تھے، جنھوں نے رسول کی راہ میں کانٹے بچھائے تھے، وہی تھے جنھوں نے آپ کو شعب ابی طالب میں مقید رکھا تھا، یہ وہی تھے، جنھوں نے عزیز وطن خیر آباد کہلوایا تھا، یہ وہی جابر لوگ تھے، جنھوں نے اپنی عسکری طاقت سے اسلام کو نیست و نابود کرنے کی قسم کھائی تھی، یہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق حسنہ کی بلندی تھی، جس نے ان بدترین دشمنوں کے لیے امن و سلامتی کے دروازے کھول دیے تھے اور امن و سلامتی کا نقیب اپنی جان کے دشمنوں اور صحابہ پر عرصۂ حیات تنگ کرنے والوں سے کہہ رہا تھا۔

”لا تثریب علیکم الیوم“

اے کفار مکہ کان کھول کر سن لو، تمہارے شہر کو دارا و سکندر جیسے فاتحین نے تسخیر نہیں کیا، بلکہ اس شہر امن میں فاتحانہ شان و شوکت کے ساتھ داخل ہونے والا پیغمبر رحمت للعالمین ہے، جو عالم انسانیت پر جبر و تشدد کے تیغ و سنان برسانے کے لیے نہیں بلکہ رحمت و رافت کی شبنم افشانی کے لیے مبعوث ہوا ہے، جس کے منشور حیات میں دشمنوں سے انتقام کے بجائے عفو و درگذر کا پیغام دیا گیا ہے **”والکاظمین الغیظ والعافین عن الناس“**

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

روحانیت کی فتح مبین

لا الٰہ الا اللہ! وہ گھڑی بھی کتنی بھیانک تھی، جب کہ پہلی مرتبہ ایک ہزار کا جرار لشکر اسلام کو فنا کر دینے کے عزم سے بدر کے میدان میں اتر پڑا تھا، لشکر میں دنیائے کفر کے بڑے بڑے سورماؤں نے اپنے معبودان باطل کے سامنے حلف اٹھایا تھا، کہ وہ روئے زمین کے مٹھی بھر مسلمانوں کو صفحۂ ہستی سے نابود کر کے ہی واپس لوٹیں گے۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنے تین سو تیرہ جاں نثاروں کے ساتھ مقابلے پر آ کھڑے ہوئے، تواتر کے ذریعہ اب یہ بات تاریخی مسلمات کی سطح پر آ گئی ہے، کہ اس وقت کی دنیا میں جنگ جیتنے کے لیے جتنے بھی مادی ساز و سامان ہو سکتے تھے، ان سے وہ یک سر خالی تھے۔

ان کی بے سروسامانی کا یہ عالم تھا، کہ کسی کے پاس تلوار تھی تو ڈھال نہیں، ڈھال تھی تو تلوار غائب، تیر تھا تو کمان نہیں، کمان تھی تو ترکش خالی، نیزہ تھا تو انی ٹوٹی ہوئی، انی تھی تو وہ شاخ ہی مفقود جس پر آشیانہ ہو۔

مورخین کہتے ہیں، کہ جس شمع امید کی روشنی میں وہ بدر کی وادی تک پہنچے تھے، وہ کالی کملی والے تاجدار کی جبین رحمت کا اجالا تھا، ایمان کی روحانی توانائی، سرفروشی کا ابلتا ہوا شوق اور خدائے غالب وقدیر کی نصرت پر ان کا ناقابل شکست اعتماد و یقین تھا۔

ان کے خالی ہاتھوں میں نصر من اللہ وفتح قریب کی تیغ ذوالفقار تھی، ان کے دوش ہمت پر وانتم الاعلون ان کنتم مومنین کا ترکش تھا اور ان کے رواں دواں لہو میں ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات کی تپتی ہوئی گرمی اور ان کے سینے میں جاء الحق وزھق الباطل کا جگمگاتا ہوا یقین تھا، جسے لے کر وہ شیطانی اقتدار کا تختہ الٹنے آئے تھے۔

کہتے ہیں، کہ کفار کی امیدوں کا شامیانہ مادی ساز و سامان پر کھڑا تھا، جب کہ مسلمانوں کے ایوان یقین کا سنگ بنیاد روحانی اعتقاد کی چٹان پر رکھا ہوا تھا۔

چنانچہ طبل جنگ بجتے ہی فرزندان توحید نے اس بے جگری کے ساتھ جنگ کی، کہ دشمن کی صفیں الٹ گئیں، ان کے سارے منصوبے خاک میں مل گئے، منصوبے ہی نہیں، منصوبے بنانے والے بھی روندی

https://t.me/Tehqiqat

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ہوئی زمین کے دامن کا پیوند ہو گئے۔

بڑے طنطنے کے ساتھ وہ نہتے مسلمانوں کے خون سے اپنی نہ بجھ سکنے والی پیاس بجھانے آئے تھے، لیکن تاریخ گواہ ہے، کہ چند لمحے میں ان کے سارے ارمانوں اور آرزوؤں کا خون ہو کے رہ گیا۔

دنیائے عرب کی توقع کے خلاف اسلام کی روحانی طاقتوں پر یقین رکھنے والوں نے میدان بدر میں ایسی عظیم الشان فتح حاصل کی، کہ آج عالم کے مورخین انگشت بدنداں ہیں، تین سو تیرہ نہتوں کے ذریعہ ایک ہزار ہتھیار بند لشکر کی شکست فاش عالم اسباب کا ایسا منفرد واقعہ ہے جس کی تاویل میں مادہ پرستوں کی عقلیں دنگ ہیں، وسائل کی سطح پر اب تک انھیں وہ کڑی نہیں مل سکی ہے، جس کا سر رشتہ اس طرح کے نادر روزگار واقعہ سے جوڑا جا سکے۔

میدان بدر سے قریب ہونے کے بعد ماننا پڑتا ہے، کہ تاریخ کا مطالعہ کرنے والوں کو یہ حیرت بلاوجہ نہیں ہے، مٹھی بھر بے ساز و سامان صحرا نوردوں کا ایک ہزار مسلح سورماؤں پر غالب آجانا یقیناً تاریخ کا انوکھا کردار ہے۔

لیکن شاید انھیں یہ نہیں معلوم کہ طاقت کے نتائج کا موازنہ ایک ہی نوع کی طاقتوں کے درمیان تو کیا جا سکتا ہے، لیکن جہاں ایک طرف مادی طاقت ہو اور دوسری طرف روحانی طاقت ہو، وہاں جانچنے پرکھنے اور اندازہ لگانے کے یہ سارے مصنوعی پیمانے بے کار ہو جاتے ہیں۔

اس تاریخی واقعہ کے پس منظر میں کہنا یہ چاہتا ہوں کہ آج بھی روئے زمین پر دونوں طاقتوں کے وارث موجود ہیں، لیکن زبوں حالی کا ماتم یہ ہے کہ وہ مسلمان، جنھوں نے اپنی روحانی طاقت کے بل بوتے پر دنیا کی بڑی سے بڑی مادی طاقتوں کو اپنے برہنہ قدموں سے روند ڈالا تھا، آج ان ہی کے وارثین مادہ پرستوں کی چوکھٹ پر دریوزہ گری کے لیے دامن پھیلائے کھڑے ہیں۔

بھکاری بہر حال بھکاری ہے، عام ازیں کہ وہ سوکھی ہوئی روٹی کا ٹکڑا مانگے یا طیارہ شکن توپوں اور فضا میں مار کرنے والے مزائلس طلب کرے، اب بھی اگر آنکھیں نہیں کھلیں تو سن لینا چاہیے کہ مدفن میں آنکھیں بند کی جاتی ہیں، کھولی نہیں جاتیں۔

آج بھی ہو جو براہیم کا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے انداز گلستاں پیدا

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

عہدِ وسطیٰ کا معاشرتی نظام

اور

خطبہ حجۃ الوداع کے چند اقتباسات

نبی آخرالزماں سید الکونین علیہ الصلوۃ والتسلیم نے ذی الحجہ ۱۰ھ مطابق فروری ۶۳۲ء کو آخری حج فرمایا، اس موقع پر سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ فرزندانِ توحید کا ایک عظیم اجتماع تھا، جہاں تک نگاہیں کام کرتی تھیں، خدا کی مقدس سرزمین پر انسانوں کا موجیں مارتا ہوا سمندر نظر آتا تھا، کم و بیش ایک لاکھ مسلمان جذبۂ دینی سے سرشار ہوکر "لبیک اللّٰھم لبیک، لبیک لا شریک لک لبیک ان الحمد والنعمۃ لک والملک لک لا شریک لک" کی ایمان افروز صدائیں بلند کر رہے تھے، جن کی روح پرور آوازیں گونج گونج کر اسلام کی عظمت کا اعلان کر رہی تھیں۔

سرورِ کائنات علیہ التحیۃ والتسلیم نے حجۃ الوداع کے اس تاریخی دن ایک عظیم خطبہ ارشاد فرمایا تھا، یہ خطبہ اسلام کے اخلاقی و معاشرتی نظام کا عطر اور اسلام کے نظمِ اجتماعی کا نچوڑ ہے، یہ خدا کے آخری رسول کا آخری پیغام امت کے نام تھا، فرائضِ نبوت کی بجاآوری کا ۲۳ سالہ مبارک عہد پورا ہو رہا تھا، دین کی تکمیل ہوچکی تھی، آج سے ۲۳ برس پہلے غارِ حرا میں جس نزولِ وحی کا آغاز ہوا تھا، میدانِ عرفات میں حجِ اکبر کے دن اس کا اختتام اس آیت پر ہوا "اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا"۔

نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم دن ڈھلنے کے بعد میدانِ عرفات میں اپنی اونٹنی قصوا پر سوار ہوکر جلوہ افروز ہوئے اور سواری سے آپ نے آخری خطبہ ارشاد فرمایا، اس وقت کے مقدس ترین بندوں کا ہجوم بیکراں سراپا گوش سماعت بنا ہوا تھا۔

سرکار کی زبانِ وحی ترجمان سے ارشاد ہوا۔

لا الٰہ الا اللّٰہ لا شریک لہٗ صدق وعدہ نصر عبدہ وھزم الاحزاب وحدہ

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

''اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کا کوئی شریک نہیں، اس نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا اور اپنے بندے (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کی مدد فرمائی، صرف اسی نے مختلف جماعتوں کو شکست دی۔

''**ایھا الناس اسمعوا قولی فانی لا ادری لعلی لا القاکم بعد عامی ھذا بھذا الموقف ابداً**'' ''اے لوگو! میری بات سنو، اس لیے کہ مجھے یقین نہیں، شاید میں تم سے اس سال کے بعد اس مقام پر کبھی مل سکوں''

سرکار (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایا۔

''**فلیبلغ الشاھد الغائب**'' ''یعنی جو لوگ یہاں موجود ہیں، وہ ان لوگوں کو پہنچا دیں جو یہاں نہیں ہیں''۔

سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول اس عظیم خطبہ کی اہمیت کو واضح اور روشن کرتا ہے، حجۃ الوداع کی سماجی ومعاشرتی اہمیت کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے، کہ اس عہد کی تہذیب یافتہ، متمدن اور کلچرڈ سلطنتوں نیز اس دور کے مذاہب کے اخلاقی واجتماعی نظاموں کا اجمالی مطالعہ کیا جائے۔

<u>(ا) اخوت ومساوات اور احترام انسانیت:۔</u> ازمنہ وسطیٰ کے مہذب ممالک کا جائزہ لینے سے ہمیں معلوم ہوتا ہے، کہ اس دور کی کتاب معاشرت میں اخوت ومساوات کا کوئی باب ہی نہ تھا، پورا سماج خودغرضی اور طبقاتی کشمکش کا شکار تھا، پس ماندہ طبقہ نگاہ حقارت کا نشانہ بنا ہوا تھا، ازمنہ وسطیٰ کی مشہور، متمدن ومہذب اقوام اور سلطنتوں میں روم، ایران، ہندوستان بالخصوص قابل ذکر ہیں، ان ممالک کے اخلاقی ومعاشرتی نظام اور عدم مساوات کی بنیادوں پر تعمیر سماج کا اجمالی تذکرہ ذیل میں ہم پیش کر رہے ہیں۔

<u>(الف) روم:۔</u> سلطنت روما جو عہد وسطیٰ کی وسیع اور مستحکم سلطنت تھی، جو مطلق العنان شاہی نظم آمریت کی علمبردار تھی، اس کی معاشرتی تقسیم اس طور پر تھی، پہلا درجہ معزز شہریوں کا تھا اور نچلا طبقہ غلاموں کا تھا اور درمیانی افراد کے مراتب کا تعین حسب ونسب، مذہب اور وطن کی بنیادوں پر کیا جاتا تھا۔

۱۔ ملک کے اعلیٰ طبقہ کے لوگ نیز امرا بغاوت کے علاوہ بڑے بڑے جرم کرنے کے باوجود انھیں سزائے موت نہیں دی جاسکتی تھی۔

۲۔ نچلے طبقہ کے لوگوں کے ساتھ ادنیٰ اور معمولی جرائم کی پاداش میں انسانیت سوز مظالم اور ان کو قتل کر دینے نیز زندہ جلا دینے میں کوئی تامل نہیں کیا جاتا تھا۔

<u>(ب) ایران:۔</u> سلطنت روما کے بعد دنیا کی سب سے عظیم طاقت اور سلطنت ایران تھی،

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

جو حدو د سلطنت اور عسکری حیثیت نیز شان وشوکت کے اعتبار سے سلطنت روم سے ہمسری کی دعویدار بھی تھی اور تاریخ عالم میں رومی سلطنت کے حزب مخالف اور حریف کی حیثیت سے جانی پہچانی جاتی تھی، اس کے باوصف ایران کے نظم مملکت اور نظام مذہبی دونوں ہی بنی نوع انسانیت کو طبقہ واریت کا نشانہ بنا رہے تھے اور رنگ ونسل کی کھوکھلی بنیادوں پر معاشرت کی تقسیم کو استحکام بخش رہے تھے، اس طبقہ واریت کا اثر تھا کہ ایرانی سماج چار حصوں میں منقسم تھا (۱) رہنمایان مذہبی (۲) فوجی طبقہ (۳) عمال حکومت (۴) کاشتکار اور غلام۔

ایرانی سماج کی یہ تقسیم خدائی تقسیم تصور کی جاتی تھی، چنانچہ مذہبی مصلحین وتبعین اور آتش خانوں کے محافظوں نیز امرائے سلطنت کو عام لوگوں سے بالاتر خیال کیا جاتا تھا، ایرانی معاشرہ نے ان لوگوں کو غیر محدود، مذہبی اور سیاسی اختیارات دے رکھے تھے اور ایرانی تہذیب میں نشیب وفراز کا فرق اور پستی وبلندی کا تفاوت زندگی کا لازمی قانون بن چکا تھا۔

پروفیسر الکرسٹن سین لکھتا ہے۔

سوسائٹی کے مختلف طبقوں کے درمیان ناقابل عبور فاصلہ تھا، حکومت کی طرف سے عوام الناس کو ممانعت تھی کہ وہ طبقۂ امرا میں سے کسی کی جائداد کو خرید نہیں سکتے، سیاست ساسانی کا یہ محکم اصول تھا، کہ ہرگز کوئی شخص اپنے اس رتبہ سے بلندتر رتبہ کا خواہاں نہ ہو، جو اس کو پیدائشی طور پر یعنی از روئے نسل حاصل ہے، کوئی شخص مجاز نہ تھا، کہ سوائے اس پیشہ کے جس کے لیے خدا نے اسے پیدا کیا ہے، کوئی دوسرا پیشہ اختیار کر سکے، شاہان ایران، سلطنت کا کوئی کام نیچی ذات کے آدمی کے سپرد نہیں کرتے تھے اور عوام الناس کی مختلف جماعتوں میں نہایت صریح امتیاز تھا، سوسائٹی میں ہر ایک شخص کی ایک متعین جگہ تھی۔ (ایران بعہد ساسانیاں ص ۵۹۰)

<u>(ج) ہندوستان:۔</u> روم وایران کی متمدن اقوام کی طرح ہندوستان بھی سخت طبقہ واریت کے نرغے میں تھا، یہاں کے مذہبی ماحول نے اتنی سخت طبقاتی تقسیم کی تھی، جس کی مثال مشکل ہی سے دنیا کے دوسرے قوانین مذہبی میں پائی جاسکتی ہے، حضرت مسیح سے تقریباً تین سو برس پیشتر منو نے ہندو دھرم کی بنیادی کتابوں (یعنی ویدوں) کی روشنی میں جو مذہبی نظام اور سماجی ڈھانچہ بنایا تھا، اس میں ہندوستانی عوام کو چار حصوں میں تقسیم کیا گیا تھا اور یہ تقسیم رنگ ونسل اور پیشہ کی بنیادوں پر تھی، اس تقسیم کو بھارت کا مذہبی ذہن فطری ونیچرل سمجھتا تھا، یہ طبقاتی تقسیم اس طور پر تھی، برہمن، چھتری، ویش اور شودر، ان مندرجہ بالا طبقات کے لیے الگ الگ مدارج اور علاحدہ علاحدہ دائرۂ کار متعین تھے، جس سے کسی بھی حال میں قدم باہر نکالنا ناقابل معافی جرم

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

سمجھا جاتا تھا یہ تقسیم سماجی استحکام اور بقائے معاشرت کے لیے ناگزیر خیال کی جاتی تھی، منوشاستر میں ہے۔

''قادر مطلق نے دنیا کی بہبودی کے لیے اپنے معدے اور اپنے بازووں سے اور اپنی زبانوں سے اور اپنے پیروں سے برہمن، چھتری، ویش اور شودر پیدا کیے''۔(ص ۳۱)

''اس دنیا کی حفاظت کے لیے اس نے ان میں سے ہر ایک کے لیے علاحدہ علاحدہ فرائض قرار دیے، برہمنوں کے لیے وید کی تعلیم اور خود اپنے اور دیوتاؤں کے لیے چڑھاوے دینا اور دان لینے دینے کو فرض قرار دیا''۔(ص ۸۷)

''چھتری کو اس نے حکم دیا، کہ خلقت کی حفاظت کرے، دان دے، چڑھاوے چڑھائے، وید پڑھے، خواہشات نفسانی میں نہ پڑے''۔(ص ۸۸)

''ویش کو اس نے یہ حکم دیا، کہ سیوا کرے، دان دے، چڑھاوے چڑھائے، تجارت لین دین اور زراعت کرے''۔(ص ۸۹)

''شودر کے لیے قادر مطلق نے صرف ایک ہی فرض بتایا، کہ وہ ان تینوں کی خدمت کرتا رہے''۔(ص ۹۰)

اس طبقاتی تقسیم نے برہمنوں کو آسمان شرافت و بزرگی پر پہنچا دیا تھا، ان کے جرائم جن کی پاداش بغیر قتل کے ممکن نہ تھی، انھیں ان گناہوں سے ماورا سمجھ کر بے داغ چھوڑ دیا جاتا تھا، تو دوسری طرف بیچارے شودروں کو نکبت و پستی کی انتہائی گہری وادی میں ڈال دیا گیا تھا، جہاں سے وہ دوسرے طبقوں کو آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھ سکتے تھے، برہمن کو اگر ضرورت ہو بلا کسی اور وجہ کے اپنے غلام شودر کے مال بجبر لے سکتا تھا، اس غصب سے اس پر کوئی جرم عائد نہیں ہوتا۔(باب ہشتم ص ۴۸)

جس برہمن کو رگ وید یاد ہے وہ بالکل گناہ سے پاک ہے، اگر چہ وہ تینوں عالم کو ناس کیوں نہ کردے یا کسی کا کھانا کیوں نہ کھا جائے۔(باب نہم ۲۶۲)

سزائے موت کے عوض برہمن کا صرف سر مونڈا جائے گا، لیکن دیگر ذات کے لوگوں کو سزائے موت دی جائے گی۔(باب ہفتم ص ۱۲۳)

غریب شودر کا مقام زندگی مندرجہ ذیل اقتباسات سے بخوبی ظاہر ہوتا ہے۔

برہمن کی خدمت کرنا شودر کے لیے قابل تعریف بات ہے اور اس کے سوا کسی اور چیز سے اور کوئی اجر نہیں مل سکتا ہے، اگر شودر برہمنوں پر ہاتھ یا لکڑی اٹھائے تو اس کا ہاتھ کاٹ ڈالا جائے گا اور اگر وہ غصہ میں لات مارے تو اس کا پیر کاٹ ڈالا جائے گا۔(باب ہشتم ص ۲۰۸)

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

اگر کوئی شودر کسی دوج کے ساتھ ایک ہی جگہ بیٹھنا چاہے تو بادشاہ کو چاہیے کہ اس کی سرین دغوادے اور اسے ملک بدر کردے یا اس کی سرین کو زخمی کرادے۔ (باب ہشتم ص ۲۸۱)

اگر کوئی شودر کسی برہمن پر ہاتھ لگائے یا گالی دے تو اس کی زبان تالو سے کھینچ لی جائے اور اگر وہ اس کا دعویٰ کرے، کہ وہ اس کو تعلیم دے سکتا ہے تو کھولتا ہوا پانی اس کو پلا دیا جائے۔

دنیا کی متمدن اقوام میں نظریۂ تفریق انسانیت کا ایک سرسری جائزہ پیش کیا گیا ہے، جس سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے، کہ دنیا کی قدیم تہذیبیں اور مذاہب بنی نوع انسان کی طبقہ واریت ہی کی بنیاد پر سماج کی تشکیل چاہتے تھے اور انھوں نے رنگ ونسل کے تباہ کن نظریات اور عصبی جہالت کو فروغ دینے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی، لیکن اسلام نے انسانی معاشرہ کی تعمیر امتیاز رنگ ونسل، اختلاف زاد و بوم سے بالاتر ہو کر صرف نوع انسانی کی بنیاد پر کی، کیونکہ اسلام کے نظم اجتماعی کی تشکیل انسانی فطرت کی صحیح نباضی اور نسل انسانی کے بقاودوام کی رمز شناسی کے بعد عمل میں آئی تھی اور اسلام اس حقیقت کو کائنات پر واشگاف کرنا چاہتا تھا۔

جو کرے گا امتیاز رنگ وخوں مٹ جائے گا
ترک خرگاہی ہو وہ یا عربی والا گہر

اور انسانی سماج کی تعمیر کا مقصد واحد

ع اسلام کا مقصود فقط ملت آدم

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آخری خطبہ میں بھی اسلام کے نظریۂ مساوات اور انسانی اخوت و وقار کا درس دیا، آپ نے فرمایا۔

یا ایھا الناس ان اللّٰہ یقول: یَا اَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِنْ ذَکَرٍ وَّاُنْثٰی وَجَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقَاکُمْ فَلَیْسَ لعربی علی عجمی فضل ولا لعجمی علی العربی ولا لاسود علیٰ ابیض ولا لابیض علیٰ اسود فضل الا بالتقوی.

لوگو! اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے، کہ اے انسانو! ہم نے تم سب کو ایک ہی مرد وعورت سے پیدا کیا ہے اور تمھیں جماعتوں اور قبیلوں میں بانٹ دیا، تاکہ تم الگ الگ پہچانے جاسکو، تم میں زیادہ عزت وکرامت والا خدا کے نزدیک وہی ہے، جو خدا سے زیادہ ڈرنے والا ہے، پس نہ تو کسی عربی کو عجمی پر فوقیت ہے اور نہ عجمی کو عربی پر، اور نہ کسی کالے کو گورے پر نہ کسی گورے کو کسی کالے پر برتری حاصل ہے، مگر تقویٰ سے۔

الناس من آدم و آدم من تراب.

لوگ آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے (پیدا کیے گئے)

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

یاایھا الناس اسمعوا قولی واعلموا ان کل مسلم اخ للمسلم وان المسلمین اخوۃ فلا یحل لا مرئ من مال اخیہ الا ما اعطاہ ایاہ من طیب نفس فلا تظلموا انفسکم.

اے لوگو! میری بات سنو اور سمجھو ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے، اور مسلمان باہم بھائی بھائی ہیں، تو کسی شخص کے لیے اس کے بھائی کا مال حلال نہیں، مگر جو مال وہ اپنے بھائی کو بطیب خاطر دے دے، تو تم اپنے ہی اوپر ظلم نہ کرو۔

(۲) عورت:۔ ازمنہ وسطیٰ میں عورت کا کیا مقام تھا، اس صنف نازک پر کتنے ناروا سلوک کیے جاتے تھے اور انھیں لوگوں کو شائستہ تہذیب کا عنصر قرار دیا جاتا تھا، اس کا صحیح اندازہ آج کی دنیا میں تقریباً ناممکن ہو چکا ہے، تاریخ عالم کے صفحات ہمیں بتاتے ہیں، کہ یہ کمزور صنف ہمیشہ جبر و استبداد کا نشانہ بن کر سماج کی ایک ادنیٰ ملازمہ سے بدتر زندگی گزار رہی تھی، دنیا کی شائستہ اور زیور علم سے آراستہ، دنیاوی دولت و حشمت سے مالا مال قوموں کے نظام زندگی میں عورت کا کیا مقام تھا، اس سلسلے میں ان کا سرسری مطالعہ مفید ثابت ہوگا۔

(الف) یونان:۔ یہ ملک زمانۂ قدیم میں تہذیب و تمدن کا گہوارہ سمجھا جاتا تھا اور یہ ناقابل انکار حقیقت بھی ہے، کہ یونانیوں نے شمع علم و حکمت کو روشن کرنے میں بڑا اہم رول ادا کیا اور یہیں کے تہذیبی نقوش پر دنیا کی بیشتر تہذیبوں کی بنیادیں استوار کی گئیں اور یونانی علوم و فنون آج بھی دنیا کے قدیم علوم و فنون کی حیثیت سے بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں، بایں ہمہ ان یونانیوں کے نزدیک عورت کا مقام بڑا ہی پست تھا، وہ اس صنف کو عالم انسانیت پر بار تصور کرتے تھے اور ان کے یہاں اس کا مقصد وجود صرف اتنا تھا، کہ وہ اہل خاندان کی ہر ممکن خدمات انجام دیتی رہے، یورپ کا مشہور اہل قلم مورخ لیکی اپنی کتاب تاریخ اخلاق یورپ میں لکھتا ہے۔

''بحیثیت مجموعی یونانی عورت کا مرتبہ نہایت پست تھا، اس کی زندگی مدت العمر غلامی میں بسر ہوتی تھی، لڑکپن میں اپنے والدین کی، جوانی میں اپنے شوہر کی، بیوگی میں اپنے فرزندوں کی، وراثت میں اس کے مقابلہ میں اس کے مرد اور اعزہ کا حق ہمیشہ راجح سمجھا جاتا تھا، طلاق کا حق اسے قانوناً ضرور حاصل تھا، تاہم عملاً وہ اس سے بھی کوئی فائدہ نہ اٹھا سکتی تھی، کیونکہ عدالت میں اس کا اظہار یونانی ناموس اور حیا کے منافی تھی، افلاطون نے بلا شبہ مرد و عورت کی مساوات کا درس دیا تھا، لیکن یہ تعلیم محض زبانی تھی، عملی زندگی اس سے بالکل غیر متاثر رہی، ازدواج کا مقصد خالص سیاسی رکھا گیا، یعنی اس سے طاقتور اولاد پیدا ہو، جو حفاظت ملک کے کام آئے، اسپارٹا کے قانون میں یہ تصریح

http://t.me/tehqiqat

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

موجود تھی، کہ مسن اور ضعیف مردوں کو اپنی کمسن بیویاں کسی نوجوان کے حبالۂ نکاح میں دینا چاہیے، تاکہ فوج میں سپاہیوں کی تعداد میں اضافہ ہو'' ۔(جلد دوم باب پنجم ص ۲۳۸)

(ب)روم:۔ لیکی اپنی اس کتاب میں رومی عورت کی حیثیت کے بارے میں رقمطراز ہے۔

''عورت کا مرتبہ رومی قانون نے ایک عرصہ دراز تک نہایت پست رکھا، ازسر قانون جو باپ ہو یا شوہر ہوا سے اپنی بیوی بچوں پر پورا اختیار حاصل تھا اور وہ عورت کو جب چاہے گھر سے نکال سکتا تھا، جہیز یا دلہن کے والد کو نذرانہ دینے کی کچھ بھی رسم نہیں تھی اور باپ کو اس قدر اختیار حاصل تھا، کہ جہاں چاہے اپنی لڑکی کو بیاہ دے، بلکہ بعض دفعہ تو وہ کی کرائی شادی کو توڑ وا سکتا تھا، دور مابعد یعنی دور تاریخ میں یہ حق باپ کی طرف سے شوہر کی طرف منتقل ہو گیا اور اس کے اختیارات یہاں تک وسیع ہو گئے، کہ وہ چاہے تو بیوی کو قتل کر سکتا تھا، ۵۲۰ رسال تک طلاق کا کسی نے نام بھی نہ سنا، رومی سماج نے عورت کو ہمیشہ پست اور ذلیل سمجھا، یہ حقیقت ہے، کہ بعد کے زمانوں میں عورت کو کچھ حقوق ضرور دیے گئے، لیکن اسے مردوں کے مساوی درجہ پر فائز ہونے کا کبھی موقع نہ مل سکا''۔ (جلد دوم باب پنجم ص ۲۴۰)

(ج)عرب:۔ عہد جاہلی میں عورتوں کی حیثیت دنیا کے دوسرے معاشروں سے کہیں زیادہ پست تھی، عورت کے وجود سے نفرت و بیزاری عام تھی، بچیوں کی پیدائش پران کا ردعمل کیا ہوتا تھا، اس کا نقشہ قرآن حکیم ان الفاظ میں پیش کرتا ہے۔

اِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالاُنْثیٰ ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّ هُوَ كَظِيْمٌ يَتَوَارىٰ من القوم من سوء ما بشر به ايمسكهٗ علىٰ هون ام يدسه فى التراب (النحل)

جب ان میں سے کسی کو لڑکی کی خبر دی جاتی ہے تو اس کا چہرہ سیاہ پڑ جاتا ہے اور وہ غم سے گھلنے لگتا ہے، وہ اس خبر کو اس حد تک برا سمجھتا ہے، کہ اپنے آپ کو اپنی قوم سے چھپائے پھرتا ہے اور سوچ میں پڑ جاتا ہے، کہ ذلت کو برداشت کرتے ہوئے باقی رکھے، یا زیر زمین دفن کر دے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا ارشاد گرامی ہے۔

واللّٰه انا فى الجاهلية ما نعد النساء امرا حتى انزل اللّٰه فيهن ما انزل وقسم بين ماقسم.

بخدا ہم دور جاہلیت میں عورتوں کو کوئی حیثیت نہیں دیتے تھے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں اپنی ہدایات نازل کیں اور ان کے لیے جو حصہ مقرر کرنا تھا مقرر کیا۔

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

شرفائے عرب عورتوں کو انتہائی ذلت کی نگاہ سے دیکھتے اور لڑکی کی پیدائش کو اپنے دامن شرافت کا بدنما داغ سمجھتے تھے اور اکثر بچیوں کو انتہائی سفاکی اور بے دردی کے ساتھ زندہ درگور کر دیتے تھے، بے گناہ کمسن لڑکیوں کو زیر زمین زندہ دفن کر دینے کے جو انسانیت سوز واقعات تاریخ کے صفحات پر موجود ہیں، وہ دل کو ہلا دیتے ہیں۔

ایک شخص نے سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے زمانۂ جاہلیت کا واقعہ سنایا، کہ میری ایک بچی تھی، جو مجھ سے بہت مانوس تھی، جب میں اسے بلاتا، تو وہ بڑی مسرت سے میرے پاس آتی، چنانچہ میں نے اسے ایک دن آواز دی، وہ دوڑتی ہوئی میرے پیچھے چلی آئی، میں اسے اپنے ساتھ لے گیا اور قریب کے ایک کنویں میں ڈال دیا اور اس وقت بھی وہ ابا جان ابا جان ہی کہتی رہی، یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں اشکبار ہوگئیں، یہاں تک کہ ریش مبارک تر ہوگئی۔

(د) ہندوستان:۔ ہندوستان کے عہد قدیم میں عورت کی حیثیت بعض خدمت گذار اور مجبور باندی سے زیادہ نہ تھی، ہندومت نے بھی اسے سماجی قانون میں بہت پست مقام دیا تھا اور اسے فریب کار، مکار، ناقص العقل صنف کی حیثیت سے جانا پہچانا جاتا تھا۔

شوہر اگر مرجاتا، تو عورت گویا جیتے جی مرجاتی اور زندہ درگور ہوجاتی، وہ کبھی دوسری شادی نہ کرسکتی، اس کی قسمت میں طعن وتشنیع اور ذلت وتحقیر کے سوا کچھ نہ ہوتا، بیوہ ہونے کے بعد اپنے متوفی شوہر کے گھر کی لونڈی اور دیوروں کی خادمہ بن کر رہنا پڑتا، اکثر بیوائیں اپنے شوہر کے ساتھ ستی ہوجاتی تھیں۔ (تمدن ہند ص ۲۳۸)

مذہبی نقطۂ نظر اس صنف نازک کے بارے میں یہ تھا، عورت لڑکپن میں اپنے باپ کے اختیار میں رہے اور جوانی میں اپنے شوہر کے اختیار میں رہے اور بزرگی کی حالت میں اپنی اولاد کے زیر اختیار رہے، خودمختار ہوکر کبھی نہ رہے۔

عہد وسطیٰ کے معاشرتی نظاموں کا اجمالی خاکہ اوپر گزر چکا ہے، جس سے صنف نازک کی حیثیت واضح ہوجاتی ہے، دنیا کے سیاسی نظاموں کی طرح ادیان و مذاہب نے بھی عورتوں کے معاملے میں اپنے نقطۂ نظر میں تبدیلی نہ کی۔

دنیا کی تاریخ میں اسلام سب سے پہلا مذہب ہے، جس نے سماج میں عورتوں کی قدر و قیمت اوران کے جائز حقوق کے تحفظ کے لیے اصول کی تعیین کی اور اس صنف نازک کے خلاف مردوں کی نفرت وحقارت کے جذبات کو محبت ومودت میں بدل دیا۔

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ .

عورتیں تمہارے لباس ہیں اور تم ان کے لباس ہو۔

اسلام نے عورتوں کے ساتھ شفقت ومحبت اور حسن سلوک کا درس دیا اور سماج میں ان کو محترم و معزز مقام پر فائز کیا۔

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آخری خطبہ میں فرمایا۔

ایھا الناس فان لکم علیٰ نسائکم حقاولھن علیکم حقالکم علیھن ان لا یوطئن احدا تکرھونہ وعلیھن ان لا یاتین بفاحشۃ مبینۃ ہ. فان فعلن فان اللّٰہ قد اذن لکم ان تھجروھن فی المضاجع و تضربوھن ضربا غیر مبرح فان انتھین فلھن رزقھن وکسوتھن بالمعروف واستوصوا بالنساء خیرا فانھن عندکم عوان لا یملکون لا نفسھن شیئا وانکم انما اخذتموھن بامانۃ اللّٰہ استحللتم فروجھن بکلمات اللّٰہ.

اے لوگو! بیشک تمہارا عورتوں پر حق اور ان کا بھی تم پر حق ہے، تمہارا حق ان پر یہ ہے، کہ تمہارے بچھونے پر اس کو نہ لٹائیں، جس کو برا جانو اور ان پر لازم

ہے، کہ وہ بدکاری نہ کریں، پس اگر وہ یہ حق ادا نہ کریں تو بیشک اللہ نے تم کو اجازت دی ہے، کہ تم لوگ ان کو خوابگاہوں میں الگ کردو اور تم ان کو ایسی مار مارو، جس سے ٹوٹے پھوٹے نہیں، پھر وہ اس سے باز آئیں تو ان کو کھانا کپڑا عمدگی سے دو اور عورتوں کے ساتھ بھلائی کرو، پس بیشک وہ تمہاری دست نگر ہیں اور وہ خود مختار نہیں ہیں، بیشک وہ اللہ تعالیٰ کی امانت کی طرح تمہارے قبضہ میں ہیں اور وہ تم پر اللہ تعالیٰ کے حکم سے مباح ہوئی ہیں۔

<u>(۳) غلامی:۔</u> زمانہ وسطیٰ میں غلاموں کی حیثیت سماجی اور مذہبی نقطۂ نظر سے کیا تھی، اس کا تصور ہم آج آزادی وحریت کی بسیط فضا میں کرنے سے قاصر ہیں، غلامی کی بدترین لعنت پوری دنیا میں پھیلی ہوئی تھی، جس نے لاکھوں کروڑوں انسانوں کو ان کے پیدائشی حقوق سے ہمیشہ کے لیے محروم کردیا تھا، سماج اور مذہب نے اس طبقۂ انسانی کو اس طرح پامال کردیا تھا، کہ وہ اپنے حقوق کی بازیابی کے لیے سعی وجدو جہد کا تصور بھی نہیں کرسکتے تھے، صد ہا برس کی غلامی کی زنجیروں نے انھیں آزادی کا علم بلند کرنے سے روک دیا تھا، جسمانی کاوشوں اور سفاکانہ مظالم نے ان کے ذہن وفکر کو یکسر ماؤف کردیا تھا۔

سماجی نقطۂ نظر یہ تھا، کہ انسانیت کی تقسیم سوسائٹی کو برقرار رکھنے کے لیے ناگزیر ہے، مذہب بھی اس خیال کی بھرپور تائید میں تھا، مذہب اور سماج کے قوانینی مساعدے نے اس مظلوم طبقہ کو صرف خدمت

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کرنے پر مجبور کر دیا تھا، اس خدمت سے سر موتجاوز ان کے لیے سخت سے سخت سزاؤں کا موجب تھا، اگر غلام بھاگ جاتا اور بدنصیبی سے گرفتار ہو جاتا، تو اسے اس طرح سزائے موت دی جاتی، کہ جس کے تصور سے دل ہل جائے، انسانیت لرز اٹھے، غلاموں کے ساتھ بدسلوکیاں پوری خدمت کے باوجود انھیں شکم کی آسودگی اور جسم پوشی کے لیے خوراک اور کپڑے مکمل طور سے نہیں دیے جاتے تھے، ان غلاموں کے ساتھ جو ناروا سلوک ہوتے تھے، اس کا بیان ایک انگریز مفکر جان رسٹورٹ کی تحریر سے لگایئے۔

آج چونکہ ہم آزادی کی فضا میں سانس لے رہے ہیں، اس لیے سمجھ نہیں سکتے، کہ غلامی دنیا کی کتنی بڑی لعنت ہے اور یہ کس طرح انسانوں کو بھیڑ بکریوں سے بھی زیادہ بدتر بنا دیتی ہے، جس طرح ہم آزادی کے ساتھ بھیڑ بکری یا کسی جانور کو جب چاہتے ہیں، ذبح کر سکتے ہیں، اسی طرح قدیم زمانہ میں ہر آقا کو اس بات کا حق حاصل تھا، کہ وہ ادنیٰ سے قصور پر بھی اپنے غلاموں اور باندیوں کو ہلاک کر دے، کوئی پوچھنے والا نہ تھا۔

دیسٹر مارک لکھتا ہے، کہ تیرہویں صدی میں آقا کو اپنے غلام پر ہر طرح کا حق تھا، کہ چاہے تو اس کو زندہ رہنے دے یا ہلاک کر دے، لوگ غلام کو لکھنے پڑھنے سے منع کرتے تھے اور جو اس کے خلاف کرتا تھا، اس کو سزا دی جاتی تھی، غرض یہ تھی، کہ غلام اپنے حق سے بے خبر رہیں۔ (بحوالہ الرق فی الاسلام ص ۲۰)

غلامی کیا ہے اور اس کے تحت زندگی گذارنے والوں کی حیثیت قبل اسلام کیا تھی؟ مندرجہ بالا اقتباسات کی روشنی میں صاف ظاہر ہو رہا ہے، کہ اسلام نے طبقۂ انسانی کے تمام افراد کو ایک سطح پر لانے اور عالمی مساوات کو عام کرنے کے لیے طبقۂ غلامی کو عرصۂ دراز سے نکبت و پستی کے عمیق غار میں زندگی گزارنے والے غلاموں کو حق و انصاف کے اجالے میں لاکر طبقۂ انسانیت کی صف میں کھڑا کر دیا، آقا و غلام کے فرق کو مٹا دیا، اس حقیقت کا اعتراف ایک انگریز مفکر نے ان الفاظ میں کیا ہے۔

"اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا، کہ اسلام کے جلوہ گر ہونے سے پہلے غلامی کا رواج عام تھا، اسلام سے قبل دنیا میں بڑے بڑے مذاہب آئے، اس میں سے کوئی ایک مذہب بھی غلامی کو ختم نہ کر سکا، لیکن اسلام نے جلوہ گر ہو کر اس بری رسم کو بیخ و بن سے اکھاڑ کر پھینک دیا"۔ آگے چل کر لکھتا ہے۔

اسلام نے غلاموں کو آزادی دلانے کے لیے جو تدابیر اختیار کیں، ان کو سامنے رکھتے ہوئے یہ کہنا پڑتا ہے، کہ اسلام، دنیا کا وہ پہلا مذہب اور زندگی کا پہلا نظام ہے، جس میں غلامی کے رواج کے لیے کوئی جگہ نہیں۔

اسلام نے اپنے نظام معاشرت میں آقا و غلام اور خادم و مخدوم کا فرق مٹا دیا، وہ اتحاد انسانی اور

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ہمہ گیر مساوات کے رشتہ میں ساری بنی نوع انسانیت کو منسلک کرنا چاہتا ہے، چنانچہ فخر دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات طیبہ میں رنگ ونسل اور آقا وغلام کی بنیادوں پر قائم فرق کو مٹانے کی بھرپور کوشش کی، ارشاد فرمایا۔

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اخوانکم جعلھم اللّٰہ فتیۃ تحت ایدیکم فمن کان اخوہ تحت یدہ فلیطعمہ من طعامہ و لیلبسہ من لباسہ ولا یکلفہ ما یغلبہ فان کلفہ ما یغلبہ فلیعنہ (ترمذی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تمہارے غلام تمہارے بھائی ہیں، جنھیں اللہ نے تمہارا دست نگر بنا دیا ہے، تو وہ شخص جس کے ماتحت اس کا کوئی بھائی ہو، تو چاہیے کہ اسے اپنی طرح کھانا کھلائے اور اپنے ہی جیسا لباس پہنائے اور اسے ایسے کام کا حکم نہ دے جو اسے مغلوب کر دے، پس اگر اسے ایسا بھاری کام سونپے تو ضروری ہے، کہ اس کی مدد کرے۔

اپنے آخری خطبہ میں بھی اس امر کی تاکید فرمائی۔

ایھا الناس کل مسلم اخ للمسلم فان المسلمین اخوۃ ارقاقکم ارقاقکم اطعموھم بما تاکلون البسوھم مما تلبسون (طبقات ابن سعد)

لوگو! ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور سارے مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں، تمہارے غلام تمہارے غلام ہیں، انھیں وہی کھلاؤ، جو کھاتے ہو، انھیں وہی پہناؤ، جو خود پہنتے ہو۔

خطبۂ حجۃ الوداع کے اس اقتباس سے متاثر ہو کر یورپین مستشرق ڈاکٹر مارکس ڈاؤس لکھتا ہے۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم بہت شفیق اور رحم دل شخص تھے اور بے شبہہ آپ کا یہ منشا تھا، کہ غلاموں کی حالت میں اصلاح کریں، اگر آپ فی الفور غلاموں کی آزادی کا خیال کرتے، تب بھی اس کو عمل میں لانا غالباً ناممکن پاتے، لیکن آپ نے **انما المومنون اخوۃ** کا اعلان کر کے بتدریج اس مقصد کے حاصل کرنے کے لیے ایک ایسا یقینی ذریعہ سوچا، جو آپ کے اختیار کے مطابق سب سے بہتر ذریعہ تھا، اس کے ساتھ ہی آپ نے موجودہ غلاموں سے نیک برتاؤ کی ہدایت فرمائی، اس بارے میں آپ کی آخری نصیحت ایسی اہم اور وقیع ہے، کہ اس سے قطع نظر نہیں ہو سکتی، آپ نے فرمایا، اب رہے تمہارے غلام! تو دیکھو، جو تم کھاتے ہو وہی ان کو کھلاؤ، جیسا کپڑا تم پہنتے ہو ویسا ہی ان کو پہناؤ، اگر وہ کوئی ایسا قصور کریں، جو تم معاف نہیں کر سکتے، تو انھیں فروخت کر دو، کیونکہ وہ خدا کے بندے ہیں اور انھیں ایذا

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

نہیں دینی چاہیے، لوگو! میری بات سنو اور اسے خوب سمجھ لو کہ مسلمان بھائی بھائی ہیں، تم سب مساوی ہو اور تم سب ایک برادری ہو۔ (بحوالۂ الرق فی الاسلام ص ۲۲۲)

انتقام:۔ عرب جو جہالت و سرکشی کا مرکز تھا، جہاں معمولی معمولی باتوں پر کشت وخون کا بازار گرم ہو جانا ایک ادنیٰ سی بات تھی اور اس کے شعلے انسانی زندگیوں کو برسہا برس تک اپنی لپیٹ میں لیے رہتے تھے اور نسل انسان کو تباہی و بربادی سے دوچار کیے رہتے تھے۔

ایک قتل کے بعد قاتل سے مقتول کے خاندان والوں کا بدلہ لینا ناگزیر تھا، اگر کسی وجہ سے حقیقی قاتل سے انتقام نہ لیا جاسکا تو اس کے بیٹوں سے یا خاندان کے دوسرے لوگوں سے انتقام لیا جاتا۔

اس بدترین رسم نے پورے سماج کو گمراہ کر دیا تھا، جس سے نسل انسانی کا فروغ متاثر ہو رہا تھا، سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آخری خطبہ میں ارشاد فرمایا۔

دماء الجاهلية موقوفة اول دم اضع من دمائنا دم ابن ربيعة ابن الحارث

(صحيح بخارى و مسلم)

جاہلیت کے تمام خون یعنی خون انسان باطل کر دیے گئے اور سب سے پہلے میں اپنے خاندان کا خون ربیعہ بن حارث کے بیٹے کا خون باطل کرتا ہوں۔

سود:۔ قبل اسلام عرب میں سودخوری کا رواج عام تھا، جس نے غریبوں اور ناداروں کو سرمایہ داروں کا غلام بنا دیا تھا، ناچار غریبوں کی کمائی سود کی صورت میں مالداروں کی تجوریوں کی زینت بن رہی تھی، سودی کاروبار کی عمومیت نے مالی تفاوت اور معاشی بدحالی کو عام کر دیا تھا، اسلام نے سودی کاروبار سے سختی کے ساتھ روکا اور اس کی شدید مذمت کی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آخری خطبہ میں ارشاد فرمایا۔

وربا الجاهلية موضوع اول ربا اضع ربانا ربا عباس بن عبد المطلب.

جاہلیت کے سارے سود باطل کر دیے گئے اور سب سے پہلا اپنے خاندان کا سود یعنی عباس بن عبدالمطلب کا سود باطل کرتا ہوں۔

لوٹ کھسوٹ اور کشت وخون کی ممانعت:۔ عرب میں اسلام سے پہلے انسانی خون کی کوئی قیمت نہ تھی، بات بات پر بڑی بڑی جنگوں کے نقارے بجنے لگتے تھے، دورِ جاہلی میں انسانوں کی جانیں، ان کے مال واملاک اور عزت وآبرو ہمیشہ خطرہ کے نشانے پر رہا کرتی تھی، اسلام نے آکر بنی نوع انسان کو صلح وامن کا پیغام دیا، نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آخری خطبہ میں بھی احترام انسانیت اور لوٹ کھسوٹ سے بچنے کا حکم دیا۔

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

آپ نے فرمایا۔

ایھا الناس ان دماء کم و اموالکم علیکم حرام الیٰ ان تلقوا ربکم کحرمۃ یومکم ھذا و حرمۃ شھر کم.

لوگو! بیشک تمہارے خون اور تمہارے مال تم (مسلمانوں) پر تا قیامت حرام ہیں، تمہارے اس دن کی حرمت اور تمہارے اس مہینے کی حرمت کی طرح۔

یعنی جس طرح تمہارے لیے یہ دن اور یہ مہینہ محترم ہے، اسی طرح مسلمانوں کے جان و مال محترم ہیں، ان پر دست درازی روا نہیں۔

آپ نے فرمایا:

لا یحل لا مریٔ من مال اخیہ الا ما اعطاہ من طیب نفس منہ فلا تظلموا انفسکم (ابن خلدون ج۳ ص ۱۰۳)

کسی شخص کے لیے اس کے بھائی کے مال سے کچھ حلال نہیں، سوا اس کے جس (مال) کو اس کا بھائی اسے بخوشی دے دے، تو تم اپنے ہی اوپر ظلم نہ کرو۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری خطبے کے مندرجہ بالا اقتباسات ازمنہ وسطیٰ کے سماجی اور سیاسی نظاموں پر ضرب کاری کی حیثیت رکھتے ہیں، رنگ و نسل کے سارے امتیازات کو باطل کر دینے کے بعد صرف تقویٰ کو فضیلت کا معیار قرار دیا گیا ہے۔

طبقاتی تقسیم کا تصور جو جڑیں پکڑ چکا تھا، اسے بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکا، عورتوں اور مردوں کے باہمی حقوق و فرائض کی وضاحت کی گئی، غلاموں کو آزادی کی خوشخبری دی گئی، سود خوری اور قتل و غارت گری، انتقام کی ساری انسانیت سوز رسموں کو ختم کر دیا گیا اور ان کی سختی سے ممانعت کی گئی۔

خیالات کو ذرا سی وسعت دیجیے، کہ سرکار کے مندرجہ بالا اقتباسات کے چند فقرے اور جملے انسانی سماج کو کتنی لعنتوں سے نجات دلاتے ہیں اور ان کے ذریعہ کتنی ظالمانہ رسوم کی بنیادیں صرف متزلزل ہی نہیں، بلکہ ڈھ گئی ہیں۔

رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کا یہ آخری خطبہ کسی سیاسی مصلحت کا نتیجہ نہ تھا، نہ کسی وقتی جذبہ کی پیداوار، یہ اللہ کے آخری رسول کا عالم انسانیت کے نام آخری پیغام تھا، جس میں بقائے انسانیت کے راز کی نشاندہی کی گئی تھی۔

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

اسلامیات

http://t.me/Tehqiqat

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

اسلامی نظم معاشرت اور حقوق العباد

عصر حاضر کی مادی ترقی نے جہاں دنیا میں انسانوں کے معاشی وسائل کو بیکراں وسعت دی ہے، وہیں دین و مذہب سے منافرت کے جذبات کو بھی فروغ دیا ہے، اس دور میں جو بھی سیاسی وسماجی تحریکیں جدید افکار وخیالات لے کرا بھرتی ہیں، ان کے قائدین ومتبعین مذہبی اقدار پر سخت تنقیدیں کرتے ہیں، ان لوگوں کا اگر کوئی گروہ مذہب کی ضرورت کو محسوس کرتا ہے، تو اس کا دائرہ صرف افراد کی نجی اور پرائیویٹ زندگی ہی تک محدود رکھتا ہے اور انسانوں کی سماجی اور معاشرتی زندگی میں مذہب کی مداخلت کو پسند نہیں کرتا، جس کا واضح مفہوم یہ ہے، کہ مذہب افراد انسانی کی اخروی زندگی کو سنوارنے کا ذریعہ تو کسی حد تک بن سکتا ہے، لیکن انسانی اجتماعیت ومعاشرت سے متعلق مذہب کی رہنمائی قطعاً قابل قبول ولائق اعتنا نہیں، اس کا بنیادی سبب یہ ہے، کہ عہد حاضر کے عقلا اسلام کے علاوہ جب دوسرے مذاہب عالم کے افکار ونظریات کا تنقیدی جائزہ لیتے ہیں، تو وہ اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں، کہ مذہب چند روحانی عقائد ونظریات کا مرقع تو ہوتا ہے، لیکن وہ سماجی ومعاشرتی زندگی میں اپنا واضح لائحہ عمل پیش نہیں کرتا، نہ ہی سماج کے اندر افراد کے باہمی حقوق وفرائض اور ربط وضبط کی نشاندہی کرتا ہے۔

اسلام کے علاوہ ہم خود بھی اگر دنیا کی مختلف روحانی تحریکوں اور ادیان ومذاہب کے اصول ونظریات کا جائزہ لیتے ہیں، تو اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں، کہ ان مذاہب نے خدارسی اور نجات اخروی کے لیے مرتب اصول تو پیش کیے، مگر سماجی زندگی کو خوشگوار بنانے کے لیے کوئی قدم نہیں اٹھایا، بلکہ اپنے پیرووں کو ہمیشہ اس بات کی تلقین کرتے رہے، کہ معاشرتی علائق اور دنیاوی تعلقات نجات اخروی کے لیے آہنی زنجیر اور مذہبی نقطۂ نظر سے معصیت کے داعی ہیں۔

<u>ویدک دھرم:۔</u> دنیا کے قدیم مذاہب میں ہندوستان کا ویدک دھرم اپنے روحانی نظریات اور مذہبی رسم ورواج کے اعتبار سے بہت پرانا ہے، یہ دھرم بھی اپنے ماننے والوں کو خدارسی کے لیے صحرانشینی اور معاشرتی تعلقات کے انقطاع کی تعلیم دیتا ہے، جوگ اور رہبانیت کو ہندو دھرم کے مخصوص طبقہ ہی میں مذہب کی اساسی حیثیت نہیں دی گئی، بلکہ سارے ہندو سماج نے ہر دور میں نہ صرف اس طریق زندگی کو سراہا، بلکہ اس کی ہر ممکن حوصلہ افزائی کی اور اسی کو نجات آخرت کا واحد ذریعہ قرار دیا، صاحب تاریخ تمدن ہند نے

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

پانچویں صدی قبل مسیح میں مشرقی ہند کی مذہبی حالت کا جائزہ لیتے ہوئے لکھا ہے۔

''راہبوں کی عام خصوصیت یہ تھی، کہ انھوں نے دنیا کو تج دیا تھا اور نفس کشی اور ریاضت کی مشق کرتے تھے، کیونکہ یہ نجات کا ایک ذریعہ مانا جاتا تھا''۔

<u>بدھ مت:۔</u> ہندوستان کے ایک دوسرے قدیم دھرم بدھ مت نے بھی ویدک دھرم کی مندرجہ بالا خصوصیت کو اپنی اساس بنائی اور معاشرتی اصول وضوابط کی مطلق پرواہ نہ کی، خود بدھ مت کے بانی گوتم (۶۲۳ تا ۵۴۳ ق م) نے اس وقت اپنی ریاست اور راج محل کو خیر باد کہا، جب ان کے گھر میں ایک نئی زندگی نے جنم لیا تھا، معاشرتی حقوق وفرائض میں وسعت ہوگئی تھی، گوتم نے معاشرتی زندگی کے دائرہ سے خارج ہونے کے بعد ہی اپنی صداقت کی کھوج کا آغاز کیا تھا، تو ان کی جماعت میں شمولیت کی شرط اول ہی ترک دنیا تھی، رہبانیت اور ترک دنیا ہندوستان کے سارے مذاہب کا عام مزاج بن چکا تھا، زمانہ قدیم کا ایک مفکر اس سلسلہ میں اپنے خیالات کا اظہار ان الفاظ میں کرتا ہے۔

''ہم لوگوں کا طرز معاشرت ہندوستان کے جوگیوں سے کس قدر مختلف ہے، وہ لوگ دنیا سے الگ تھلگ جنگل وبیابان میں تنہا رہا کرتے ہیں، ہم لوگ دنیا کے کاروبار میں برابر شریک اور مشرکوں تک سے ملتے جلتے رہتے ہیں۔ (ہسٹری آف یوروپین مارلس جلد دوم ص ۱۹۸)

<u>عیسائیت:۔</u> مذاہب عالم میں عالمی اعداد وشمار کے لحاظ سے سب سے زیادہ حلقۂ اثر رکھنے والا مذہب مسیحیت ہے، جس کے بنیادی افکار وخیالات سے یورپ زمانہ قدیم سے آج تک ہم کنار ہے اور جس کے ماننے والے دنیا میں تقریباً ہر ملک میں پائے جاتے ہیں اور یوروپین مفکرین کو براہ راست مسیحیت کے مطالعے اور جائزے کا موقع ملتا رہا ہے۔

دوسرے مذاہب کی طرح عیسائی مذہب بھی ترک دنیا کا سبق دیتا ہے اور پاکیزگی نفس وتطہیر قلب فطری جذبات کے انسداد اور معاشرتی زندگی سے اجتناب ہی میں مضمر سمجھتا ہے، رہبانیت کو جتنا فروغ عیسائیت نے بخشا ہے، شاید ہی دنیا کا کوئی دوسرا مذہب اس کا مقابلہ کرسکے، رہبانیت کے بنیادی اصول کی نشاندہی یورپ کا مشہور مورخ ڈاکٹر لیکی اپنی کتاب ''تاریخ اخلاق یورپ'' میں ان الفاظ میں بیان کرتا ہے۔

''رہبانیت کے اصل الاصول دو ہیں، عورت سے ہمبستری نہ کی جائے، دنیا کے تعلقات کو ترک کردیا جائے''۔ (جلد دوم ص ۹۸)

عیسائی مذہب کی تاریخ بتاتی ہے، کہ وہ ہر دور میں اپنے ماننے والوں کو رہبانیت کا درس

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

دیتا رہا ہے اور لاکھوں کروڑوں انسانوں کو بلا تفریق مرد وعورت کلیسا کی نذر کرتا رہا ہے، ان راہبوں کو ابتدائی مدارج ہی میں ترک علائق کی سخت ترین ترغیب دی جاتی تھی اوران افراد سے معاشرت کے حقوق و فرائض، محبت و ہمدردی کے جذبات کو کچل ڈالنے کا کتنا سنگین عہد راہبان کلیسا لیا کرتے تھے، اس کی منظر کشی لیکی نے اپنی کتاب میں اس طرح کی ہے۔

''سینٹ جورم ایک شخص کو راہبانہ زندگی کی ترغیب دیتے ہیں اور ترک تعلقات خانگی کے باب میں کیسی داد شجاعت دیتے ہیں، تمہارا ننھا بھتیجہ تمہارے گلے میں باہیں ڈال دے گا، تمہاری ماں آنسوؤں کا تار باندھ دے گی، اپنے احسانات کو یاد دلائے گی، اپنے کپڑے اور بال نوچ نوچ کر اپنے حقوق پر توجہ دلائے گی، تمہارا باپ اپنے تئیں تمہارے قدموں پر گرادے گا، لیکن تمہیں چاہیے، کہ اس کے جسم کو پامال ہوجانے دو اوران میں سے کسی شے کی پرواہ نہ کرو، تمہاری بیوہ ہمشیرہ تمہارے گرد پروانہ ہوجائے گی، تمہارے والدیہ کہیں گے، کہ میری موت کے وقت تک اپنا ارادہ ملتوی رکھو، اعزہ یہ سمجھائیں گے، کہ خاندان کا شیرازہ صرف تمہاری ذات سے قائم ہے، مگر تمہیں ان میں سے کسی شے کی پرواہ نہ ہونی چاہیے، تمہارے کان میں مسیح کی ندا آرہی ہے، اس کے مقابلہ میں تمہیں کسی اور آواز سے متاثر نہ ہونا چاہیے، مسیح کی محبت اور جہنم کے خوف کے سامنے ساری محبتیں اور رشتہ داریاں ہیچ ہیں'' (تاریخ اخلاق یورپ جلد دوم ص۲۹، ۱۲۸)

ان راہبانہ انداز فکر اور طریق حیات کے جو مضر اثرات معاشرۂ انسانی پر پڑے لیکی نے اپنی کتاب میں بڑی وضاحت اور حقیقت پسندی کے ساتھ تحریر کیا ہے، وہ لکھتا ہے۔

''چوتھا مگر نہایت اہم نتیجہ رہبانی طرز معاشرت کا یہ ہوا، کہ خانگی زندگی کی بنیادیں متزلزل ہوگئیں اور دلوں سے اعزہ کا احترام واجب کافور ہوگیا، درحقیقت اس زمانہ میں ماں باپ کے ساتھ احسان فراموشی اور اعزہ کے ساتھ قساوت قلبی کی جس کثرت سے نظیریں ملتی ہیں، اس کا عام ناظرین اندازہ نہیں کرسکتے، لوگ آج ان زاہدوں کے اعلیٰ زہد وریاضت، ورع وتقویٰ پر سر دھنتے ہیں، لیکن اس سے بے خبر ہیں، کہ ان کے یہ ممدوح کس بے دردی سے اپنی ماؤں کی دل شکنی کرتے تھے، بیویوں کے حقوق کی پامالی کرتے تھے اور اپنی اولاد کو یہ دغا دیتے تھے، کہ انھیں بے والی ووارث محض دوسروں کے ٹکڑوں کے رحم وکرم پر چھوڑ دیتے تھے ان کا مقصود زندگی تمام تر یہ ہوتا تھا، کہ خود انھیں نجات اخروی حاصل ہو، انھیں اس سے کوئی غرض نہ تھی، کہ ان کے متعلقین ومتوسلین جئیں یا مریں''۔ (تاریخ اخلاق یورپ ج۲ ص۱۲۰)

راہبانہ طرز زندگی پر لیکی اپنے خیالات کا اظہار ان الفاظ میں کرتا ہے۔

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

''علائق دنیوی سے آزادی حاصل کرنا اگر چہ بڑی ہمت و جوانمردی کا کام ہے، تاہم جس ترک تعلقات کی بنا محض خودغرضی پر ہو، وہ کبھی محسود نہیں کہی جاسکتی''۔ (اخلاق یورپ ص ۱۲۹)

مذاہب بالا کے سرسری جائزہ سے بخوبی یہ بات ذہن نشیں ہوچکی ہوگی، کہ عام طور سے روحانی تحریکوں نے معاشرتی نظام کی اہمیت وافادیت کو نہ صرف نظرانداز ہی کیا ہے، بلکہ اس سے اجتناب پر ہی اپنے روحانی اقدار کی بنیادیں مستحکم کی ہیں۔

اسلام:۔ مذاہب عالم میں اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے، جو ایک طرف بنی نوع انسان کو تعلق باللہ اور نجات اخروی کے اصول وقوانین سے روشناس کراتا ہے، تو دوسری طرف معاشرت انسانی کو خوشگوار بنانے اور سماج کی فلاح کے فطری ضابطوں سے بھی آگاہ و باخبر کرتا ہے، دوسرے مذاہب کا جائزہ لینے کے بعد تو یہ فیصلہ صادر کیا جاسکتا ہے، کہ مذہب انسان اور خدا کا پرائیویٹ معاملہ ہے، جس کا معاشرتی و اجتماعی زندگی سے کوئی تعلق نہیں، لیکن اسلام کے بارے میں یہ فیصلہ قطعاً حقائق کے خلاف ہوگا، کیونکہ اسلام انسان کی دنیاوی واخروی زندگی کو کامیاب بنانے کا داعی ہے اور اس کے اصول، الٰہی طاعت و بندگی سے لے کر معاشرتی حقوق وفرائض سب پر یکساں طور پر حاوی ہیں۔

اسلامی نظام حیات کے دو حصے کیے جاتے ہیں، ایک حقوق اللہ دوسرا حقوق العباد، اسلام جس طرح حقوق اللہ کی اہمیت پر زور دیتا ہے اور اخروی زندگی پر اس کی تعمیل اور نافرمانی اثر انداز ہوتی ہے، یعنی بندہ حقوق اللہ کی تکمیل پر اجروثواب اور بہشت کا مستحق قرار پاتا ہے، اسی طرح حقوق العباد کی تکمیل سے عنداللہ مستحق ثواب اور اس کے ترک پر مستحق عذاب قرار پاتا ہے۔

اسلام جہاں اخروی نجات اور رب کائنات کی خوشنودی کے لیے حقوق اللہ کی بجا آوری کی ترغیب دیتا ہے، وہیں معاشرتی زندگی کو بہتر بنانے کے لیے حقوق العباد کی بجا آوری اور افراد معاشرت کے ساتھ حسن سلوک کی تلقین بھی کرتا ہے۔

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِی الْقُرْبٰی وَالْيَتٰمٰی وَالْمَسَاكِيْنَ وَالْجَارِ ذِی الْقُرْبٰی وَالْجَارِ الْجنبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ (نساء، ۳۶)

اور اللہ کی بندگی کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو، والدین سے حسن سلوک کرو اور عزیزوں، یتیموں، غریبوں، رشتہ داروں، پڑوسیوں، ہم نشیں ساتھیوں، مسافروں اور غلاموں کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

وَلٰكِن البر من آمَنَ بِاللّٰهِ واليوم الآخر والْمَلٰئِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّيْنَ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذِوى القُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسَاكِيْنَ وَابْنِ السَّبِيْلِ وَالسَّائِلِيْنَ وَفِى الرِّقَابِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةِ وَآتَى الزَّكٰوةِ وَالموفون بعهدهم اذا عاهدوا والصابرين فى الباساء والضرآءِ وحين الباس اولئك الذين صدقوا واولٰئك هم المتقون (البقرة)

ہاں اصل نیکی یہ کہ ایمان لائے، اللہ اور قیامت اور فرشتوں اور کتاب اور پیغمبروں پر اور اللہ کی محبت پر اپنا عزیز مال دے، رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور راہ گیروں اور سائلوں کو اور گردنیں چھڑانے میں اور نماز قائم رکھے اور زکوۃ دے اور اپنا قول پورا کرنے والے جب عہد کریں اور صبر والے مصیبت اور سختی میں اور جہاد کے وقت یہی ہیں، جنھوں نے اپنی بات سچی کی اور یہی پرہیزگار ہیں۔

ان آیات قرآنیہ کے علاوہ بہت سی دوسری آیات واحادیث ہیں، جن میں سماج کے اندر رہنے والے افراد کے ساتھ حسن سلوک اور ہمدردی کی تعلیم دی گئی ہے، اسلام نے ان افراد کے ساتھ بدسلوکی یا معاشرتی حقوق وفرائض کی خلاف ورزی پر سخت عذاب اور جہنم کی دھمکی بھی دی ہے، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

عن ابی هريرة ان رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال اتدرون ما المفلس قالوا المفلس فينا من لا درهم له ولا متاع فقال ان المفلس من امتى من ياتى يوم القيامة بصلوة و صيام و زكوة و ياتى قد شتم هٰذا وقذف هٰذا و اكل مال هٰذا و يسفک دم هٰذا و ضرب هٰذا فيعطىٰ هٰذا من حسناته فان فنيت حسناته قبل ان يقضىٰ ما عليه اخذ من خطاياهم من طرحت عليه ثم طرح فى النار (مسلم)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم جانتے ہو مفلس کون ہے؟ (صحابہ) نے عرض کی، ہم میں مفلس وہ ہے، جس کے پاس نہ درہم ہوں نہ سامان ہو، آپ نے فرمایا، میری امت میں مفلس وہ شخص ہے، جو قیامت میں نماز، روزہ، زکوۃ کے ساتھ آئے گا، مگر اس نے کسی کو گالی دی ہوگی، کسی پر تہمت لگائی ہوگی، کسی کا مال ہڑپ کیا ہوگا، کسی کا خون بہایا ہوگا اور کسی کو مارا پیٹا ہوگا، ہر شخص کو اس کی نیکیاں دے دی جائیں گی، پھر ان کے مطالبات پورے ہونے سے قبل نیکیاں ختم ہو جائیں گی، اس پر ان کی برائیاں ڈال دی جائیں گی، پھر اسے جہنم میں ڈھکیل دیا جائے گا۔

اسلام نے اپنے معاشرتی نظام میں افراد کے باہمی حقوق وفرائض کی نشاندہی کی ہے اور ساتھ ہی ساتھ ان کی بجا آوری پر زور دیا ہے۔

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

والدین کے حقوق:۔ سماج میں سب سے زبردست احسان والدین کا ہے، ظاہری اعتبار سے اولاد کو عالم وجود میں لانے والے والدین ہی ہیں، ایام طفلی کی بے چارگی میں والدین ہی کی بے کراں شفقتوں کے سایے میں بچہ پروان چڑھتا ہے، اولاد کی راحت رسانی کے لیے والدین اپنے عیش و آرام کو تج دیا کرتے ہیں، اولاد کی غمخواری کے لیے ہر خوشی قربان کر دیا کرتے ہیں، جب والدین کے احسانات اتنے عظیم ہیں، تو ان کے حقوق بھی سب سے زیادہ ہونے چاہئیں، یہی سبب ہے، کہ اسلام نے اپنے نظم معاشرت میں حقوق والدین کو سب سے زیادہ اہمیت دی ہے۔

وَقَضٰی رَبُّکَ اَلَّا تَعْبُدُوْا اِلَّااِیَّاہُ وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا اِمَّا یَبْلُغَنَّ عِنْدَکَ الْکِبَرَ اَحَدُھُمَا اَوْکِلَا ھُمَا فَلَا تَقُلْ لَّھُمَا اُفٍّ وَّلَا تَنْھَرْ ھُمَا وَقُلْ لَّھُمَا قَوْلًا کَرِیْمًا (بنی اسرائیل)

اور تیرے پروردگار نے حکم فرمایا ہے، کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور والدین کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ، اگر ان میں سے ایک یا دونوں بڑھاپے کی منزل کو پہنچ جائیں، تو ان کے سامنے ہوں نہ کہنا اور نہ ان کو جھڑکنا اور ان سے عزت و ادب کے ساتھ بات کرنا۔

مندرجہ بالا قرآنی آیت سے والدین کی اطاعت اور ان کے ساتھ حسن سلوک کی اہمیت واضح ہو جاتی ہے، قرآن نے اطاعت خداوندی کے ساتھ ہی والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا، یوں تو والدین کی تعظیم اور ان کے ساتھ حسن سلوک ہر دور میں ضروری قرار دیا گیا، بالخصوص اس وقت جب ان کے اعضائے جسمانی جواب دے جائیں، جب اعضا کی عملی قوتیں ختم ہو جائیں، جب ہر موقع پر شفقت کے لیے بڑھنے والا ہاتھ خود ہی دستگیری کا محتاج ہو جائے، ایسے عالم بے چارگی میں اسلام شدت کے ساتھ والدین کے ساتھ نرمی و ملاطفت سے کلام کرنے کا حکم دیتا ہے، قرآن والدین کے لیے دعائے خیر کی بھی تلقین اس انداز میں کرتا ہے۔

وَاخْفِضْ لَھُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَۃِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْھُمَا کَمَا رَبَّیَانِیْ صَغِیْرًا (بنی اسرائیل)

اور ان کے ساتھ شفقت و انکساری کے ساتھ جھکے رہنا اور دعا کرتے رہنا، کہ پروردگار جس طرح انھوں نے بچپن میں مجھے پالا، تو بھی ان پر رحم کر۔

صرف دنیاوی زندگی تک والدین کے ساتھ حسن سلوک اور ان کے لیے دعائے رحمت کا اختتام نہیں ہو جاتا، بلکہ بعد موت بھی ان کے لیے دعائے مغفرت و رحمت کے لیے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

عن ابی اسید الساعدی ان رجلا قال یا رسول اللّٰہ ھل بقی من بر ابوی شیئی ابرھما بعد موتھما قال نعم الصلوۃ علیھما و الاستغفار لھما وانفاذ عھدھما من بعدھما وصلۃ الرحم التی لا توصل الابھما واکرام صدیقھما (ابو داؤد)

ابواسید ساعدی سے روایت ہے، کہ ایک شخص نے سوال کیا، یارسول اللہ! میرے ماں باپ کے انتقال کے بعد بھی کیا ان کی خدمت کی کوئی صورت ہے جس کو عمل میں لاؤں؟ حضور نے فرمایا، ہاں، ان پر نزول رحمت کی دعا کرنا، ان کے لیے دعائے مغفرت کرنا اوران کے بعد وعدوں کو پورا کرنا اوران رشتوں کو قائم رکھنا، جوانھیں کی وجہ سے ہوں اوران کے دوستوں کا احترام کرنا۔

حقوق الزوجین:۔ انسانی معاشرہ زن وشوہر کے تعلقات پر ہی منحصر ہے، میاں بیوی کے خوشگوار تعلقات کتنے گہرے اورنازک ہیں، وہ کسی سے بھی پوشیدہ نہیں، خانگی زندگی کا خوشگوار ماحول دونوں کے اچھے تعلقات پر ہی منحصر ہے، میاں بیوی کے خوشگوار تعلقات کا قائم رہنا، ایک دوسرے کے حقوق وفرائض کے احترام ہی میں مضمر ہے، ورنہ عدم احترام کی شکل میں دونوں کی زندگیوں کا عیش وآرام، تمام مسرتیں خاک میں مل جائیں گی، جس کے نتیجہ میں گردوپیش کے ماحول پر برے اثرات کا مرتب ہونا لازمی امر ہے، اسلام نے زوجین کے باہمی تعلقات کو بہتر بنانے کے لیے دونوں کے ایک دوسرے پر حقوق وفرائض کی تعیین کی اورمعاشرت انسانی میں خانگی تعلقات کے عدم توازن سے پیدا ہونے والے برے نتائج سے بچانے کی پوری کوشش کی۔

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَی النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰہُ بَعْضَھُمْ عَلٰی بَعْضٍ وَّبِمَا اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِھِمْ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حَافِظَاتٌ لِّلْغَیْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰہ (نساء)

مردافسر ہیں، عورتوں پر، اس لیے کہ اللہ نے ان میں ایک کودوسرے پر فضیلت دی اوراس لیے کہ مردوں نے ان پر اپنے مال خرچ کیے، تو نیک بخت عورتیں ادب والیاں ہیں، خاوند کے پیچھے حفاظت رکھتی ہیں، جس طرح انھوں نے حفاظت کا حکم دیا۔

مندرجہ بالا آیت میں قرآن نے مرد کی حاکمیت کو بیان کیا اورشوہر کے لیے ایک نیک وپاک طینت بیوی کے اوصاف بیان کیے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نیک بیوی کے صفات اس طرح بیان فرمائے۔

عن ابی ھریرۃ قال قیل لرسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ای النساء خیر قال التی تسرت اذا تطرد و تطیعہ اذا امر و ان لا تخالف فی نفسھا و مالھا بما یکرہ

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

(نسائی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا، کہ کون عورت بہتر ہے، فرمایا، وہ عورت کہ جب مرد اس کی طرف نظر اٹھا کر دیکھے تو خوش ہو جائے اور جب وہ کسی کام کو کہے تو اس کی اطاعت کرے اور اپنے نفس اور مال کے بارے میں اس کی مرضی کے خلاف نہ کرے۔

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

ان لکم علیھن ان لا یوطئن فرشکم احدًا تکرھونہ .

تمہارا ان پر یہ حق ہے، کہ وہ تمہارے ہاں کسی ایسے شخص کو نہ آنے دیں، جس کو تم ناپسند کرتے ہو۔

جہاں اسلام نے عورتوں پر مردوں کے حقوق و فرائض کی نشاندہی کی، وہیں مردوں پر عورتوں کے حقوق و فرائض کا بھی ذکر کیا ہے۔

وعاشروھن بالمعروف فان کرھتموھن فعسیٰ ان تکرھوا شیئا ویجعل اللّٰہ فیہ خیرا کثیرا (نساء)

ان سے شریفانہ برتاؤ کرو، اگر وہ تمہیں ناپسند ہوں تو قریب ہے، کہ تمہیں کوئی چیز ناپسند ہو اور اللہ اس میں تمہارے لیے بہتری رکھ دے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

استوصوا بالنساء خیرا فانھن خلقن من ضلع فان ذھبت تقیمہ کسرتہ وان ترکتہ لم یزل اعواج اکمل المومنین ایمانا احسنھم خلقا والطفھم باھلہ .

عورتوں کے بارے میں میری وصیت قبول کرو، ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو، کیونکہ وہ ٹیڑھی پسلی سے پیدا کی گئی ہیں، اگر تم اسے سیدھا کرو گے، تو اسے توڑ دو گے اور اگر اسے چھوڑ دو گے، وہ اپنے حال پر رہے گی، مومنوں میں کامل تر ایمان والا وہ ہے، جو اخلاق کے اعتبار سے ان میں سب سے بہتر ہو اور اپنے گھر والوں کے ساتھ ان میں سب سے زیادہ مہربانی کرنے والا ہو۔

اولاد کے حقوق:۔ معاشرتی زندگی میں انسان کا جو رشتۂ شفقت و محبت اولاد کے ساتھ ہوتا ہے، وہ کسی سے پوشیدہ نہیں، اسی فطری جذبۂ الفت کا تقاضا ہے، کہ والدین اپنی محبوب اولاد کی پرورش زندگی کی مسرتوں اور عیش و آرام کو بالائے طاق رکھ کر پوری جگر کاوی سے کرتے رہتے ہیں، اسلام نے انھیں فطری جذبات کا احترام کرتے ہوئے والدین کے حقوق و فرائض کی نشاندہی کی۔

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

لا تقتلوا اولادكم خشية املاق نحن نرزقهم وایاکم ان قتلهم کان خطأ کبیرا.

اپنی اولاد کو فقر و فاقہ کے خوف سے قتل نہ کرو، ہم انھیں بھی رزق دیتے ہیں اور تمہیں بھی، بیشک ان کا قتل بڑا گناہ ہے۔

نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم نے اولاد پر خرچ کیے جانے والے مال کی فضیلت کے سلسلے میں ارشاد فرمایا۔

افضل دينار ينفقه الرجل دينار ينفقه علىٰ عياله و دينار ينفقه علىٰ دابته فى سبيل الله و دينار ينفقه علىٰ اصحابه فى سبيل الله (مسلم)

سب سے بہتر دینار جو انسان خرچ کرتا ہے، وہ ہے، جو اپنے بال بچوں پر خرچ کرتا ہے، جو فی سبیل اللہ اپنے جانوروں پر خرچ کرتا ہے اور وہ دینار جو اللہ کی راہ میں اپنے ساتھیوں پر خرچ کرتا ہے۔

ایک بار رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اولاد سے محبت نہ کرنے والوں سے فرمایا۔

عن ابى هريرة قال قبّل رسول الله صلى الله عليه وسلم الحسن بن على وعنده الاقرع ابن حابس التيمى جالسا فقال ان لى عشرة من الولد ما قبلت منهم احدا فنظر اليه رسول الله صلى الله عليه وسلم ثم قال من لا يرحم لا يرحم (بخارى)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہ آپ نے فرمایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن بن علی کو بوسہ دیا اور آپ کے پاس اقرع بن حابس تیمی بیٹھا ہوا تھا، اس نے کہا، میرے دس بیٹے ہیں، مگر میں نے ان میں سے کسی کا بوسہ نہیں لیا، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف دیکھا، پھر فرمایا، جو رحم نہیں کرتا وہ رحم نہیں کیا جاتا۔

عام طور سے عرب قبل از اسلام اولاد ذکور کی پیدائش پر تو مسرتوں کا اظہار کرتے تھے، لیکن بچیوں کی پیدائش پر وہ مغموم ہوتے اور بسا اوقات انہیں زندہ درگور کر دیا کرتے یا باقی رکھتے تھے، تو وہ لڑکوں کو ان پر ترجیح دیتے اور انھیں ذلت کی نگاہ سے دیکھتے تھے، آج کے دور میں بھی اس قسم کے ذہن پیدا ہو رہے ہیں، جو بچیوں کی بہ نسبت بچوں پر زیادہ شفقت کرتے ہیں اور خیال کرتے ہیں، کہ لڑکے بقائے نسب اور عزت خاندان کا سبب ہیں، لیکن اسلام نے ان باطل خیالات کی سخت تردید کی ہے، بچوں اور بچیوں دونوں کے ساتھ یکساں سلوک کا حکم دیا ہے اور آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بچیوں کے ساتھ شفقت و محبت کرنے والے کے لیے اجر عظیم کی بشارت دی ہے۔

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

عن ابن عباس عن النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم قال من کانت له انثی فلم یبدها ولم یهنها ولم یوثرولده علیها ادخله اللّٰہ الجنة (ابو داؤد)

ابن عباس راوی ہیں، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جس کے پاس لڑکی ہو اور وہ اسے زندہ درگور نہ کرے اور نہ اس کو حقیر سمجھے اور نہ اپنے لڑکے کو اس پر ترجیح دے، تو اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل فرمائے گا۔

اسلامی تعلیمات میں اولاد کی جسمانی نشوونما کے ساتھ ساتھ ان کی ذہنی و اخلاقی نشوونما کے لیے تعلیم و تربیت کا بھی حکم دیا گیا ہے، جس سے بچے سماج کے بہترین فرد بن سکیں، سماجی و معاشرتی حقوق کو بحسن و خوبی انجام دے سکیں۔

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم ما نحل والدولدا من نحل افضل من ادب حسن (ترمذی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کسی باپ نے اپنی اولاد کو کوئی اچھا عطیہ اچھے ادب سے بہتر نہیں دیا۔

اعزہ واقربا کے حقوق:۔ سماجی زندگی میں والدین، اولاد اور زوجین کے بعد اعزہ واقربا آتے ہیں، گھر کی چاردیواری سے باہر نکلنے کے بعد انسان کا سابقہ اعزہ واقربا ہی سے پڑتا ہے، دین فطرت نے اپنے معاشرتی نظام میں رشتہ داروں اور خویش واقارب کے ساتھ حسن سلوک اور ان کے حقوق کی ادائیگی کو لازم قرار دیا ہے۔

واتقوا اللّٰہ الذی تساء لون به والارحام (نساء)

اور اللہ سے ڈرو جس کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے حق مانگتے ہو اور رشتوں کا پاس ولحاظ رکھو۔

آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

من احب ان یبسط له فی رزقه و ینساله فی اثره فلیصل رحمه (مسلم، ج ۲ ص ۳۱۵)

جو شخص پسند کرے، کہ اس کے رزق اور اس کی عمر میں وسعت دی جائے، تو اسے صلہ رحمی کرنی چاہیے۔

پڑوسی کے حقوق:۔ معاشرتی دائرہ میں رشتوں اور خاندانی علائق کے بعد ہمسایہ ہی ہوتے ہیں، زندگی

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کے سفر میں ان کا تعاون بھی ناگزیر ہوتا ہے، اسلام نے ان کے حقوق اور فرائض کی نشاندہی کی ہے اور ان کے ساتھ ہمدردی اور اچھے برتاؤ کا حکم دیا ہے۔

عن ابی هريرة قال قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم واللّٰه لايومن واللّٰه لا يومن قيل من يا رسول اللّٰه قال الذی لا يومن جاره بوائقه (بخاری)

ابو ہریرہ سے مروی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، بخدا وہ مومن نہیں ہے، بخدا وہ مومن نہیں، بخدا وہ مومن نہیں ہے، پوچھا گیا، کون اے اللہ کے رسول؟ فرمایا، جس کا پڑوسی اس کے شر سے محفوظ نہ ہو۔

مسلمانوں کے حقوق:۔ اسلام دنیا میں جس نظم معاشرت کو پیش کرتا ہے، اس کی اساس قومیت، وطنیت، پیشہ، رنگ ونسل کی محدود بنیادوں پر استوار نہیں ہوتی، بلکہ وہ ان بنیادوں سے الگ ہٹ کر ایسے سماج کا تعمیری خاکہ پیش کرتا ہے، جس میں قومی، جغرافیائی اور نسلی تفریق کا نام ونشان نہیں پایا جاتا، اسلام ایک ایسے ہمہ گیر سماجی نظام کی تشکیل کا علم بردار ہے، جس میں ہر رنگ ونسل، ہر قوم وملک کے افراد حقوق وفرائض کی منزل میں مساوی ہوں اور طبقاتی نزاع وکشمکش سے بالاتر معاشرتی زندگی میں دوش بدوش نظر آئیں۔

يا ايها الناس ان اللّٰه يقول يا ايها الناس انا خلقنكم من ذكر وانثیٰ وجعلنكم شعوبا وقبائل لتعارفوا ان اكرمكم عند اللّٰه اتقكم فليس لعربی علیٰ عجمی فضل ولا لعجمی علی العربی ولا لاسود علیٰ ابيض ولا لابيض علی اسود فضل الا بالتقویٰ (ابن خلدون جلد ۳ ص)

لوگو! اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے، کہ اے انسانو! ہم نے تم سب کو ایک ہی مرد وعورت سے پیدا کیا اور تمہیں جماعتوں اور قبیلوں میں بانٹ دیا، تاکہ تم پہچانے جاسکو، تم میں خدا کے نزدیک زیادہ عزت وبزرگی والا وہی ہے، جو خدا سے زیادہ ڈرنے والا ہے، پس نہ تو کسی عربی کو عجمی پر فوقیت ہے اور نہ عجمی کو عربی پر اور نہ کسی کالے کو گورے پر نہ کسی گورے کو کالے پر برتری حاصل ہے، مگر تقویٰ سے۔

اسلام اپنے اخوت ومساوات پر مبنی معاشرہ میں ایک مسلمان پر دوسرے مسلمان کے حقوق و فرائض کی بھی نشاندہی کرتا ہے، تاکہ اسلامی نظام حیات کی روشنی میں تعمیر ہونے والا معاشرہ بین الاقوامی سطح پر خیر خواہی اور اخوت ومساوات کے جذبات کو عام سے عام تر کردے۔ مسلمانوں کے باہمی حقوق وفرائض سے متعلق قرآن حکیم کا ارشاد ہے۔

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

وان طائفتان من المومنين اقتتلوا فاصلحوا بينهما فان بغت احداهما علی الاخریٰ فقاتلوا التی تبغی حتی تفی الی امر اللّٰہ فان فاء ت فاصلحوا بینهما بالعدل واقسطوا ان اللّٰہ یحب المقسطین، انما المومنون اخوۃ فاصلحوا بین اخویکم واتقوا اللّٰہ لعلکم ترحمون (حجرات)

اگر اہل ایمان کے دوگروہ باہم لڑیں، تو ان کے مابین صلح کرادو، اگر ایک گروہ دوسرے گروہ پر ظلم وتعدی کرے، تو اس سے لڑو، یہاں تک کہ وہ خدا کے حکم کی طرف پلٹ آئے، پھر اگر وہ پلٹ آئے، تو ان کے درمیان انصاف کے ساتھ اصلاح کردو اور انصاف کرو، بیشک اللہ انصاف کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے، اہل ایمان تو بھائی بھائی ہیں، تو اپنے دو بھائیوں میں صلح کرادو اور اللہ سے ڈرو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔

اسلام باہمی نزاع وکشمکش کے ان سارے راستوں کو مسدود کرنا چاہتا ہے، جن سے باہمی اختلافات جڑ پکڑتے ہیں اور اسلامی معاشرہ کے روابط میں انتشار وافتراق کا خطرہ ہوتا ہے۔

یا ایها الذین آمنوا لا یسخر قوم من قوم عسیٰ ان یکونوا خیرا منهم و لا نساء من نساء عسیٰ ان یکن خیرا منهن ولا تلمزوا انفسکم ولا تنابزوا بالالقاب بئس الاسم الفسوق بعد الایمان ومن لم یتب فاولئک هم الظلمون یا ایها الذین آمنوا اجتنبوا کثیراً من الظن ان بعض الظن اثم ولا تجسسوا ولا یغتب بعضکم بعضاً ایحب احدکم ان یاکل لحم اخیه میتا فکرهتموه واتقوا اللّٰہ ان اللّٰہ تواب رحیم (حجرات)

اے ایمان والو! نہ مرد مردوں سے ہنسیں، عجب نہیں کہ وہ ان ہنسنے والوں سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں عورتوں سے، دور نہیں کہ وہ ان ہنسنے والیوں سے بہتر ہوں، اور آپس میں طعنہ نہ کرو اور ایک دوسرے کے برے نام نہ رکھو، کیا ہی برا نام ہے، مسلمان ہوکر فاسق کہلانا اور جو توبہ نہ کریں، تو وہی ظالم ہیں، اے ایمان والو! بہت گمانوں سے بچو، بیشک بعض گمان گناہ ہے اور عیب نہ ڈھونڈ و اور ایک دوسرے کی غیبت نہ کرو کیا تم میں کوئی پسند کرے گا، کہ اپنے مرے بھائی کا گوشت کھائے؟ تو یہ تمہیں گوارا نہ ہوگا، اور اللہ سے ڈرو بیشک اللہ بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمان کی صفت اس طرح بیان فرمائی۔

والذی نفسی بیدی لا یومن عبد حتی یحب لاخیه مایحب لنفسه.

اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے، کوئی بندہ صاحب ایمان نہیں ہوسکتا، جب

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

تک کہ وہ اپنے بھائی کے لیے وہی چیز پسند نہ کرے، جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے باہمی اخوت کے تقاضے بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

وایاکم والظن فان الظن اکذب الحدیث لا تجسسوا ولا تناجسوا اولا تحاسدوا ولا تباغضوا ولا تدابروا وکونوا عباد اللّٰہ اخوانا (بخاری، مسلم ج ۲ ص ۳۱۵)

بدگمانی سے بچو، کیونکہ بدگمانی سب سے جھوٹی بات ہے اور ٹوہ میں نہ لگو اور عیب جوئی نہ کرو اور ایک دوسرے سے بڑھ کر قیمت نہ لگاؤ اور باہم حسد نہ کرو، ایک دوسرے سے دشمنی نہ کرو، نہ ایک دوسرے کا بائیکاٹ کرو اور اللہ کے بندے اور بھائی بھائی بنو۔

آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو ایک دوسرے کی اعانت و امداد کا حکم اس طرح دیا۔

عن انس قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم انصر اخاک ظالماً اومظلوماً فقال رجل یا رسول اللّٰہ انصرہ مظلوماً فکیف انصرہ ظالماً قال تمنعہ من الظلم فذٰلک نصرک ایاہ (بخاری)

حضرت انس سے مروی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اپنے بھائی کی مدد کرو وہ ظالم ہو یا مظلوم، ایک شخص نے سوال کیا، اے اللہ کے رسول وہ مظلوم ہے تو میں اس کی مدد کروں گا، لیکن وہ ظالم ہے تو میں اس کی مدد کیسے کروں گا؟ آپ نے فرمایا اسے ظلم سے روکو یہ اس کی مدد ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صالح اسلامی معاشرہ کی تصویر اس طرح پیش فرمائی ہے۔

تر المومنین فی تراحمھم وتوادھم و تعاطفھم کمثل الجسد اذا اشتکیٰ عضو تداعی لہ سائر الجسد بالسھر والحمیٰ (بخاری)

ایک دوسرے پر رحم کرنے، محبت کرنے اور شفقت وملاطفت کرنے میں ایک جسم کی طرح ہیں، جب جسم کا کوئی عضو بیمار ہوتا ہے، تو سارا بدن بے خوابی اور بخار میں مبتلا ہوجاتا ہے۔

غلاموں کے حقوق:۔

عن ابی ذر قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ھم اخوانکم جعلھم اللّٰہ تحت ایدیکم فمن کان اخوہ تحت یدہ فلیطعمہ مما یاکل و لیلبسہ مما یلبس ولا یکلفہ من العمل ما یغلبہ فان کلفہ ما یغلبہ فلیعنہ علیہ (بخاری و مسلم)

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ابوذر روایت کرتے ہیں، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، غلام تمہارے بھائی ہیں، خدا نے انھیں تمہاری نگرانی میں دے دیا ہے، تو جس کسی کا بھائی (غلام) اس کی نگرانی میں ہو، تو وہ اسے وہی کھلائے جو خود کھاتا ہے اور اسے وہی پہنائے جو خود پہنتا ہے اور اسے ایسے کام پر مجبور نہ کرے جو اس کی بساط سے زیادہ ہو، اگر ایسا کام اس کے سپرد کرے تو خود بھی اس کام میں اس کی مدد کرے۔

دور قدیم میں غلاموں کے حقوق کی پامالی کو اسلام نے ختم کر دیا اور اسلامی معاشرت میں اسے برابر کا حصہ دلایا، اسلام کے نظام رحمت نے معاشرتی زندگی کے تمام پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے اور انسانوں کے تمام طبقات کے حقوق و فرائض متعین فرما دیے ہیں، جن پر عمل پیرا ہو کر بنی نوع انسان کا ہر طبقہ خوشحال، پر امن زندگی بسر کر سکتا ہے، جس کی بنا پر ایک صالح، اعتدال پسند سماج وجود میں آئے گا۔

http://t.me/Tehqiqat

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

اسلام کا عائلی نظام

اسلام کے روحانی واخلاقی نظام کے سایہ میں جو معاشرہ وجود میں آتا ہے اور جس تمدن کی داغ بیل پڑتی ہے، اس کی اساس اخلاقی وروحانی قدروں پر رکھی جاتی ہے، اور جس میں تعلقات، محبت و دوستی کے اخلاقی رشتوں پر قائم ہوتے ہیں، اسلامی معاشرہ میں سانس لینے والے افراد کی باہمی مودت و محبت اور آپس میں ایک دوسرے کی غمخواری کا ایک جامع تصور انسانیت کے محسن اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد میں نظر آتا ہے۔

مثل المومنین فی توادھم وتراحمھم کمثل الجسد اذا اشتکی منہ عضوتداعی لہ سائر الجسد بالسھر والحمی (بخاری و مسلم)

مسلمانوں کی مثال باہم محبت وغم خواری کے لحاظ سے اس جسم کی سی ہے، کہ اگر ایک عضو کو تکلیف ہوتی ہے، تو سارا جسم بے خوابی اور تپ کا شکار ہوجاتا ہے۔

اسلامی معاشرہ ہی ہمدردی ومحبت کی وہ اخلاقی بنیاد فراہم کرتا ہے، جس پر متحدہ قومیت کی عمارت کھڑی کی جاسکتی ہے اور اس سماج کے دائرہ میں امتیاز رنگ ونسل اور جغرافیائی ولسانی اختلافات کے باوجود بنی نوع انسان کا ہر فرد و ہر طبقہ شانے سے شانہ ملا کر کھڑا ہوسکتا ہے اور زندگی کی شاہراہ پر قدم سے قدم ملا کر چل سکتا ہے، اس طرح ایک عالم گیر اجتماعیت وجود میں آتی ہے، جس کا ہر فرد ایسے پائدار اخلاقی و روحانی رشتوں میں منسلک ہوتا ہے، جسے دنیا کی کوئی قوت توڑ نہیں سکتی۔

عدل واحسان کے خطوط پر چلنے والا یہ سماج ایمان ویقین کے سرچشموں سے اپنی غذا حاصل کرتا ہے اور اسی مقدس فضا میں اس کے افراد وارکان کی فکری وعملی تربیت بھی ہوتی ہے، جس کے اثر سے ایک عالمی اکائی پیدا ہوتی ہے، جس میں ہر شخص ایک دوسرے کا غم خوار اور اس سے دل وجان سے محبت کرنے والا ہوتا ہے، جہاں نفرت وعداوت اور بغض وحسد کا نام ونشان نہیں ہوتا۔

خاندان:۔ خاندان معاشرتی نظام کا ایک بنیادی جز ہے، اس کے بغیر ایک اچھا سماج وجود میں نہیں آسکتا، یہی وجہ ہے، کہ دین فطرت نے اس شعبہ کو خاص اہمیت دی ہے، اس لیے کہ خاندان ہی سے معاشرتی زندگی کی ابتدا ہوتی ہے اور یہیں سے محبت ومودت، ہمدردی وغم گساری کے جذبات پروان

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

چڑھتے ہیں، خاندانی نظام کی سب سے پہلی کڑی ازدواجی تعلق ہے، اسلامی نظام فطرت نے بڑے واضح انداز میں رشتۂ ازدواج، زوجین کے باہمی تعلقات اوران کے حقوق وفرائض کو بیان کیا ہے، تاکہ محبت و الفت کا یہ نازک رشتہ بے اعتدالی، بدعنوانی کی زد پر آکر ٹوٹ نہ جائے اور اخلاقی قدریں پامال نہ ہوجائیں۔

انسانی تمدن کی بنیاد ایک مرد اور ایک عورت کے باہمی تعلق سے وجود میں آتی ہے، انھیں دواجنبی انسانوں سے مل کر بننے والا چھوٹا سا اجتماعی دائرہ انسان کی تمدنی زندگی کا سب سے اولین مرحلہ ہے۔

یا ایھا الناس اتقوا ربکم الذی خلقکم من نفس واحدۃ و خلق منھا زوجھا وبث منھما رجالا کثیرا ونساءً واتقوا اللّٰہ الذی تساء لون بہ والارحام ان اللّٰہ کان علیکم رقیبا.

اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو، جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا ہے اوراس کی جنس سے اس کا جوڑا پیدا کیا ہے اوران دونوں کے ذریعہ بہت سے مردوں اورعورتوں کو پھیلایا، اس خدا سے ڈرو جس کا واسطہ دے کرتم ایک دوسرے سے اپنا حق مانگتے ہواور رشتوں کے حقوق کا پاس ولحاظ رکھو، اللہ تعالیٰ تمہارا نگہبان ہے۔

یہ آیت کریمہ انسانی معاشرہ کی اس تاریخ پر روشنی ڈالتی ہے، جہاں حضرت آدم وحوا کے ازدواجی تعلقات سے کرۂ ارض پر عائلی زندگی کا نقشہ سامنے آیا، پھر رفتہ رفتہ اس ازدواجی دائرے نے وسعت حاصل کی اورایک وسیع عالمی سماج وجود میں آگیا۔

خاندان کا انتظام جس قدر پاکیزہ، مضبوط اورتقویٰ کی اساس پر ہوگا، اتنا ہی عمدہ اور پاکیزہ معاشرہ وجود میں آئے گا، اس کے ذریعہ ایک پاکیزہ تہذیب پیدا ہوگی، جس میں زن وشوہر کے خوشگوار تعلقات ان کی باہمی الفت ومحبت، ہمدردی وغمگساری کے جذبات جتنے مقدس اور مضبوط ہوں گے، ان کا اثر اولاد کی ذہنی ساخت اوران کے قوائے فکر وعمل پر بھی مرتب ہوگا، میاں بیوی کے خوشگوار ازدواجی تعلقات گھر کے محدود دائرے سے نکل کر باہر کی دنیا پر بھی اثر انداز ہوتے ہیں، دوخاندانوں اورقبیلوں کے تمام متعلقین کومحبت و یگانگت کے رشتے میں باندھتے ہیں۔

معاشرتی ناسور:۔ اسلام نے جن ازدواجی رشتوں کومعاشرتی زندگی کا بنیادی پتھر قرار دیا تھا اور جس پر مسلم سماج کا پرشکوہ قصر تعمیر ہوتا تھا، افسوس کی بات ہے، کہ آج وہی پتھر اپنی پائیداری کھو چکا ہے اور عائلی

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

نظام کی معنویت گم ہوکر رہ گئی ہے اور آج مسلم سماج کے اکثر و بیشتر خانوادے جہنم کا نمونہ بن گئے ہیں، ہمارے معاشرے کے ایک بہت بڑے حصہ کی زندگیاں تلخ ہوگئی ہیں، ہم دیکھتے ہیں، کہ نفرت وعداوت، تعصب وتنگ نظری کا یہ منحوس سایہ گھر کی چہار دیواری سے نکل کر محلّہ، شہر اور سلطنت کے حدود میں پھیلتا چلا جارہا ہے۔

پورے مسلم معاشرہ میں جو بے اعتدالی، فرض ناشناسی، خودغرضی، عداوت و دشمنی پھیلی ہوئی ہے، اس کے عوامل ومحرکات کیا ہیں؟ اس کا تجزیہ ارباب فکر ودانش کی اس جماعت کا کام ہے، جو اصول سماجیات وعمرانیات کے رمزشناس ہیں اور تہذیب وتمدن کی نزاکتوں کے مزاج داں ہیں۔

اس مقام پر ہیچمداں صرف اتنا کہنے کی جرأت کررہا ہے، کہ مسلم سماج کی ہمہ گیر تباہ کاریاں اسی جگہ سے پیدا ہوتی ہیں، جو اسلامی معاشرہ میں افراد کی فکری وعملی تربیت گاہ ہے، یہ وہی دائرہ ہے، جس سے تمدن کے تمام دائرے وجود میں آتے ہیں۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے، کہ ہماری عائلی زندگی تلخیوں سے دوچار، الفت ومحبت سے خالی اور صلاح وتقویٰ سے عاری کیوں ہے؟ خانگی چمن جہاں شب وروز نسیم الفت چلنی چاہیے اس کے گل بوٹے نفرت وعداوت کے مسموم جھونکوں سے مضمحل، افسردہ اور جھلسے ہوئے کیوں ہیں؟ رشتۂ ازدواج کے قطع ہونے کی وارداتیں کیوں بڑھتی جارہی ہیں؟ خانگی جھگڑے گھر کی دہلیز سے نکل کر عدلیہ کے دروازوں تک کیوں پہنچ رہے ہیں؟۔

آج ہم نے ازدواجی تعلقات کو محض مادی ضروریات سے جوڑ رکھا ہے اور اس کے روحانی پہلو کو نظرانداز کردیا ہے، جس سے صالح معاشرہ کی نشوونما ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ ہم ازدواجی رشتوں کے قیام میں حسن وجمال، دولت وثروت کا لحاظ ہی نہیں بلکہ ساری توجہ اسی پر صرف کرتے ہیں۔

اور صلاح وتقویٰ کے معیار کو یکسر نظرانداز کردیتے ہیں، سرورکائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

ان المرأۃ تنکح علی دینھا ومالھا وجمالھا فعلیک بذات الدین تربت یداک (مسلم، ترمذی)

عورت یا تو اپنے دین واخلاق کی بناپر پسند کی جاتی ہے اور رشتۂ نکاح میں لائی جاتی ہے یا مال و دولت کی بناپر یا حسن وجمال کی بناپر، تو تم لازماً دین واخلاق والی عورت کو منتخب کرو۔

افسوسناک بات یہ ہے، کہ ہم نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کو فراموش کرکے اپنی

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

عائلی زندگی کو جہنم زار بنانے کا انتظام خود کرلیا ہے، ہم نکاح مادی اغراض و مقاصد کی تکمیل کا ذریعہ سمجھ کر ایسے رشتوں کو ترک کر دیتے ہیں، جہاں صلاح وتقویٰ تو ہوتا ہے، مگر مال وزر نہیں رہتا ہے، لازماً اس کے برے ثمرات ہمیں ملتے ہیں۔

اذا اتاکم من ترضون دینه وخلقه فزوجوه والا تکن فی الارض فتنة و فساد عریض (ابن ماجه و ترمذی)

جب کوئی ایسا رشتہ آجائے، جس کے دین واخلاق سے تم مطمئن ہو، تو اس سے نکاح کر لو ورنہ بڑا فتنہ پیدا ہوگا۔

اسلام نے ازدواجی زندگی کے لیے جو خوشگوار راہ عمل متعین کی ہے، جس پر زندگی کا قافلہ آگے بڑھتا ہے اور زن وشوہر کے درمیان بے اعتمادی، بدگمانی، تصادم وافتراق کی راہیں مسدود ہوتی ہیں، افسوس ہے، کہ تعلیم کی کمی یا کم از کم ازدواجی زندگی کے اسلامی ضابطوں کی لاعلمی یا ان کے برتنے میں تساہلی خانگی زندگی کو فتنوں سے دوچار کرتی ہے، طرفین کے حقوق وفرائض پامال ہوتے ہیں۔

اس لیے خاص اسلامی ماحول میں بچوں اور بچیوں کی تعلیم وتربیت ناگزیر ہے، تاکہ جب وہ ازدواجی زندگی کے دائرہ میں قدم رکھیں، تو ایک دوسرے کے حقوق وفرائض سے اچھی طرح واقف ہوں، عائلی زندگی کی نزاکتوں کو محسوس کریں، تاکہ طرفین سے حقوق وفرائض کی پامالی کے امکانات بالکل ختم ہو جائیں، میاں بیوی اسلام کے مقصدِ ازدواج کو سمجھیں اور برتیں۔

ذیل میں زن وشوہر کے فرائض اور حقوق اجمالاً بیان کیے جاتے ہیں۔

<u>مردوں کے فرائض</u>:۔ **الرجال قوامون علی النساء بما فضل الله بعضهم علی بعض وبما انفقوا من اموالهم (نساء،٦)** کی حیثیت سے شوہر پر حسب ذیل حقوق عائد ہوتے ہیں۔

(۱) ادائیگی مہر:۔ یہ ایسا حق ہے جس کا ادا کرنا مرد پر واجب ہے۔

(۲) نفقہ:۔ عورت کے کھانے پینے، پہننے، اوڑھنے اور رہنے سہنے کا سارا انتظام مرد کے ذمہ ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مردوں کے فرائض کے بارے میں فرمایا ہے۔

ان تطعمها اذا طعمت وتکسوها اذا اکتسیت ولا تضرب الوجه ولا تقبح ولا تهجر الا فی البیت (ابن ماجه)

جب تم کھاؤ، تو ان کو بھی کھلاؤ، جب تم پہنو تو ان کو بھی پہناؤ اور ان کے منہ پر نہ مارو، ان کی شکل وصورت اور ان کے کام کاج میں عیب نہ نکالو اور انہیں جدا نہ رکھو مگر خوابگاہ میں۔

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

عورتوں کے فرائض:۔ مردوں کی طرح عورتوں پر بھی کچھ ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے۔

فَالصّٰلِحٰتُ قنتت حٰفِظٰتُ لِلْغَیْبِ بِمَا حفظ اللّٰہ (النساء،٦)

نیک عورتیں فرمانبردار ہوتی ہیں اورشوہر کی عدم موجودگی میں اللہ کی توفیق سے اپنی عزت وآبرو اورشوہر کی ہر چیز کی حفاظت کرتی ہیں۔

یہاں ہراس چیز کی حفاظت کرنی ہے، جومردوں کی عدم موجودگی میں بطورامانت عورت کے پاس رہے،مثلاًنسب،نطفہ،آبرو،راز،مال ودولت میں عورت خیانت نہ کرے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اچھی بیوی کے صفات ان الفاظ میں بیان فرمائے ہیں۔

خیر النساء امرأۃ اذا نظرت الیھا سرتک واذا امرت بھا اطاعتک واذا غبت عنھا حفظتک فی مالک و نفسھا.

بہترعورت وہ ہے، کہ جب تو اسے دیکھے تو تیرا دل خوش ہوجائے اور جب تو اس کوحکم دے تو تیری اطاعت کرے اور جب تو اس کے پاس موجود نہ ہوتو وہ تیرے مال اوراپنے نفس میں تیرے حق کی حفاظت کرے۔

اصلاح کے ضابطے:۔ انسانی زندگی کے حادثات اورفکروعمل کی تبدیلی اس کے خانگی معاملات و تعلقات پربھی اثر انداز ہوتی ہے یا پھر بدگمانی اورحاسدوں کی ریشہ دوانی بھی کبھی عائلی نظام کودرہم برہم کردیتی ہے،اگرایسے حالات پیدا ہوجائیں تو شوہرکوعقل وہوش سے کام لینا چاہیے،جذبات کی رو میں کوئی افسوس ناک فیصلہ کرنے سے پہلے قرآنی ہدایت پرعمل کرنا چاہیے۔

والّٰتی تخافون نشوزھن فعظوھن واھجروھن فی المضاجع واضربوھن فان اطعتکم فلا تبتغوا علیھن سبیلا (النساء،٦)

اورجن عورتوں سےتم نشوز دیکھوان کونصیحت کرواوربستروں پران کوچھوڑدواوران کو مارو،اگر وہ تمہاری اطاعت کریں،تو پھران پرسختی کرنے کا کوئی طریقہ نہ ڈھونڈو۔

حدیث شریف میں ہے۔

اتقوا اللّٰہ فی النساء وانکم اخذتموھن بامان اللّٰہ واستحللتم فروجھن بکلمۃ اللّٰہ ولکم علیھن الا یوطئن فرشکم احدا تکرھونہ فان فعلن ذٰلک فاضربوھن ضربا غیر مبرح ولھن علیکم رزقھن وکسوتھن بالمعروف (مسلم)

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

عورتوں کے معاملہ میں تم اللہ سے ڈرو، کیونکہ تم نے ان کو اللہ کی امان میں لیا ہے، فرمان خداوندی سے اپنے لیے ان کی شرمگاہوں کو حلال کیا ہے اور تمہارے لیے ان پر فرض ہے، کہ وہ تمہارے بستر پر اس شخص کو نہ آنے دیں، جسے تم ناپسند کرتے ہو، پس اگر وہ ایسا کریں تو تم انھیں ہلکی مار مارو اور تم پر ان کا نان ونفقہ بخوبی دینا ہے۔

استوصوا بالنساء خیرا فانھن خلقن من ضلع وان اعوج شی فی الضلع اعلاہ فان ذھبت تقیمہ کسرتہ وان ترکتہ لم یزل اعوج فاستوصوا بالنساء (بخاری و مسلم)

عورتوں کو اچھی نصیحت کرو کیونکہ وہ پسلی سے پیدا کی گئی ہیں اور اوپر والا سرا ٹیڑھا ہوتا ہے، پس اگر تم اسے بالکل سیدھا کرنا چاہو گے تو توڑ دو گے اور اگر تم انھیں یونہی چھوڑ دو گے تو وہ ٹیڑھی ہی رہے گی، عورتوں کو نصیحت کرو۔

اگر بیوی کے بعض اطوار ناپسندیدہ ہوں یا شکل وشباہت موزوں نہ ہو تو اسلام ہمیں اس بارے میں یہ ہدایت دیتا ہے۔

وعاشروھن بالمعروف فان کرھتموھن فعسی ان تکرھوا شیئا ویجعل اللّٰہ فیہ خیراً کثیراً ۔

عورتوں کے ساتھ حسن وخوبی کے ساتھ رہو اور اگر تم ان کو کسی وجہ سے ناپسند کرتے ہو تو ممکن ہے، کہ ایک چیز جو تمہیں ناپسند ہو، اس میں خدائے تعالیٰ نے تمہارے لیے بہت سی بھلائیاں اور فائدے رکھ دیے ہوں۔

اگر عورت مرد سے بے اعتدالی اور عدم توازن کی شاکی ہو تو اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وان امرأۃ خافت من بعلھا نشوزا او اعراضا فلا جناح علیھما ان یصلحا بینھما صلحا والصلح خیرا (نساء، ۹۱)

اور اگر عورت کو شوہر کی طرف سے زیادتی یا بے رغبتی کا خوف ہو تو دونوں پر کوئی گناہ نہیں، کہ آپس میں صلح کر لیں اور صلح ہر حال میں بہتر ہے۔

بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ازدواجی رشتوں کی گرہیں مرد کے ناخن تدبیر سے نہیں کھلتیں یا مرد اصلاح کی کوشش ہی نہیں کرتا یا عورت کشیدگی کو دور کرنے کے لیے امن وصلح کا ماحول پیدا نہیں ہونے دیتی اور یہ تلخی تفریق کی حد تک پہنچ جاتی ہے، تو قرآن کریم ایسے موقع پر ہمیں صلح ومصالحت کے لیے رہنما اصول

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

پیش کرتا ہے۔

وان خفتم شقاق بینھما فابعثوا حکما من اھلہ و حکما من اھلھا ان یریدا اصلاحا یوفق بینھما ان اللّٰہ کان علیما خبیرا (نساء،٦)

اگر میاں بیوی میں کشیدگی کا اندیشہ ہوتو ایک پنچ مرد کے خاندان سے مقرر کرو اور ایک پنچ عورت کے خاندان سے، اگر یہ صلح کرانا چاہیں گے تو اللہ ان دونوں میں صلح کرادے گا اور بیشک اللہ واقف اور خبردار ہے۔

ظاہر ہے کہ فریقین کے دو مدبر و دانا، صلح پسند افراد کشیدگی کو دور کرنے کی پر خلوص کوشش کریں گے اور نزاعی معاملات کو سمجھنے کے بعد یقیناً صلح کا کوئی مثبت لائحۂ عمل مرتب کریں گے جس کی روشنی میں شکایات کا انسداد کرکے میاں بیوی کے جذبات نفرت کو محبت والفت میں تبدیل کردیں گے اور پھر یہ دونوں شیر وشکر ہوکر خوشگوار ازدواجی زندگی بسر کرنے لگیں گے۔

<u>خلاصۂ کلام:۔</u> طلاق کی کثرت اور میاں بیوی کے ازدواجی تعلقات کی ناخوشگواری نے ہمارے سماج میں تلخیوں کا ایسا زہر گھول دیا ہے، جس سے پورا معاشرہ مسموم نظر آتا ہے، اولاد کے فکر وعمل پر غلط اثرات پڑتے ہیں، دو خاندانوں کے باہمی تعلقات ٹوٹتے ہیں، بسا اوقات مجادلہ ومناقشہ کی فضا پیدا ہوجاتی ہے اور یہ متعدی مرض ہمارے تمدن کو کمزور اور اخلاقی قدروں کو پامال کرتا چلا جارہا ہے، اس ناسور کا تدارک صرف اسلامی تعلیمات کے ذریعہ ہی ممکن ہے، صلاح وتقویٰ کی روح مسلم سوسائٹی کے ہر فرد میں پیدا کی جائے، خانگی نظام کی عمارت اسلام کے عائلی تصورات کی بنیادوں پر قائم ہونی چاہیے، تاکہ فرد یا جماعت کے جذبات مجروح نہ ہوں اور حق تلفی وناانصافی کے واقعات اسلامی معاشرہ کی سنہری زنجیروں کو توڑ نہ سکیں اور پھر اسلامی تمدن کے عظیم جلوے دنیا کی نگاہوں کا مرکز بن جائیں۔

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

اسلامی جمہوریت کے نقش ونگار

اسلام نے جہاں خاکدان گیتی پر ہزاروں عظیم احسانات کیے، جن کو تاریخ عالم فراموش نہیں کرسکتی ،وہیں اسلام کا بنی نوع انسان پرزبردست احسان جمہوری طرز حکومت کا اقدام بھی ہے، اسلام کے جمہوری نظام حکومت نے سرمایہ داری اور شخصی اقتدار کو کاری ضرب لگائی اوراس نے طبقۂ انسانی کے ہرفرد کواس بات کا احساس دلایا، کہ حکومت کسی خاندان، گروہ یا شخص واحد کا پیدائشی حق نہیں ہے، بلکہ زمین پر بسنے والے ہرفرد کو حکومت میں نمائندگی کا پوراحق حاصل ہے،اس طرح ہر فرد کے اختیارات وحقوق مساوی اور برابر ہیں۔

اسلام سے قبل شخصی اقتدار اور سرمایہ دارانہ بالا دستی اپنے نقطۂ عروج پر تھی اور اس شخصی نظام حکومت کے زیر سایہ سانس لینے والوں کا یہ سوچنا تو درکنار کہ وہ بھی حکمرانی کے مسائل میں اپنا حق رکھتے ہیں، وہ یہ بھی نہیں سوچ سکتے، کہ سوائے حکمرانوں کے عام انسانوں کو آزدانہ فضا میں رہنے کا حق بھی حاصل ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اسلام سے قبل سلاطین وامرا کے جابرانہ عزائم اور وحشیانہ سلوک کا نشانہ غریب رعایا بنتی تھی اور صدائے احتجاج تو درکنار مظالم کے چنگل میں اف کرنا بھی سخت جرم خیال کیا جاتا تھا، مظلوم عوام کے خون سے شاہان وقت کے فلک بوس ایوانوں میں چراغ جلائے جاتے تھے۔

طبقۂ انسانی کے مخصوص خاندان دنیا پرحکومت کا پیدائشی حق اپنے ہی لیے مخصوص سمجھتے تھے، ان کے کاشانہ کبر وغرور سے عوام کی موت وحیات کے فیصلے صادر کیے جاتے تھے، ان کی زبان سے نکلا ہوا کلمہ حکم خداوندی کی پوزیشن میں عوام پر مسلط کیا جاتا تھا۔

ان مطلق العنان حکمرانوں کے زیر سایہ زندگی بسر کرنے والے عوام کا خون ان کی عزت وآبرو ان کی املاک، جائداحتی کہ خود ان کا اپنا جسم بھی ان جابر فرماں رواؤں کی ملکیت خیال کیا جاتا تھا۔

فراعنۂ مصر اور دیگر شاہان عالم کی تعظیم وتکریم مذہبی عبادت سے کہیں زیادہ ضروری تصور کی جاتی تھی، مگر اسلام نے ظہور پذیر ہوکر جہاں سماج ومعاشرہ کی ہزاروں سنگین اور تباہ کن رسموں کو ختم کیا، سرمایہ دارانہ نظام حکومت کے قصر کبر وغرور کو مسمار بھی کردیا اور سب سے پہلے جمہوری نظام حکومت کی بنیادیں استوار کیں اور ہمیشہ کے لیے دنیا سے اس مہلک نظریہ کو ختم کیا، کہ حکومت صرف چند خاندانوں کا حق ہے

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

اور اس طرح عوام کو ذہنی غلامی سے آزاد کر کے ان کی عفت و عصمت کی حفاظت، آزادی رائے، اقتصادی و معاشی مساوات کے اسباب فراہم کیے۔

اسلام نے سب سے پہلے دنیا میں جمہوری نظام حکومت برپا کر کے عوام کو اپنے حقوق کے استعمال کا بھرپور حق عطا کیا اور انھیں یہ بتادیا، کہ تم جسے چاہو اپنا امیر مقرر کرو اور تمہارا امیر اس بات کے لیے مجبور ہے، کہ وہ اللہ کی کتاب اور رسول اللہ کی سنت پر عمل پیرا ہو کر تمہارے ساتھ انصاف کرے اور رعایا پروری، عوامی فلاح اور ملکی خوشحالی کے لیے تمہاری مرضی کے مطابق جدوجہد کرے اور تم اس کو اس کی بے راہ روی پر علی الاعلان نکتہ چینی بھی کر سکتے ہو اور اپنے امیر کو اس کی بے اعتدالیوں، ناانصافیوں پر رائے عامہ کے ساتھ برطرف کر سکتے ہو۔

اسلام نے مساوی نظریۂ حیات کی بنیاد پر جمہوریت کا جو مستحکم نظریہ دنیا کے سامنے پیش کیا، اس کی عملی تصویریں آج بھی صفحۂ ہستی پر جگمگا رہی ہیں، حضرت معاذ بن جبل نے اسی جمہوری نظریہ حکمرانی کا اجمالی تصور قیصر روم کے دربار میں جب رومیوں نے اپنے شاہانہ جلال سے آپ کو مرعوب کرنا چاہا تھا، تو ان الفاظ میں پیش کیا۔

وامیرنا رجل منا ان عمل فینا بکتاب و سنۃ نبینا قررناہ علینا و ان عمل بغیر ذٰلک عزلناہ عنا وان ھو سرق قطعنا یدہ و ان زنا جلدناہ وان شتم رجلا منا شتمہ بما شتمہ وان جرمہ افادہ من نفسہ ولا یحتجب منا ولا یتکبر علینا ولا یستاثر علینا فینا الذی انا واللہ علینا وھو کرجل منا .

ہمارا امیر ہمارا ایک فرد ہے، اگر وہ ہماری کتاب اور ہمارے نبی کی سنت پر عمل کرے، تو ہم اس کو اپنا خلیفہ باقی رکھیں اور اگر اس کے خلاف عمل کرے، تو ہم اسے معزول کر دیں، اگر وہ چوری کرے، تو اس کا ہاتھ کاٹ دیں، اگر زنا کرے تو اس کو سنگسار کریں، اگر وہ ہم میں سے کسی کو گالی دے تو وہ بھی برابری کی گالی دے، اگر وہ کسی کو زخمی کرے تو اس کا بدلہ دینا پڑے، وہ ہم سے چھپ کر محلوں میں نہیں بیٹھتا، وہ ہم سے غرور و تکبر نہیں کرتا، وہ مال غنیمت کے تقسیم میں اپنے کو ہم پر ترجیح نہیں دیتا، وہ ہم میں ایک معمولی آدمی کا رتبہ رکھتا ہے اور بس۔

آج دنیا میں ہر طرف جمہوریت کی شمعیں روشن ہیں، جس کی ضیائیں شاہی محلات کے کنگروں سے لے کر معمولی کسان مزدور کے تاریک جھونپڑے تک پہنچ رہی ہیں اور اس جمہوری فضا میں عوام اور صرف عوام کو کثرت رائے کے ساتھ اپنا سربراہ منتخب کرنے کا پورا حق حاصل ہے، عوام اپنے ضمیر کی آواز نیز اپنے خیالات کا اظہار کھلے بندوں کرنے کا پورا حق رکھتے ہیں، انتخاب کے ساتھ ساتھ سربراہ مملکت کے

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

خلاف عدم اعتماد کی صدائے احتجاج بلند کرنے کا پورا حق عوام کو حاصل ہے۔

لیکن اسلام اور آج کے موجودہ جمہوری طرز حکومت میں جو بنیادی فرق ہمیں نظر آتا ہے، وہ یہ ہے، کہ آج کا منتخب ہونے والا سربراہ جو عوام کی اکثریت رائے سے کرسی امارت پر جلوہ گر ہوتا ہے، مگر اقتدار کی نخوت، چمکتے ہوئے سرمایہ کی کھنک اسے اس بات پر مجبور کر دیتی ہے، کہ وہ اپنے حقیقی منصب کو بھول کر عوام کی نمائندگی اور ان کی خوشحالی کے منصوبوں کی تکمیل کے بجائے اپنی عوامی حیثیت کو بھول کر خود کو فراعنہ مصر اور قیصر و کسریٰ کا خاندانی مختار اور مطلق العنان حاکم سمجھتا ہے، عوامی فلاح اور مکمل سالمیت کے بجائے حق وانصاف کا خون کر کے گہوارۂ عشرت میں سرمستی حیات کے مزے لوٹتا ہے، لیکن اسلامی جمہوریہ کے اندر یہ خصوصیت تاریخی حیثیت رکھتی ہے، کہ عوام کی اکثریت رائے سے منتخب ہونے والا سربراہ کرسی صدارت پر جلوہ افروز ہونے کے باوجود خود کو نہ عوامی سطح سے اونچا خیال کرتا تھا اور بیت المال کے زرو جواہر اس کی ایمانی دیانت داری کو پس پشت ڈال کر حق وانصاف کا قتل عام کرنے پر مجبور نہ کرتے تھے، بلکہ سربراہ ہونے کے بعد وہ پورے ملک کے عوام اور حدود سلطنت میں بسنے والے ہر ذی روح کا ذمہ دار اپنے کو سمجھتے تھے اور اس سلسلے میں اسلام کا نظریہ تو حید و آخرت مواخذہ کا خوف ہر دنیاوی ہوس کی مکمل ناکہ بندی کیا کرتا تھا، اس طرح وہ اپنے آپ کو قوم کا امیر نہیں بلکہ ادنیٰ خادم خیال کرتے تھے، جس کی ایک غلطی پر حدود مملکت کا ایک ادنیٰ فرد بھی سوال کر سکتا تھا۔

اسلام کے سب سے پہلے خلیفہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہوئے ہیں، جنھیں عامۃ المسلمین کی اکثریت رائے نے اپنا امیر چنا تھا، خلیفہ اول نے مسند خلافت پر جلوہ افروز ہونے کے بعد جو سب سے پہلی تقریر کی تھی، اس کے یہ اقتباسات خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

ایھا الناس قد ولیت امرکم ولست بخیرکم ایھا الناس انا متبع ولست بمبتدع فان احسنت فاعینونی وان زغت فقومونی (طبقات ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۱۲۹)

لوگو! میں تمہارا خلیفہ مقرر ہوا ہوں، گو میں تم سے بہتر نہیں ہوں، لوگو! میں پیروی کرنے والا ہوں، کوئی نئی بات رواج دینے والا نہیں ہوں، اگر میں ٹھیک کام کروں تو میری مدد کرو اور اگر کج رو ہو جاؤں تو مجھے سیدھا کرو۔

وان اقواکم عندی الضعیف حتی اخذ لہ وان اضعفکم عندی القوی حتی اخذ منہ الحق (ابن سعد)

تم میں جو قوت والا ہے وہ میرے نزدیک کمزور ہے، یہاں تک کہ میں اس سے حق وصول

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کروں اور جو کمزور ہے وہ طاقتور ہے، یہاں تک کہ میں اس کو اس کا حق دلا دوں۔

مندرجہ بالا اقتباسات کی روشنی میں اسلامی قصر جمہوریت کے بنیادی سنگ وخشت کی وضاحت پورے طور پر ہو جاتی ہے، مساوات اور تحفظ حقوق، اسلامی جمہوریت کا بنیادی مقصد ہے اور اسی مقصد نے امیر سلطنت کو قیصر آمریت، جلال کسریٰ، تکبر فرعون کا پیکر نہیں بنایا، بلکہ ایک خادم قوم، ایک محافظ آزادی وحقوق کی حیثیت سے مسند خلافت پر رونق افروز کیا۔

جہاں اقربا پروری اور خاندانی افراد کی بالا دستی اور خود خلیفۂ وقت کو عوام پر نا جائز دباؤ اور منافی عدل وانصاف سے کام کرنے کی ذرہ برابر گنجائش نہیں، اگر خلیفہ وقت یا اس کے خاندان کا کوئی شخص ارتکاب جرم کرتا ہے تو اس کے لیے شاہی مراعات کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، خود نبی اکرم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی بنیادی مساوات اور اسلامی عدل وقانون کی طرف واضح اشارہ ایک موقع پر کیا تھا، جب عمائدین قریش نے بنو مخزوم کی ایک عورت جو چوری میں ماخوذ تھی، حضرت اسامہ بن زید سے اس کی برأت کی سفارش کرائی تھی، اس پر سرکار نے فرمایا۔

انما هلک الذین قبلکم انهم کانوا اذا سرق فیهم الشریف ترکوه واذا سرق فیهم الضعیف اقاموا علیه والله لو ان فاطمة بنت محمد سرقت لقطعت یدها

(بخاری شریف الشفاعة فی الحدود)

اے لوگو! تم سے پہلے قومیں اس لیے ہلاک کی گئیں، کہ جب ان میں سے کوئی بڑا چوری کرتا تھا، لوگ اسے چھوڑ دیتے تھے، لیکن جب کوئی عام انسان چوری کرتا، تو اسے سزا دیتے، لیکن خدا کی قسم اگر فاطمہ بنت محمد بھی چوری کرتی، تو اس کے ہاتھ ضرور کاٹے جاتے۔

یہ ہے فرمانروائے اسلام کی واضح شکل جہاں بیٹی اور عزیز واقارب کا رشتہ نہیں بلکہ حق وانصاف، صداقت ومساوات کا دور دورہ ہے، اسلام کا تصور جمہوریت کمزوروں پر ظلم وزیادتی یا جابرانہ نخوت نہیں، بلکہ حق وانصاف، عدل ومساوات کا تحفظ ہے۔

چنانچہ خلیفۂ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ باوجود اس کے کہ خلیفۃ المسلمین تھے۔ سلطنت کے بے شمار کام ان کے سر تھے، مگر وہ اس حالت میں مجبوروں، لاچاروں، بیواؤں اور یتیموں کی ضروریات خود پوری فرماتے تھے، رعایا پروری اور امارت کی فرض شناسی کا بھرپور احساس اس واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے، ایک بار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بارگاہ ایزدی میں سجدہ ریز ہو کر انتہائی رقت قلب کے ساتھ فرما رہے تھے، ''باری تعالیٰ تیرے بندوں کی جو تکلیف میرے علم میں ہوتی ہے، میں اسے دور کرنے

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کی ہر ممکن کوشش کرتا ہوں، مگر مجھے خوف ہے، کہ اس طویل وعریض سلطنت میں کوئی بھوکا تو نہیں سو جاتا، پروردگارا اگر ایسا ہوتا ہے، تو میرے علم میں نہیں ہوتا، اس میں میری کوتاہی نہیں، مجھے خوف ہے، کہ قیامت کے دن میں اس جرم میں پکڑا نہ جاؤں''۔

خود خلیفۂ دوم حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ جب مسند خلافت پر رونق افروز ہوئے، تو انھوں نے حکومت کے ہر فرد کو اس بات کی اجازت دے دی تھی، کہ بلا خوف وخطر وہ اپنے مطالبات پیش کرے اور اپنے جائز حقوق حاصل کرے۔

خلیفۂ دوم ہمہ وقت اسی فکر میں رہا کرتے تھے، کہ میرے حدود سلطنت میں کوئی پریشان تو نہیں، کسی کی حق تلفی تو نہیں ہو رہی ہے، کوئی بھوکا تو نہیں ہے اور اسی کا نتیجہ تھا کہ خلیفۂ وقت تن تنہا رات کی تاریکیوں میں شہر کی گلی کوچوں کا گشت کیا کرتے تھے، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو خلافت کی ذمہ داری کا جو عظیم احساس تھا، ایک موقع پر فرمایا، ''میری رعایا جس قدر بڑھتی ہے، اسی قدر میری ہڈیاں پگھلتی ہیں، اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں، کہ مجھے پاک وصاف اٹھائے، واللہ اگر اقصائے مصر میں بھی کوئی اونٹ ضائع ہو جائے تو مجھ کو خوف ہے، کہ خداوند عالم اس پر مجھ سے سوال نہ کرے۔'' (سیرت عمرو ابن عاص صفحہ ٦٧)

اور یہی اس ذمہ داری کا بھرپور احساس تھا، کہ حضرت عمر فاروق اپنے گورنروں کو ہمہ وقت رعایا پروری اور عدل وانصاف کی تاکید فرمایا کرتے تھے، خود عوام سے ایک بار انھوں نے فرمایا، ''لوگو! میں نے اپنے عمال اور گورنروں کو تمہارے پاس اس لیے بھیجا ہے، کہ یہ حق وانصاف برپا کریں اور تمہاری جان و مال، عزت وآبرو کی حفاظت کریں، ان گورنروں کو اس لیے نہیں بھیجا، کہ تم کو اذیت دیں اور تمہاری جان و مال سے کھیلیں، لہٰذا اگر ان میں سے کسی نے تم پر زیادتی کی ہے یا ظلم کیا ہے تو تم کو چاہیے، کہ ہمیں اس کی تفصیل بیان کرو، اس اعلان کے بعد ایک شخص نے اٹھ کر کہا، ''امیر المومنین! آپ کے فلاں گورنر نے مجھے سو کوڑے مارے ہیں، تحقیق حال کے بعد آپ نے حکم دیا، کہ تم بھی بدلہ لے لو۔ (کتاب الخراج صفحہ ٦٩)

اموی خلافت میں جب سلیمان بن عبد الملک نے حضرت عمر بن عبد العزیز کو اپنا جانشین بنایا تو آپ نے مسجد میں عام اعلان فرمایا۔

ایھا الناس انی ابتلیت بھا الامر من غیر رائی منی ولا طلبه و لا مشورة من المسلمین وانی قد خلعت مافی اعناقکم من بیعتی فاختاروا لانفسکم غیری

(اسلام اور آزادی صفحہ ٥٠)

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

اے لوگو! میں اپنی رائے اور خواہش اور مسلمانوں کے عام مشورے کے بغیر امارت کے عذاب میں مبتلا ہو گیا ہوں، اس لیے میں تم کو اپنی بیعت کے بارے میں سبکدوش کر دیتا ہوں، اب تم اپنی رائے میں بالکل آزاد ہو، میرے سوا جس کو چاہو اپنا امام بنالو۔

اس خطبہ کے بعد عامۃ المسلمین نے بآواز بلند آپ کی خلافت پر رضا مندی کا اظہار کیا اور کہا کہ ہم نے آپ کو اپنا خلیفہ منتخب کر لیا، حاضرین کی اس رضا مندی کے بعد حضرت عمر بن عبدالعزیز نے ایک خطبہ دیا، جس کا مندرجہ ذیل اقتباس خاص طور سے قابل ذکر ہے۔

''لوگو! جو شخص خدا کی اطاعت کرے اس کی اطاعت واجب ہے اور جو شخص اس کی نافرمانی کرے، اس کی فرمانبرداری جائز نہیں جب تک میں خدا کی اطاعت کروں میری اطاعت کرو اور اگر میں اس کی نافرمانی کروں تو میری فرمانبرداری تم پر فرض نہیں''۔

خلیفۂ اسلام کا بیان اسلامی سربراہ مملکت کی حیثیت اور اس کے فرائض کی صحیح نشاندہی کرتا ہے، جہاں جابرانہ عزائم غالب نہیں آتے، بلکہ اسلامی جمہوریت کا بنیادی تصور جس پر اسلامی نظام حکومت کی دیواریں قائم ہیں، مدنظر ہے، خلیفۂ اسلام جب مکان پر پہنچے تو لونڈی نے اترا ہوا افسردہ چہرہ دیکھ کر کہا، شاید آپ تشویشناک ہیں، آپ نے فرمایا تشویش کی بات ہی ہے، شرق و غرب میں امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی ایسا فرد نہیں ہے، جس کا مجھ پر حق نہ ہو اور بغیر مطالبہ و اطلاع اس کا ادا کرنا مجھ پر فرض نہ ہو۔ (سیرت عمر بن عبدالعزیز صفحہ ۳۲)

یہ اسلامی جمہوریہ کے سربراہان مملکت کا احساس ذمہ داری اور خوف مواخذۂ آخرت تھا، جس نے رعایا پروری، عدل گستری اور مساوات کی غیر فانی مثال قائم کر دی تھی۔

<u>خلفائے اسلام کی طرز زندگی:۔</u> اسلام سے قبل جبکہ سرمایہ دارانہ نظام حکومت سارے عالم پر ہوشربا قیامت بن کر چھایا ہوا تھا، سلاطین و امرا کی زندگی کا معیار کتنا بلند تھا، جفاکش عوام کے خون جگر سے پیدا کی ہوئی کمائی پر انسانی درندگی اپنی زندگی کو حد درجہ شاندار اور پر جلال بنائے ہوئے تھے، جس طرف سے ان مغرور انسانوں کی سواریاں گزرتی تھیں، پامال عوام حسرت بھری نگاہ سے ان کی عظمت و شان کا تماشہ دیکھا کرتی تھی، دنیا کا وہ دور تو ایسا دور تھا، جب سارے عوام اور ان کی جان و مال پر تصرف کا مکمل حق انہیں سفاک درندوں کے لیے مخصوص تھا، مگر آج کے اس جمہوری دور میں جب کہ مساوات انسانی برادری کی اسکیموں پر زور دیا جا رہا ہے، انسانی حریت و آزادی کے لیے جنگیں لڑی جاتی ہیں اور آج کے اس جمہوری نظام حکومت میں جبکہ عوام کی اکثریت رائے اور ان کے ضمیر کی آواز پر سربراہ مملکت کا انتخاب عمل میں آتا ہے۔

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

مگر ہمیں یہ دیکھ کر اس دور کی نام نہاد جمہوریت سے سوائے شرم وندامت کے کچھ حاصل نہیں ہوتا، کیونکہ یہی عوامی سربراہ کرسی اقتدار پر پہنچنے کے بعد عوام کا ایک فرد بننے، ملک کی خوشحالی، عوامی بہبود کے لیے کوششیں کرنے کے بجائے خود کو فرعون کا ہمسر خیال کیے بغیر نہیں رہتا، یہی عوامی سربراہ جب شہر کے گلی کوچوں سے گزرتا ہے تو اس کے آگے پیچھے دیوہیکل مسلح محافظ دستہ ہوتا ہے اور ان سربراہوں کے سامنے اپنی فریادیں پیش کرنا گناہ اور جرم ہوتا ہے، اور یہی عوامی سربراہ شکستہ حال عوام کو قیصر وکسریٰ کے شاہی غرور کے قدموں سے روندتے ہوئے گزر جاتے ہیں، ان جمہوری ناخداؤں کے فلک بوس ایوان سجے سجائے عشرت کدے جگمگاتے ہوئے محلات، کیا ان میں رہنے والا انسان محل کے نیچے کے تاریک جھونپڑے میں ایڑیاں رگڑ رگڑ کر جان دینے والے انسان کے رنج وغم کا شریک بن سکتا ہے؟ کیا جفاکش مزدوروں کی مشقت کا اسے اندازہ ہوسکتا ہے؟۔

تم اجالوں میں رہا کرتے ہو تم کیا جانو کتنے فن پاروں کا دم گھٹتا ہے اندھیاروں میں
خلوت عیش سے باہر کبھی نکلو تو سنو! ذہن کس بھاؤ بکا کرتا ہے بازاروں میں
تم ہو طوفاں سے پرے عشرت ساحل میں مگن کتنے رختے ہیں سفینے میں یہ تم کیا جانو!
تم نے اوروں سے سنیں درد و الم کی باتیں درد کس چیز کو کہتے ہیں یہ تم کیا جانو!

آج جمہوریت ومساوات کے کھوکھلے نعروں پر عوامی ذہن وفکر کو دھوکا دینے والے جمہوری سربراہ جمہوری طرز حکومت کا سہارا تو ضرور لیتے ہیں، مگر ان کی ذاتی زندگی کس قدر پر تکلف اور آرام طلب ہوتی ہے، اس کا اندازہ صرف اس بات سے لگایا جاسکتا ہے، کہ آج سربراہان مملکت کے ذاتی مصارف سن کر حیرت ہوتی ہے، شاہ انگلستان کے ماہانہ مصارف، جیب خرچ، گھریلو اخراجات، ملازمین شاہی کی تنخواہ لگ بھگ ستر لاکھ اور شاہ جرمنی کے ماہانہ مصارف نوے لاکھ روپئے ہیں۔ (اسلام اور آزادی صفحہ ۶۴)

اب ذرا اسلامی سربراہان مملکت (خلفائے اسلام) کی ذاتی زندگی اور ان کے مصارف کو ملاحظہ فرمایئے اور ان کی مساوات اور عوامی زندگی سے سبق لیجیے (خلیفۂ اول حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا یومیہ خرچ جو بیت المال سے دیا جاتا تھا) صرف پانچ درہم تھا، خلیفۂ دوم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جن کی حدود سلطنت صحرائے عرب سے لے کر مصر وشام، عراق وایران کے وسیع علاقے میں پھیلی ہوئی تھی اور جن کا نام سن کر قیصر وکسریٰ لرز جایا کرتے تھے، ان کے بارے میں ایک انگریز مورخ فولڈ کی (Fuldiki) رقمطراز ہے، ''حضرت عمر نے ایک مکمل مذہبی جمہوریت کی بنیاد ڈالی اس جمہوریت میں مذہب کے اصولوں کی پابندی بڑی سختی سے کی جاتی تھی اور سب کا درجہ اس جمہوریت میں مساوی تھا، خود خلیفہ ایسی سادہ زندگی بسر کرتا تھا، جیسے ایک

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ادنیٰ مزدور' اس خلیفۂ اسلام کے ذاتی مصارف اور سادہ زندگی کا اندازہ خود اسی کے بیان سے لگایا جاسکتا ہے۔

اخبر کم بما یستحل منه حلتان حلة فی الشتاء وحلة فی القیظ وما احج علیه واعتمر من الظهر و قوتی وقوت اهلی کقوت رجل من قریش لیس باغناهم ولا بافقرهم ثم انا بعد رجل من المسلمین یصیبنی ما اصابهم.

میں تمہیں خود خبردار کرتا ہوں، مجھے بیت المال سے کتنا لینا جائز ہے؟ دو جوڑے کپڑے، ایک گرمی کے لیے، ایک جاڑے کے لیے، ایک سواری، جس پر حج وعمرہ ادا کرسکوں اور قریش کے ایک متوسط الحال کے اخراجات وطعام کے برابر اپنے اہل وعیال کے لیے اخراجات وطعام اس کے بعد میں ایک ادنیٰ مسلمان ہوں، جو ان کا حال ہے وہی میرا حال ہے۔

یہ تھی جمہوری سربراہ کی زندگی اور اس کے اخراجات۔

حضرت قتادہ کا بیان ہے کہ حضرت عمر خلیفۂ وقت ہونے کے باوجود ایسے پھٹے پرانے کپڑے پہن لیتے تھے، جن پر کپڑوں کے علاوہ چمڑے کے پیوند لگے رہتے تھے، جب اسلامی سربراہ بیت المقدس کے لیے روانہ ہوئے، اس تاریخی واقعہ کو انگریز مورخ ڈاکٹر لیبان لکھتا ہے، ''تن تنہا مدینہ سے اونٹ پر سوار ہوکر روانہ ہوئے، ان کا سارا سامان یہ تھا، ایک مشک پانی، ایک تھیلی میں تھوڑے سے چاول اور سوکھا میوہ، رات دن چل کر حضرت عمر بیت المقدس آئے اور شہر کے باشندوں کے ساتھ بے انتہا نرمی سے پیش آئے، ان کو مذہب، رسوم ومال ومتاع کی پوری آزادی تھی''۔ (تمدن عرب صفحہ ۱۴۷ تا ۱۴۸)

ایک بار کچھ لوگ ملنے گئے، آپ کچھ دیر کر کے گھر سے نکلے، بعد میں تاخیر کا سبب معلوم ہوا، کہ آپ کے کپڑے گندے ہوگئے تھے، انھیں اپنے ہاتھوں سے دھوکر سوکھنے کے لیے پھیلا دیا اور دوسرا کپڑا موجود نہ تھا، جسے پہن کر باہر آتے، لہٰذا جب کپڑا سوکھ گیا، تو انھیں پہن کر باہر تشریف لائے۔ یہ اس خلیفۂ اسلام کی سادہ زندگی کا حال تھا، جس کے زمانے میں اسلامی خزانہ مال ودولت سے پر تھا، اقصائے عالم کی دولت سمٹ کر بیت المال میں آرہی تھی، مگر جب اس خلیفۂ اسلام کا وصال ہوا، تو اس پر دوسروں کا قرض تھا، چنانچہ وصیت فرمائی تھی، کہ میرے مکان کو فروخت کر کے میرا قرض ادا کیا جائے۔

اسی طرح خلیفۂ چہارم حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بھی زندگی تھی، اس خلیفۂ اسلام کا نہ تو کوئی شاہانہ غلام تھا اور نہ باندی، آپ کی اہلیہ محترمہ خود اپنے ہاتھوں سے چکی پیستی تھیں اور گھر کے سارے کام انجام دیتی تھیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ شدید جاڑے میں بھی ایک چادر پر گزر بسر کیا کرتے تھے۔

خلافت راشدہ کے مقدس دور کے بعد اموی دور خلافت جہاں اسلامی جمہوریت کے

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

بجائے قیصریت کا جاہ وجلال سکہ جمار ہا تھا اور ہر سمت وہی قیصری دیوا استبداد پورے معاشرے پر مسلط ہوتا چلا جارہا تھا، مگر اس تاریک دور میں روشنی کی لکیر حضرت عمر بن عبدالعزیز کا دور خلافت تھا، جو اسلامی جمہوریت کی یاد تازہ کرتا ہے۔ خلافت سے پہلے خدا ترس خلیفہ مدینہ کے گورنر رہ چکے تھے، شہزادگی کے سبب اموی خاندان کے ہم عصروں میں سب سے زیادہ خوش پوش اور اعلیٰ ترین معیار زندگی رکھتے تھے، مگر زمام خلافت ہاتھ میں لینے کے بعد یہی خلیفہ اپنی زندگی میں انقلاب عظیم برپا کرتا ہے۔ خلافت سے پہلے کے سارے ٹھاٹ باٹ یک لخت ترک کر دیے جاتے ہیں اور اسلامی جمہوریہ کے عوامی مساوات کے پہلو کو اپنا لیتے ہیں، معمولی کپڑا پہنتے تھے، مگر اس پر پیوند لگے رہتے تھے، ایک بار جمعہ پڑھانے گئے اور کرتے میں متعدد پیوند لگے تھے، ایک شخص نے کہا، امیر المومنین خدا نے آپ کو سب کچھ دیا ہے، کاش آپ عمدہ کپڑے پہنتے، یہ سن کر تھوڑی دیر گردن جھکائی پھر سر اٹھا کر کہا، میانہ روی تحمل کی حالت میں اور عفو درگذر قدرت کی حالت میں بہتر ہے۔ (سیرت عمر بن عبدالعزیز صفحہ ۸۳)

ایک شخص کا بیان ہے، کہ آپ نے ایک چادر چھ مہینے تک نہ بدلی، ہر جمعہ کو دھوئی جاتی تھی اور اس پر زعفران کا رنگ دیا جاتا تھا، ایک بار جمعہ کے دن مسجد پہنچنے میں دیر ہوئی، ایک شخص نے وجہ تاخیر دریافت کی، فرمایا، کہ غلام کپڑا دھونے لے گیا تھا اور اس کے سوا کوئی دوسرا کپڑا نہ تھا۔ (ایضاً ۸۳)

اس خلیفۂ اسلام کی ذاتی زندگی کتنی سادہ اور بے تکلف تھی، جس کے حدود سلطنت میں ہندوستان، افغانستان، عراق، شام، عرب، مصر، اسپین کے علاقے شامل تھے، مگر اس کے کپڑے اور غذا کی حالت کیا تھی، وہ ایک معمولی مزدور سے زیادہ نہ تھی۔

صمد بن زہر الحنظلی کا بیان ہے، کہ میں ایک رات ان کے پاس گیا، تو دیکھا کہ روٹی کے ٹکڑے زیتون کے تیل کے ساتھ کھا رہے ہیں۔ ایک بار آپ کے خادم کو دال کھانے کو ملی تو بولا روز روز دال، تو اس کی سیدہ نے کہا، کہ تمہارے آقا امیر المومنین کی بھی یہی غذا ہے، مگر یہ غذا بھی زمانہ خلافت میں پیٹ بھر کر نہیں کھائی۔ (ابن سعد صفحہ ۲۵۴ بحوالہ سیرۃ ۸۴)

خلفائے اسلام کے بلندترین کردار کی مثال کیا آج کے نام نہاد جمہوری نظام میں نظر آسکتی ہے؟ اسلامی جمہوریت میں اکثریت واقلیت کا کوئی سوال نہیں، یہاں عامۃ المسلمین کی رائے پر سربراہ مملکت کا انتخاب عمل میں آیا تھا اور وہ خلیفۂ اسلام خود کو سربراہ مملکت نہیں، بلکہ عوام کا ایک فرد تصور کرتا تھا اور خادم تصور نہیں کرتا تھا، اس طرح مساوات کی ہمہ گیر بنیاد پر اسلامی جمہوریت کے آئین عملی صورت اختیار کرتے تھے،

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

اسلام کے جمہوری نظام حکومت کے بارے میں پروفیسر لیکی اپنے خیالات ان الفاظ میں بیان کرتا ہے۔

''اس زمانہ میں سب کی زبان پر جمہوریت کا چرچا ہے، لیکن اس بات کا کوئی اقرار نہیں کرتا کہ اس جمہوریت کی داغ بیل اسلام نے ڈالی ہے، جس نے پہلی مرتبہ دنیا کو آزادی، اخوت اور مساوات سے آشنا کیا ہے''۔

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا، کہ اسلام نے پہلی بار دنیا کو ایسے جمہوری نظام سے آشنا کیا، جس کے ذریعہ انسانیت کی اعلیٰ قدریں اجاگر ہوئیں، انسانی حقوق و آمریت کے خدوخال سامنے آئے، آج سے چودہ سو برس قبل اسلام نے جو اعلیٰ ترین نظام حکومت پیش کیا اور اس کے پیروؤں نے جس دیانت اور خوش اسلوبی سے اس جمہوری طرز حکومت کو نبھایا، آج کی ترقی یافتہ جمہوریت اس کی مثال قائم کرنے سے یکسر قاصر ہے۔ آج کے جمہوری نظام حکومت میں سرمایہ داری اور غربت کا فرق بڑھتا جارہا ہے، امیر و غریب کی تمیز بڑھتی جارہی ہے، اقتصادی نابرابری، معاشی بحران اور عدم مساوات کا سیلاب موجیں مارتا ہوا بڑھ رہا ہے۔ اسلام کے جمہوری نظام نے شاہ و گدا کا فرق مٹا کر سرمایہ و محبت اور عدم مساوات اور دیگر مسائل حیات کا یکسر خاتمہ کردیا تھا۔

اسلامی جمہوریت کے درخشندہ نقش و نگار آج بھی دنیا کو اپنی طرف مڑکر دیکھنے پر مجبور کردیتے ہیں اور آج کے قیصرانہ جمہوری آمریت میں جب سنجیدہ مزاج طبقہ دنیا کے سیاسی نظاموں کا تجزیہ کرتا ہے، تو اسے چودہ سو سالہ اسلامی نظام جمہوریت پر اپنی نگاہیں مرکوز کردینی پڑتی ہیں اور اسے اسلام کے مذہبی معتقدات پر قائم کردہ جمہوری نظام حکومت کو حقیقی جمہوریت تسلیم کرنا پڑتا ہے۔

جلال پادشاہی ہو کہ جمہوری تماشا ہو
جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

اسلام اور انسانی خون کا احترام

اسلام سے قبل دنیا کشت وخون اور قتل وغارت گری کی بھیانک آماجگاہ تھی، جہاں انسانی خون اور انسانیت کی کوئی قیمت نہ تھی، اسلام چونکہ خاکدان گیتی میں ایک صالح اور صحت مند سماج کی تشکیل کا داعی ہے، اس لیے اسلام نے دنیا کو امن وآشتی اور صلح واتحاد کا عرفانی اور متبادل پیغام دیا اور انسانوں کو اس بات کا احساس دلایا، کہ وہ خلیفۃ اللہ فی الارض اور اشرف المخلوقات ہیں۔

اسلام کے صحت مند سماجی پروگرام میں خاکدان گیتی کی افضل ترین مخلوق انسان کا خون ناحق ایک سنگین جرم قرار دیا گیا ہے۔ معاشرے اور سماج کی خوشگواری اور نسل انسانی کی بقا امن وسلامتی ہی سے عبارت ہے۔

ظاہر ہے، انسانی خون کا عدم احترام یعنی کشت وخون معاشرے اور سماج کو بھیانک صورت تو دے سکتا ہے، بھری دنیا کو شہر خموشاں کا نمونہ تو بنا سکتا ہے، مگر معاشرے اور سوسائٹی کو رونق اور نسل انسانی کے فروغ کا ذریعہ نہیں بنا سکتا۔

اسلام نے بنی نوع انسان کے فرد واحد کے قتل ناحق کو پوری انسانیت کا قتل عام قرار دے کر خونریزی کے شدید جرم کی واضح شکل پیش کی ہے۔

من قتل نفسا بغير نفس او فساد في الارض فكانما قتل الناس جميعا ومن احياها فكانما احيا الناس جميعا (پ ٦، ع ٨)

جس شخص نے کسی کو بغیر کسی انسانی خون کے عوض یا بغیر ملک میں فساد برپا کرنے کے قتل کیا، تو گویا اس نے پوری انسانیت کا قتل کیا اور جس نے کسی کی زندگی بچائی تو گویا اس نے پوری انسانیت کی زندگی بچائی۔

اسلامی قانونی فطرت نے قتل نفس کو ایسا عظیم گناہ قرار دیا، کہ اگر کسی نے کسی انسان کا قتل کیا، تو اس نے ساری انسانی نسل کے قتل کا ارتکاب کرلیا اور اس کے بالمقابل اسلام نے انسانیت کے فرد واحد کی زندگی بچانے کو تمام انسانیت کے احیا سے تعبیر کیا۔

اسلامی نظام حیات نے قتل ناحق کو جرم عظیم قرار دے کر انسانی سماج کے خونخوار اور درندہ صفت

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

انسانوں کے ہیبت ناک دہانوں میں لگام دی اور پوری انسانی نسل کو امن کی پرسکون فضا میں بے خوف و خطر سانس لینے کا موقع فراہم کیا۔

ولا تقربوا الفواحش ما ظهر منها وما بطن ولا تقتلوا النفس الّتی حرم اللّٰه الا بالحق ذٰلکم وصکم به لعلکم تعقلون.

اور نہ جاؤ برائیوں کے قریب، خواہ ظاہر ہوں یا پوشیدہ اور قتل نفس نہ کرو، جسے خدا نے حرام قرار دیا، ہاں کسی حق کی بنا پر قتل کرنا پڑے، یہ تمہارے لیے اس کی جانب سے وصیتیں ہیں، تاکہ تم عقل و ہوش سے کام لو۔

انسانی خون کے احترام اور خونریزی کی مذمت کے سلسلے میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ابغض الناس ثلثة ملحد فی الحرم مبتغ فی الاسلام سنة الجاهلية دم طلب دم امرء بغير حق بعرق دمه.

ایک بار سرکار نے سات مذموم باتوں کا ذکر کرتے ہوئے ان چیزوں کا بھی ذکر فرمایا، جس میں ایک قتل نفس بغیر حق بھی ہے۔

الشرک باللّٰه والقتل النفس اللتی حرم اللّٰه بالحق ۔اس سے یہ حقیقت بے نقاب ہوکر سامنے آجاتی ہے، کہ اسلامی ذہن وفکر میں قتل نفس کرنا بڑا جرم ہے، جسے شرک باللہ جیسی مذموم شے کی فہرست میں شمار کیا گیا ہے۔

قتل نفس کے سنگین جرم کی اہمیت کو واضح کرتے ہوئے سرکار دو عالم نے ارشاد فرمایا۔

اول ما يحاسب به العبدالصلوة واول ما يقضى بين الناس يوم القيٰمة فى الدماء (نسائى)

قیامت کے دن بندے سے جس چیز کا سب سے پہلے حساب لیا جائے گا، وہ نماز ہے اور پہلی چیز جس کا فیصلہ لوگوں کے درمیان کیا جائے گا وہ خونریزی ہوگی۔

اس سلسلہ کی ایک اور حدیث ملاحظہ ہو۔

عن سليمان بن عمرو بن الاخوص عن ابيه قال سمعت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يقول فى حجة الوداع للناس اى يوم هذا قالوا يوم الحج الاكبر قال فان دمائكم و اموالكم و اعراضكم بينكم حرام كحرمة يومكم هذا فى بلادكم هذا

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

(ترمذی شریف جلد ثانی ص ۳۸، ابواب الفتن)

عمرو بن احوص کا بیان ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر لوگوں سے پوچھا، یہ کون سا دن ہے؟ لوگوں نے کہا، حج اکبر کا دن، آپ نے ارشاد فرمایا، تمہارے خون، تمہارے مال، تمہاری عزتیں آپس میں ایسے ہی حرام ہیں، جیسے تمہارے اس شہر میں تمہارا یہ دن حرام ہے۔

اسلام نے انسانی خون کے احترام اور قتل نفس بغیر حق کے سلسلے میں جو باتیں پیش کیں، وہ مندرجہ بالا آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ کی روشنی میں بالکل واضح اور غیر مبہم شکل میں سامنے آگئیں۔

اسلام کے آئین کی رو سے قتل نفس کے جرم کی سزا قتل نفس ہی قرار دی گئی ہے، کیونکہ یہ ایک نہایت سنگین جرم ہے۔

اور یہاں صرف وارثان مقتول کو یہ حق دیا گیا ہے، کہ وہ ظالم قاتل کی گردن اڑا دیں یا خون بہا لے کر قاتل کی جاں بخشی کریں۔

ولا تقتلوا النفس الّتی حرم اللّٰہ الا بالحق ومن قتل مظلوما فقد جعلنا لولیه سلطانا فلا یسرف فی القتل .

اور قتل نہ کرو، کسی جاندار کو جس کا قتل اللہ نے حرام قرار دیا، مگر حق شرعی کے ساتھ جو شخص ناحق قتل کیا گیا، پس ہم نے اس کے وارثوں کو قصاص کا حق دیا ہے، تو قصاص میں حد سے گذرنا نہیں چاہیے۔

یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے، کہ انسانی فطرت انتقامی جذبے سے معمور ہے اور جوش و جذبات کی ترنگ میں عقل و ہوش کا دامن چھوڑ کر انسان ایک قتل کے بجائے بہت سے بے گناہ انسانوں کا قتل کرتا ہے، جس کی بدولت انسانی سماج اور انسانی نسل کو ایک ناقابل تلافی نقصان اور ناخوشگوار حالات سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔

انسانی معاشرہ اتحاد اور تنظیم کے دائرے سے الگ ہو کر نفرت و حقارت کے ناپاک جذبات کو اپنے ذہن میں پرورش کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

جس کا نتیجہ دو انسانی حلقوں میں خونریز تصادم کی شکل اختیار کر لیتا ہے اور دونوں طبقے انسانیت سوز درندگی پر آمادہ نظر آنے لگتے ہیں۔

اسلام کے فطرت شناس قانون حیات نے جہاں قصاص کا حکم دیا ہے، وہیں اس امر کی تاکید بھی کر دی ہے، کہ قتل میں اسراف سے بچا جائے۔

اسلامی قانون میں انسانی خون کے احترام اور قتل نفس کے سلسلے میں جو اہم پہلو بتائے گئے

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ہیں، وہ صرف اسلامی نظام حیات کی دفعات ہی کی حیثیت نہیں رکھتے، بلکہ تاریخ کے اوراق گواہ ہیں، مسلمانوں نے ہر حال میں انسانی خون کے احترام کو مدنظر رکھتے ہوئے قتل نفس سے احتراز کیا ہے، اسلام کے امن پسندانہ کردار کے سلسلے میں یہ بتا دینا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے، کہ مسلمانوں نے بقائے امن کے اس مقصد کو نہ صرف اسی زمانہ میں مدنظر رکھا ہے، جب وہ تعداد میں کم تھے اور قوت و طاقت میں کمزور تھے، بلکہ آزمائش و امتحان کی اس سخت گھڑی میں بھی یعنی قوت و اقتدار کی حالت میں بھی جہاں انسان انسانیت کا پیراہن چاک کر کے ننگی سفا کی پر آمادہ ہو جاتا ہے، فتح و کامرانی اور قوت و اقتدار کے وقت بھی مسلمانوں نے اس اصول کی پابندی کو اپنا فرض اولین قرار دیا۔

اس تاریخی حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا، کہ مسلمانوں نے مذہبی جنگیں بھی لڑی ہیں اور کشت و خون کے معرکوں میں داد شجاعت بھی دی ہے، مگر جب ہم ان مذہبی جنگوں کے پس منظر کا جائزہ لیتے ہیں، تو یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے، کہ یہ جنگیں اور کشت و خون محض بنی نوع انسان کی حقیقی قدروں کو اجاگر کرنے اور انسانیت کو ظالم حکمرانوں کے پنجۂ استبداد سے چھڑانے کے لیے معرض وجود میں آئیں۔

آیئے ذرا ہم تاریخ اسلام کا سرسری جائزہ لیں اور دیکھیں کہ مسلمانوں نے جنگیں کیوں کیں اور اس کے بعد مفتوحین کے ساتھ کیسا رویہ اپنایا؟۔

جہاں تک مسلمانوں کی مذہبی جنگوں کا سوال ہے، یہ محض شخصی اقتدار کے صنم کدوں کو مسمار کرنا اور دنیا کے مخصوص حلقوں کی شہنشاہیت کا قلع قمع کرنا تھا، جو اپنے اقتدار و سطوت کے غرور میں انسانی خون کی قدر و قیمت بھلا چکے تھے، جو جابرانہ اقتدار کے ترنگ میں بے بس و بے گناہ انسانوں کو مرغ بسمل کی طرح خاک پر تڑپانا اپنا شاہانہ وقار تصور کرتے تھے اور یہی شخصی اقتدار کے مخصوص افراد ساری رعایا کے مالک و مختار کل تسلیم کیے جاتے تھے۔

اسلام نخوت و غرور کے ان بتوں کے جابرانہ اقتدار کو ختم کر کے ایک ایسی جمہوری حکومت کا قیام چاہتا تھا، جہاں ہر انسان کو مساوی حقوق دیے جائیں، جہاں سماج کے افراد رعایا نہیں، بلکہ عوام ہوں اور ان کا راعی ان کا خادم ہو۔

جہاں انسان کی قدر و قیمت سمجھی جائے اور انسانی سماج خوشگواری اور مسرت و سکون کی فضا میں سانس لے، اس امر کا سب سے بڑا تاریخی ثبوت تو یہ ہے، کہ مسلمانوں نے ازخود جنگیں نہیں کیں اور پھر میدان کارزار میں بھی مسلمانوں نے صلح و آشتی کو قتل و غارت گری پر ترجیح دی اور دوسرا ثبوت یہ ہے، کہ

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

جب معرکہ کارزار میں مسلمانوں کو فتح و کامرانی حاصل ہوئی تو انھوں نے مقبوضہ علاقہ کے بسنے والے انسانوں کو قتل نہیں کیا، ان کی عزت و ناموس کو پامال نہیں کیا، فتح کے بعد مقبوضہ علاقوں کے گلی کوچوں سے خون آلودہ شمشیروں کے سایے میں ان کے فتح و نصرت کے جلوس نہیں نکلے، بلکہ امن و سلامتی کے سفید پھریروں کے سایے میں اعلان امن کرتے ہوئے مسلمان کوچہ و بازار سے گزرے۔

فتح مکہ کے بعد مسلمانوں نے اپنے بدترین دشمن کفار قریش سے انتقام نہیں لیے، بلکہ انھیں کفار مکہ کو جن کی جابرانہ سازشوں اور ستم رانیوں کی بدولت مسلمانوں کو عزیز وطن مکہ چھوڑنا پڑا تھا۔

یہ وہی کفار تھے، جنھوں نے مدینہ میں بھی مسلمانوں کو چین سے بیٹھنے نہیں دیا تھا اور اپنی اسلام دشمن مہم پوری شدت کے ساتھ چلاتے رہے اور بار بار مدینے پر چڑھائیاں کیں، بدر، احد، خندق کے خون آشام معرکے پیش آئے، یہ وہی کفار مکہ تھے، جن کے ظلم و استبداد کا نشانہ صرف مسلمان ہی نہیں، بلکہ خود سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی بھی تھی۔

مگر جب مکہ فتح ہوتا ہے، تو اعلان کیا جاتا ہے، کہ جو اپنے گھر کا دروازہ بند کر لے اسے امان ہے۔ کیا تاریخ کے صفحات اس قسم کی مثالیں پیش کر سکتے ہیں، جہاں بدترین دشمنوں کو امن کا پیغام سنایا گیا ہو؟۔

عہد رسالت کے بعد جب اسلامی فتوحات کا سیلاب صحرائے عرب سے بڑھ کر مصر و شام ایران و عراق کی جانب بڑھا، اس وقت بھی مسلمانوں نے امن پسندی اور احترام خون کے اسی اصول کی سختی سے پابندی کی، غازی صلاح الدین ایوبی نے جب بیت المقدس فتح کیا، تو وہاں کے عیسائیوں کو بھرپور آزادی عطا کی اور فتح کے بعد اس مقدس شہر میں کشت و خون کی کوئی بھی واردات نہیں ہوئی، حالانکہ یہ وہی بے رحم اور جابر عیسائی قوم تھی، جو صرف نوے سال قبل شہر پر قبضہ کرنے کے بعد ۷۴ رہزار بے گناہ مسلمانوں کو اپنی خون آشام تلواروں سے تہ تیغ کر چکی تھی۔

آئینۂ تاریخ میں ایک دو نہیں، لاکھوں ایسے واقعات ملتے ہیں، جہاں مسلمانوں نے قتل نفس سے اجتناب کیا ہے اور انسانی خون کے احترام کی عظیم الشان نظیر قائم کی ہے، جن کا جواب آج بھی تاریخ نہیں رکھتی۔

اسلام پر ہر دور میں خونریزی اور تشدد کا بے بنیاد الزام لگایا گیا اور اس طرح اسلام کو بدنام کرنے کی اسکیمیں چلائی گئیں اور اقوام عالم میں مسلمانوں کے خلاف نفرت و حقارت کے جذبات پیدا کر کے انھیں اسلام اور مسلمانوں سے ہمیشہ دور رکھنے کی بھرپور کوششیں کی جاتی رہیں۔

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

مگراسلام پرغارت گری اورخونریزی کا یہ الزام تاریخی حقائق اوراسلامی اصول کے بالکل برعکس ہے، یہی وجہ ہے، کہ آج کے مغربی مفکرین جنھوں نے اسلام کا مطالعہ کیا ہے، انھوں نے اسلام کی دوسری خوبیوں کو جہاں سراہاہے، وہیں اسلام اورمسلمانوں کی امن پسندانہ ذہنیت اورکردار پربھی ریمارک کیا ہے۔

چنانچہ فرانسیسی مفکرایڈورڈ لکھتا ہے، ''اسلامی تاریخ اس بات کی تصدیق کرتی ہے، کہ اسلام کی روح ظلم وتعدی اورتعصب سے پاک ہے'' ایک دوسرامفکررقم طراز ہے، ''اسلام کے مطالعہ سے یہ بات بالکل عیاں ہے، کہ اسلام امن وآشتی کا سب سے بڑا حامی ہے''۔

http://t.me/Tehqiqat

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

علوم وفنون

http://t.me/Tehqiqat

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

اسلام میں دینی مدارس کا آغاز وارتقا

اسلام سے قبل دنیا جہالت کی تاریکیوں میں ڈوبی ہوئی تھی، علم وآگہی کے نور سے خاکدان گیتی کا بیشتر حصہ خالی تھا، اخلاقی گراوٹ نے تعلیمی معیار کو پست سے پست تر کر دیا تھا، مصر، یونان، روم، ہندوستان اور چین میں علوم وفنون کی تعلیم کے لیے مدارس ضرور قائم تھے، مگران کا دائرۂ عمل محدود ومخصوص تھا، طبقاتی کشمکش کے زیر اثر عام طور پر درسگاہوں کے دروازے صرف خاص لوگوں ہی کے لیے کھلتے تھے، تعلیمی سرگرمیاں ایک ہی طبقہ تک محدود رہتیں، بلفظ دیگر عوام علم کی نعمت حاصل کرنے سے محروم تھے، ارسطو جیسا بلند پایہ فلسفی اپنی دانشوری کے باوجود عورتوں اور غلاموں کو علم کی مسند پر قدم رکھنے کی اجازت نہیں دیتا، ہندوستان کا مشہور ماہر قانون منوشودروں اور اچھوتوں کو تعلیم سے بے بہرہ رکھنے کی تاکید کرتا، اگر کوئی شودر ہندو دھرم کی مقدس کتاب وید کے اسلوک سننے کی کوشش کرے تو اس کے کانوں میں سیسہ پگھلا کر ڈالنے کی سزا متعین کرتا، یہودی علما نے توریت مقدس کے علم کو عام یہودیوں سے ہزاروں سال تک پوشیدہ رکھا اور اس کے کتمان سے انھوں نے دنیاوی زر ومال جمع کرنے کا موقع نکال لیا تھا، حتی کہ مذہبی تعلیمات میں بھی حصول علم کا حکم موجود نہیں تھا۔

یہ اسلام ہی کا امتیاز ہے، کہ وہ اپنے ماننے والوں کو حصول علم کی صرف اجازت ہی نہیں دیتا، بلکہ اس مقدس عمل کو فرض کفایہ قرار دیتا ہے، علما کی برتری اور تفوق کا اعلان کرتا ہے۔ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْن.

قرآن حکیم نے ملائکہ مقربین پر حضرت آدم علیہ السلام کی برتری اور امتیاز کا معیار علم اشیا کو قرار دیا، خالق کائنات نے تخلیق آدم کے بعد انسان اول کو جس چیز سے سرفراز فرمایا، وہ علم اشیا ہی تھا، یہی علم انسانوں کو تمام مخلوقات پر برتر اور فائق بناتا ہے۔

وَعَلَّمَ آدَمَ الْاَسْمَاءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰئِكَةِ فَقَالَ اَنْبِئُوْنِيْ بِاَسْمَاءِ هٰؤُلَاءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ (البقرة)

اور اللہ تعالیٰ نے آدم کو اشیا کے نام سکھائے، پھر سب اشیا ملائکہ پر پیش کرکے فرمایا، سچے ہو تو ان کے نام تو بتاؤ۔

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

علم، قیادت کا ایک خاصہ اوران اہم ترین عوامل سے ہے، جو کسی تہذیب کے صحت مندار تقاءاور نشوونما کے لیے ناگزیر ہیں، یہی وجہ ہے، کہ اسلام نے علم کواولین ضرورت قرار دیا۔

نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم پر جو پہلی وحی نازل ہوئی، وہ علم کے مقام ومرتبہ پر روشنی ڈالتی ہےاورذرائع علم (لکھناو پڑھنا) کی طرف بھی واضح اشارہ ملتا ہے۔

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ ۚ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۚ اِقْرَاْ وَرَبُّکَ الْاَکْرَمُ ۙ اَلَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۙ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ ؕ (العلق)

پڑھو، اپنے رب کے نام سے، جس نے پیدا کیا آدمی کو، خون کی پھٹک سے بنایا، پڑھواور تمہارا رب ہی سب سے بڑا کریم، جس نے قلم سے لکھنا سکھایا، آدمی کو سکھایا جو نہ جانتا تھا۔

خداوندتعالیٰ نے اہل علم کی فضیلت اس طرح بیان فرمائی۔

یَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ ۙ وَالَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ؕ وَمَنْ یُّؤْتَ الْحِکْمَةَ فَقَدْ اُوْتِیَ خَیْرًا کَثِیْرًا ؕ (البقرۃ)

اللہ ان لوگوں کے درجات بلند کرے گا جو تم میں سے ایمان لائے اور جنھیں علم عطا کیا گیا، جسے حکمت عطا کی گئی، اسے خیر کثیر دیا گیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عام مسلمانوں پر طلب علم کو فرض قرار دیا اور فرمایا۔

طلب العلم فریضة علیٰ کل مسلم عن انس قال قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم من خرج فی طلب العلم فهو فی سبیل اللّٰه حتیٰ یرجع (ترمذی)

علم کا طلب کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔ حضرت انس سے روایت ہے، کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا، جوشخص علم کی تلاش میں نکلے، وہ اس وقت تک خدا کی راہ میں ہے، جب تک کہ واپس نہ آجائے۔

عن ابی درداء قال سمعت رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم یقول من سلک طریقا یلتمس فیه علما سهل اللّٰه له طریقا الیٰ الجنة وان الملئکة لتضع اجنحتها لطالب العلم رضا لما یصنع وان العالم یستغفرله من فی السمٰوٰت ومن فی الارض حتیٰ الحیتان فی الماء وفضل العالم علیٰ العابد کفضل القمر علیٰ سائر الکواکب وان العلماء ورثة الانبیاء لم یورثوا دیناراً ولا درهما انما ورثوا العلم فمن اخذه اخذه بحظ وافر (ترمذی، ابو داؤد، ابن ماجه)

ابودرداسے روایت ہے، وہ کہتے ہیں، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوفرماتے ہوئے سنا،

http://t.me/Tehqiqat

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

جوشخص علم کی تلاش میں کوئی راستہ اختیار کرے گا، اللہ اس کے لیے جنت کا راستہ آسان کردے گا اور فرشتے طالب علم کی خوشی کے لیے اپنے بازو بچھاتے ہیں اور عالم کے لیے آسمانوں اور زمین کے رہنے والے یہاں تک کہ پانی کی مچھلیاں بھی مغفرت کی دعا کرتی ہیں اور عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہی ہے، جیسے چودھویں رات کے چاند کی فضیلت باقی سب ستاروں پر اور علما نبیوں کے وارث ہیں، انبیا کا ورثہ نہ دینار ہے، نہ درہم، بلکہ ان کا ورثہ علم ہے، تو جس کسی نے اسے حاصل کیا، اس نے وافر حصہ حاصل کیا۔

نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کی اس قوم میں تشریف لائے، جو علمی لحاظ سے سب سے زیادہ پس ماندہ اور جہالت کی تاریک وادیوں میں بھٹکنے والی تھی، خداوند عالم نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو معلم کتاب وحکمت بنا کر خاکدان گیتی میں مبعوث فرمایا، یہ آفتاب ہدایت جہالت کی شب دیجور میں چمکا اور اس نے ردائے جہالت کو تار تار کردیا۔ قد جاء کم من اللّٰہ نور و کتاب مبین۔

خالق کائنات اپنے برگزیدہ رسول کی صفات ان الفاظ میں بیان فرماتا ہے۔

ھو الذی بعث فی الامیین رسولا منھم یتلو علیھم آیتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ .

وہی ہے، جس نے امیوں میں انھیں میں سے ایک رسول بھیجا، جو ان پر اس کی آیتوں کی تلاوت کرتا ہے اور ان کا تزکیہ کرتا ہے اور انھیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے۔

تعلیم امت:۔ اعلان حق وصداقت کے بعد سب سے پہلے آپ نے اہل اسلام کو دینی احکام اور قرآن کی تعلیم دی، مکہ کے نامساعد ماحول میں بھی تعلیم امت کے لیے یہ مقدس عمل جاری رہا، کبھی دارارقم درسگاہ نبوی ہوتا تو کبھی شعب ابی طالب میں امت کو تعلیم دی جاتی، مظالم کے ہجوم میں کسی مستقل درسگاہ کے بجائے یہ عمل چلتے پھرتے بھی جاری رہتا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر اور خباب بن ارت معلم ہوا کرتے تھے۔

عقبہ اولیٰ میں اعیان مدینہ نے اسلام قبول کیا، مدینہ پہنچ کر دعوت حق میں مصروف ہوئے، اس طرح مدینہ کی کھلی فضا میں اسلام کی اشاعت اور قرآن کی تعلیم کا چرچا شروع ہوا اور ہجرت سے قبل ہی مدینہ منورہ میں تین اہم درسگاہیں قائم ہوگئی تھیں، جہاں قرآن، مسائل نماز اور مکارم اخلاق کی تعلیم دی جاتی، محل وقوع کے اعتبار سے ان درسگاہوں میں قلب شہر اور اطراف واکناف کے مسلمان آسانی کے ساتھ تعلیم حاصل کر سکتے تھے، پہلی درسگاہ مسجد بنی زریق میں تھی، جس میں حضرت رافع بن مالک زرقی انصاری رضی اللہ عنہ تعلیم دیتے تھے، دوسری درسگاہ مدینہ کے جنوب میں تھوڑے سے فاصلہ پر مسجد قبا میں تھی، جس میں حضرت سالم مولیٰ ابی حذیفہ رضی اللہ عنہ امامت کے ساتھ معلّی کے فرائض انجام دیتے تھے،

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

اسی سے متصل حضرت سعد بن خیثمہ رضی اللہ عنہ کا مکان واقع تھا، جو بیت العزاب کے نام سے مشہور تھا، اسی میں مکہ مکرمہ سے آئے ہوئے مہاجرین قیام کرتے تھے اور تیسری درسگاہ مدینہ منورہ سے کچھ فاصلہ پر شمال میں نقیع الخضمات نامی علاقہ میں تھی، جس میں حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ پڑھاتے تھے اور حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کا مکان گویا مدرسہ تھا، ان تین مستقل تعلیم گاہوں کے علاوہ انصار کے مختلف قبائل اور آبادیوں میں قرآن اور دینی احکام کی تعلیم ہوتی تھی۔

مدرسہ صفہ:۔ ہجرت کے بعد رسول گرامی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبوی میں اسلام کی سب سے پہلی مستقل درسگاہ قائم فرمائی، جسے مجلس یا حلقہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، جس میں پہلے سے اصحاب صفہ، ضعفا و مساکین، مولفۃ القلوب اور باہر سے آنے والے افراد اور وفود حلقہ بنا کر بیٹھے رہتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو قرآن، حدیث، فقہ اور دین کی تعلیم دیتے۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری کا بیان ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز فجر ادا فرما لیتے، تو ہم لوگ آپ کے پاس بیٹھ جاتے اور ہم میں سے کوئی آپ سے قرآن کے بارے میں سوال کرتا، کوئی فرائض کے بارے میں دریافت کرتا اور کوئی خواب کی تعبیر معلوم کرتا۔ (مسلم، ابوداؤد)

صفہ اسلامی تاریخ کا پہلا مدرسہ تھا، اس مدرسہ میں غیر مقیم طلبہ بھی تعلیم حاصل کرتے تھے اور دار الاقامہ کا بھی نظم تھا، اس درسگاہ میں حالات و مواقع اور واردین کی گھٹتی بڑھتی تعداد کے لحاظ سے طلبا کی تعداد کم و بیش ہوتی رہتی تھی، بعض حضرات کا خیال ہے، کہ چار سو طلبا نے بحیثیت مجموعی اس درسگاہ سے استفادہ کیا تھا اور قتادہ کی رائے ہے کہ مدرسہ صفہ سے مستفیدین کی تعداد نو سو تک پہنچتی ہے۔ (التراتیب الاداریہ ۱/۳۴۰)

جزوی طور پر معلم کتاب وسنت سے تعلیم پانے والوں کی تعداد ہزاروں سے متجاوز تھی۔

اس درسگاہ کے نصاب تعلیم کا موضوع قرآن مجید اور احکام کی تعلیم تھا، لیکن اس کے علاوہ تحریر و کتابت پر بھی پوری توجہ دی جاتی تھی، جس کی عرب کے اس معاشرہ میں بڑی اہمیت تھی۔

حضرت عبداللہ بن سعید بن عاص انصاری جو غزوۂ بدر میں شہید ہو گئے تھے، اچھے کاتب تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کتابت سکھانے پر مامور فرمایا تھا۔ (اصابہ ص ۱۷۷)

علم وحکمت کے حصول میں آپ نے دین و مذہب کے اختلاف کو بھی رکاوٹ نہیں بننے دیا، چنانچہ غزوۂ بدر میں جو مشرکین قید ہو کر آئے، ان میں جو لوگ کتابت سے واقف تھے، آپ نے ان کا فدیہ یہی مقرر فرمایا، کہ وہ مسلمان بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھائیں۔

یہ بات تو ظاہر ہے، کہ جو صحابہ علم وفضل میں معروف تھے اور جن کے علم ومعرفت پر خود آپ کو

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

اتنا اعتماد تھا، کہ آپ ان سے قرآن سیکھنے کی تلقین فرماتے تھے یا کسی خاص فن جیسے علم الفرائض یا قضا وغیرہ میں ان کی خصوصی مناسبت کا ذکر کرتے تھے، وہ ضرور اس درسگاہ میں فریضۂ تدریس انجام دیتے رہے ہوں گے اور چونکہ دین سکھانا اور قرآن کی تعلیم دینا افضل ترین عبادت ہے، اس لیے ہر صحابہ نے اپنی صلاحیت اور فراغ وقت کے اعتبار سے اس میں حصہ لینے کی کوشش کی ہوگی، لیکن بعض صحابہ کا اس سلسلہ میں خاص طور پر ذکر ملتا ہے، حضرت عبداللہ بن سعید کا ذکر اوپر آچکا ہے، حضرت عبادہ بن صامت بھی اہل صفہ کو قرآن اور کتابت سکھانے پر مامور تھے۔ (مسند احمد ۳۱۵/۵)

حضرت ابی بن کعب (جن کو بارگاہ نبوی سے سب سے بڑے قاری ہونے کی سند عطا فرمائی گئی) کے ذمہ خاص طور پر قرآن حکیم کی تعلیم تھی۔ (بیہقی ۱۲۶/۶)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علم کو یہ عظمت عطا فرمائی، کہ اسے خرید وفروخت کی جانے والی شئی قرار نہیں دیا، بلکہ اسے عبادت کا درجہ دیا، جسے خالصۃً اللہ کی خوشنودی اور خلق اللہ کی خدمت کے جذبے سے دوسروں تک پہنچایا جائے اور اسے سامان تجارت نہ بنایا جائے، حضرت ابی کے ایک شاگرد نے ایک کمان تحفہ میں پیش کی، انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے بارے میں دریافت کیا، آپ نے ارشاد فرمایا، اگر تم نے یہ کمان لی، تو گویا آگ کی کمان حاصل کی، "ان اخذتھا فخذبھا قوسا من النار" (بیہقی ۱۲۶/۶)

اس لیے جو اساتذہ اس درسگاہ میں خدمت پر مامور تھے، وہ فی سبیل اللہ خدمت کرتے تھے۔

صفہ کی درسگاہ میں تعلیم پانے والے افراد دوسرے مقامات پر بھی لوگوں کی تعلیم وتربیت کے لیے بھیجے جاتے تھے، چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، کہ کچھ لوگوں نے قرآن وسنت کی تعلیم کے لیے کچھ معلمین کو بھیجنے کی درخواست کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ستر انصار کو اس خدمت کے لیے روانہ فرمایا، یہ لوگ قرا کہلاتے تھے، انھیں میں میرے ماموں حرام بھی تھے، یہ حضرات رات میں تعلیم حاصل کرتے اور اس کا مذاکرہ کرتے تھے اور دن میں مسجد میں پانی لا کر رکھتے اور لکڑی کاٹ کر لاتے، جسے فروخت کر کے اہل صفہ کے لیے کھانے کا نظم کیا جاتا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو بھیجا، یہ مشہور واقعہ ہے، جو بئر معونہ کے نام سے معروف ہے اور جس میں ان حضرات کو دھوکا دے کر شہید کر دیا گیا۔ (ابن سعد ۱۷/۳)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ان تمام حاضرین مجلس کو اس طرح تعلیم دیتے تھے، کہ عالم، جاہل، شہری، بدوی، عربی عجمی، بوڑھے، بچے، جوان پوری طرح فیض اٹھاتے تھے اور آپ کی ہر بات سب کے دل میں اتر جاتی تھی، حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے۔

انہ اذا کان تکلم بکلمۃ اعادھا ثلاثا حتیٰ تفھم عنہ واذا اتی علی قوم فسلم

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

عليهم ثلاثا (بخاری کتاب العلم)

جب آپ کوئی بات کہتے تھے، تو تین بار کہتے تھے، تا کہ سمجھ لی جائے اور جب کسی جماعت کے پاس جاتے، تو ان کو تین بار سلام کرتے تھے۔

نرم کلامی، شیریں بیانی اور انداز تعلیم کا حال یہ تھا، کہ حدیث الاسلام بدوی آپ پر قربان ہو جاتے، حضرت معاویہ بن حکم کہتے ہیں، کہ ایک مرتبہ میں رسول اللہ کی خدمت میں نماز پڑھ رہا تھا، مجھ سے خلاف نماز ایک حرکت ہوئی، جس پر مصلی بگڑ گئے، جب آپ نماز سے فارغ ہوئے، مجھے نہایت نرمی سے سمجھایا۔

فبابی هو وامی ما رایت معلما قبله ولا بعده احسن تعليما منه فوالله ما كهرني ولا ضربني ولا شتمني قال ان هذه الصلوة لا يصلح فيها من كلام الناس انما هي التسبيح والتكبير وقرأة القرآن (مسلم)

میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، میں نے آپ سے پہلے اور آپ کے بعد آپ سے بہتر معلم نہیں دیکھا، خدا کی قسم نہ مجھے جھڑکا، نہ مارا اور نہ ہی سخت سست کہا، بلکہ کہا کہ نماز میں انسانی کلام اچھا نہیں ہے، اس میں تو صرف تسبیح، تکبیر اور قرآن پڑھنا ہے۔

درسگاہ نبوی سے اٹھنے کے بعد صحابۂ کرام آپس میں قرآن وحدیث کا مذاکرہ کیا کرتے، جس سے قرآن وسنت کا علم دلوں میں راسخ ہو جاتا، خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مذاکرہ کی تائید وتحسین فرمایا کرتے تھے۔

حضرت ابوسعید خدری کہتے ہیں، کہ میں منتہائے مہاجرین کی جماعت میں تھا، ہم لوگوں کو ایک قاری قرآن سنا رہا تھا، اسی حال میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آکر پوچھا کہ تم لوگ کیا کر رہے ہو؟ ہم نے کہا، کہ

يا رسول الله انه كان قارى لنا يقرء علينا فكنا نستمع الىٰ كتاب الله .

یارسول اللہ! ہمارا ایک قاری قرآن پڑھ رہا تھا اور ہم کتاب اللہ کو سن رہے تھے۔

آپ نے فرمایا، کہ اللہ کا شکر ہے، اس نے میری امت میں ایسے لوگوں کو پیدا کیا، جن کے ساتھ مجھے بیٹھنے کا حکم دیا گیا ہے، اس کے بعد آپ ہماری جماعت میں بیٹھ گئے اور ہم کو جنت کی بشارت دی۔ (ابوداؤد ج ۲ ص ۱۶۰)

حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں، کہ بسا اوقات ہم ساٹھ ساٹھ آدمی رسول اللہ کی مجلس میں رہا کرتے تھے اور آپ ہم سے حدیث بیان کرتے تھے، آپ کے تشریف لے جانے کے بعد ہم لوگ آپس میں ان حدیثوں کا مذاکرہ ومراجعہ کیا کرتے تھے اور اس حال میں مجلس مذاکرہ سے اٹھتے تھے، کہ گویا وہ

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

حدیثیں ہمارے دلوں میں پودے کی طرح جڑ پکڑ گئی ہیں۔(الفقیہہ والمتفقہ ج۲ص)

یہی (صفہ) اولین درسگاہ ہے، کہ دنیا میں جتنی دینی درسگاہیں آج تعلیم وتعلم کا فریضہ انجام دے رہی ہیں، یہ ان کا اصل سرچشمہ ہے، ایک دینی تعلیم ہی پر منحصر نہیں، بلکہ یہی ہر علم نافع کا منبع ہے، جس کی بنیاد ایک نبی امی کے ہاتھوں پڑی تھی اور جس کی ضوء سے مشرق ومغرب، شمال وجنوب غرضیکہ دنیا کے ایک کونے سے دوسرے کونہ تک تمام دانش گاہیں روشنی حاصل کررہی ہیں اور اس کی عالم تاب کرنوں سے ذرہ ذرہ منور ہو رہا ہے۔

صفہ کی مرکزی درسگاہ کے علاوہ مدینہ منورہ اور اس کے اطراف واکناف میں عہد رسالت میں ہی جا بجا متحرک اور مستقل درسگاہیں قائم ہوگئی تھیں، جہاں بچے، نوجوان، سن رسیدہ ہر طبقہ کے لوگ دینی تعلیم حاصل کرنے میں مصروف تھے، قرآن وسنت، فقہ وتفسیر، انساب وعربیت اور کتابت وتحریر جیسے علوم و فنون کی تعلیم وتعلم کا شغل جاری رہتا۔

<u>مفتوحہ علاقوں میں نظم تعلیم</u>:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرائے مدینہ کو دور دراز علاقوں میں بھیج کر وہاں کے باشندوں کی تعلیم کا انتظام فرمایا، جن شہروں اور علاقوں کو فتح کیا، وہاں کے امیر انتظامی امور کے علاوہ تعلیم دین کی ذمہ داریاں بھی سنبھالتے اور کبھی ایسا بھی ہوتا، کہ امیروں کے ساتھ اہل علم بھی وہاں تعلیم وتدریس کے لیے متعین کیے جاتے، چنانچہ فتح مکہ کے بعد جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کے لیے روانہ ہوئے، تو مکہ کی امارت ومعلّمی دوصحابہ کو سونپی، ابن اسحاق کا بیان ہے۔

انصرف رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم راجعا الی المدینة و استخلف عتاب بن اسید علی مکة و خلف معه معاذ بن جبل یفقه الناس فی الدین و یعلمهم القرآن (سیرت ابن هشام ج ۲ ص ۵۰۰)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ واپس ہوئے اور عتاب بن اسید کو مکہ کا امیر بنایا اور معاذ بن جبل کو وہیں چھوڑا، تاکہ وہ اہل مکہ کو دین کی تعلیم دیں اور انھیں قرآن پڑھائیں۔

عہد رسالت کے بعد جب اسلامی فتوحات کا دائرہ عراق، عجم اور مصر وشام تک پھیلا، تو اصحاب رسول جنھوں نے براہ راست درسگاہ نبوی سے تعلیم پائی تھی، وہ دین حق کی اشاعت اور علوم اسلامی کی تعلیم وتدریس کے لیے ان ممالک کے شہروں، قصبوں اور قریوں میں پھیل گئے، یہ وہ اصحاب رسول تھے، جن کے علم ودیانت اور اخلاص وایثار کی مثال دنیا پیش نہیں کرسکتی۔

کان اصحاب محمد صلی اللّٰه علیه وسلم ابر هذه الامه قلوبا واعمقها علما واقلها تکلفا و احسنها خلقا و اصدقها ایمانا اولئک قوم اختارهم اللّٰه لصحبة نبیه و تبلیغ دینه.

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ اس امت میں سب سے زیادہ پاکیزہ دل، علم میں سب سے زیادہ گہرے، تکلف میں سب سے کم، اخلاق میں سب سے بہتر، ایمان میں سب سے سچے تھے، ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی صحبت اور اپنے دین کی تبلیغ کے لیے منتخب کیا تھا۔

امام ابومحمد عبدالرحمٰن بن ابی حاتم رازی نے کتاب الجرح والتعدیل کے مقدمہ میں لکھا ہے۔

ثم تفرقت الصحابة رضی اللّٰه عنهم فی النواحی والامصار والثغور وفی فتوح البلدان منهم فی ناحیته وبالبلد والامارة والقضاء والاحکام فبث کل واحد الذی هو به ماوعاه وحفظه عن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم وحکموا بحکم اللّٰه عزوجل وامضوا الامور علی ماسن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم وافتوا فی ماسئلوا عنه مما حضرهم من جواب رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم عن نظائر ها من المسائل وجودوا انفسهم مع حسن النیة والقربة الی اللّٰه تقدس اسمه لتعلیم الناس الفرائض والاحکام والسنن والحلال والحرام حتی قبضهم اللّٰه عزوجل رضوان اللّٰه و مغفرته و رحمته علیهم اجمعین . (تقدمة الجرح والتعدیل ص ۸)

حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین عالم اسلام کے اطراف ونواحی بلاد وامصار، سرحدوں میں اور فتوحات، امارت قضا اور تبلیغ احکام کے سلسلہ میں پھیل گئے اور ان میں سے ہر ایک نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کچھ سنا، دیکھا اور یاد کیا تھا، سب کو عام کیا، اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق فیصلہ کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے موافق ہر معاملہ میں عمل کیا اور ان سے کیے گئے سوال میں وہی فتویٰ دیا، جو اس جیسے سوال میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا، تمام لوگوں کو فرائض، احکام، سنن، حلال اور حرام کی تعلیم کے لیے حسن نیت اور تقرب خداوندی کے جذبے کے ساتھ اپنے آپ کو وقف کر دیا اور اسی میں زندگی بسر کی، یہاں تک کہ اللہ نے ان کو اٹھالیا، اللہ ان سب سے خوش ہو اور ان پر رحمت اور مغفرت فرمائے۔

صحابہ کے بعد تابعین، تبع تابعین، پھر فقہائے مجتہدین، محدثین ومفسرین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کی تعلیمی سنت کو پورے خلوص اور انہاک کے ساتھ اسلامی بلاد وامصار میں جاری رکھا، مسجد نبوی کی طرح اسلامی دنیا کی مسجدوں میں درس کے حلقے قائم ہوتے، اس سلسلہ میں کوفہ، بصرہ، دمشق، مصر، بغداد، نیشاپور، شیراز اور اصفہان کی جامع مسجدوں کے نام آتے ہیں، جہاں درسگاہیں قائم تھیں۔ ابوالاحوص کا بیان ہے، ''میں نے اہل علم کو دیکھا ہے، کہ ان کی مجلسیں مسجدوں میں منعقد ہوتی تھیں''۔ (الفقیہ والمتفقہ ج ۲ ص ۱۲۹)

<u>مستقل تعلیم گاہیں:۔</u> کئی صدیوں تک بالعموم مساجد ہی درسگاہوں کا کام دیتیں، مگر بعد میں جب علوم

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

وفنون کے شعبے بڑھے، طلبا کی تعداد میں اضافہ ہوا، تکمیل نصاب کرنے والے طلبا کے لیے مستقل اقامت گاہوں کی ضرورت پیش آئی، تو حکومت کی سطح پر امداد امرا ورؤسا کے ذریعہ مدارس کی علاحدہ وسیع وعریض عمارتیں تعمیر کی جانے لگیں۔

نظام الملک طوسی کی توجہ سے بغداد، نیشاپور اور دوسرے شہروں میں مدرسہ نظامیہ کا قیام عمل میں آیا، شاہی مسجدوں سے ملحق مدرسوں کی وسیع عمارتیں تعمیر کی جانے لگیں اور یہ سلسلہ اتنا دراز ہوا، کہ آج پوری دنیا میں لاکھوں کی تعداد میں اسلامی جامعات اور مدارس قائم ہیں۔ جن کے اندر اسلامی علوم وفنون کے ساتھ عصری علوم و السنہ کی تعلیم کا اہتمام کیا جاتا ہے اور خالص اسلامی ماحول میں تعلیم وتربیت کے زیور سے آراستہ کر کے باکمال علما کی جماعت فارغ التحصیل کی جاتی ہے، جن کی مساعئ جمیلہ سے دنیا کے اندر اسلامی اقدار کے بقاوتحفظ کا عمل جاری ہے، اسلامی ممالک ہی نہیں، بلکہ غیر مسلم ممالک میں بھی جہاں مسلمان ہیں، ان کی دینداری، حق پرستی اور ایمان وایقان اسلامی تعلیم کے گہواروں ہی کی دین ہیں۔

ہندوستان کو دیکھ لیجیے، جہاں اسلامی اقتدار کا سورج ساڑھے چھ سو سال تک چمکتا رہا اور ۱۸۵۷ء میں ڈوب گیا، مگر یہاں کی اسلامیت، مسلمانوں کی راسخ العقیدگی بدستور آج تک قائم ہے اور انشاءاللہ آئندہ بھی قائم رہے گی، کیونکہ یہاں کے حوصلہ مند مسلمانوں نے زوال حکومت کے بعد دینی تعلیم کا نظام اپنے ہاتھ میں رکھا اور اپنے اسلاف کے نقش قدم پر چل کر قرآن وسنت، فقہ وفرائض، عربیت و تصوف، معقولات، اخلاقیات کی اشاعت کے لیے مدارس کے نظام کو وسیع سے وسیع تر کردیا اور ٹوٹی ہوئی چٹائی پر بیٹھنے والے علما نے علم دین کی روایت کو زندہ رکھنے کی ہر ممکن جدوجہد کی۔

ہم بلا خوف تردید یہ کہہ سکتے ہیں، کہ انھیں درویش صفت علما نے اس ملک میں اسلام کے پودے کی حفاظت کی ہے، انھوں نے عہد بہار سے کوئی صلہ نہیں کمایا، لیکن عہد خزاں میں اپنے خون جگر سے سینچ کر اسلام کے شجر طوبیٰ کو بچایا، اسلامی تہذیب وثقافت کا تحفظ کیا اور مسلمانوں کا اپنے دین اور مذہب سے نہ صرف رشتہ باقی رکھا، بلکہ اس رشتہ کو مضبوط سے مضبوط تر کرنے میں کامیاب ہوئے، یہی وجہ ہے، کہ آج ہندوستان میں اسلام سے وابستگی کی جڑیں جتنی گہری ہیں اور لوگوں کے مزاج میں جتنی زیادہ مذہبیت ہے، عالم اسلام میں بھی اس کی مثالیں کم ملیں گی۔

ہمارے دینی مدارس ہماری تاریخ کا ایک روشن باب اور قیمتی تہذیبی ورثہ ہیں، بلکہ انھوں نے اسلام کے ابدی پیغام کو زندہ رکھنے اور ملت کا باہمی، روحانی وفکری رابطہ وتعلق برقرار رکھنے میں ایک کلیدی کردار ادا کیا ہے، آج عقیدہ وفکر اور تہذیب واخلاق کے میدان میں جو کچھ اسلامی اثرات نظر آتے ہیں، انھیں مدارس کی بدولت ہیں۔

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

مسلمان اور علم کی ترویج

جس طرح اسلام نے دنیا کو اعلیٰ اخلاق، پاکیزہ کردار، بہترین نظام معاشرت اور معتدل ضابطۂ حکمرانی اور ترقی پسند تہذیب وتمدن سے آشنا کیا، اسی طرح اسلام نے ساری دنیا کو علم وفن کی روشنی دکھائی اور ذلت وپستی میں پڑی دنیا کو علم وہنر کی شاہراہ پر گامزن کیا۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے چونکہ طلب علم کو فرض قرار دیا تھا، جس کا نتیجہ تھا، مسلمان سخت سے سخت مراحل اور پرآشوب حالات سے گزر کر بھی علم حاصل کرتے تھے، مسلمان جس سیلابی رفتار سے دنیا کے مختلف حصوں پر چھا گئے تھے، وہ آج بھی تاریخ انسانی کا حیرت انگیز کارنامہ سمجھا جاتا ہے، مسلمانوں نے اپنے دور اقتدار میں جس طرح نظام حکومت کی اصلاح اور درستگی کی جانب توجہ کی، اس سے کہیں زیادہ علوم وفنون کی ترویج واشاعت میں کوشش اور جدوجہد کی۔

مسلم حکمراں علم وفن کے دلدادہ علما وفضلا کے سرپرست ہوا کرتے تھے اور سلاطین وقت کی قدردانی وحوصلہ افزائی ان کے علم وفن شعر وادب کے گہرے نقوش قرطاس ہستی پر چھوڑ کر دنیا کے تشنگان علم وفن کو اپنی جانب متوجہ کرتی تھی۔

اسلام سے قبل دنیا میں جتنے بھی مذاہب آئے انھوں نے علم وفن کو مذہب سے یا تو قطعاً الگ رکھا، یا محض تبلیغ مذہب کے لیے تھوڑا بہت پڑھ لینا کافی سمجھا، مگر مذہب اسلام نے مسلمانوں کو نہ صرف حصول علم وفن کی ترغیب دی بلکہ ان پر علم کا حاصل کرنا فرض قرار دیا اور یہ بھی حکم دیا، کہ حصول علم کے لیے تمھیں کتنی ہی تکلیفیں اور دور دراز کا سفر کیوں نہ کرنا پڑے علم کے حصول میں کوتاہی نہ برتو۔ خلفائے عباسیہ میں سب سے پہلا خلیفہ منصور ہے، جس نے یونانی فلسفہ کا عربی میں ترجمہ کرایا اور طب وحکمت، نجوم و ہیئت وغیرہ کی کتابوں کے عربی ترجمے کرائے، خود بھی بڑا زبردست عالم تھا اور علم وفن کا پرخلوص قدرداں، اس کے بعد ہارون رشید نے اس سلسلے کو اور زیادہ ترقی دی اور تالیف کا باقاعدہ ایک ادارہ قائم کیا، جہاں تصنیف وترجمہ کے لیے ہزاروں علما وفضلا تصنیف وتالیف میں مشغول رہا کرتے تھے۔

اس کے بعد مامون الرشید جو زبردست عالم تھا، اس کے عہد حکومت میں جو اہم کارنامے سرانجام ہوئے، وہ اپنی آپ مثال ہیں، ارسطو کی تصانیف اور قدیم یونانی فلاسفروں اور دیگر علما وفضلا کی

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

تصانیف جو روم میں مقفل پڑی تھیں، انھیں منگا کر عربی میں ترجمہ کرایا اور ہندوستانی طب اور اخلاقیات سے متعلق سنسکرت کی کتابوں کے عربی ترجمے کرائے۔

مسلمان صرف ترجمہ ہی نہیں کرتے تھے، بلکہ تجربہ کے بعد تشریح وتصنیف کا کام بھی انجام دیتے تھے، عباسی حکمرانوں نے ہمیشہ علم وفن کی قدر کی اور ان کے دور خلافت میں بغداد علم وفن کا گہوارہ تھا، جہاں دنیا کے گوشے گوشے سے بلاتفریق مذاہب وملل ہزاروں لاکھوں تشنگان علم آ آ کر فیض یاب ہوتے تھے اور اس علم وفن کے بیکراں سمندر سے اپنی پیاس بجھاتے تھے اور اس کی ترویج واشاعت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے۔ خصوصیت کے ساتھ اسپین کے سلاطین نے وہ گراں قدر خدمات انجام دیں، کسی طرح آج کی ترقی یافتہ دنیا جو چاند پر کمند ڈالنے میں کامیاب ہو چکی ہے، فراموش نہیں کر سکتی، اندلسی مسلمانوں نے علم وفن کا جو ذخیرہ وسرمایہ اکٹھا کیا اور جو اضافے کیے، ان کا خود اعتراف غیر مسلم بھی کرتے ہیں۔

فلسفہ ومنطق ادب ونجوم، ہیئت وطب، سائنس وجراحی غرضیکہ ہر شعبۂ علم وفن میں اندلسی مسلمانوں کے اہم تجربات اور قائم کردہ نظریات آج بھی بہت حد تک مسلم الثبوت مانے جاتے ہیں۔

آج یورپ جو دنیا میں سب سے زیادہ ترقی یافتہ متمدن ومہذب اور سائنسی تحقیقات کے اعتبار سے اعلیٰ سمجھا جاتا ہے، جس کی سائنسی اور تحقیقی ترقیاں آج دنیا کو محو حیرت بنا رہی ہیں، ان کے معلم اول اور استاذ مسلمان تھے، کیونکہ ساری دنیا جس وقت جہالت کی تاریکی میں بھٹک رہی تھی اور علم وفن حاصل کرنا مذہبی اور سرکاری جرم سمجھا جاتا تھا، جسے ازمنہ وسطیٰ یا دور مظلمہ کہا جاتا ہے، جو ۴۸۶ء سے ۱۴۹۵ء تک کا طویل زمانہ ہے، ۱۴۹۵ء کے بعد ہی یورپ نے موجودہ ترقی کا سنگ بنیاد مسلمانوں کی تقلید میں رکھا، جس کی ساری بنیادیں مسلمانوں کے تحقیقی سرمایہ علم وفن پر ہیں، جسے یورپ کا نشاۃ ثانیہ کہا جاتا ہے، ازمنہ وسطیٰ یورپ کی تاریکی کا وہ زمانہ تھا، جب مسلمان ہند سے لے کر اندلس تک علم وفن کی شمعیں روشن کر رہے تھے اور اپنے روزانہ علمی اور فنی کوششوں اور جدوجہد کے باعث حیرت انگیز ایجادات کر رہے تھے، اس وقت یورپ کی گلیاں تاریک تھیں، یورپ وحشیوں کا ملک تھا، جہاں وحشت وبربریت کے سوا کچھ نہ تھا، مذہب کے ٹھیکیدار اور باقتدار سرمایہ پرست علم وفن کی ترقی کیا؟ بلکہ اس کے نام سے بھی گریزاں تھے، اسے جرم قرار دیتے تھے، شاہانہ ستم رانی نے علم وفن کے خلاف ایک محکمہ قائم کر رکھا تھا، جو جاسوسی کے ذریعہ ان روشن خیال انسانوں کو جو اندلس کی اسلامی درسگاہوں سے علم وفن حاصل کر کے یورپ میں اس کی اشاعت کرنا چاہتے تھے، انھیں گرفتار کرتا اور سخت سزائیں دیتا تھا اور اس محکمہ کے ذریعہ ۴۸۶ء سے ۱۴۹۵ء تک ایک لاکھ چوبیس ہزار نو سو چھ آدمی محض اس جرم میں کہ وہ علم وحکمت اور فلسفہ کی باتیں زبان وقلم تک لائے

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

تھے اور ان کی اشاعت کے لیے کسی قسم کی کوشش کی تھی، مجرم قرار دیے گئے، ان میں سے ایک ہزار تین کو زندہ آگ میں جلا دیا گیا اور سولہ ہزار آٹھ سو کو پھانسی پر لٹکایا گیا اور باقی کو دوسری سخت سزائیں دی گئیں۔ (آئینۂ حقیقت نما صفحہ ۳۲۰)

یورپ کے وحشیوں کی بربریت اور جہالت ہی کا نتیجہ تھا، کہ افلاطون کی تصانیف کی مشہور مفسرہ ہسپاشنا کو علمی تحقیق کے جرم میں مار ڈالا گیا، کوپرنکس نے زمین کی گردش، آسمان کے سکوت کو ثابت کیا، تو اس کا خاتمہ کر دیا گیا، برونو کو ذہنی ترقی اور روشن خیالی کے سبب بیدردی کے ساتھ آگ میں جلا ڈالا گیا، گنگلو کو برنیکس کے نظریہ کی حمایت پر جلاوطن کر دیا گیا، یہی وہ زمانہ تھا، جب مسلمان علوم وفنون کے میدان میں روز بروز اضافہ تحقیقات وتصنیفات اور نئے نئے تجربات کر رہے تھے۔

مسلمانوں نے ازمنۂ وسطیٰ میں جبکہ یورپ میں پاپائی تعصب اور سرمایہ دارانہ مظالم نے علم وفن کی ترقیوں کے نہ صرف دروازے بند کر دیے تھے، بلکہ سب سے بڑا ظلم قرار دیا تھا اور دوسری طرف مشرق کی ویدک تہذیب نے ہر اصلاحی وترقیاتی اسکیم وتحریک کے خلاف مذہبی محاذ کھول دیا تھا اور علوم و فنون کو مذہب کے لیے سم قاتل قرار دیا تھا۔

اس زمانے میں مسلمانوں نے فراخدلی اور حوصلہ مندی کے ساتھ علوم وفنون کی نہ صرف ترویج و اشاعت کو اپنے ہی حد تک محدود رکھا، بلکہ اسے ساری دنیا میں پھیلانے کی انتھک اور ناقابل فراموش جدوجہد کی اور علوم وفنون کی روشنی سے دنیا کی تاریکیوں کو کافور بنا دیا۔

یہ کہنا بیجا نہ ہوگا، کہ یورپ کی نشاۃ ثانیہ میں مسلمانوں ہی کا اہم رول ہے اور انھیں کی دکھائی ہوئی روشنی ہے، جس کے سبب آج یورپ ترقی کے بام بلند پر جلوہ گر ہے، مسلمانوں نے تاریخ کے دھارے کو موڑا تاریکی کی جگہ نور، جہالت کی جگہ فکر وفن علم وہنر یہ مسلمانوں کا دنیا پر جتنا بڑا احسان ہے، اسے کسی طرح فراموش نہیں کیا جاسکتا۔

دنیا کی جہالت اور تاریکی کا اعتراف خود یورپین مفکرین نے بھی کیا ہے، چنانچہ ڈاکٹر لیبان جو فرانس کے نامور مورخ ومفکر ہیں، جنھوں نے مشہور زمانہ کتاب تمدن عرب لکھی ہے، وہ لکھتے ہیں۔

عربوں نے جو اثر یورپ پر ڈالا اس کا اندازہ کرنے کے لیے ہمیں یورپ کی اس زمانے کی حالت دیکھنی چاہیے، جس وقت تمدن عرب یہاں پہلے آیا، اگر ہم یورپ کی نویں اور دسویں صدی عیسوی کی حالت کو جس وقت مسلمانوں کا تمدن اندلس میں اعلیٰ درجہ کی ترقی پر تھا دیکھیں، تو معلوم ہوگا، کہ ہمارے علمی مرکز بڑے بڑے بے ڈھنگے قید خانے تھے، جہاں ہمارے امرا نیم وحشی حالت میں رہتے تھے اور اس پر فخر

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کرتے تھے، کہ انھیں لکھنا پڑھنا نہیں آتا، عیسائیوں میں سب سے زیادہ باعلم وہ بیچارے راہب تھے، جو اپنے وقت کی خانقاہوں کے کتب خانوں سے یونان وروم کی پرانی تصانیف کونکال کران کو چھپاتے اوران چرمی ورقوں پراپنی مہمل مذہبی تصانیف لکھنے میں صرف کرتے تھے، اہل یورپ کی وحشیانہ حالت ایک زمانہ درازتک ایسی شدیدرہی، کہ خودان کواس کا احساس نہ تھا، جس وقت چندروشن خیال اشخاص کواس جہالت کی کفن پھاڑنے کی ضرورت ہوئی، توانھوں نے عربوں کی طرف جواس زمانے کے اساتذہ تھے، رجوع کیا۔

عربوں کے اخلاقی تسلط نے یورپ کی ان اقوام وحشی کوجنھوں نے رومیوں کی سلطنت کوتہ وبالا کیا، نہ صرف انسان بنایا، بلکہ ان کے علمی ودفاعی تسلط نے یورپ کے لیے علوم وفنون اورادب وفلسفہ کا جس سے وہ بالکل ناواقف تھے، دروازہ کھول دیا اور کچھ صدی تک یہی عرب ہمارے استاذ رہے ہیں اور یہی تمدن سکھانے والے رہے ہے۔ (تمدن عرب ص ۵۱۳، ۵۱۵، ۵۲۴)

ہندوستان کا مشہورانقلابی لیڈرایم این رائے لکھتا ہے، کہ نیچ ذات ہندوؤں کے لیے اسلام میں ایسی جاذبیت تھی، جیسی عربی بدوؤں کے لیے، اس نے شودروں کوایک آزادانسان بنادیا، یورپی نشاۃ ثانیہ کے مثل ہندوستان میں بھی تھمے ہوئے مذہبی سمندر میں سیلاب آگیا، یورپی نشاۃ ثانیہ کے مانند ہندوستان میں بھی شہری زندگی کی لہردوڑگئی، اس نے خانہ بدوشوں کوخیموں سے اورشودروں کودیہات سے نکال کرشہروں میں بسایا۔ (بحوالہ اسلام کا تاریخی کارنامہ صفحہ ۸۰)

ایک ناقابل انکارحقیقت ہے، کہ جب دنیامیں جہالت وتاریکی کاراج تھا، مسلمانوں نے علوم وفنون کی شمعیں روشن کیں، جن کی لامحدودروشنی نے دنیاکوترقی وعروج کا راستہ دکھایا اورآج کی ساری سائنس وٹیکنالوجی اور دوسری ترقیات کا مدارمسلمانوں کی علمی وتحقیقی تجرباتی وسائنٹفک ترقی پرہے اور یورپ کے ان موجودہ ترقی کے استاذ اورمعلم عرب ہی رہے ہیں، جنھوں نے موجودہ ترقی کے لیے راستہ ہموارکیے، اس حقیقت کا اعتراف خودیورپین مورخین ومفکرین نے کیاہے۔

<u>موسیوسیدیو:۔</u> عربوں کے بےشمارنتائج وافکاران کی نئی نئی ایجادیں اس بات کی شاہد ہیں، کہ وہ سب باتوں میں اہل یورپ کے استاذ ہیں، کیوں کہ قرون وسطی کی تاریخ کا خاص موادسیاحوں اورسفیروں کے حالات اورنامورآدمیوں کی سوانح عمریوں کے مجموعے اورقاموسیں بےمثل دستکاریاں اورشاندارعمارتیں یہ سب چیزیں عربوں کے افکاراوران کی نہایت بیش قیمت ایجادوں کی عظمت پردلیل ہیں اور یورپ کی ترقی علوم وفنون میں رہنما۔ (تاریخ عرب ص ۴۷۵)

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ڈاکٹر لیبان:۔ چندصدیوں تک اقوام عیسائی کے استاذ صرف عرب ہی تھے اور محض انھیں ہی کے ذریعہ سے انھیں یونان وروم کے علوم قدیمہ حاصل ہوئے، وہ زمانہ بہت ہی قریب کا ہے، جب سے عربی کتابوں کے ترجمے ہماری یونیورسیٹوں کے نصاب تعلیمی سے خارج ہوگئے، راجر بیکن، لیونارڈ، ویلی نوکا، آنور یمانڈ لل سنٹ ٹامس، البرٹ بزرگ قسطنطنیہ کا انفانس دہم یہ سب عربوں کے شاگرد تھے یا ان کی تصنیفات کی نقل کرنے والے تھے۔(تمدن عرب ص ۵۱۵)

ابرسٹون:۔ (انگریز مورخ) اہل عرب کی علمی وفنی ترقیوں نے اہل یورپ کو بیدار کردیا، انھوں نے اہل عرب سے جملہ علوم وفنون میں مہارت حاصل کی، ڈاکٹر یمونا یسوڈاکٹر نارڈ بیری، ارنولڈ فیلڈ نونی، انھوں نے علم طب وہیئت عربوں سے حاصل کیا۔(ہمدرد صحت مئی وجون ۱۹۳۷ء)

سیوگاسٹن کار:۔ اس حیرت انگیز سائنٹفک مذہب (اسلام) نے دنیا کی عمرانی ترقی کے لیے ہر قسم کے بنیادی وسائل وذرائع یورپ کو بہم پہنچائے ہیں، گوہم میں کوئی شخص بھی اس کی فضیلت کا اعتراف نہ کرے اور اس کے احسان کے رہین منت نہ ہو، مگر امر واقع یہی ہے۔(پیام امین ص ۵۰)

جان کلرک رڈپاتھ:۔ ہر علوم کی تخم افشانی اسلام کے اسکالروں نے کی اور اس طرح ہلال نے صلیب کو اصول علمی وفنی کا درس دیا۔(اسلام کا اثر یورپ پر ص ۲۲)

گسٹوڈرکس:۔ بلا شبہہ یورپ اپنے تمام سائنٹفک انکشافات میں اسلام کا ممنون ہے، فی الحقیقت اسلام ہی کے طفیل سے علمائے سائنس ہیکن، نیوٹن، کپلر جیسے لوگ پیدا ہوئے، اگر مسلمانوں نے یورپ میں کاغذ بارود وقطب نما اور دیگر آلات ترقی کو رواج نہ دیا ہوتا، تو یورپ کے سائنس داں اور سویلزشن کی چودہ سو برس قبل جو حالت تھی وہی آج بھی ہوتی۔(عروج سائنس ص ۲۰)

جوا کیم دی بولف:۔ (جرمن مورخ) اگر عربوں نے فلسفۂ ارسطو کا اپنی زبان میں ترجمہ نہ کیا ہوتا اور پھر عربی کی معرکۃ الآرا تصانیف وتالیفات لاطینی زبان میں ترجمہ ہو کر ہم تک نہ آئی ہوتیں، تو ہمیں فلسفہ کی یونانی کتابوں کے حصول سے بہت پیشتر ہی اس کا علم کیوں کر ہوسکتا، چندسو سال ہی کا زمانہ لیجیے، یورپ کے تشنگان علم کا چشمۂ شیریں اندلس کے عربی اسلامی دار العلوم تھے اور سچ پوچھو تو آج بھی جب کہ اسلام روبہ تنزل ہے، ہم اسلام کے سیاسی علوم سے بہت کچھ اخذ کرسکتے ہیں۔(شہادۃ الاقوام ص ۷)

ابرٹ بریفالٹ:۔ (یورپ کا بیدار مغز مفکر) یورپ کی حقیقی نشاۃ ثانیہ پندرہویں صدی عیسوی میں نہیں ہوئی، بلکہ عربوں کے اثر اور ہسپانیہ کی اسلامی ثقافت تجدیدی دور کی رہین منت ہے، اس نشاۃ ثانیہ کا گہوارہ اطالیہ نہیں، بلکہ اسلامی ہسپانیہ تھا، یورپ بربریت کی اسفل ترین گہرائیوں میں گر کر جہالت اور

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ذلت کی تاریکیوں میں ڈوب چکا تھا، بلکہ اسلامی دنیا کے شہر بغداد و قاہرہ وغیرہ تہذیب وتمدن کی سرگرمیوں کے درخشندہ مرکز بن رہے تھے۔

اور یہیں اس حیات نے آنکھ کھولی، جو بعد میں انسانی ارتقا کی ایک نئی شکل اختیار کرنے والی تھی، جوں ہی ان کی ثقافت یورپ پر اثر انداز ہوئی، وہاں ایک نئی حرکت ظہور پذیر ہوئی، آکسفورڈ کے مدرسہ فکر میں انھیں ہسپانوی مسلمانوں کے جانشینوں کے زیر اثر راجرسکن نے عربی زبان اور سائنس سے استفادہ کیا، تجرباتی طریقۂ کار سے یورپ کو متعارف کرانے کا سہرا نہ تو واجرسکن کے سر ہے، نہ اس کے بعد اس کے ہم نام راجن بیکن کے جو مسیحی یورپ میں مسلم سائنس اور تجرباتی طریقہ کے مبلغین میں سے ایک تھا، جس نے کبھی یہ تسلیم کرنے سے انکار نہیں کیا، کہ عربی زبان اور عربی سائنس ہی اس کے ہم عصروں کے لیے حقیقی علم کا ذریعہ تھی، نہ صرف سائنس ہی نے یورپ کو نئی زندگی عطا کی، بلکہ اسلامی تہذیب کے گونا گوں اثرات نے بھی اس کی خوابیدہ روح کو گرمیٔ حیات بخشی، یورپ کے تمدنی نشوونما میں کوئی بھی شعبہ ایسا نہیں، جس پر اسلامی تمدن کا فیصلہ کن اثر نہ پایا جاتا ہو۔

ہماری سائنس پر عربوں کا احسان نہ صرف انقلاب انگیز ومحیر العقول سائنسی نظریات و ایجادات تھیں، بلکہ عرب تمدن کا ہماری سائنس پر اس سے کہیں عظیم ترین احسان ہے، بہت ممکن ہے، عرب نہ ہوتے تو موجودہ یورپی تہذیب وہ ترقی اختیار نہ کر پاتی، جو آج اسے ارتقا کی تمام سابقہ منزلوں پر فوقیت بخش رہی ہے۔ (اخبار مدینہ بجنور اکتوبر ۱۹۵۰ء)

<u>ایم این رائے:۔</u> عرب فلسفیوں اور سائنس دانوں کی وساطت سے یونانی علوم کا ترکہ جدید عقلا تک پہنچا، سائنسی تحقیقات کا راہ ور اجر بیکن عربوں ہی کا شاگرد تھا، ہمبولٹ کی رائے میں عربوں کو ہی جدید علوم طبی کا بانی خیال کرنا چاہیے، عربی علوم وفنون کا زمانہ تقریباً پانچ سو سال تک رہا، یہ وہ زمانہ تھا، جب کہ یورپ میں جہالت وتاریکی کا دور دورہ تھا، عباسی، اموی، فاطمی حکمرانوں کے روشن خیال اور آزاد روز مانہ حکومت میں ایشیا، شمالی افریقہ اور ہسپانیہ میں علوم وفنون تہذیب وتمدن کو بے حد عروج حاصل ہوا۔

یونانی علوم وفنون کا گراں بہا خزانہ عیسائی کلیسا کی ناقابل برداشت توہم پرستی کے نتیجے دفن ہو چکا تھا، اگر عربوں کی امداد شامل نہیں ہوتی تو ہمیشہ کے لیے ختم ہو جاتا اور جو دنیا کو ناقابل تلافی نقصان پہنچتا وہ ظاہر ہے۔

جدید یورپ نے عربوں سے علم طب اور ریاضی ہی نہیں سیکھا، بلکہ بہت کافی سبق لیا جو انسانی

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

نظر وسیع کرتا تھا اور فطرت کے میکانگی قوانین کو بے نقاب کرتا ہے، عربوں نے اس علم کو بہت ترقی دی تھی، مشاہدہ کے نئے حالات کے ذریعہ عرب فلسفیوں کو کرۂ ارض کے قطر اور سیاروں کی گردش اور ان کی تعداد کا صحیح علم ہو گیا۔ (اسلام کا تاریخی کارنامہ ص ۵۵)

شنکر داس:۔ اگر یورپ کے سائنسداں اور فلاسفر اسلامی تعلیمات سے ایجادات واختراعات کے اصولی نکتے حاصل نہ کرتے، تو شاید آج کی یہ عملی دنیا نہ ہوتی اور تہذیب وتمدن کی ترقی یہاں تک نہ پہنچتی۔ (رسالہ مولوی ''رسول نمبر'' دہلی)

مسلمانوں نے تحصیل علم وفن کی اشاعت وتوسیع کے لیے اپنے حدود سلطنت میں بڑے اہم اہم ادارے قائم کیے، مسلمانوں کا سب سے زیادہ اہم کام یہی ہوتا تھا، کہ وہ تعلیم وتربیت کو ہمیشہ مدنظر رکھتے اور زندگی کی دوسری ضروریات کے ساتھ اسے بھی دنیاوی اور دینی فریضہ اور شدید ضرورت تصور کرتے اور اس کے لیے مدارس، دارالعلوم قائم کرتے۔

مسلمان صرف عرب ہی نہیں، بلکہ وہ جہاں بھی گئے، انھوں نے علمی وتحقیقی وتعلیمی اداروں کا قیام ناگزیر سمجھا، دمشق وبغداد، مصر وبخارا، سمرقند، مراکش اور بالخصوص اسپین کے شہر قرطبہ، طلیطلہ، اشبیلہ اور غرناطہ میں ایسے عظیم ادارے قائم تھے، جہاں صرف مذہبی تعلیم ہی نہیں، بلکہ فلسفہ (منطق) ادب ونجوم، ہیئت، طب اور دیگر علوم وفنون کی سائنٹفک اور پریکٹکل تعلیم کا بلند پیمانہ پر انتظام رہتا تھا اور ان درسگاہوں کے دروازے صرف مسلمانوں کے لیے نہیں، بلکہ دیگر اقوام و مذاہب کے افراد کے لیے بھی ہمیشہ ہمہ وقت کے لیے کھلے رہتے تھے اور ماہرین تعلیم اساتذہ وفضلا بڑی فراخدلی سے ان میں تعلیم دیتے تھے۔

مسلمانوں نے علوم وفنون کی ترویج واشاعت کے لیے اپنے حدود مملکت میں بے شمار مدارس قائم کیے تھے، مسلماں حکمراں خود اس کی سرپرستی کے فرائض انجام دیا کرتے تھے، اسلامی مدارس اور ان کی اہم ترین علمی خدمات کا اعتراف خود غیر مسلم مفکرین ومورخین نے بھی کیا ہے۔

لیبان:۔ عربوں نے جو مستعدی تحصیل علم میں ظاہر کی، وہ فی الواقع حیرت انگیز ہے، اس خاص امر میں بہت سی اقوام ان کے برابر ہوئی ہیں، لیکن بمشکل کوئی ان سے بازی لے جاسکی، جب وہ کسی شہر کو فتح کر لیتے تو ان کا پہلا کام وہاں مسجد و مدرسہ بنانا ہوا کرتا، بڑے شہروں میں مدارس ہمیشہ بکثرت ہوتے تھے۔

علاوہ تمام مدارس تعلیمی کے بغداد قاہرہ طلیطلہ وغیرہ بڑے شہروں میں دارالعلوم تھے، جن میں

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

علمی تحقیقات کے کارخانے اور رصد خانے عظیم الشان کتب خانے غرض کل مصالحہ علمی تحقیقات کا موجود تھا، صرف اندلس میں ستر عام کتب خانے تھے۔

مورخین عرب کے اقوال کے بموجب الحاکم ثانی کے کتب خانے میں جو قرطبہ ہی تھا، چھ لاکھ جلدیں تھیں، جن سے چوالیس جلدوں میں صرف فہرست کتب تھی۔ (تمدن عرب ص ۱۷۱، ص ۳۹۸)

عباسیوں کے آخری دور حکومت ہی نے اتنا عظیم الشان مدرسہ قائم کیا تھا، کہ اس سے پہلے روئے زمین پر اس کی نظیر نہیں ملتی، کہا جاتا ہے، کہ مستنصر باللہ ظاہر نے ۶۲۵ھ میں اس مدرسہ کی بنیاد دجلہ کے کنارے رکھی تھی اور سات سال میں اس کی عظیم الشان عمارت تیار ہوئی تھی جو سیکڑوں کمروں پر مشتمل تھی، اس مدرسہ میں کتب خانے کے لیے الگ سے ایک عمارت تھی، اس مدرسہ میں ایک عالیشان مسجد اور اس سے متصل شفاخانہ اور ایک باورچی خانہ تھا، جس سے طلبا کو مفت کھانا دیا جاتا تھا۔

اس مدرسہ میں زیر تعلیم طلبا کے لیے الگ سے شاندار ہوسٹل بھی تھا، جس میں شانداری کے ساتھ رہتے تھے، کھانے کے علاوہ طلبا کو جیب خرچ بھی دیا جاتا تھا۔

اس مدرسہ میں چار ہیڈ آف ڈیپارٹمنٹ یعنی شیخ الحدیث، شیخ النحو، شیخ الطب، شیخ الفرائض جن کے ماتحت لاتعداد مدرسین و اساتذہ شب و روز تعلیم و تعلم میں منہمک رہا کرتے تھے، اس مدرسہ کے کتب خانے کی عظمت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے، کہ جو کتابیں اس کے لیے منتخب کی گئی تھیں وہ ایک سو ساٹھ اونٹوں پر بار کر کے لائی گئی تھیں۔

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

مسلمانوں کا علمی ذوق اور چند سندھی علما

اسلام کی برکتوں نے کائنات ارضی سے جہالت کی تاریکی کو ختم کیا، بنی نوع انسان کے ضمیر کو وہم وگمان کی آلائشوں سے پاک کرکے اذعان ویقین کا گہوارہ بنایا، علم وحکمت کی روشنی میں دین کے اساسی عقائد اور قوانین شریعت کو سمجھنے کی دعوت دی، اسلام نے اپنے ماننے والوں کو حصول علم کا حکم دیا اور زیور علم ومعرفت کی تعلیم دینے والی شخصیتوں کو دین کی نگاہ میں مکرم ومعظم قرار دیا۔

نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف نبوت کا تذکرہ قرآن حکیم نے ان الفاظ میں بیان فرمایا۔

کما ارسلنا فیکم رسولا منکم یتلو علیکم اٰیتنا ویزکیکم ویعلمکم الکتب والحکمۃ ویعلمکم مالم تکونوا تعلمون (بقرۃ ع ۱۸)

جیسا ہم نے تم میں بھیجا، ایک رسول تم میں سے کہ تم پر ہماری آیتیں تلاوت فرماتا ہے اور تمہیں پاک کرتا ہے اور پختہ علم سکھاتا ہے اور تمہیں وہ تعلیم فرماتا، جس کا تمہیں علم نہ تھا۔

خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **بعثت معلما** دوسری جگہ ہادیٔ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے دولت علم سے آراستہ ہونے والوں کی عظمت وشان کا اظہار اس طرح فرمایا ہے۔

العلماء ورثۃ الانبیاء انما الانبیاء لم یورثوا دینار اولا درھما انما ورثوا العلم (ترمذی)

بیشک علما نبیوں کے وارث ہیں، انبیا کا ورثہ دینار ودرہم نہیں، بلکہ ان کا ورثہ علم ہے۔

سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم حکمت ومعرفت نے مسلمانوں کے اندر وہ بے نظیر جذبۂ تعلیم وتعلم پیدا کردیا، کہ جس طرف بھی خیر امت کے مقدس افراد گئے، علوم ومعرفت کے دریا بہاتے چلے گئے۔

قوم مسلم نے جزیرہ نمائے عرب کے ریگستانوں سے نکل کر دنیا کے جتنے بھی ممالک مسخر کیے، وہاں دین حق اور علوم وفنون کی تبلیغ واشاعت ان کا اولین مقصد رہا، یہی وجہ ہے، کہ دیکھتے ہی دیکھتے مسلم اقتدار کے زیرنگیں بلاد وامصار، علم وفن کا عظیم مرکز بن گئے۔

امام ابن حاتم رازی قرن اول کے مسلمانوں کی اشاعت علم کا تذکرہ فرماتے ہوئے رقمطراز

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ہیں۔

ثم تفرقت الصحابة رضی اللّٰہ عنهم فی النواحی والامصار والثغور فی فتوح البلدان والمغازی و الامارة والقضاء فبعث کل واحد منهم فی ناحیة بالبلدان الذی هو به ما وعاه حفظه عن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم وحکموا بحکم اللّٰہ عزوجل وامضوا الامور علی ما سن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم وافتوا فیما سئلوا عنه مما حضرهم من جواب رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم عن نظائرها من المسائل وجودوا انفسهم مع تقدمة حسن النیة و القربة الی اللّٰہ تقدس اسمه لیعلم الناس الفرائض والاحکام والسنن والحلال والحرام حتی قبضهم اللّٰہ عزوجل رضوان اللّٰہ ومغفرته و رحمته علیهم اجمعین فخلف بعدهم التابعون الذین اختارهم اللّٰہ عزوجل لاقامة دینه و خصهم بحفظ فرائضه و حدوده وامره ونهیه و احکامه وسنن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم و آثاره فحفظوا عن صحابة رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم مانشروه و ثبتوه من الاحکام و السنن والآثار وسائر ما وصفنا الصحابة به رضی اللّٰہ عنه فاتقنوه و علموه فقهوه فیه فکانوا من الاسلام والدین ومراعاة امر اللّٰہ عزوجل ونهیه بحیث وصفهم اللّٰہ عزوجل ونصبهم له اذ یقول اللّٰہ عزوجل والذین اتبعوهم باحسان رضی اللّٰہ عنهم ورضوا عنه (تقدمة الجرح والتعدیل ص۹۸)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم مختلف شہروں، علاقوں اور سرحدوں میں فتوحات، مغازی، امارات اور قضا کے سلسلہ میں پھیل گئے، ان میں سے ہر ایک نے اپنے علاقہ اور شہر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو سن کر یاد کیا تھا، سب کو عام کیا اور ان حضرات نے اللہ تعالیٰ کے احکام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سنن جاری کیے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ پر امور و معاملات کو چلایا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مسائل کے جواب میں جو کچھ سنا تھا، ان جیسے مسائل میں اسی کے مطابق فتویٰ دیا اور حسن نیت اور اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے ساتھ لوگوں کو فرائض و احکام، سنن، حلال وحرام کی تعلیم کے لیے اپنے آپ کو ہمہ تن تیار کیا اور اپنے کام میں لگے رہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان حضرات کو اٹھا لیا، ان کے بعد حضرات تابعین آئے، جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کی اقامت اور اپنے فرائض، حدود، امر الٰہی، احکام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سنن و آثار کی حفاظت کے لیے مختار ومخصوص فرمایا تھا اور انھوں نے حضرات صحابہ سے حاصل کر کے احکام سنن و آثار کو

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

عام کیا اور وہ لوگ اتقان، تفقہ اور علم کا حق ادا کر کے اسلام اور خدائی امر ونہی میں اس مقام پر تھے، جس پر اللہ تعالیٰ نے ان کو رکھا ہے اور ان کی شان میں کہا **والذین اتبعوھم باحسان رضی اللّٰہ عنھم ورضوا عنہ** یعنی جن لوگوں نے حسن وخوبی کے ساتھ صحابہ کی اتباع کی، ان سے اللہ راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔

مسلمانوں کی ترویج علم اور ان کے علمی ذوق کا اعتراف غیروں نے بھی بڑی فراخدلی کے ساتھ کیا ہے اور اس تاریخی حقیقت کی تحسین وآفرین میں رطب اللسان ہیں، چنانچہ پروفیسر فرنک ہیلکمور (فیلو آف یونیورسٹی کیلرس) لکھتا ہے۔

ہر مفتوحہ ملک میں مسلمانوں کا پہلا کام مسجد تعمیر کرنا تھا، جس میں اللہ کی پرستش ہوتی تھی، اس مسجد کے متصل ایک مدرسہ بھی ہوتا تھا، جس میں لوگوں کو قرآن کی تلاوت اور مطالعہ نیز تفسیر کی تعلیم دی جاتی تھی، پھر اس ابتدائی نقطہ کو ارتقا کی منزل کے ساتھ مطالعہ، سائنس، ادب اور دیگر فنون تک وسعت دی جاتی تھی۔ (اسلام اور عروج سائنس ص ۲۵)

مسلمانوں کا اشتیاق علم کا جذبۂ صادق ہی تھا، جس نے کوفہ، بغداد، بصرہ ودمشق، مکہ ومدینہ جیسے مرکزی بلاد وامصار کے علاوہ مختصر آبادیوں اور چھوٹی بستیوں کو بھی گہوارۂ علم وفضل بنادیا، اس ذوق اور لگن کی مثال دنیا کی سابقہ مہذب ومتمدن قوموں کی تاریخ میں نظر نہیں آتی۔

مسلمانوں کا یہ جذبۂ فروغ علم وفن شعلوں کے مانند چند لمحوں کا پابند نہ رہا، بلکہ ان کے جذبوں اور حوصلوں کو صدیوں کی وسعتیں بھی محدود نہ کر سکیں۔

قدیم یونان وروما اور مصر وشام کی علمی ترقیاں چند شہروں ہی تک محدود تھیں اور پھر امتداد زمانہ نے ان کے جذبہ وذوق کو جلد ہی پستی وزوال سے ہمکنار کر دیا، ان کے زوال اقتدار نے ان کے علمی کارناموں اور ان کے حاملین کو اس طرح خاک میں ملا دیا، کہ آج ان کے نام ونشان صفحۂ ہستی سے اس طرح معدوم ہو چکے ہیں، کہ ماضی میں ان کے وجود کا یقین بھی نہیں ہوتا، مگر قوم مسلم کا علمی ذوق اور جذبۂ اشاعت علم، چند شہروں تک محدود نہیں رہا اور علم چند مخصوص خاندانوں کی امانت بن کر نہیں رہا، نہ ہی چند صدیوں میں معدوم ہوا، بلکہ ہر اسلامی شہر، ہر آبادی، مرکز علم بنی اور دنیا کی جو قوم بھی اسلام کی دولت سے سرفراز ہوئی، اس میں کثرت سے علما پیدا ہوئے اور یہ سلسلہ پہلی صدی ہجری سے لے کر آج تک کی طویل وسعتوں میں پھیلا ہوا ہے۔

<u>ہندوستان:۔</u> مسلم فاتحین نے ہندوستان میں بھی اپنے اسلاف کی روایت حسنہ قائم کی جو علاقے بھی

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

فتح کیے اور جہاں بھی مسلمان سکونت پذیر ہوئے، اسے انھوں نے اپنے علمی مذاق کی برکتوں سے مرکز علم وفن بنادیا اور اپنے قومی خصائص کو زندہ وتابندہ رکھنے کے لیے مساعی جمیلہ سے دریغ نہیں کیا۔

محمد بن قاسم ثقفی نے ولید بن عبدالملک کے زمانۂ حکومت ۷۱۲ء میں اسلامی لشکر کے ساتھ سندھ پر چڑھائی کی تھی، مختصر سی مدت میں سندھ کے جابر راجا داہر کو شکست فاش دے کر پورے سندھ پر اسلامی سطوت واقتدار کا پرچم لہرادیا، اس مجاہد اسلام نے سندھ کی فتح کے بعد اپنی پیش رفت بند نہ کی، بلکہ ملتان کے علاقہ میں بھی فتوحات کرتا ہوا آگے بڑھ گیا، اگر حجاج بن یوسف والیٔ بصرہ اور خلیفہ ولید بن عبدالملک کی موت واقع نہ ہوجاتی اور دمشق کی مسند امارت پر سلیمان بن عبدالملک جیسا ناعاقبت اندیش، منتقم مزاج امیر نہ بیٹھتا اور محمد بن قاسم کو بلاکر قتل نہ کرادیا ہوتا۔

قرائن شاہد ہیں، کہ اسلامی فوج اپنے جوان حوصلہ، بلند ہمت، پرجوش سپہ سالار کی قیادت میں شمالی ہند کی طرف پیش قدمی کرتی اور ہر ہر محاذ پر فتح وظفر اس کے قدم چومتی، کیونکہ داہر کی حیرت انگیز پسپائی اور قتل نے اہل ہند کے دلوں میں اسلامی لشکر کا ایسا رعب بٹھادیا تھا، کہ وہ کسی بھی محاذ پر جواں ہمتی کے ساتھ مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کے قابل نہ تھے۔

محمد بن قاسم کی قیادت میں جن علاقوں کو لشکر اسلام نے فتح کیا، وہاں عدل وانصاف کے ساتھ اسلامی نظام حکومت کا نفاذ کیا، مسلم بستیاں اور شہر آباد کیے اور ایران وعراق، عرب، شام کے مسلم خانوادے آ آکر آباد ہونے لگے اور اپنی اسلامی روایات قائم کرنے لگے۔

ان لوگوں میں علما وفضلا کی بھی اچھی خاصی تعداد تھی، جنھوں نے ہر شہر اور ہر آبادی میں اسلامی تعلیمات کو عام کرنے کے لیے مکتب ومدارس قائم کیے اور ظلمت کدہ ہند میں علم کی روشنی پھیلانے کے لیے اپنی سعی پیہم سے کام لیا اور یہ سلسلہ محمود غزنوی کے حملوں تک برابر آگے بڑھتا رہا۔

ذیل میں اس دور کے ہم ان علما وفقہائے کرام کا مختصر تعارف پیش کرتے ہیں، جو دیار عرب وشام، عراق وایران سے آئے اور انھوں نے ہندوستان میں یا تو مستقل اقامت اختیار کرلی، یا مدت دراز تک یہیں قیام فرماکر فروغ علم کے لیے جدوجہد کی، یا خود ہندی الاصل تھے، اسلام کی برکتوں نے انھیں زیور علم سے آراستہ کیا اور انھوں نے خود اپنے وطن میں یا سرزمین ہند سے باہر جاکر دیار عرب وشام، عراق ومصر میں علم کو عام کیا۔

موسیٰ بن یعقوب ثقفی:۔ یہ وہ بزرگ ہیں، جنھوں نے اسلامی لشکر کے ساتھ سندھ میں قدم رکھا اور اس علاقہ میں اقامت گزیں ہوگئے، پوری زندگی خدمات علم اور اسلامی قانون حیات کے نفاذ میں بسر کی، آپ کے

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

علم کی برکت تھی، کہ نسلاً بعدِ نسلٍ علم کی امانت آپ کے خانوادے میں موجود رہی اور خدمت علم کے سلسلہ میں یہ خاندان صدیوں تک ممتاز رہا، آپ زبردست عالم اور فقیہ تھے، آپ سندھ کے قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) بھی رہ چکے ہیں۔

محمد بن ابی الشوارب:۔ یہ زبردست عالم اور فقیہ تھے، ۲۸۳ھ میں سندھ کے مشہور شہر منصورہ میں آکر آباد ہوئے اور منصورہ کے قاضی مقرر ہوئے۔

آپ کی علمی عظمت کا یہ عالم تھا، کہ پورے عراق میں بڑی قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے، بغداد جو اس زمانہ میں علم و فضل کا سب سے بڑا مرکز تھا، وہاں بھی ان کی شخصیت اس طرح نمایاں تھی، کہ عباسی شہزادے آپ کی مجلس علم سے فائدہ حاصل کرتے تھے، مورخ مسعودی کے قول کے مطابق آپ کا خاندان علمی وجاہت اور تفوق کے ساتھ چوتھی صدی ہجری تک باقی رہا۔

مولانا اسلامی:۔ یہ زبردست مجاہد اور جری سپاہی ہونے کے ساتھ علم و فضل کا اعزاز بھی رکھتے تھے، دیبل کے باشندے تھے، محمد بن قاسم کے عہد میں دولت اسلام سے مشرف ہوئے اور اسلامی لشکر میں موجود علما کی صحبتوں میں رہ کر دولت علم سے بہرہ مند ہوئے، آپ کو اسلامی لشکر میں بڑا رتبہ دیا گیا، جب راجا داہر کے دربار میں اسلامی وفد اتمام حجت کے لیے بھیجا گیا، تو آپ بحیثیت ترجمان شریک تھے۔

مولانا نے جس جرأت اور بیباکی کے ساتھ راجہ داہر سے مکالمہ کیا، اس نے راجہ داہر کو حیران کر دیا، جب اسلامی وفد دربار میں پہنچا، تو اس نے کسی قسم کی تعظیم نہ کی، مغرور داہر جو اپنی تعظیم کو پیدائشی حق سمجھتا تھا، خلاف توقع وفد کے اس انداز پر برہم ہوا مولانا، اسلامی سے مخاطب ہو کر کہا، ''تم شاہی آداب کیوں نہ بجالائے؟''۔

مولانا نے جواب دیا، میں جب تک ہندو تھا، آپ کی رعایا تھا اور تعظیم بجالاتا تھا، مگر میں اب مسلمان ہو چکا ہوں، مسلمان اپنی پرعظمت پیشانی خدا کے سوا کسی انسان کے سامنے نہیں جھکاتا، داہر نے کہا، کہ! افسوس کہ تم سفیر بن کر آئے ہو ورنہ ابھی تمہارا سر قلم کر دیا جاتا، مولانا نے کہا، مجھ جیسے انسان کے قتل سے مسلمانوں کا کوئی نقصان نہ ہوگا، مگر میرا انتقام مسلمان اس طرح لیں گے، کہ آپ کو کافی نقصان سے دوچار ہونا پڑے گا، مولانا نے پوری زندگی اسلام کی عظمت اور علم کی اشاعت میں گزار دی۔

ابو معشر سندھی:۔ آپ کا نام نجیح بن عبدالرحمٰن اور آپ کی کنیت ابو معشر ہے، جس سے مشہور ہوئے، آپ سندھی الاصل ہیں، صاحب تہذیب التہذیب کے قول کے مطابق آپ جنگی قیدیوں کے ساتھ حجاز مقدس پہنچے، جہاں مختلف خاندانوں میں بحیثیت غلام رہے، مگر جوہر قابل ہونے کی وجہ سے ہر جگہ سے علم کا

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

اکتساب کیا، بالآخر دنیا نے انھیں زبردست محدث، فقیہ اور صاحب مغازی کی حیثیت سے جانا پہچانا اور علوم وفنون کی تاریخ میں رہتی دنیا تک آپ کا اسم گرامی اور مقدس کارنامے یادگار رہیں گے۔

علم وفضل:۔ آپ کے بارے میں حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ (ج ۱ص ۲۱۶) میں تحریر فرمایا ہے۔

الفقیه صاحب المغازی ....و کان من اوعیة العلم.

آپ کے اساتذہ میں سعید بن المسیب، محمد بن کعب القرظی، ہشام بن عروہ، نافع بن المنکدر جیسی برگزیدہ اور نام آور شخصیتیں ہیں۔

آپ کے تلامذہ میں محمد بن عبدالرحمٰن، ابونعیم، وکیع، محمد بن عمر واقدی، امام سفیان ثوری جیسے اصحاب علم وفضل کا شمار ہوتا ہے۔

سرزمین سندھ سے اٹھنے والے اس عالم دین کا انتقال رمضان المبارک ۱۷۰ھ میں ہوا اور آپ کے جسد خاکی کو بغداد کے مقبرہ کبیر میں دفن کیا گیا۔

آپ کے بعد آپ کے صاحبزادے محمد بن ابی معشر بھی علم حدیث اور مغازی میں شہرت کے افق پر طلوع ہوئے اور بغداد میں اپنی زندگی کے ایام درس حدیث میں گزار دیے۔

ابونصر سندھی:۔ نام فتح بن عبداللہ کنیت ابونصر ہے، آپ سندھ کے رہنے والے تھے، مگر گردش روزگار نے آل حکم کا غلام بنا دیا تھا، آزاد ہونے کے بعد تحصیل علم کی طرف متوجہ ہوئے اور حدیث، فقہ، علم کلام میں کمال حاصل کیا، آپ دنیائے علم وفضل میں فقیہ ومتکلم کے لقب سے یاد کیے گئے۔

آپ کی شہرت اور تبحر علمی کا یہ عالم تھا، کہ ہر وقت شاگردوں کا ہجوم آپ کے گرد رہتا تھا۔ ایک بار اپنے کثیر تلامذہ کی جھرمٹ میں کہیں جا رہے تھے، کہ ایک بدمست عرب جو راستہ میں پڑا ہوا تھا، اس نے ایک غیر عرب کی یہ عزت وشان دیکھ کر طنزاً کہا، ''اے غلام تو اس شان وشوکت کے ساتھ جا رہا ہے اور میں زمین پر پڑا ہوا ہوں'' آپ نے عالمانہ وقار کے ساتھ جواب دیا، اس کا سبب یہ ہے، کہ میں نے تمہارے اسلاف کے طریقہ کو اختیار کرلیا ہے اور تم نے میرے آباواجداد کے طریقہ کو اپنا لیا ہے۔

موصوف نے اپنی زندگی کے گراں قدر ایام تدریسی خدمات میں گزار دیے اور ہزاروں تلامذہ پیدا کیے، جو آسمان علم پر آفتاب و ماہتاب بن کر چمکے۔

ابوالعباس احمد بن عبداللہ دیبلی:۔ اپنے وقت کے مشہور محدث تھے، محمد بن ابراہیم دیبلی سے شرف تلمذ حاصل تھا، اس کے علاوہ ذوق علم کی کشش انھیں نیشاپور، بصرہ، بغداد، مکہ معظمہ، مصر، دمشق، بیروت، نجران جیسے دور دراز بلاد وامصار میں لے گئی، جہاں ملت اسلامیہ کی مقتدر علمی شخصیتیں اپنے علم وفضل کے

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

چشمے بہار ہی تھیں، ابوالعباس نے ان چشموں سے خوب خوب سیرابی حاصل کی، آپ کے اساتذہ میں محمد بن اسحٰق بن خزیمہ، جعفر بن محمد خرمانی، فضل بن محمد جندی، علی بن عبدالرحمٰن، ابو الحسن احمد بن عمیر، ابوعبدالرحمٰن مکحول، ابوعرونہ حسین بن ابی معشر جیسی شہرۂ آفاق شخصیتیں ہیں۔

ابوالعباس کا یہ علمی اشتیاق تھا، جس نے انھیں شہرت ومقبولیت کے اس کاخ بلند تک پہنچا دیا تھا، کہ امام حاکم جیسے بزرگوں نے آپ کے روبرو زانوئے تلمذ تہ کیا، آپ کا انتقال ۳۲۳ھ میں ہوا۔

مذکورہ بالا علما ومحدثین کے علاوہ اور بہت سے مشاہیر علما ومحدثین، فقہا ومفسرین سندھ کی خاک سے پیدا ہوئے، ان میں ابوجعفر محمد بن ابراہیم بن عبداللہ دیبلی، ابراہیم بن محمد بن ابراہیم، ابوالقاسم شعیب بن محمد، خلف بن محمد دیبلی وغیرہم ہیں، جن کی جلالت علم کا سکہ ہندوستان سے گزر کر عرب وعراق، شام و مصر پر بیٹھا تھا۔

ان علما کے علاوہ ادبا وشعرا کی بھی ایک طویل فہرست ہے۔

ابوالعطا سندھی:۔ ان کا نام افلح بن یسار تھا، سندھ کے رہنے والے تھے، بنو اسد کے غلاموں کے زمرہ میں کوفہ پہنچے، ابوالعطا کو شعر وادب کا فطری ذوق تھا، چنانچہ غلامی کے باوجود اپنے ذوق کو پروان چڑھانے اور شاعری کی تکمیل کے لیے پیہم کوشش کرتے رہے اور فن شعر گوئی میں کمال حاصل کیا، ان کے آقا عنزہ بن سمان نے آزادی دے دی، غلامی کی قید وبند سے آزاد ہونے کے بعد فکر رسا نے اور بھی ترقی کی، شعور و فکر کی بلندی نے اس کی شاعری کو وہ قبول عام بخشا کہ امرا ورؤسا کی بارگاہوں میں رسائی حاصل ہونے لگی اور اس کا دامن عزت وعظمت کے ساتھ دنیاوی دولت اور صلہ وانعام سے بھرنے لگا۔

ابوالعطا کا یہ وقار اور صلہ وانعام کی فراوانی دیکھ کر آقا نے آزادی کی قیمت چار ہزار کر دی، مگر ذہن وفکر کے حریت پسند نے جسمانی غلامی سے رہائی کے لیے یہ قیمت بھی منظور کر لی اور چار ہزار روپے ادا کر دیے، مگر آزادی کے بعد اپنے آقا کی کمینگی اور تنگ ظرفی کی بنا پر سخت ہجو بھی کہی۔

اپنی شاعری اور ادب کی بنا پر ابوالعطا کو بڑی شہرت حاصل ہوئی، نصر بن یسار اس کا خاص مربی تھا، منصور عباسی کے دور خلافت میں اس نے وفات پائی۔

ابوالعطا کے علاوہ اور بھی بہت سے سندھی شعرا نے عرب میں شہرت پائی، طوالت کے سبب ان کا ذکر قلم انداز کیا جاتا ہے۔

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

مسلمان اور فنِ تحریر و خطّاطی

علم، انسان کے قوائے ذہنی کا خاصہ ہے، جو دوسرے حیوانات کو بھی حسب حیثیت حاصل ہے، لیکن اسے خارجی طور پر محفوظ کرنے کی حکمت اس کے نظم و ترتیب کا عمل، اسے فروغ دینے کا طریقہ، اس کی نشو و نما اور ترقی کی تدبیر، سوائے انسان کے زمین پر کوئی اور مخلوق نہیں جانتی، انسان یہ عمل طویل زمانہ سے قلم اور کتاب کے ذریعے انجام دے رہا ہے اور اس منصب کی عزت صرف انسان کو بخشی گئی ہے، کتاب، انسان کے علم کی خارجی شکل ہے اور اس کے افکار و خیالات کا مرئی مجسمہ، اسے فروغ دینے کا لاثانی وسیلہ ہے۔ (کتاب کی تاریخ ص ۷)

مذکورہ بالا اقتباس سے یہ حقیقت بالکل واشگاف ہو جاتی ہے، کہ انسان کا علم، اس کی ایجادات و اختراعات ذہنی و فکری ارتقا کا اظہار اور فروغ و اشاعت کا عمل تحریر و کتابت کے بغیر ممکن نہیں، ابتدا میں انسانوں نے جب اس سرزمین پر بود و باش اختیار کی اور اس کا تمدن گہوارۂ تربیت میں نموکی منزلیں طے کر رہا تھا اور اس کی سماجی زندگی محصور و محدود تھی، اس کے طرز فکر و عمل میں سادگی اور ضروریات زندگی از بس متناہی و محدود رہے ہوں گے، ایسی صورت میں چند الفاظ اور چند علامات، مسائل حیات و کائنات کے لیے کافی رہے ہوں گے، مگر جوں جوں انسانوں کی قبائلی زندگی میں وسعت اور تمدن میں تنوع، فکر و عمل کے دائروں میں وسعت پیدا ہوتی گئی، اظہار و ابلاغ کے ذرائع اور وسائل بھی احتیاج کی کوکھ سے جنم لیتے رہے۔

بلاشبہہ انسان کو مبدأ فیاض نے حفظ و ضبط کی قوت سے سرفراز فرمایا ہے اور جب تک انسانوں کا سماجی ڈھانچہ چند سیدھے سادے پرزوں سے ترتیب پا رہا تھا، اس وقت تک انسانوں کے لیے اپنے علم اور فکری اختراع کی حفاظت و اشاعت کے لیے قوت حفظ کا سہارا کافی رہا ہوگا، مگر دنیا کے خطوں میں جب انسانوں کی آبادیاں بکثرت قائم ہوئیں، اس کی ضروریات بڑھیں، فکر و عمل کے لیے سانچے اور خاکے تیار ہوئے، اقوام عالم کے درمیان غلبہ و استعلا کا شوق بڑھا، حکومت و بادشاہت کا سودا سروں میں سمایا، شعور نے بالیدگی اور ارتقا کی منزلیں طے کرنی شروع کیں، تو ان حالات میں انسان کے حفظ و ضبط اور فروغ و اشاعت کے لیے بین الاقوامی سطح پر تعلیمات کی ہمواری کی غرض سے اپنے علوم و افکار کو غیروں تک

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

پہنچانے کے لیے تحریر و کتابت کی ضرورت کا احساس ہوا اور اس نے اپنے لیے وقت اور زمانہ کے وسائل و سہولیات کے پیش نظر دنیا کے مختلف حصوں میں مختلف انداز تحریر و کتابت اختیار کیا۔

ماہرین فن تحریر ان خطوں کا سراغ اس وقت سے بتاتے ہیں، جب انسان آج سے تقریباً دس ہزار سال قبل حجری دور میں داخل ہوا تھا، ماہرین علم الانسان نے حجری زمانہ کو بھی مختلف ادوار میں تقسیم کیا ہے، پانچ ہزار سے چار ہزار قبل مسیح تک سمیریہ اور مصری دو تہذیبیں افق عالم پر نمودار ہوئیں، جن سے فن تحریر کی کرنیں پھوٹنے لگیں۔

فن تحریر کے ابتدائی عہد میں انسانوں نے جو طریقے اپنائے، ان میں تصویری خط، تصوری خط، میخی خط، لکیری تحریر خاص اہمیت رکھتے تھے اور انھیں کی ترقی یافتہ شکل موجودہ تحریر اور حروف تہجی ہیں۔

(۱) تصویری خط میں انسان اپنے خیالات کے اظہار اور پیغامات کے ارسال کے لیے جانوروں اور دیگر اشیا کی تصویریں بنا دیتا تھا، جس کے خواص و افعال سے راقم کے خیالات و مقاصد کا اندازہ کیا جاتا تھا، تصویری خط میں مقصود فن مصوری کا کمال نہیں، بلکہ آڑی ترچھی لکیروں کی ترتیب سے شکل کا اظہار تھا۔

(۲) تصوری خط، یہ بھی نیم تصویری خط کی شکل ہے، جس کے اندر اشیا کی صورتوں کے بجائے حقیقی تعبیر اور مجازی معنیٰ اخذ کیے جانے لگے، اس ترقی یافتہ شکل سے بڑے بڑے مفہوم و معانی کا اظہار کیا جانے لگا اور اس خط میں علامتیں مفرد اور مرکب دونوں قسم کی تھیں۔

(۳) سمیریوں نے تصویری و تصوری خط کو ترقی دے کر تین ہزار قبل مسیح ہی تحریر کی ایک نئی شکل اخذ کر لی تھی، جس میں تحریری علامتیں میخ کی شکل کے نشانات سے وضع کی گئی تھیں، یہ طریقہ تصویری و تصوری خط کی بہ نسبت زود نویس اور سہولت نیز وسعت و گہرائی کے لحاظ سے کافی مفید اور اہم تھا، یہ انداز تحریر ایران اور ایشیا کے علاقوں میں کافی مقبول ہوا۔

تحریری ارتقا کی تیسری منزل وہ ہے جس میں الفاظ جدا جدا حروف صحیح اور حروف علت کی مدد سے لکھے جاتے تھے، الف، با کہا جاتا ہے، اس میں تمام حروف جدا جدا قسم کی آواز کی نمائندگی کے لیے وضع کیے گئے ہیں، ایک لفظ بولنے میں جو صوتی حرکات پیدا ہوتے ہیں، ان کے نمائندہ حروف صحیح اور ان کی ادائیگی میں ضروری حرف علت یا بجائے ان کے مخصوص اشاراتی مختصر مخفی علامات کو لکھائی میں استعمال کیا جاتا ہے، تحریر کا یہ موجودہ سب سے ترقی یافتہ طریقہ ہے، جو چند زبانوں کو چھوڑ کر دنیا کی ہر زبان کے تحریری فن میں رائج و عام ہے۔ (کتاب کی تاریخ ص ۱۷)

http://t.me/Tehqiqat

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ظاہر ہے، خط کے یہ ارتقائی مراحل دنیا کے انھیں خطوں میں طے ہوئے ہوں گے، جو تہذیب و تمدن اور علم وعقل کے اعتبار سے پیش رفت کرنے والے رہے ہوں گے، چنانچہ آج سے نو ہزار سال قبل میسوپوٹامیا کی تہذیب نے مٹی کے اوراق پر اپنے افکار کو تحریری شکل دی۔

ڈاکٹر ہنری اسمتھ ولیم نے مصری کی تہذیب پانچ ہزار سال ق م بتائی ہے، اس طرح مصر کی تہذیب دنیا کی سب سے قدیم تہذیب ہے، وادیٔ نیل کے ان مہذب باشندوں نے پیپرس پر اپنی تحریر کے نقوش مرتسم کیے اور اپنے گردوپیش میں آباد بلاد وامصار کو بھی متاثر کیا۔

مصری تہذیب کے بعد تیسرا سب سے قدیم مرکز تحریر مشرقی چین ہے، وہاں کی تحریروں کی قدامت ۲۱۳ ق م سے قبل کی ہیں، جو ریشم پر لکھی گئی تھیں، لیکن محققین کا عام خیال ہے کہ تین ہزار ق م تحریروں کا رواج چین کے اندر ہو چکا تھا اور اس کے لیے لکڑی کی تختیاں، ہڈی، بانس کے چوڑے پھچڑے اور ریشم کے پارچے استعمال کیے جاتے تھے، ایران کے مشہور مفکر و مصور مانی نے بھی چین جا کر فن مصوری وخطاطی میں مہارت پیدا کی تھی۔

وادیٔ سندھ کی تہذیب ۳۲۵۰ ق م تا ۲۷۵۰ سال ق م بتائی جاتی ہے، موہنجوداڑو اور ہڑپا کی کھدائی کے بعد آثار قدیمہ کے ماہرین نے دستیاب آثار سے عہد عتیق کی اس قوم کے علم وفن، ثقافت اور مذہب کا جو اندازہ لگایا ہے، اس کی روشنی میں بجا طور پر کہا جا سکتا ہے، کہ وادی سندھ میں آباد قوم اپنے عہد میں دنیا کی متمدن ترین قوم تھی، ان کے آثار میں پتھر کی تعویذ نما تختیاں بھی ہیں، جن پر کتبے کندہ ہیں، جن سے پتہ چلتا ہے، کہ یہ قوم لکھنا پڑھنا بھی جانتی تھی۔

سندھ کی قدیم تہذیب حوادث زمانہ کا شکار ہوگئی، مگر صدیوں بعد پھر سرزمین ہند پر علم وفن اور تحریر وکتابت کا ہنر ترقی کرتا ہوا نظر آتا ہے، چنانچہ تیسری صدی قبل مسیح ہندوستان کے مختلف مقامات پر اشوک نے لاٹیں نصب کرائیں، جن پر مذہبی اور قانونی احکام کندہ کرائے گئے تھے، جن سے اندازہ ہوتا ہے، کہ اس عہد کا ہندوستان پڑھنے لکھنے کا عادی ہو چکا تھا، ان کتبوں میں براہمی اور خروشی رسم الخط استعمال کیا گیا ہے۔

دنیا کی تاریخ علم وفن کا باب سرزمین ایران پر کھلتا ہے، جہاں دیگر علوم وفنون کے ساتھ فن تحریر نے بھی اپنی خاص روش اختیار کی اور اسے ارتقا کے مختلف مراحل سے گزار کر میخی خط، اوستائی خط، پہلوی خط تک پہنچے اور ایک خاص خط کے موجد قرار پائے، انھوں نے اجتماعی طور پر اس فن کی جانب توجہ کی، چنانچہ ڈاکٹر رضا زادہ شفق لکھتے ہیں۔

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ایران والوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے تین ہزار سال قبل ماد بادشاہوں کے دور میں بابل کا میخی خط اختیار کیا، جوفکر نگاری کی منزل میں تھا اور ابھی الف، با کی منزل میں داخل نہیں ہوا تھا، ایرانیوں نے یہ خط اختیار کر کے اپنے طور پر فنیقیوں کی طرح حروف ہجا ترتیب دیے۔ (تاریخ ادبیات ایران ص ۱۶)

ایران میں مذہبی کتابیں اوستا وغیرہ اور پہلوی خط میں لکھی جاتی تھیں، عہد ساسانی کا مشہور مفکر اور مصور مانی ۲۱۶ء ۔ ۲۷۶ء نے اعلیٰ تعلیم حاصل کی اور اس نے فلسفہ الٰہیات کا گہرا مطالعہ کیا، اس کی اخاذ طبیعت نے مختلف بلاد وامصار کی سیاحت کے دوران دنیا کی متعدد زبانیں اور فن مصوری وخطاطی میں کمال حاصل کیا اور ترکستان کے ایک سنسان خط میں گوشہ نشین ہو کر اپنی کتاب ارژنگ تیار کی جس میں اعلیٰ درجہ کی مصوری اور خطاطی کے نمونے تھے، مانی نے اپنے فن مصوری وتحریر کی بنا پر نبوت کا بھی دعویٰ کیا، اسے قتل کر دیا گیا، مگر مانی مکتب فکر کے لوگ عرصہ تک سمرقند میں آباد رہے اور اپنے پیشوا کے فن کو باقی رکھنے کے لیے کوشش کرتے رہے۔

فن کتابت وتحریر، تمدن وتہذیب کے آثار سے تعلق رکھتا ہے، یہی وجہ ہے، کہ اس فن کی طرف متمدن قومیں سبقت کرتی ہیں اور بادیہ نشین اور نیم وحشی اقوام بالعموم اس فن سے دور رہتی ہیں، چونکہ اہل عرب عہد قدیم سے صحرانشین اور بادیہ پیا تھے، تہذیب وتمدن سے عاری تھے، اس لیے ان میں پڑھنے لکھنے کا رواج نہ تھا، مگر بعض نواحی علاقے جو متمدن قوموں سے متاثر تھے، وہاں پڑھنے لکھنے کا رواج ضرور تھا اور انھوں نے ایک مخصوص خط خود ایجاد کر لیا تھا۔

چنانچہ ابن ندیم نے الفہرست میں الف با خط کے اولین چھ موجدوں کے نام درج کیے ہیں، ابوجاد، ہواز، حطی، کلمون، سعفص، قرشیات ان ناموں کو حروف کی ترتیب سے آج تک نہ صرف عربی بلکہ اکثر دوسری زبانوں کے حروف مرتب پائے جاتے ہیں، یہ الف با کے موجد عرب عاربہ گروہ تھے۔ (کتاب کی تاریخ ص ۶۶)

یمن کے بعض باشندے فن تحریر سے واقف تھے، وہ خط مسند میں کتابت کیا کرتے تھے، عربی رسم الخط کے موجد اسی علاقہ کے رہنے والے تھے، ابن ندیم نے لکھا ہے۔

''بنی طے کے قبیلہ بولان کے تین اشخاص نے جوانبار میں سکونت پذیر تھے، عربی خط ایجاد کیا، مرامر بن مرہ نے حروف کی شکلیں ایجاد کیں، اسلم بن سدرہ نے حروف کے وصل وفصل کا طریقہ نکالا اور عامر بن جدرہ نے نقطے اور حرکات ایجاد کیے، انبار سے یہ خط عربی حیرہ پہنچا، جہاں سے قریش نے

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

سیکھا۔(الفہر ست بحوالہ تاریخ افکار ج اص ۴۷)

حیرہ سے مکہ میں کتابت کا فن کس طرح آیا، اس باب میں مورخین کے درمیان قدرے اختلاف ہے،بعض محققین نے بشر بن عبدالملک کندی باشندۂ حیرہ کے بارے میں لکھاہے، کہ اس نے مکہ آ کر قبیلۂ بنی امیہ میں شادی کی اور کتابت کا فن اس قبیلہ کے بعض افراد کو سکھایا، کچھ لوگوں کا خیال ہے، کہ حیرہ سے کتابت کا فن حجاز تک منتقل کرنے والا حرب بن امیہ ہے، جس نے حیرہ سے یہ فن سیکھ کر مکہ میں لوگوں کو سکھایا، اس اختلاف کے بعد صرف اتنی بات مشترک ہے، کہ عربی رسم الخط حیرہ سے مکہ آیا اور اسے قریش نے سیکھا، چنانچہ اصمعی متوفی ۲۱۵ء نے نقل کیا ہے، کہ قریش سے پوچھا گیا، کہ تم نے لکھنا کہاں سے سیکھا؟ تو انھوں نے جواب دیا، کہ حیرہ سے اور اہل حیرہ سے پوچھا گیا، کہ تم نے لکھنا کہاں سے سیکھا؟ تو انھوں نے جواب دیا، کہ انبار سے۔(تاریخ افکار ج اص ۴۷)

عرب قوم جو تہذیب وتمدن اور حکومت واقتدار کے نقطۂ نظر سے دنیا کی قدیم متمدن ومہذب اقوام کے صدیوں بعد افق تاریخ پر نمودار ہوئی، اسلام سے قبل ان کے اندر بدویت پائی جاتی تھی، معاشی اعتبار سے وہ مفلوک الحال قبائلی زندگی کے حامل تھے، وہ فن حرب وجنگ کے ماہر ضرور تھے، انھیں صحراؤں کو انسانی خون سے لالہ زار بنانے کا فن خوب آتا تھا، مگر وہ اپنی قوت تخیل اور سعی افکار، نوک قلم کے ذریعہ صفحۂ قرطاس پر نقش ونگار ابھارنے سے عاری تھے، یہ قوم اسلام سے قبل فن تحریر میں دنیا کی ساری قوموں سے پیچھے رہ گئی، قبائلی زندگی کی بھرپور سادگی نے انھیں لوح وقلم کا منت پذیر ہونے سے باز رکھا، چنانچہ وہ پردۂ ذہن پر مرتسم اقوال وافکار پر کامل اعتماد کرنے لگے، حافظہ پر اعتبار کی ممارست نے ان کے حافظہ کو وہ بے نظیر قوت دی، جو دنیا کی کسی قوم کے حصہ میں نہ آئی، اہل عرب کے نزدیک زبانی حفظ اور روایت کو علم و دانش کا معیار قرار دے دیا گیا، جس کی بنا پر لکھنا، پڑھنا، ان کے نزدیک تقریباً عار تصور کیا جاتا تھا، چنانچہ تاریخ تدوینِ حدیث کے مولف لکھتے ہیں۔

’’فن کتابت کے عام رواج اور فروغ نہ پانے کی وجہ یہ تھی، کہ عربوں کے حافظے نہایت قوی اور اوج کمال تک پہنچے ہوئے تھے، وہ سیکڑوں اشعار کے قصیدے ایک ہی مجلس میں بلکہ ایک ہی دفعہ سن کر حفظ کر لیتے تھے اور جو بات ایک دفعہ کان میں داخل ہوگئی، وہ تادم زندگی محفوظ ہوگئی اور زبانی یادداشت کو اس قدر عزت اور وقعت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا، کہ وہ تحریر کو عیب کی طرح چھپاتے تھے اور جس کے پاس تحریر ہوتی تھی، اس کو کمزور حافظے والا شمار کیا جاتا تھا‘‘۔

ان کا حافظہ اس قدر قوی تھا، کہ طویل قصائد ایک بار سن کر از بر ہو جاتے تھے، تمام تاریخی

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

واقعات اور جنگی روداد جزئی تفصیلات کے ساتھ پوری قوم کے حافظے میں محفوظ رہتے تھے، ہر فرد کسی واقعہ کو حرف بحرف راوی کے الفاظ میں سنا سکتا تھا، شعریت عربوں کے خمیر میں رچی بسی تھی، شجرے اور انساب کی یادداشت میں تو عرب قوم کی مثال دی جاتی تھی، اگر کوئی کسی واقعہ کی تفصیل تحریر کرتا یا لکھی عبارت پڑھ کر سناتا، تو اس کے کمزور حافظے کی دلیل خیال کی جاتی تھی، جو اس کے پورے قبیلے کے لیے شرم ناک بات تھی۔(کتاب کی تاریخ ص ٦٦)

یہی وجہ ہے، کہ حجاز میں کتابت کا آغاز بعثت نبوی سے کچھ ہی عرصہ قبل ہوا اور خورشید رسالت کے طلوع کے وقت مکہ اور مدینہ جیسے مرکزی شہروں میں فن تحریر کے جاننے والے انگلیوں پر شمار کیے جاتے تھے۔

مکہ:۔ عمر بن خطاب، علی بن ابی طالب، عثمان بن عفان، ابوعبیدہ بن الجراح، طلحہ، یزید بن ابی سفیان، معاویہ بن ابی سفیان، ابوسفیان بن حرب، ابو حذیفہ بن عتبہ بن ربیعہ، حاطب بن عمرو، ابومسلمہ بن عبدالاسد مخزومی، شفا بنت عبداللہ عدویہ، حفصہ بنت عمر، ام کلثوم بنت عتبہ، کریمہ بنت مقداد۔

مدینہ:۔ قبیلہ اوس وخزرج میں سعد بن عبادہ، منذر بن عمرو، ابی بن کعب، زید بن ثابت، رافع بن مالک، امیہ بن حضیر۔(الحدیث والمحدثون ص ۱۲۰)

بعض مصنفین نے اس فہرست میں کچھ ناموں کا اضافہ کیا ہے۔

مکہ:۔ ابان بن سعید، خالد بن سعید، عبداللہ بن اسد، جہم بن صلت، علاء بن حضرمی، عبداللہ بن ابی شرح، حویطب بن عبدالعزیٰ۔

مدینہ:۔ رافع بن مالک، محسن بن عدی، بشیر بن سعد، سعد بن ربیع، اوس بن خولہ، عبداللہ بن ابی، سوید بن صامت۔

اہل عرب زبانی حفظ وضبط کو قومی تشخص اور تفرد سمجھتے تھے، یہی وجہ ہے، کہ عربوں میں کتابت و تحریر کا فن خال خال پایا جاتا تھا، مگر بعثت نبوی سے پہلے عرب کی پوری تاریخ میں کوئی کتاب نہیں ملتی، شایاں قدوائی کے مطابق،

''یہ ایک تاریخی حقیقت ہے، کہ عرب کی سرزمین پر کسی کتاب کے لکھے جانے کا تاریخ میں دور دور تک سراغ نہیں ملتا''۔(کتاب کی تاریخ)

بعثت نبوی اور عربوں کی علمی ترقی:۔ گذشتہ واقعات اور انکشافات کی روشنی میں یہ حقیقت بالکل واضح ہوجاتی ہے، کہ صحرائے عرب کے علاوہ دنیا کے تقریباً سارے متمدن ممالک علم وفن کے میدان

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

میں پیش رفت کر رہے تھے اور انھوں نے اپنے علمی کمالات کے تحفظ و اشاعت کے لیے فن تحریر کو بھی دستیاب وسائل کی حد تک ترقی دی تھی، مگر اہل عرب اس وقت سخت جہالت سے دوچار تھے، روحانی، اخلاقی، علمی وفنی ہر طرح کا انحطاط ان میں موجود تھا، شعر، انساب، حفظ اور ضبط کی امتیازی خصوصیت کے علاوہ ہر شعبۂ علم وفن میں ان کی حیثیت صفر تھی، ایسے ماحول میں نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم رشد و ہدایت کا پیغام لے کر مبعوث ہوئے، دلوں کے ویرانے ایمان و اعتقاد کے نور سے معمور ہو گئے، ذہن و دماغ جہالت کے شکنجوں سے آزاد ہو کر علم و عرفان کا مخزن بن گئے، نبی گرامی کی حکمت و معرفت کی تعلیم و تربیت سے یکا یک بساط عرب سے بے شمار حکمتوں اور نورانی معارف کے چشمے پھوٹے، پھر ان حکمتوں سے دفاتر بھر گئے، اونٹوں کے چرانے والے بدو جاہل عرب دنیا کے بہت بڑے دانشور بن گئے، جنھوں نے مذہب و اخلاق اور تہذیب و تمدن کے تمام شعبوں میں پوری دنیا کی امامت و پیشوائی کی اور ان کے علمی وفنی کمالات نے دنیا کو حیرت زدہ کر دیا، یہاں ہم فن کتابت و تحریر کے ارتقا میں رسول گرامی کے ارشادات و ہدایات اور مسلمانوں کی اس فن میں محیر العقول ترقی کا مختصر جائزہ لیں گے۔

آغاز نزول قرآن ہی سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آیتوں اور سورتوں کو قلمبند کرانا شروع کر دیا اور اس کے لیے بیک وقت چند کاتبان وحی مقرر تھے، جہاں کوئی آیت یا سورہ نازل ہوئی، فوراً اس کو ضبط تحریر میں لانے کا حکم صادر فرمایا۔

قرآن حکیم نے خود قرض لینے دینے کے وقت زبانی یادداشت کے بجائے معاملات کو ضبط تحریر میں لانے کی ہدایت کی، جس سے تحریر کی اہمیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

اِذَا تَدَا یَنْتُمْ بِدَیْنٍ اِلٰیٓ اَجَلٍ مُّسَمًّی فَاکْتُبُوْہُ (بقرہ)

جب تم مقررہ مدت کے لیے قرض کا لین دین کرو، تو اسے تحریر کر لو۔

وَلْیَکْتُبْ بَیْنَکُمْ کَاتِبٌ بِالْعَدْلِ (بقرہ)

تمہارے درمیان کوئی کاتب عدل کے ساتھ (دستاویز) لکھے۔

رسول گرامی صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح عرب کی دیرینہ جہالتوں کا خاتمہ کیا، اسی طرح تحریر و کتابت کا مرہون منت ہونے کے عیب اور عار کا خاتمہ کیا اور عربوں کے اس وہم کے علی الرغم تحریر و کتابت کی اہمیت کا اظہار اپنے عمل سے فرمایا اور اس فن کی اشاعت و ترویج کے لیے موثر اقدامات فرمائے خود عہد نامے اور امرا و سلاطین کو دعوتی خطوط لکھوائے اس کے علاوہ دوسری چیزیں تحریر کرنے کا حکم یا اذن دیا۔

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

(۱)غزوۂ بدر ۲ھ میں جو کفار اسیر ہوئے تھے، ان کا فدیہ فی کس چار ہزار، تین ہزار، دو ہزار، ایک ہزار درہم تک تھا، لیکن مفلس قیدیوں کا فدیہ دس بچوں کو تحریر و کتابت کی تعلیم مقرر کیا گیا۔ (طبقات ابن سعد ج ا ص ۲۱۲)

(۲)حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما حدیثیں لکھتے تھے، بعض قریش نے کتابت حدیث سے روک دیا، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی خوش اور کبھی غصہ کی حالت میں ہوتے ہیں اور تم سب لکھ ڈالتے ہو، اسی لیے انھوں نے حدیث لکھنا بند کردیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے واقعہ بیان کیا، تو سرکار نے اپنے دہن مبارک کی جانب اشارہ کرکے فرمایا۔

اکتب فوالذی نفسی بیدہ ما یخرج منہ الا حق (ابو داؤد ج ۲ ص ۱۵۸، جامع بیان العلم ص ۳۶)

لکھ لو، اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے، اس سے حق کے سوا کچھ نہیں نکلے گا۔

(۳)حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کا بیان ہے، میں نے خدمت نبوی میں گذارش کی، کہ یا رسول اللہ! ہم آپ کی زبان سے بہت سی چیزیں سنتے ہیں اور اس کو لکھ لیتے ہیں، اس کی نسبت کیا حکم ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، لکھتے رہو، اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (مجمع الزوائد)

(۴)فتح مکہ ۸ھ کے موقع پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانی حقوق اور مکہ کی حرمت کے مسائل بیان فرمائے، اس پر ایک یمنی شخص نے خواہش ظاہر کی، کہ یہ احکام لکھوا دیے جائیں، ارشاد ہوا۔

اکتبوہ لابی شاہ ۔(یہ احکام) ابوشاہ کے لیے لکھ دو۔ (بخاری، ابوداؤد، بحوالہ نزہۃ القاری شرح بخاری ج ا ص ۱۴)

(۵)ابن عمر کا قول ہے۔

کتب النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم کتاب الصدقۃ فلم یخرج حتی قبض عمل بہ ابو بکر حتی قبض ثم عمل بہ عمر حتی قبض وھی عند آل عمر (مستدرک حاکم ج ۱ ص ۲۹۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتاب الصدقہ لکھوائی، پھر آپ کا انتقال ہوگیا، یہ کتاب حاکموں کے پاس روانہ نہ کی جاسکی، آپ کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس پر عمل کیا، پھر ان کے انتقال کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس پر عمل کیا، آپ کے انتقال کے بعد یہ کتاب حضرت عمر کے

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

خاندان میں محفوظ رہی۔

رسول گرامی کی تعلیمات وہدایات کو مسلمانوں نے سینہ سے لگایا اور وہ صحرائے عرب کی بدویت وجہالت سے نکل کر علوم ومعارف کے مبلغ و پاسبان بن کر تاریخ کے افق پر نمودار ہوئے اور جلد ہی انھوں نے حدود عرب سے نکل کر ایران، عراق، شام، مصر اور دیگر بلاد وامصار کو زیر نگیں کر لیا اور اپنے علمی وادبی ذوق کی تسکین کے لیے اسلامی وعربی علوم وفنون تک محدود رہنا پسند نہ کیا، بلکہ مفتوح ممالک واقوام کے قدیم فنون کو بھی اپنایا اور اپنی جودت طبع اور صلاحیت اختراع وایجاد سے چند ہی صدیوں میں اتنے اضافے کیے، کہ ہزاروں کتب خانے تیار کر لیے، ظاہر ہے، ان تحقیقات وایجادات کی حفاظت اور اشاعت کے لیے فن تحریر وکتابت کا احسان مند ہونا بھی ناگزیر تھا، چنانچہ مسلمانوں نے دوسرے علوم وفنون کی طرح اس فن کو بھی خوب وسعت دی اور عربی رسم الخط کو اپنی جدت طرازیوں سے خوب خوب فروغ دیا اور شاخ در شاخ گل بوٹے سجائے۔

مسلمانوں نے فن تحریر وکتابت کو بحیثیت فن اختیار کر کے جو ندرتیں پیدا کیں اور مختلف اقوام کے اختلاط اور بلاد وامصار کی سکونت کے نتیجہ میں خطوں کے اندر جو تبدیلیاں اور رعنائیاں پیدا ہوئیں، اس لحاظ سے مسلمانوں کے کارناموں کو تین دوروں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

پہلا دور:۔ عہد بنی امیہ میں دو عظیم خطاط کے نام لیے جاتے ہیں، (۱) قطبہ جس نے خط کوفی سے تھوڑے تھوڑے فرق کے ساتھ چار خط ایجاد کیے، (۲) خالد خطاط جس نے حضرت عمر بن عبدالعزیز کے عہد میں پہلا خوبصورت طلاکار قرآن مجید تیار کیا۔

عباسی خلفا کا زمانہ علوم وفنون کی ترقی کا زریں عہد تھا، اس دور کے مشہور نحوی خلیل بن احمد م ۱۷۰ھ نے خط کوفی کی اصلاح کے بعد موجودہ اعراب ایجاد کیے، علی بن حمزہ کسائی متوفی ۱۸۲ھ نے خط کوفی پر نظر ثانی کی، خط کوفی میں تغیرات اور تزئین کے بعد جو شاخیں پیدا ہوئیں، وہ یہ ہیں۔

(۱) قلم الجلیل، جس میں مسجدوں کے کتبے اور سلاطین کے مکاتیب تحریر کیے جاتے تھے۔

(۲) قلم السجلات، دستاویزی خط۔

(۳) قلم الدیباج، پہلے یہ خط ایک باریک ریشمی کپڑے پر لکھا جاتا تھا، اسی مناسبت سے اس خط کا نام دیباج پڑ گیا۔

(۴) قلم طومار، اس کی دو قسمیں تھیں، طومار الکامل، مختصر الطّومار۔

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

(۵) قلم الثلثین، یہ خط دربار خلافت سے عمال کے نام مراسلت کے لیے مخصوص تھے۔
(۶) قلم الزنبور، یہ خط طومار اور ثلثین کا مرکب تھا۔
(۷) قلم الفتح، یہ خط ثلثین اور سطر نجیلی سے ماخوذ تھا۔
(۸) قلم الحرم، خواتین حرم سے مراسلت کے لیے مخصوص تھا۔
(۹) قلم الوامرات، یہ خط امرائے سلطنت باہمی مشاورت کے لیے استعمال کرتے تھے۔
(۱۰) قلم العہود، معاہدات شاہی کے لیے خاص تھا۔
(۱۱) قلم القصص، حکایات کے لیے مخصوص تھا۔
(۱۲) قلم الخرخاج، ثلثین کی شاخ تھا۔
(۱۳) عہد مامون کے بعد خطوط قلم المرصع قلم النساخ، مقطوع الحوائجی قلم الغبار الحلیہ، خط مدبح، خط رباش، خط رخش، خط بیاض، خط حواشی۔

مشہور خط:۔ خط ثلث، خط نسخ، خط توقیع، خط رقاع، خط محقق، خط ریحان۔

مشہور خطاط:۔ (۱) ابن مقلہ، مشہور ہے کہ ابن مقلہ نے خط کوفی سے چھ خط ایجاد کیے، خط ثلث، خط نسخ، خط توقیع، خط رقاع، خط محقق، خط ریحان، بعض لوگ اسے نسخ، محقق، ریحان تین خطوں کا موجد قرار دیتے ہیں۔

(۲) ابن بواب۔ ابوالحسن ہلال المعروف ابن بواب، اس نے ابن مقلہ کے شاگرد سمسانی، محمد بن اسد سے خطاطی سیکھی، خط بدیع و محقق کو ترقی دے کر مزید حسن و نفاست، خوبی و زیبائی پیدا کی۔

(۳) یاقوت حموی رومی م ۶۲۶ھ

(۴) یاقوت بن عبداللہ رومی مستعصمی م ۶۶۸ھ یہ اپنے دور میں خط نسخ کا زبردست ماہر تھا، اس کے کتبے سونے کے پتروں کے دام فروخت ہوتے تھے، اس کا لکھا ہوا قرآن مجید خدا بخش لائبریری پٹنہ میں موجود ہے۔

دوسرا دور:۔ عربی خط جب ایران آیا، تو وہاں کے ایجاد پسند خطاطوں نے تزئین و تہذیب کے لیے تجربے کیے اور قلم کاریوں کے خوبصورت نمونے پیش کر کے بعض جدید خطوط اور اسالیب تحریر ایجاد کیے، اس دور میں سلاطین و امرا کی فیاضیوں نے خطاطی کے فن کی دل کھول کر سرپرستی کی، فنکار خطاطوں کی شایان شان پذیرائی کی گئی، اس دور میں جو خطوط ایجاد ہوئے، وہ یہ ہیں۔

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

(الف) خط تعلیق، حسن بن حسین فارسی نے چوتھی صدی ہجری میں خط رقاع اور خط توقیع سے ایک نیا خط ایجاد کیا، جو تعلیق کے نام سے مشہور ہوا، اس کا دوسرا نام خط ترسیل بھی ہے۔

(ب) خط نستعلیق، امیر تیمور کے زمانہ ۷۷۱ھ تا ۸۰۱ھ میں خواجہ میر علی تبریزی نے خط نسخ و تعلیق سے مرکب ایک خط تیار کیا جسے نستعلیق کہا جاتا ہے۔

(ج) خط شکستہ، ۱۰۰۱ھ میں مرتضیٰ علی خاں حاکم ہرات شاملو نے نستعلیق اور تعلیق کو ایک نیا خط، خط شکستہ کے نام سے ایجاد کیا۔

مشہور خطاط۔ (۱) میر علی تبریزی جن کی جانب خط نستعلیق کی ایجاد منسوب ہے، بعض لوگوں نے اس کے موجد نستعلیق ہونے میں کلام کیا ہے، تاہم اس نے خط نستعلیق میں جو تجربے کیے ہیں، اس کی رو سے اس کا موجد ہونا بعید از قیاس نہیں، میر علی نے رسم الخط کے موضوع پر ایک رسالہ بھی لکھا تھا، اس کے دو باکمال شاگرد جعفر تبریزی اور اظہر ہوئے، میر علی کے ہاتھ کا لکھا ہوا مجموعہ اشعار خدا بخش لائبریری میں موجود ہے۔

(۲) سلطان علی مشہدی، اپنے عہد کا منفرد خوش نویس ہے، اس کے شاگردوں میں سلطان محمد خنداں اور سلطان محمد نور، علاء الدین ہروی، زین الدین عبیدی نیشاپوری، محمد قاسم، شادی شاہ نے شہرت پائی۔

(۳) میر علی ہروی، جنھوں نے مشہدی کے فن خطاطی کو مزید ترقی دی۔

(۴) محمد حسین تبریزی، مطلع الانوار، دیوان امیر شاہی ان کے فن خطاطی کے شاہکار مخطوطے ہیں۔

(۵) میر عماد الحسینی، شاہ عباس صفوی کے درباری خطاط تھے۔

تیسرا دور:۔ ایران و عراق سے عرب و عجم کی مخلوط تہذیب اور علوم و فنون ہندوستان آئے، یہاں کی زرخیز زمین پر علوم و معارف اور فنون لطیفہ نے خوب ترقی کی، فن خطاطی نے بھی خسروانہ فیاضیوں کے زیر سایہ ارتقا کی منزلیں طے کیں، سلاطین دہلی کے عہد میں ہندوستان میں ایرانی خطاطوں کے فن اور اسلوب نگارش کی پیروی کی گئی، مزید ترقی کے لیے راہیں ہموار کی گئیں، لیکن ہندوستان میں علمی و ادبی ترقی کا شاندار دور تیموری بادشاہوں کے عہد سے شروع ہوتا ہے، جن کی معارف پروری اور فنکار نوازی نے اکناف عالم سے اہل علم و فن جمع کر لیے تھے، ان کے شاہی کارخانے میں دوسرے شعبوں کے علاوہ ذوق مطالعہ اور لائبریری سازی نے وسیع شاہی کتب خانوں کو ترقی دی، بادشاہوں کے اس مذاق کا اثر امرا، علما اور دیگر عوامی حلقوں پر بھی پڑا، چنانچہ انھوں نے بھی اپنے ذوق کی تسکین کے لیے کتابوں کی

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

فراہمی اور نادر و نایاب مخطوطوں کی یکجائی کا آغاز کیا، چنانچہ ہندوستان میں مغل بادشاہوں کے عظیم کتب خانوں کے علاوہ امرا، وزرا، جاگیرداروں اور نوابوں کے صدہا کتب خانے عہد اکبری سے لے کر بہادر شاہ ثانی کے دور تک نظر آتے ہیں، جن میں عبدالرحیم خان خاناں، سلیمہ سلطانہ، منعم خاں، قطب الملک نواب لوہارو، خانقاہ سرخیز، شاہ وجیہ الدین، مخدوم ابراہیم، شاہ ولی اللہ، شیخ حضرمی، نواب سورت، سلطان ٹیپو، راجا شتاب رائے، راجا رام نرائن، نوابین اودھ والی فرخ آباد، نواب روہیلہ، نواب رام پور کے کتب خانے قابل ذکر ہیں، نامساعدت روزگار کے سبب یہ کتب خانے ناپید ہوگئے، مگر ان کے قیمتی نوادر آج بھی ہندو بیرون ہند کی لائبریریوں میں پائے جاتے ہیں۔

اس دور کے کتب خانوں میں دیگر ملازمین کے علاوہ خطاط، کاتب، مصور بھی رکھے جاتے تھے، جو نادر و نایاب کتابوں کی نقلیں اتارتے، اسے مزین و مرصع کرتے۔

کتب خانوں کے علاوہ دیگر سرکاری محکمہ جات میں یادداشتوں، دستاویزوں، عرضیوں اور فرامین نیز مکاتیب نگاری اور واقعہ نگاری اور شاہی عمارتوں، ظروف، اسلحوں، پردوں پر خوبصورت کتابت وتحریر کے لیے خطاط، محرر، کاتب، دبیر مقرر کیے جاتے تھے۔

بجلی کمار دت لکھتے ہیں۔

''مغل حکومت کو کاغذی راج کہا جاتا ہے، اس عہد میں بے شمار نقل نویس، کلرک اور خبر نویس، لائبریریوں، دفاتر سکریٹری میں اور کاغذات کے محافظ خانوں میں محافظ رکھے جاتے تھے'' (ہندوستان کے زمانہ قدیم و وسطی کے کتب خانے ص ۲۰۰)

اس دور میں ہندوستانی سماج کے اندر ایک خاص طبقہ پیدا ہوگیا تھا، جس نے فن خطاطی و کتابت کو معزز و منفعت بخش پیشے کی حیثیت سے اختیار کرلیا تھا اور نامور خطاطوں کو فن کے مظاہروں پر اعزاز، خطاب اور انعام سے نوازا جاتا تھا اور شاہکار مخطوطوں کو بیش از بیش قیمتوں پر خرید کر کتب خانوں کی زینت بنانے کا رواج عام ہو چکا تھا۔

<u>مشہور خطاط:۔</u> میر خلیل اللہ نے دکن کے بادشاہ ابراہیم عادل شاہ کو نورس کا ایک خوبصورت نسخہ پیش کیا جس سے وہ اتنا خوش ہوا، کہ اس نے اس کو ''قلم کا بادشاہ'' کا خطاب دیا اور ایک تقریب کا اہتمام کر کے خطاط کو وقتی طور سے اپنے تخت پر بٹھایا۔ (زمانہ قدیم و وسطیٰ کے کتب خانے ص ۲۰۲)

(۲) شاہجہاں جو میر عماد کے خط کا شیدائی، میر عماد کی تحریر پیش کرنے والے کو ایک ہزاری منصب دیتا تھا۔ (تمدنی کارنامے ص ۲۹۹)

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

(۳) اورنگ زیب کی شاہزادگی کے زمانے میں عبدالباقی حداد نے قرآن مجید کے چند نسخے لکھ کر اس کی خدمت میں پیش کیے، جن میں ایک نسخہ کل تیس اوراق میں تھا اورنگ زیب نے صلہ میں حداد کو یاقوت رقم خاں کے لقب سے سرفراز کیا۔(تمدنی کارنامے ص ۲۲۹)

ہندوستان میں فن خطاطی کو جو اہمیت وعزت حاصل ہوئی، اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے، کہ بعض سلاطین، امرا، شاہزادے اور شاہزادیاں بھی اس فن میں امتیاز رکھتے تھے اور اپنے بچوں کی تعلیم وتربیت کے باب میں اس فن کی تحصیل کو لازمی حصہ سمجھتے تھے، چنانچہ شاہجہاں، اورنگ زیب، داراشکوہ، عبدالرحیم خانخاناں، گلبدن بیگم، نورجہاں، جہاں آرا، زیب النسا، محمد شاہ، بہادرشاہ ظفر، مرزا ایرج، مرزا داراب عمدہ خطاط گزرے ہیں۔

خطاطوں نے اس فن کو محض حصول زر اور سیدھی سادی نقالی کے لیے اختیار نہیں کیا تھا، بلکہ وہ اس فن کے ذریعہ اپنے جوہر آشکار کرتے، وہ اس لیے نقل نہیں کرتے، کہ اس جیسی دوسری چیز پیدا کریں، بلکہ وہ حسن تحریر کے لیے لکھتے تھے اور اس میں جدت طرازی ان کا امتیازی وصف تھا، خطاط اپنے فن کی گہرائیوں میں ڈوب کر قلم اٹھاتے اور صفحۂ قرطاس پر تحریروں کا نقش ابھارتے تھے، انھیں اپنے فن سے عشق تھا۔

ملا میر علی خطاط لکھتے ہیں۔

''میرا قلم معجز نما ہے اور میرے لکھے ہوئے الفاظ اپنی خوبصورتی کی وجہ سے اپنے معانی و مطالب پر برتری رکھتے ہیں، اگر میں اپنے الفاظ کے دائرے بنانا سکھاؤں تو محراب جنت اپنی غلامی کا اقرار کرلے، میرے قلم کا ہر خط جاودانی ہے''۔(زمانہ قدیم ووسطیٰ کے کتب خانے ص ۲۰۳)

خطاطی وخوشنویسی کی ترقی کے دور میں ہندوستانی خطاطوں نے نہ صرف عرب وایران سے آنے والے خطوط اور ان کے اسٹائلوں کو باقی رکھا، بلکہ اپنے مذاق طبع اور جودت فکر سے ان میں خاص جدتیں، نفاستیں اور نزاکتیں پیدا کیں اور نادر اسلوب واسٹائل وضع کر کے فن خطاطی کو ثریا کی رفعتوں سے ہمکنار کردیا، ہندوستان میں جو خاص تزئینی خطوط ایجاد ہوئے، ان میں سے بعض درج ذیل ہیں۔

(۱) خط گلزار، دوہری لکیروں سے حروف کو بنا کر درمیانی جگہ میں پھول پتیاں بنائی جائیں۔

(۲) خط ماہی، حروف کے درمیان گل بوٹوں کے بجائے مچھلیاں بنائی جائیں۔

(۳) خط طاؤس، مور یا اس کے پروں کی شکل سے حروف کو مرکب کیا جاتا تھا۔

(۴) خط ہلال، اس خط کے حروف ہلال یا بدر کی صورتوں سے مرکب ہوتے ہیں۔

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

(۵) خط گوہر، وہ حروف جوموتیوں کے مثل چھوٹے دائرے سے مرکب ہوتے ہیں۔
(۶) خطِ خشت، دوہری لکیروں سے حروف بنا کر جوف میں نیچے اوپر اینٹیں بنادی جائیں۔
(۷) خط غبار، حروف کو باریک نقطوں یا عبارت کو خفی قلم سے لکھا جاتا ہے، جو دور سے غبار کی صورت میں نظر آئیں۔
(۸) خط لرزہ، اس خط کے حروف لہریا ہوتے ہیں۔
(۹) خط زلف عروس، حروف کے آخر میں بال کی لہراتی ہوئی لٹ نما بنائی جاتی ہے یا حروف کے سرے کو اوپر نیچے گھماتے ہیں۔
(۱۰) خط منشور، اس خط کے حروف ایسے ہوتے ہیں، گویا فیتے یا ربن کو موڑ کر بنائے گئے ہوں، حروف کے سرے اندر کی طرف حلقوں کی صورت میں مڑے ہوتے ہیں۔
(۱۱) خط توام۔ (۱۲) خط طغریٰ۔ (۱۳) خط گنج و پیوند۔ (۱۴) خط ناخن۔

ان اسٹائلوں کے ساتھ خورد بینی کتابت اور معکوس نویسی کو ہندوستان میں رواج عام حاصل ہوا۔

مشہور خطاط:۔

(۱) ملا عبدالرحیم عنبریں رقم، خط نسخ و نستعلیق میں ماہر تھے۔
(۲) شجاع، یہ بھی خط نسخ و نستعلیق میں مہارت رکھتے تھے۔
(۳) بہبود مرزا، کامل خوشنویس اور نقاش تھے۔
(۴) مرزا فتح اللہ شیرازی، زبردست عالم، اعلیٰ درجہ کے خطاط تھے۔
(۵) میر معصوم قندھاری، صاحب علم و فضل باکمال شاعر ماہر خوشنویس تھے۔
(۶) خواجہ عبدالصمد شیریں رقم، اکبری عہد کے مشہور و ممتاز خطاط و مصور تھے۔
(۷) محمد حسین کشمیری زریں رقم، عہد اکبری کے سب سے کامل الفن خطاط تھے، خط نستعلیق میں میر علی ہروی کے ہمسر تھے۔
(۸) میر عبداللہ مشکیں رقم، صاحب دیوان شاعر اور ماہر خطاط تھے۔
(۹) آقا عبدالرشید دیلمی، شاہجہانی عہد کا سب سے بڑا اور کامل خوشنویس تھا، جسے بعض لوگوں نے ملک خطاطی کا پیغمبر تک لکھ دیا ہے، بعد میں بھی کوئی اس کا ہم پلہ پیدا نہ ہوسکا۔

http://t.me/Tehqiqat

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

(۱۰) عبدالباقی حداد یاقوت رقم، شاہجہاں کے عہد میں باکمال خوشنویس اور خط نسخ کا ماہر تھا، اس نے اس خط کو اپنی جدت طرازی سے عروس الخطوط بنادیا، اس میں اس کا کوئی ہمسر نہ ہوا۔

(۱۱) مرزا جعفر، عہد شاہجہانی کا نامور امیر اور ماہر خطاط تھا، خط شکستہ کا بڑا ماہر تھا، تعلیق اور شکستہ میں نئے طرز اور آب ورنگ کا موجد ہوا۔

(۱۲) مرزا عبداللہ خاں، دربار شاہی سے متعلق تھا، خط تعلیق وشکستہ کا ماہر تھا، اس نے خط شکستہ میں ایسا حسن پیدا کیا، کہ اسے خط نستعلیق کا ہم پلہ بنادیا، مولوی غلام محمد لکھتے ہیں۔

''اس ایجاد میں اس نے سحر سامری سے کام لیا تھا، اگر ملا میر علی اس کے خط شکست کو دیکھتے تو خط نستعلیق سے دست کش ہوجاتے، یہ خط کیا تھا؟ گل وریحان وباغ وبہار تھا''

(۱۳) میر مراد کشمیری شیریں قلم، عہد شاہجہانی کا سحر طراز اور جادو رقم خوشنویس تھا۔

(۱۴) سید علی خاں جواہر رقم، میر عماد اور عبدالرشید دیلمی دونوں کے طرز خطاطی کا ماہر تھا، عہد عالمگیری کا باکمال خطاط تھا، شاہزادوں کو خطاطی کی تربیت دیتا تھا۔

(۱۵) ہدایت اللہ خاں زریں رقم، مرزا بخش اور محمد اعظم شاہ کے لڑکوں کا اتالیق اور باکمال خطاط تھا۔

(۱۶) میر محمد زاہد، عہد عالمگیری کا باکمال خطاط اور مصور تھا۔

(۱۷) مرزا حاتم بیگ، شاہ عالم کے عہد کا مشہور خوشنویس، شاعر انشاپرداز اور خط شکستہ کا ماہر تھا۔

(۱۸) محمد عارف، خط نسخ وثلث میں ماہر تھا، اس نے نسخ میں ایک خاص طرز ایجاد کیا تھا، بہادر شاہ اول نے یاقوت رقم کا خطاب دیا تھا۔

(۱۹) حاجی نامدار، عہد فرخ سیر کا مشہور خطاط تھا، جو خط خفی کا ماہر تھا، اکثر شاہزادے خطاطی میں اس کے شاگرد تھے۔

(۲۰) محمد حفیظ خاں، محمد شاہی عہد کا بے نظیر ماہر فن تھا، خط نسخ، ثلث، تعلیق اور شکستہ میں بہت باکمال تھا، اس کے نامور تلامذہ میں میر ابوالحسن، قادر بخش، محمد اسماعیل، محمد تقی، منشی پچھمن سنگھ، کچھی رام، لالہ سکھ رام، منشی راؤ محبوب رائے تھے۔

(۲۱) نواب مرید خاں محمد صادق طباطبائی، محمد شاہی دور کے امیر تھے، خط شکستہ، تعلیق اور ثلث کے ماہر تھے، خط شکستہ کئی طرز سے لکھتے، خط ریحان وثلث میں کلام مجید کے کئی نسخے اور خط تعلیق و شکستہ میں گلستاں مطلا و مذہب ان کی یادگار تھے۔

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

(۲۲) قاضی عصمت اللہ خاں، شاہ عالم ثانی کے عہد کے ماہر خطاط تھے، خط نسخ میں تمام خطاطوں سے ممتاز تھے اور اس میں بڑی خوبصورت ایجادیں کی تھیں۔

(۲۳) میر ابوالحسن کلن، خط نسخ و نستعلیق میں ماہر تھے، اکبر شاہ ثانی کے ملازم تھے۔

(۲۴) مولوی غلام محمد دہلوی، عہد اکبر شاہ ثانی کے نامور ہفت قلم خطاط تھے، خط نسخ، نستعلیق، ثلث، شکستہ، ریحان اور شفیعہ ساتوں خطوں میں کمال پیدا کیا تھا، انھوں نے خوشنویسوں کے حالات و کمالات پر مبنی ایک تذکرہ بھی لکھا تھا، عظیم انشاپرداز اور شاعر بھی تھے۔

(۲۵) میر مہدی، خاندانی خوشنویس تھے، طغریٰ نویسی کے ماہر تھے۔

(۲۶) نواب عماد الملک، محمد احمد شاہ عالمگیر ثانی کے وزیر تھے، عربی و فارسی کے جید فاضل، شعر و ادب کے ماہر اور صاحب دیوان شاعر تھے، اعلیٰ درجہ کے خطاط تھے، نسخ و نستعلیق اور شکستہ میں ماہر تھے۔

(۲۷) محمد امیر رضوی پنجہ کش، اپنے دور کے بے مثل خوشنویس تھے، پنجہ کشی، مصوری، نقاشی، سنگ تراشی اور مختلف فنون و صنائع میں دستگاہ رکھتے تھے۔

(۲۸) مرزا عباد اللہ زمرد رقم، نستعلیق کے مشہور و مسلم الثبوت استاذ تھے۔

(۲۹) میر امام الدین، خط نسخ کے ماہر اور بہادر شاہ ظفر کے استاذ تھے، اپنے عہد میں سب سے اچھے خط نسخ لکھنے والے تھے۔

(۳۰) نواب تفضّل حسین، عربی و فارسی کے ماہر خط تعلیق اور شکستہ کے ماہر تھے، نواب سعادت علی خاں کے اتالیق تھے۔

(۳۱) میر عطا حسین تحسین، نوطرز مرصع کے مولف، خط نسخ، نستعلیق اور شفیعہ کے ماہر تھے۔

(۳۲) حافظ نور اللہ، نواب آصف الدولہ کے ملازم تھے، آقا عبدالرشید کے طرز خطاطی کے باکمال مقلد تھے، نور اللہ کے لکھے ہوئے قطعے موتیوں کے دام بکتے تھے، ان کے مشہور شاگرد ابراہیم حبشی، سرب سنگھ، محمد عباس تھے۔

(۳۳) مرزا محمد علی، اپنے دور کے خطاطی کے باکمال استاذ، خفی و جلی میں جادو رقم تھے، مرزا وزیر علی کے استاذ تھے۔

(۳۴) قاضی نعمت اللہ، مشہور خطاط تھے، لکھنؤ میں خوشنویسوں کے امام تھے، صدہا نامور شاگرد پیدا کیے۔

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

(۳۵) منشی عبداللطیف۔(۳۶)منشی اشرف علی۔(۳۷)منشی شمس الدین۔(۳۸)منشی ہادی علی۔(۳۹) میر جندہ علی مرتعش۔(۴۰) نواب احمد علی۔ (۴۱) شمس الدین اعجاز رقم۔(۴۲) دیبی پرشاد سحر بدایونی ولادت ۱۸۴۰ء جو شاعر اور ماہر خطاط تھا، فن خطاطی میں اس کی دو کتابیں ''نظم پرویں اور ارزنگ چیں'' بہت مشہور ہوئیں۔

عرب ایران کی خطاطی کے نمونے قرآن مجید، شاہنامہ، فردوسی، مثنوی مولانا روم، دیوان حافظ وغیرہ کے قدیم نسخوں شاہی عمارتوں، مقبروں، مسجدوں اور سکوں پر موجود ہیں، ہندوستانی خطاطی کے شاندار نمونے تاریخی آثار کے علاوہ ایشیا ٹک سوسائٹی کلکتہ، خدابخش لائبریری پٹنہ، سالار جنگ میوزیم حیدرآباد، آزاد لائبریری علی گڑھ اور بیرون ہند کے بعض کتب خانوں میں موجود ہیں۔

فن تحریر و خطاطی میں قوم مسلم نے ایک ہزار سال کے اندر جو بے نظیر ترقی کی اور اسے حسن و رعنائی کے ساتھ جو تنوع اور ہمہ گیری بخشی، ان سے پہلے اور نہ ان کے بعد ہی دنیا کی کوئی قوم ان سے آگے بڑھ سکی، اگرچہ یہ فن مسلمانوں سے صدہا برس پہلے دنیا کے مختلف علاقوں میں رواج پاچکا تھا اور اس نے تدریجی ارتقا کے مراحل بھی طے کیے، مگر مسلمانوں کی حیرت انگیز ایجاد و اختراع نے اس فن کو جس لطافت و پاکیزگی اور حسن و نفاست کی بلندیوں تک پہنچایا، دوسری قومیں اس کے گرد کو نہ پہنچ سکیں اور یہ فن مسلمانوں کے ساتھ مخصوص ہو کر رہ گیا، مسلمانوں نے اس فن کی ترقی کے ساتھ اس کے اصول اور قوانین بھی وضع کیے اور مستقل کتابیں لکھیں، قلم تراشی، روشنائی سازی، کاغذ سازی، آلات کتابت پر کتابیں لکھیں،

مسلمانوں میں فن خطاطی کی غیر معمولی ترقی کا سبب مذہب تھا، بعض حدیثوں میں جانداروں کی تصویریں بنانے سے منع کیا گیا ہے، اس لیے مصوری کا ذوق رکھنے والے لوگ حروف کی تزئین و آرائش کی جانب مائل ہوئے، چینی آرٹ اور مانوی مذہب نے بھی مسلم خطاطی کو متاثر کیا، اس کے جواب میں انھوں نے مسلم خطاطی کو پیش کیا اور زمانہ سلف کی تمام اقوام پر سبقت لے گئے، عربی حروف میں کچھ ایسا لوچ ہے، کہ تھوڑے ہی زمانہ میں اس کے ایک خط سے درجنوں خط اور سیکڑوں طرح کے آرائشی نقوش پیدا ہو گئے، یہ نقوش اتنے خوشنما تھے، کہ اہل یورپ عرصہ تک انھیں محض آرائش سمجھ کر اپنی مصنوعات پر نقل کرتے رہے۔(فن تحریر کی تاریخ ص ۲۱۳)

یہ خیال عام طور پر ظاہر کیا جاتا ہے، کہ اسلام نے چونکہ جاندار اشیا کی تمثیل اور مجسمہ سازی سے روک دیا تھا، اس لیے وہ لوگ جنھیں قدرت نے مصوری کا ملکہ ودیعت کیا تھا، انھوں نے اسے الفاظ و حروف کا نگارخانہ سجانے میں صرف کر دیا، حالانکہ یہ خیال کلی طور پر درست نہیں ہے۔

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

اسلامی تعلیمات کے فیض سے مسلمانوں کے اندر طلب علم وفن اوران کی ترقی واشاعت کا جو ہمہ گیراور بے مثال جذبہ پیدا ہوگیا تھا، اسے بروئے کارلاکر مسلمانوں نے نہ صرف دینی علوم وفنون کو ترقی دی، بلکہ اسلامی علوم وفنون کے علاوہ غیراقوام کے ہنروصنائع کی بھی ترقی میں کافی دلچسپی لی، فن خطاطی و تحریرانھیں میں سے ہے، جسے مسلمانوں نے اپنے مخصوص ذوق سلیم اور والہانہ تعلق کے ساتھ آسمان ترقی تک پہنچا دیا، ساتھ ہی ساتھ جب مسلمانوں کے اندر علوم وفنون کی ترقی کا آغاز ہوا، تو شرعی ممانعت کے باوجود کچھ ایسے مصور ابتداہی سے نظر آتے ہیں، جنھوں نے اپنے ذوق مصوری کی تسکین کے راستے پیدا کرلیے اورانھوں نے تمثیل سازی اور پیکر تراشی کے نمونے پیش کیے، اوراس فن کی سرپرستی مسلم حکمرانوں، امیروں اور اصحاب ثروت نے کی، عباسی خلفا، ایران وخراسان کے خودمختار سلاطین اندلس، سسلی اور بالخصوص ہند کے مغل حکمرانوں اوران کے ماتحت امراونوابین کی توجہ سے مصوری کو مسلم فنکاروں نے ترقی دی، چنانچہ مصر کے دارالآثار میں موجود کپڑوں، پردوں، برتنوں، سکوں اور بعض کتابوں پر جانداراشیا کی تصویروں اور بعض شاہی محلات پرنصب کیے ہوئے مجسموں سے یہ حقیقت اچھی طرح واضح ہوجاتی ہے کہ فن خطاطی کے ساتھ یہ فن بھی ترقی کررہا تھا اور مسلمان مصوروں کا ذوق مصوری فن تحریروکتابت میں تحلیل ہوکر ختم نہیں ہوا تھا۔

ایران اور ہندوستان میں تو اس فن نے بہت زیادہ ترقی کی، شاہی ملازمین میں خطاطوں کے ساتھ مصور، مجسمہ ساز بھی ہوا کرتے تھے، جو شاہی عمارتوں، ظروف، سکوں، پردوں، کتابوں پر اپنے فن کے نمونے ثبت کیا کرتے تھے، ان سے پتھر سونے، چاندی اور دیگر دھاتوں کے حسین مجسمے بھی بنوائے جاتے تھے، خود شاہی عہد کے خوبصورت مخطوطے جوفن خطاطی کا زندۂ جاوید شاہکار ہیں، ان میں سے بعض پر مناسب حال تصویریں بھی موجود ہیں، چنانچہ شاہنامہ فردوسی، داستان امیرحمزہ، مقامات حریری، مرزبان نامہ، آئین اکبری، اکبر نامہ، بابرنامہ، دیوان حافظ، جامع التواریخ، داراب نامہ وغیرہ کے بعض مصور نسخے خطاطی کے ساتھ مصوری کے بھی شاہکار ہیں، جو آج بھی موجود ہیں۔

مسلمانوں نے مجسمہ سازی اور مصوری کے فن کو نہ صرف باقی رکھا، بلکہ اپنے خاص ذوق اور اختراعی مزاج کی بدولت اس میں نئے تجربے بھی کیے، انھوں نے مجسموں کے اندر پانی کمانی اور ہوا کے ذریعہ عجیب وغریب تفنن بھی پیدا کیے، مسلم عہد کی تاریخوں میں اس نوع کے واقعات بکثرت پائے جاتے ہیں، اس عہد کی بعض گھڑیاں آج بھی موجود ہیں، گھنٹہ یا مقررہ وقت پورا ہونے پر چھوٹے مجسمے برآمد ہوکر

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ضرب لگاتے ہیں۔

مآخذ ومصادر

(۱)	الحدیث والمحدثون۔	محمد محمد ابوزہو
(۲)	تاریخ افکار وعلوم اسلامی ج ا۔	راغب الطباخ
(۳)	کتاب کی تاریخ۔	شایاں قدوائی
(۴)	فن تحریر کی تاریخ۔	محمد اسحاق صدیقی
(۵)	نگار، علوم اسلامی نمبر۔	نیاز فتح پوری
(۶)	تاریخ تمدن ہند۔	محمد مجیب
(۷)	گذشتہ لکھنؤ۔	عبدالحلیم شرر
(۸)	ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کے عہد کے تمدنی جلوے۔	صباح الدین
(۹)	تاریخ ادبیات ایران۔	شفق زادہ
(۱۰)	ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کے عہد کے تمدنی کارنامے۔	دارالمصنفین اعظم گڑھ
(۱۱)	ہندوستانی مصوری کا خاکہ۔	ترقی اردو بیورو دہلی
(۱۲)	ہندوستان کے زمانۂ قدیم ووسطی کے کتب خانے۔	بجلی کماردت

http://t.me/Tehqiqat

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

جون پور سے مبارک پور تک

شہاب الدین غوری نے شمالی ہند کی فتح کے بعد ہندوستان کا دارالسلطنت شہر دہلی کو بنایا، تو بلاد اسلامیہ کے قافلے پنجاب، ملتان کے علاقوں سے گزرتے ہوئے دہلی اور نواح دہلی میں آباد ہونے لگے، باہر سے آنے والوں میں علما و مشائخ اور اہل کمال حضرات کی تعداد بھی یک گونہ تھی، جس کے سبب جلد ہی دہلی اور نواح دہلی علم و فضل اور تبلیغ و اشاعت کا مرکز بن گیا، ان علمائے کرام و مشائخ عظام نے مذہب اسلام کی اشاعت و تبلیغ کے لیے اپنے دائرہ کار کو اسی علاقہ تک محدود نہیں رکھا، بلکہ وہ ہند کے طول و عرض میں پھیل گئے اور اشاعت اسلام میں مشغول ہو گئے، ان برگزیدہ شخصیتوں کا قافلہ مشرق کی جانب بھی بڑھا۔

اسلامی حکومت نے ہندوستان کے مختلف علاقوں میں اسلامی نوآبادیاں قائم کیں، ملکی و سیاسی مصلحتوں کے پیش نظر شہر اور قصبات آباد ہوئے اور وہ علما و مشائخ کے گہوارے بن گئے۔

مملوک، خلجی اور تغلق (١٢٠٦ء تا ١٣٩٨ء) سلاطین کے عہد میں بہت سے شہر اور قصبات آباد ہوئے، جن میں رنگ پور ٦٠٢ھ، کچ ٧٠٢ھ، دولت آباد ٧١٤ھ، شہاب آباد ٧١٤ھ، ظفر آباد ٧٢١ھ فیروز پور اپنی علمی صنعتی اور سیاسی اہمیتوں کے لحاظ سے ممتاز رہے، جنھیں خاص اسلامی تہذیب و تمدن کا نمونہ بنانے کی کوشش کی گئی۔

ان سلاطین نے اپنے مذہبی جذبات کے سبب ان علاقوں میں تبلیغ دین کے لیے مدرسے، خانقاہیں اور مسجدیں تعمیر کرائیں اور وہاں کے علما و فضلا کو بڑی بڑی جاگیریں عطا کیں، جس کے باعث یہ شہر علم و فضل کے مرکز بننے لگے، انھیں نوآباد شہروں میں شہر جونپور بھی ہے۔

شیراز ہند جونپور:۔ تغلق خاندان کے تیسرے فرماں روا سلطان فیروز شاہ تغلق ٧٥٢ھ/١٣٥١ء تا ٧٨٩ھ/١٣٨٧ء نے اپنی تخت نشینی کے بیسویں سال ٧٧٢ھ میں اپنے چچا زاد بھائی سلطان فخر الدین جونہ خاں کے نام پر شہر جونا پور کی بنیاد رکھی، جو کثرت استعمال کی وجہ سے جونپور ہو گیا، فیروز شاہ نے اس شہر کو اپنے مشرقی حصہ ولایت کا مرکز ہی نہیں بلکہ اسے دیار مشرق کا عظیم تر علمی و دینی مرکز بھی بنانا چاہا، جس نیک جذبہ کے تحت اس کی بنیاد رکھی گئی تھی، آنے والے سلاطین نے اسے ہمیشہ ترقی دی، جس کے نتیجہ میں اس

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

شہر کو شیراز ہند کہا جانے لگا۔

فیروز شاہ تغلق ۷۵۲ھ ۱۳۳۱ء تا ۷۸۹ھ ۱۳۸۸ء:۔ فیروز شاہ کا دور حکومت ہندوستانی سلاطین کی تاریخ جہانبانی میں آسودگی، خوش حالی اور امن وامان کے اعتبار سے بڑی اہمیت رکھتا ہے، فیروز شاہ، محمد بن تغلق کے برخلاف انتہائی سنجیدہ نرم مزاج اور رحم دل انسان تھا، جس کی حکومت کا بنیادی مقصد انسانی فلاح و بہبود تھا، ڈاکٹر ایشوری پرساد نے لکھا ہے۔

''اس کی بنیادی باتوں میں انسانیت کے اچھے پہلو زیادہ نمایاں کیے گئے، یعنی اس کی سیاست میں نرمی لطف وکرم ورحم دلی غالب رہی۔(بحوالہ عہد وسطیٰ کی ایک ایک جھلک ص ۲۶۳)

فیروز شاہ کی تعلیم وتربیت اس کے دادا سلطان غیاث الدین تغلق غازی ملک کے زیر سایہ ہوئی تھی، جس کے باعث غازی ملک کے پاکیزہ اخلاق اور علمی ذوق کا بھرپور اثر اس کی شخصیت پر پڑا تھا، اس کے اندر مذہبی جذبات اور علمی مذاق کی فراوانی تھی، وہ علما و مشائخ سے بے حد عقیدت ومحبت رکھتا تھا، چنانچہ وہ خود فتوحات فیروز شاہی میں لکھتا ہے۔

''بعنایت حق تواضع فقرا و مساکین واستمالت قلوب ایشاں دردل ما تمکن یافت تا ہر جا کہ فقیرے و گوشہ نشینے یافتم برائے ملاقات او قدم زدیم وبدعائے استمداد نمودیم تا فضیلت نعم الامیر لباب الفقیر (علی باب الفقیر) اکتساب کردہ شود''(فتوحات فیروز شاہی ص ۱۷)

اس نے اپنے عہد کے علما و مشائخ پر کرم ومہربانی کی ایسی بارش کی، کہ وہ عیش وآرام کی زندگی بسر کرنے لگے، ضیاء الدین برنی نے تاریخ فیروز شاہی میں لکھا ہے۔

''بیشترے از طوائف مذکور کفش درست نداشتند از مراحم سلطان فیروز شاہی جامہائے لطیف می پوشند و براچان چیدہ سواری شوند و بیشتر درعلوم دین وتعلیم احکام شرع مشغول می باشند''(تاریخ فیروز شاہی برنی ص ۵۵۹)

اس دور کے مشاہیر علما و مشائخ میں حضرت نصیر الدین چراغ دہلوی علیہ الرحمہ، شیخ صدر الدین نبیرہ شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی علیہما الرحمہ کافی مشہور ہیں، فیروز خود بھی عالم تھا، اسے علوم دینیہ سے کافی شغف تھا، بالخصوص اسے فقہ سے بہت دلچسپی تھی۔

''اکثر کتب فقیہ از ہدایت آنہا باستماع رسیدہ''(سیرت فیروز شاہی ص ۱۵۱)

اس نے فقہ کی تدریس میں بھی گہری دلچسپی لی، فتاویٰ فیروز شاہی اس کے اشارہ وایما پر ترتیب دی گئی۔

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

مذہبی علوم سے ذاتی شغف ہی کے سبب جب اس نے ۲۷۷ھ میں سیاسی مصالح کے پیش نظر شہر جونپور آباد کیا، تو اپنے ولی عہد فتح خاں کو وہاں کا حاکم مقرر کیا اور اسے ملک پورب کی زمام اقتدار سونپی، تو مولانا علاء الدین دہلوی کو چار سو طالبان علم کے ساتھ بڑی عزت و احترام کے ساتھ جونپور روانہ کیا اور انھیں ملک مشرق کا علمی تاجدار بنایا۔

ایک طرف تو فتح خاں نے جونپور کو سیاسی مرکز بنایا، تو دوسری طرف مولانا نے اپنے علمی کارناموں سے اس علاقہ کو علمی مرکز بنا دیا، جو صدہا سال تک علما و مشائخ اور طالبان علم کا مرجع رہا، جس کی علمی شہرت حدود ہند سے نکل کر تمام ممالک اسلامیہ میں پھیلی۔

فیروز شاہی دور میں مولانا علاء الدین دہلوی کی علمی سرگرمیوں کے سبب جو علمی عروج جونپور کو حاصل ہوا، اس کا اندازہ صاحب تذکرۃ العلما کی تحریر سے بخوبی کیا جا سکتا ہے۔

درانذک ایام از یمنِ قدوم مولانا چہل و چہار مدرسہ در شہر جون پور وحوالی آں از مدرساں و طالبان علم آراستہ شد (ص ۱۰)

سلاطین شرقیہ:۔ آخری تغلق فرمانروا سلطان محمود تغلق نے اپنے وزیر اعظم خواجہ جہاں کو سلطان الشرق کا خطاب عطا کر کے ۷۹۶ھ میں مشرقی ہند کی عملداری سونپ کر جونپور بھیجا، خواجہ جہاں انتہائی ہوشیار، مدبر اور باحوصلہ امیر تھا، اس نے دلی کی مرکزی سلطنت کی زبوں حالی کا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا، وہ سمجھ رہا تھا، کہ تغلق خاندان کی حکومت کا چراغ جلد ہی گل ہونے والا ہے، اس لیے اس نے جونپور پہنچتے ہی اپنی فوجی طاقت کو مضبوط بنانا شروع کیا، آخر وہ دن آ ہی گیا، جب خواجہ جہاں نے سلطان الشرق کے نام سے تخت جونپور پر بیٹھ کر اپنی خود مختار سلطنت کا اعلان کر دیا، قنوج، ترہت، بہار، اودھ کے تمام علاقوں پر قبضہ جما کر کے حکومت کی سرحدیں دور دور تک پھیلا دیں، اسی زمانہ میں امیر تیمور لنگ نے ۱۳۹۸ء میں ہندوستان کی جانب رخ کیا اور طوفانی حملوں سے پنجاب، ملتان کے علاقوں کو تباہ کرتا ہوا دہلی پہنچا، تغلق حکومت تقریباً دم توڑ چکی تھی، تیمور نے اپنی سفا کی کا بھرپور مظاہرہ کیا، دلی کو بری طرح تاخت و تاراج کر کے لوٹا، تیمور کی تباہ کاریوں کا اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے، کہ تقریباً نصف صدی تک اس کے مضر اثرات قائم رہے۔

دہلی کی مرکزی حکومت کی ابتری سے خواجہ جہاں نے بھرپور فائدہ اٹھایا تھا، اس نے حملۂ تیمور کے بعد بے خوف و خطر حکومت کے استحکام میں اپنی توجہ صرف کر کے جونپور کی سلطنت کو وسیع، عظیم اور مضبوط بنا دیا تھا، جو ہندوستان کی ساری خود مختار حکومتوں میں امتیازی شان کی مالک تھی۔

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

خواجہ جہاں کے بعد اس کے جانشین شرقی سلاطین نے پورے کروفر اور تزک و احتشام کے ساتھ فرمانروائی کی، ان سلاطین کے عزائم اور حوصلے اتنے بڑھے ہوئے تھے، کہ انھوں نے کئی بار دہلی کو فتح کرنے کی کوشش کی، سلطان الشرق جہاں ملکی سیاست اور نظم سلطنت کا مرد میدان تھا، وہیں علم وفضل کا دلدادہ بھی تھا، چنانچہ وہ ملک العلما حضرت مولانا شرف الدین لاہوری علیہ الرحمہ متوفی ۸۰۸ھ کو بھی دہلی سے اپنے ہمراہ جونپور لایا تھا اور ان کے لیے خانقاہ، مدرسہ، مسجد تعمیر کرائی، جہاں وہ برسہا برس تک درس و تدریس کے کاموں میں مشغول رہے اور اس شہر کی علمی رونق میں اضافہ کرتے رہے، خواجہ جہاں کے بعد شرقی سلاطین میں حسب ذیل بادشاہ گزرے ہیں۔

(۱) سلطان مبارک شاہ شرقی ۸۰۲ھ تا ۸۰۴ھ

(۲) سلطان ابراہیم شاہ شرقی ۸۰۴ھ ۱۴۰۰ء تا ۸۴۴ھ ۱۴۴۰ء

(۳) سلطان محمود شاہ شرقی ۸۴۴ھ ۱۴۴۰ء تا ۸۶۲ھ ۱۴۵۷ء

(۴) سلطان حسین شاہ شرقی ۸۶۳ھ ۱۴۵۷ء تا ۸۸۱ھ ۱۴۷۴ء

سلطان ابراہیم شرقی:۔ سلطان مبارک شاہ شرقی کی وفات کے بعد امرائے جونپور نے ابراہیم شرقی کو تخت حکومت پر بٹھایا، اس بادشاہ کو چالیس سال کا طویل عرصہ حکومت کے لیے میسر آیا، اس نے خواجہ جہاں کی قائم کردہ حکومت کو خوب خوب فروغ دیا اور اس حکومت کو استحکام، امن و امان اور خوش حالی کی دولت سے نوازا، چونکہ دہلی پر تیموری حملہ کے بعد سید خاندان کی حکومت قائم ہوئی، جو ہر اعتبار سے ہندوستان کی سب سے ناکام اور بے اثر حکومت تھی، دلی کی مرکزی حکومت کی شکستہ حالی سے ابراہیم شرقی کو اپنی حکومت کے فروغ دینے میں کافی مدد ملی اور مرکزی حکومت کی کمزوری کے باعث وہ بے خوف وخطر حکومت کرتا رہا، اس بلند حوصلہ بادشاہ نے کئی بار فتح دہلی کا عزم بھی کیا اور ایک بار دہلی کا محاصرہ بھی کر لیا ،لیکن اسے فتح نہ کر سکا۔

تیموری حملہ کے بعد دہلی کے علما و مشائخ نے پورب کا رخ کیا اور ان میں سے اکثر نے جونپور کی شرقی حکومت کے سایۂ کرم میں سکونت اختیار کر لی تھی، ابراہیم شاہ شرقی کی علما نوازی اور علم دوستی نے بڑی خندہ پیشانی سے ان کا استقبال کیا، جس کے سبب نہ صرف دہلی بلکہ پنجاب، ملتان، سندھ، نیز دیگر بلاد اسلامیہ کے علما وفقہا و مشائخ، صوفیا جونپور تشریف لائے اور اپنے روحانی و علمی فیوض سے نوازا۔

طبقات اکبری کے مصنف نے لکھا ہے۔

''علما و بزرگان کہ از آشوب جہاں پریشاں خاطر بودند بجونپور کہ دراں ایام دارالامان بود سربہ

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

آوردندوآں دارالسلطنت ازمرقدوم علما دارالعلم گردید'' (ص ۵۲۹)

تاریخ فرشتہ میں ہے۔

''امابشاہے بودمتصف بہ عقل ودانش وتدبیرواثروے فضلائے ممالک ہندوستان ودانشوران ایران وتوران کہ از آشوب جہاں پریشاں خاطر بودند بدارالامان جونپور آمدہ درعہد امن واماں غنودندواز خوان احسان اونوالہابرداشتہ بنام نامی او چندیں کتب ورسائل پرداختند امراووزراصاحب عقل وسیات و شجاعت دردولت خانہ اوجمع شدہ مثل درگاہ سلاطین ایران رنگین گردید'' (تاریخ فرشتہ جلد ۲ ص ۲۰۵)

فاضل مورخین کے ان بیانات کی روشنی میں ابراہیم شرقی کے عہد کا جونپور اپنی پوری رعنائیوں کے ساتھ نگاہوں کے سامنے آجاتا ہے اور حقیقت یہ ہے، کہ اس شیراز ہند کی علمی حیثیت اور وقار اسی بادشاہ کی علم دوستی اور علما نوازی کی مرہون منت تھی۔

ابراہیم شاہ شرقی کے بعد چند اور سلاطین ہوئے، لیکن انھوں نے اپنی نااہلی اور غرور ونخوت کے باعث شرقی سلطنت کو زوال سے ہم آغوش کردیا، لیکن اس زوال پذیر دور میں بھی جونپور کی علمی فضا بدستور قائم رہی۔

اس پورے دور میں علما ومشائخ کی عظیم جماعت سرزمین جونپور میں آباد ہوئی اور ان کی علمی وروحانی درسگاہوں سے لاکھوں تشنگان علم وفضل نے آسودگی پائی، اس دور کے علما ومشائخ کی تعداد شمار سے باہر ہے، ذیل میں چند علما ومشائخ کے اسمائے گرامی دیے جاتے ہیں، جنھوں نے اپنے علمی کارناموں سے ہمہ گیر شہرت ومقبولیت حاصل کی۔

(۱) مولانا شرف الدین لاہوری
(۲) مولانا قاضی شہاب الدین دولت آبادی المتوفی ۸۲۰ھ
(۳) نورالدین بن ابی محمد بن مخدوم سید اسد الدین المتوفی ۸۲۶ھ
(۴) قطب الدین ابوالغیب المتوفی ۸۶۹ھ
(۵) ملا شیخ عبدالملک عادل فاروقی ۸۹۷ھ
(۶) شیخ محمد عیسیٰ قاضی سماء الدین ۸۸۳ھ
(۷) ملا علاء الدین عطا شاہ ابوالفتح جونپوری ۸۵۸ھ
(۸) قاضی نصیرالدین ۸۷۰ھ

لودی سلاطین:۔ جونپور کا آخری سلطان حسین شاہ شرقی نسبتاً نااہل مغرور تھا، جس نے کئی بار فتح

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

دہلی کا عزم کیا، لیکن سلطان بہلول لودی نے اسے ہر بار شکستیں دیں، بالآخر ۸۸۲ھ ۱۴۷۷ء میں سلطان الشرق کی قائم کردہ سلطنت جونپور کا خاتمہ ہو گیا اور یہ حکومت جو ۷۹۶ھ میں دہلی کی مرکزی حکومت سے الگ ہوئی تھی، ۸۸۲ھ میں دوبارہ شامل ہو گئی، اس طرح شیراز ہند کی علمی فضا شرقی سلاطین کی سرپرستی سے محروم ہو گئی، لیکن اس دیار علمی کی خوش بختی تھی، کہ اسے شرقیوں جیسے ہی علم نواز بادشاہ ملے۔

بہلول لودی نے دلی کی نام نہاد سید حکومت کا خاتمہ ۸۵۵ھ ۱۴۵۱ء میں کر کے دہلی میں شاندار اور مضبوط حکومت قائم کی، پروفیسر ایس رما سوامی نے اس کے عہد حکومت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے۔

''بہلول نے دہلی کی عظمت اور اسلام کی شوکت کچھ عرصہ تک پھر سے قائم کردی'' (بحوالہ عہد وسطی کی ایک ایک جھلک ص ۲۸۴)

بہلول لودی نیک دل، انصاف پسند اور دیندار حکمراں گزرا ہے، تاریخ داؤدی کا مصنف لکھتا ہے۔

''علم و کرم جبلی در سرداشت بظاہر آراستہ بہ شریعت و بہ متابعت آں کمال تقید داشت در کل احوال سلوک بر مسالک شریعت نمودے و بخلاف شریعت ہرگز بکار دست نہ زدے'' (تاریخ داؤدی ص ۱۰۰)

تاریخ فرشتہ میں ہے۔

''درحضر و سفر علما و مشائخ صحبت داشتے و اکثر اوقات بایشان بسر بردے'' (جلد ا ص ۱۷۹)

ان اقتباسات سے بہلول لودی کی علم دوستی اور دینداری کا اندازہ ہوتا ہے۔

علم دوستی اور علما و مشائخ سے گہری عقیدت ہی کا نتیجہ تھا، کہ جب اس نے شرقی سلطنت کا خاتمہ کیا، تو وہاں کی علمی مجلسوں کو درہم برہم نہ ہونے دیا، بلکہ شرقی سلاطین کی طرح اس کی سرپرستی کی اور یہ علمی مرکز اپنی سابقہ روایات پر قائم رہا۔

سکندر لودی:۔ بہلول لودی کے بعد اس کا بیٹا سکندر لودی (۸۹۴ھ ۱۴۸۸ء تا ۹۲۳ھ ۱۵۱۷ء) سریر آرائے سلطنت ہوا، سکندر لودی خود بھی عالم، فاضل اور علم و علما کا زبردست قدرداں گزرا ہے، اس نے تیمور کے ہاتھوں دہلی کی درہم برہم ہونے والی مجلس علمی کو دوبارہ سجایا، اس کے عہد حکومت میں ممالک اسلامیہ کے بہت سے باکمال علما و فضلا دہلی میں آکر آباد ہوئے، چنانچہ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی

http://t.me/Tehqiqat

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

علیہ الرحمہ رقمطراز ہیں۔

''بسیارے از اکابر علما از اطراف و اکناف عالم واز عرب وعجم دراں زماں تشریف آوردہ دریں دیار توطن فرمودند'' (اخبار الاخیار شیخ محدث دہلوی ص ۲۲۰)

اس کے علمی شغف کا یہ عالم تھا، کہ رات کو ستر عالم اس کی خواب گاہ میں بیٹھ جاتے اور وہ ان سے مسائل دریافت کرتا رہتا تھا، اس نے پوری سختی سے اسلامی قوانین کو اپنے عہد حکومت میں نافذ کرنے کی کوشش کی، نظم سلطنت میں شریعت محمدیہ کا مکمل لحاظ رکھا اور اسلامی نظم مساوات کو برتنے کی کوشش کی۔

پروفیسر اشیر بادی سریواستو (آگرہ یونیورسٹی) نے لکھا ہے۔

''سلطان سکندر لودی سلطنت کے ضبط ونظم میں صرف سخت ہی نہ تھا، بلکہ اسلامی معیار کے مطابق سب کے ساتھ مساویانہ طور پر عدل وانصاف کو راہ دیا'' (بحوالہ عہد وسطی کی ایک ایک جھلک ص ۲۸۹)

شیخ محدث دہلوی علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں۔

''بالحقیقت محامد زماں سلطنت آں سلطان سعادت نشاں از حد تحریر وتقریر خارج ایست'' (اخبار الاخیار بحوالہ سلاطین دہلی)

سکندر لودی کی توجہ خاص نے دہلی کی تباہ شدہ علمی مجلسوں کو از سرنو رونق بخشی اور جونپور مرکز فضل وکمال کو بھی نوازا، اس کے زمانہ میں اس دیار علم وفضل کو کافی شہرت حاصل ہوئی، لودی سلطنت کا خاتمہ ابراہیم لودی کے زمانہ میں شہنشاہ بابر کے ہاتھوں ہوا۔

لودی سلاطین نے نہ صرف دہلی کو گہوارۂ علم بنایا، بلکہ اپنی علم دوستی اور علما نوازی کے باعث شیراز ہند جونپور کی رونق کو باقی رکھا، شرقی بساط سلطنت کے الٹنے کے باوجود وہاں کی درس گاہیں حسب سابق طالبان علم کا مرجع رہیں اور اس کی شہرت کا ڈنکا ساری دنیائے علم وادب میں بجتا رہا اور اس کے علما ومدارس دوسروں کے لیے نمونہ بن گئے، چنانچہ جب نصیر الدین ہمایوں ۹۴۷ھ ۱۵۴۰ء میں اپنی حکومت کھو کر بے سروسامانی کے عالم میں شاہ ایران طہماسپ سے فوجی امداد حاصل کرنے کے لیے ایران پہنچا، تو شاہ ایران نے پہلی ہی ملاقات میں شیراز ہند کا ذکر چھیڑا۔

''شہنشاہ ایران طہماسپ از سلطان الہند ہمایوں در نخستیں ملاقات از فضلائے جون پور پرسید و بادراک کثرت وافر علمائے دراں دیار برو برائی شیراز متحیر گردیدہ ہماں روز کار پردازان سلطنت جہت تاسیس مدارس شیراز وتنظیم وتوقیر علمائے آں شہر فرمان داد (تذکرۃ العلما ص ۴)

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

لودی سلاطین کے عہد حکومت میں مشاہیر علمائے جونپور جنھوں نے اپنے کارناموں سے دنیائے علم وفن میں جونپور کی عظمت بڑھائی، ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔

(۱) مولانا الہ داد جونپوری

(۲) مولانا حسین بن طاہر جونپوری متوفی ۹۰۹ھ

(۳) مولانا بہاء الدین عمر جونپوری متوفی ۹۱۱ھ

(۴) شیخ نصیر الدین بن قلندر سمرقندی جونپوری متوفی ۹۱۵ھ

(۵) مولانا عبداللہ بن مولانا الہ داد جونپوری

سلاطین مغلیہ:۔ ہندوستان میں مغلیہ سلطنت کے موسس اول شہنشاہ بابر نے آخری لودی سلطان ابراہیم لودی کو پانی پت کے میدان میں شکست دے کر ۱۵۲۶ء میں لودی سلطنت کا خاتمہ کر کے دہلی اور شمالی ہند کے مختلف حصوں پر مغل سلطنت قائم کر لی تھی۔

ظہیر الدین بابر نہ صرف ایک عدیم المثال، عظیم المرتبت فاتح اولوالعزم بادشاہ تھا، بلکہ ارباب بصیرت نے اس کو ایک بلند پایہ اہل قلم اور قابل قدر شاعر تسلیم کیا ہے۔(بزم تیموریہ ص ا)

شہنشاہ بابر کو موت نے اتنی فرصت نہ دی، کہ وہ ہندوستان میں مغلیہ سلطنت کو پائیداری عطا کرتا اور علم وفضل کی شمعیں روشن کرتا۔

بابر کی موت کے بعد اس کا سب سے بڑا بیٹا نصیر الدین ہمایوں مغلیہ سلطنت کے تاج وتخت کا مالک بنا، لیکن ابتدائے عہد میں اس کی چند سیاسی غلطیوں نے اس کی حکومت کی بنیادوں کو متزلزل کر دیا، گجرات اور بہار کے حاکموں اور بھائیوں کی مسلسل شورشوں نے بالآخر اس کی حکومت کا خاتمہ کر ڈالا اور شیر شاہ سوری نے ہمایوں کو ہندوستان سے باہر نکال کر دوبارہ افغان سلطنت قائم کر لی، شیر شاہ زبردست بہادر، بے مثال سیاست داں اور بے نظیر منتظم ہونے کے ساتھ ساتھ عالم دین تھا، اس نے جونپور کی فضائے علم وفضل میں تعلیم حاصل کی تھی، وہ عادل، رعایا پرور، نرم دل اور نیک سیرت بادشاہ تھا، اس نے ملکی اصلاحات کے ساتھ ساتھ علوم دینیہ کے فروغ کے لیے بھی کام کیے۔

ہمایوں میں بابر ہی کی طرح حوصلہ مندی اور شجاعت کے جوہر تھے، چنانچہ اس نے ۱۵۵۵ء میں شاہ ایران کی مدد سے دہلی کو فتح کر لیا اور دوبارہ مغل سلطنت قائم کی، ہمایوں کو بھی موت نے اتنا موقع نہ دیا، کہ وہ نئی حکومت کو مستحکم بنائے یا علم وفضل کی بزم آرائی کر سکے۔

ہمایوں جس طرح مجاہدانہ اولوالعزمی، بہادری اور شجاعت کا پیکر تھا، اسی طرح وہ علم وادب کا

http://t.me/Tehqiqat

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

دلدادہ وشیدائی اور علما و فضلا کا قدر داں تھا۔

''درصحبت آں مقتدائے جہاں ہمہ وقت فضلا وعلما واکابر بودند ہمہ از اول شب تا بصبح بصحبت می گذشت''(طبقات اکبری بحوالہ بزم تیموریہ ص ۸)

ہمایوں کے بعد اکبر مغلیہ سلطنت کے تاج وتخت کا مالک بنا، وہ خود تو جاہل تھا، مگر علم وادب کا قدرداں ضرور تھا، اگر اس کے اعتقادات ضلالت وگمراہی سے محفوظ رہتے تو یقیناً اسلامی علوم وفنون کو اس کے دور میں کافی ترقی ہوتی، اس کے جانشین جہانگیر نے بھی اس طرف کوئی خاص توجہ نہ دی۔

شاہجہاں:۔ مغل سلاطین میں شاہ جہاں اپنی عظمت و رفعت کے اعتبار سے کسی طرح اپنے ماسبق سلاطین دہلی سے کم نہ تھا وہ پابند شرع، دیندار، عادل تھا، وہ خود بھی عالم اور علم نواز تھا، اس نے اکبر کے عہد کی بہت سے بدعات اور مشرکانہ رسومات سلطنت کو ختم کیا اور قوانین حکومت کو اسلامی شریعت کے قریب لانے کی کوشش کی۔

اس کا دل دینی جذبات سے معمور تھا، وہ اپنے حدود سلطنت میں اسلام کی سربلندی اور عظمت دیکھنا چاہتا تھا، دہلی، آگرہ، اجمیر، لاہور اور دیگر بلاد ہند میں اس کی بنوائی ہوئی شاندار مسجدیں اس کا واضح ثبوت ہیں، شاہجہاں کی حکومت کے بارے میں مآثر الکرام کے مصنف نے لکھا ہے۔

''شبستان ہندرا از سرنو پرتو چراغ شریعت محمدی آگیں ساختہ (ص ۳۲۱)

شاہجہان کے جذبہ ایمان اور بیکراں علمی شغف کا لازمی تقاضا تھا، کہ وہ علم وعلما کی سرپرستی کرتا، چنانچہ اس نے شیراز ہند جونپور کے مرکز علمی کو فروغ دینے کے لیے خصوصی توجہ دی اور اسے ہند کے اس علاقہ پر بڑا ناز تھا، وہ فخریہ کہا کرتا تھا ''پورب شیراز ما است''

اورنگ زیب عالمگیر:۔ شاہجہاں کے بعد شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر علیہ الرحمہ ۱۰۶۸ھ میں مغلیہ سلطنت کے تخت پر رونق افروز ہوئے اور انھوں نے تمام سابق سلاطین مغلیہ کے غیر اسلامی انداز حکومت کو بدل کر اسلامی رنگ میں ڈھالا، وہ زبردست عالم، بے مثل عابد وزاہد، بے نظیر جرأت وشجاعت اور بیکراں تدبیر جہانبانی سے متصف تھے، انتظام حکومت کے علاوہ سارے اوقات یاد الٰہی اور کتب علمی کے مطالعہ میں گزرتے تھے، زمانہ شاہزادگی ہی سے ان کا طبعی رجحان زہد واتقا اور علم وفضل کی طرف تھا، وہ اپنی حکومت کو شریعت کے مطابق چلانا چاہتے تھے، علوم اسلامی سے تعلق کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے، کہ انھوں نے اپنے عہد کے متبحر اور جید علما کو جمع کرکے فقہ حنفی کی مشہور زمانہ کتاب فتاویٰ عالمگیری کو مرتب کرایا۔

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

جونپور کا علمی ماحول حضرت عالمگیر علیہ الرحمہ کی توجہ خاص سے شرقی سلاطین کے عہد سے آگے بڑھ گیا تھا، تذکرۃ العلما کے مصنف نے ایک جگہ لکھا ہے۔

''عالمگیر بادشاہ خود عالم باعمل و عامل باعلم بود قدر دانی علما بیش از بیش نمود واز عہد شاہزادگی منظور داشت تا جونپور مثل سلاطین شرقیہ از کثرت فضلا ومشائخ وانبوہ وہجوم طلبہ علوم وکاسبان فیوض رونق پذیر باشد''

آگے چل کر لکھتے ہیں۔

''القصہ درعہد آنحضرت نمونہ گلزار ارم شدہ وتمام شہر وقصبات ونواحی آں مدرسہائے قدیم تا سیس یافتند وبسے خانقاہ ومدرسہ تعمیر جدید شدند'' (تذکرۃ العلماص ۵۱)

مذکورہ بالا اقتباس سے عہد عالمگیری میں جونپور کی شان وشوکت علمی کا اندازہ کیا جاسکتا ہے، عالمگیر کے بعد تقریباً سو سال تک مغل سلطنت قائم رہی، لیکن اس کے تقریباً سارے حکمراں نااہل، کمزور اور تعیش پسند ہوئے، جس کے سبب مغلیہ حکومت کا روشن چراغ جس کی روشنی پورے برصغیر ہند پر پھیلی ہوئی تھی، صرف لال قلعہ کی فانوس تک محدود ہوکر رہ گئی، بالآخر اسے بھی انگریزی سامراج کے ایک معمولی سے جھونکے نے گل کردیا۔

مغل سلاطین کے پورے عہد حکومت میں جونپور کو علمی مرکزیت حاصل رہی، شاہجہاں اور اورنگ زیب کی خصوصی توجہ نے اس کی شمع علم کی لو تیز سے تیز تر کردی تھی، اس پورے دور میں جو علمائے جونپور مسند تدریس کی زینت بنے یا جن کے قلم نے گرانقدر مصنفات چھوڑیں، ان کی تعداد شمار سے باہر ہے، اس جگہ ان میں چند اکابر علما وفضلا کے اسمائے گرامی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

(۱) مولانا شمس نور جونپوری ۱۰۴۷ھ

(۲) استاذ الملک علامہ افضل جونپوری ۱۰۶۲ھ

(۳) شیخ مصطفےٰ جونپوری

(۴) مولانا ابوالخیر جونپوری

(۵) دیوان محمد رشید جونپوری ۱۰۸۳ھ

(۶) ملا محمود جونپوری ۱۰۶۳ھ

(۷) مفتی محمد صادق بن مفتی ابوالبقا جونپوری

(۸) مولانا احمد بن ابوسعید (ملا جیون)

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

(۹) قاضی حبیب اللہ جونپوری ۱۱۰۵ھ

(۱۰) قاضی عبدالصمد جونپوری

(۱۱) قاضی محمد حسین جونپوری ۱۱۷۷ھ

(۱۲) مفتی مبارک بن مفتی ابوالبقا جونپوری ۱۰۹۸ھ

(۱۳) مولانا شکرانہ جنیدی جونپوری ۱۱۲۵ھ

مختصر جائزہ:۔ ۷۷۲ھ سے لے کر ۱۱۵۰ھ تک شہر جونپور نے مختلف حکمراں وسلاطین کے دور دیکھے، اس دوران جونپور کی بساط سلطنت بار ہا انقلاب روزگار کے ہاتھ پلٹتی رہی، تغلق شرقی، لودی اور مغل خاندانوں کے بادشاہوں کے ہاتھ میں علاقہ آتا جاتا رہا، سیاسی، ملکی اعتبار سے ہمیشہ ہی زبردست ردوبدل ہوتے رہے، حکمرانوں کے ہاتھوں سے اقتدار کی باگ ڈور چھنتی رہی، ان کے محلات ویران ہوتے رہے، ان کی بزم عیش وطرب درہم برہم ہوتی رہی مگر جونپور کی بزم علم ہمیشہ بارونق رہی، اس کا علمی وقار ہر دور میں قائم رہا، یہاں کے علما وفضلا ملک کی ساری سردوگرم سیاست، خونریز انقلابات اور دہشت انگیز فضا و ماحول سے بے پرواہوکر اپنے علمی مشاغل میں منہمک رہے، یہ چمن زار علم لیل ونہار کی صدہا گردشوں اور بدلتے ہوئے موسموں میں بھی سدابہار رہا، اس کے گل وغنچے دست گل چیں سے بے خوف رہ کر مہکتے اور مسکراتے رہے، یہاں کی شمع علم حوادث کے تیز وتند جھونکوں میں بھی پوری تابانی کے ساتھ روشن رہی اور اپنے انوار وتجلیات سے برصغیر ہند کوروشن ومنور کرتی رہی۔

جس مرکز علمی کی بنیاد مولانا بہاء الدین دہلوی کے ہاتھوں پڑی، جسے مولانا شرف الدین لاہوری نے اپنی مساعی جمیلہ سے پروان چڑھایا، جسے شرقی سلاطین کی نوازشوں نے عروج بخشا، اس کو لودی سلاطین کی ہمدردیاں بھی حاصل رہیں اور مغل سلاطین نے اس کی ترقی اور عروج کو اپنا مقصد قراردے کر نہ صرف جونپور ہی بلکہ نواح جونپور کو بھی عظیم تر علمی مرکز بنادیا اور شہر شہر قریہ قریہ مدارس کی کثرت اور اہل علم کی فراوانی ہوگئی۔

ملک وبیرون ملک سے طالبان علم کے قافلے اس علاقہ میں آتے اور اپنے دامن کوعلم کی دولت لازوال سے بھر کر جاتے۔

یہ شہر اسلامی علوم وفنون کا بے مثال مرکز اور علما وفضلا کا مستقر تھا، جس کی علمی فضا اور یہاں کے علما پر ہندوستان بجاطور پر فخر وناز کرسکتا تھا، اس خاک سے پیدا ہونے والے علما فخر روزگار ہوتے تھے، اس مطلع علم وفضل پر چمکنے والے ستارے اپنے اندروہ جاذبیت اور کشش رکھتے تھے، جوقدردان علم وفضل کو اپنی

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

طرف کھینچ لیتی تھی۔

جونپور کا علمی انحطاط:۔ سلطان اورنگ زیب عالمگیر علیہ الرحمہ کے بعد سلطنت مغلیہ کو کوئی ایسا لائق اور عظیم بادشاہ نہ مل سکا، جو عالمگیر کی عظیم الشان حکومت کو سنبھال سکتا، مغل سلاطین کی تعیش پسندی اور نا اہلی کے باعث ملک میں انتشار وافتراق کا ماحول، بغاوتوں وفتنوں کی فضا عام ہوگئی، سلطنت دہلی کے ایک ایک صوبے مرکز سے آزاد ہونے لگے، مرکزی حکومت کی کمزوری سے اندرونی اور بیرونی باغیوں اور حملہ آوروں کے حوصلے بڑھ گئے اور انھوں نے قتل وخونریزی لوٹ کھسوٹ کا بازار گرم کردیا، دارالسلطنت دہلی پر ہر وقت خطرات کے بادل منڈلاتے رہتے تھے، اعیان سلطنت کی باہمی رسہ کشی نے دلی سلطنت کے وقار کو اور بھی مجروح کردیا۔

محمد شاہ رنگیلے کے زمانہ میں نادر شاہ نے دلی کو لوٹ کر اس کی ساری عظمت خاک میں ملادی، نادر شاہ درانی کی قتل وغارت گری کے چشم دید واقعات اہل قلم رائے آنند رام مخلص اس طرح لکھتے ہیں۔

صبحدم کہ عبارت از یازدہم ذی الحجاز موقف جلال شاہی حکم قتل عام شد قیامتے قائم گردید در یک آن واحد کار جہاں تمام شد سرتاسر آراستہ از چاندنی چوک وکٹرہ بازار بہ گرد پیش مسجد جامع از بسکہ آتش کشیدند بخاک سیاہ برابر گشت سکنہ قتل وغارت عام کہ یک قلم بہ تیغ کشتند چہ گویم کہ چہ قیامت گذشت...... ہر کس از قتل وغارت بر باد رفتہ غرض ناموس ہر چہ گذشت تا روز گار طویل کوچہ ہائے شہر کہ از کوچہ باغ ہائے کہن نہ داشت مردہ زار بود شہر دشت آتش کشیدہ برابر خاک سیاہ گردید (وقائع آنند رام، بحوالہ دلی کا دبستان شاعری ص ۵)

نادر شاہی حملہ نے مغلیہ سلطنت کو بالکل بے اثر اور بے وقار بنادیا تھا، سلاطین دہلی کے لیے اپنا اقتدار بچانا سخت مشکل ہورہا تھا، وہ اہل علم وکمال کی طرف کیا متوجہ ہوتے شہر دہلی کے لیے فتنوں کا دروازہ کھل چکا تھا، جس کے باعث علما ومشائخ شعرا وادبا دہلی چھوڑ رہے تھے، کچھ ہی دنوں میں دلی کا نقشہ بدل گیا تھا۔

اردو کے بلند پایہ شاعر میر تقی میر نے ذکر میر میں دلی کی ویرانی کا منظر ان الفاظ میں پیش کیا ہے۔

عبرت گرفتم وچوں بیشتر رقم حیراں تر شدم مکانہا را نشناختم دیارے نیافتم از عمارت آثار ندیدم از ساکنان خبر نہ شنیدم از ہر کہ سخن کردم گفتند کہ اینجا نیست از ہر کہ نشان جستم گفتند کہ پیدا نیست، خانہائے نشستہ ودیوار ہا شکستہ خانقاہ بے صوفی خرابات بے مست خرابہ بود ازیں دست تابداں دست (بحوالہ دلی کا دبستان شاعری ص ۱۲)

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

دہلی کے انھیں پر آشوب حالات میں اودھ کے نوابوں نے عروج حاصل کیا تھا اور اپنی خودمختاری کا اعلان کردیا تھا اور باقاعدہ مشرقی علاقوں پر ان کی عظیم سلطنت قائم ہوگئی تھی، جونپور بھی اسی اودھی سلطنت کے حدود میں داخل تھا، یہ حکمراں مسلکاً شیعہ تھے اور مذہب تشیع کی اشاعت وتبلیغ ان کا بنیادی مقصد تھا، چنانچہ آزاد بلگرامی نے لکھا ہے۔

''تا آنکہ برہان الملک سعادت علی خاں نیشاپوری در آغاز جلوس محمد شاہ حاکم صوبہ اودھ شد...... وظائف وسیور غالات خانوادہ ہائے قدیم وجدید یک قلم ضبط شد وکار شرفا ونجابہ پریشانی کشید و اضطراب واضطرار معاش مردم آنجا از کسب علم باز داشتہ ودر پیشہ سپہ گری انداخت ورواج تحصیل وتدریس بآں درجہ نہ ماند ومدارس از عہد قدیم معدن علم وفضل بود یک قلم خراب افتاد وانجمن ہائے ارباب کمال بیشتر برہم خورد (مآثر الکرام ج ۱ص ۲۲۲)

نوابان اودھ کی اس کوتاہ بینی اور تنگ نظری سے سارے علاقہ شرق بالخصوص جونپور کے علمی مرکز کو حددرجہ صدمہ پہنچا، وہ مجلس علم وفضل جس کی رونق زمانے کے عظیم سے عظیم انقلابات میں بھی کم نہ ہوئی، حالات کے مسموم جھونکوں سے جس کا شاداب چمن کبھی متاثر نہ ہوسکا، وہ شیراز ہند جس کا عروج ان نامساعد حالات میں بھی ہوتا رہا، وہ سلاطین مغلیہ کے زوال اور نوابان اودھ کے عروج کے زمانہ میں ماضی کی روایات کو برقرار نہ رکھ سکا، نوابان اودھ کی کوتاہ اندیشی سنیت دشمنی کے ہاتھوں یہ چمن ویران ہوگیا، اس کی بارونق مجلسیں درہم برہم ہوگئیں، وہ مطلع علم وفضل جس سے ہزارہا علم وفضل کے شمس وقمر طلوع ہوئے، جن کی نورانی شعاعوں نے پورے ملک کو پرنور بنادیا تھا، اس پر گھرے بادل چھاگئے تھے۔

نوابی اودھ کے سوسال ہی میں اس مرکز علمی کو ایسا انحطاط وزوال آیا، جس پر تاریخ علم وکمال ہمیشہ آنسو بہاتی رہے گی۔

علما ومشائخ کی جائدادیں چھن چکی تھیں اور وہ معاشی بدحالیوں کا شکار ہوچکے تھے، معاشی بدحالیوں نے ان کو مسند تدریس سے ہٹا کر فکر معاش میں سرگرداں کردیا تھا، جب علما ومشائخ کا کوئی پرسان حال نہ تھا، تو طلبہ اور کاسبان علم کا کون پرسان حال ہوتا، ایسے پرآشوب ماحول میں وہی سخت جان مدارس اور خانقاہیں اپنا فیض جاری رکھ سکیں، جو حکمرانوں اور امرا کی نوازشات سے بے نیاز تھیں اور انھیں چند درسگاہوں سے شیراز ہند کی سابقہ علمی یادگار باقی رہی۔

۱۸۵۷ء میں جب دہلی کی نام نہاد مغل سلطنت اور اودھ کی واجد شاہی حکومت کا خاتمہ سفید فام انگریزوں کے ہاتھوں ہوگیا اور پورے ہند پر انگریز سامراجیت مسلط ہوگئی، یہ وہ زمانہ تھا، جب مغربی قوم کی

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

بالادستی اور اقتدار کے رعب وداب نے ہندوستانیوں کے دل ودماغ کو مرعوب کرلیا تھا اور ہندوستان کا باشعور طبقہ اپنی آبائی تہذیب، ثقافت اور علم وفن کو عہد پارینہ کی پیداوار سمجھ کر اسے ٹھکرا رہا تھا، اسے انفرادی واجتماعی فلاح ونجات کا راستہ محض مغربی علوم وفنون اور تہذیب وتمدن اور سماج ومعاشرت میں نظر آرہا تھا۔

جب ہندوستان کے مسلم طبقہ اپنے موروثی علوم وفنون کی جانب سے روگردانی کا آغاز کررہا تھا تو انگریزی حکومت کو اسلامی علوم وفنون اور تہذیب ومعاشرت سے کیا دلچسپی ہوسکتی تھی، کہ وہ ماضی کی ویران درسگاہوں کو آباد کرتی، علوم وفنون کے منتشر اوراق کی شیرازہ بندی کرتی؟۔

تاہم جونپور کی سرزمین جہاں صدیوں تک علم وفضل کا چرچا رہا اور جسے نوابان اودھ نے تباہ وبرباد کیا، انگریزی سامراج کے عہد آخر میں بھی وہاں نامساعدت زمانہ کے باوجود کسی نہ کسی حد تک ماضی کی روایات کا دھندلا سا نقش باقی رہا۔

اسی دور آخر میں مدرسہ حنفیہ اپنی علمی سرگرمیوں کی وجہ سے مشرقی ہند کے کاسبان علم کا ماویٰ وملجا بنا رہا، جس کی مسند تدریس پر استاذ العلما حضرت علامہ ہدایت اللہ خاں رامپوری المتوفی ۱۳۲۶ھ تلمیذ رشید حضرت علامہ فضل حق خیرآبادی علیہ الرحمہ نے رونق افروز ہوکر شیراز ہند کی دیرینہ عظمتوں کی یاد تازہ کی اور آپ نے اپنے حلقۂ درس سے ایسے باکمال علما پیدا کیے، جن کے فضل وکمال کے اثرات نہ صرف برصغیر ہند تک محدود ہیں، بلکہ دیگر ممالک میں بھی پہنچے، انھیں بلند پایہ تلامذہ میں صدرالشریعہ مولانا حکیم امجد علی اعظمی علیہ الرحمہ، علامہ سید محمد سلیمان اشرف سابق صدر شعبۂ دینیات مسلم یونیورسٹی، استاذ العلما مولانا سید برکات احمد ٹونکی، مولانا عبدالسلام نیازی دہلوی، مولانا شیر علی سابق صدر شعبۂ دینیات جامعہ عثمانیہ حیدرآباد، فقیہ العصر مولانا یار محمد بندیالوی، مولانا عبدالاول جونپوری، مولوی عنایت حسین خاں جونپوری، مولانا محمد اسمعیل جونپوری، مولانا منصب علی جونپوری، منور جروت جونپوری وغیرہ وغیرہ (باغی ہندستان از شاہد شیروانی مکتبہ قادریہ لاہور ص۳۳۴)

مبارکپور:۔ جس زمانہ میں جونپور کی علمی فضا خاندان شرقیہ اور لودی سلاطین کی سرپرستی میں اپنی منزل ارتقا کی طرف بڑھ رہی تھی، جونپور کے گردونواح میں اسلامی بستیاں آباد ہورہی تھیں، انھیں نوآبادبستیوں میں مبارک پور بھی ہے، بنیاد حضرت راجہ مبارک شاہ علیہ الرحمہ نے رکھی اور اپنے روحانی فیوض وبرکات سے اس سرزمین کو نوازا اور اس قصبہ کے لوگوں میں علوم ومعارف، دینداری وتقویٰ کا جذبہ پیدا کیا، جس کے اثرات آج بھی روشن ہیں، یہاں کے باشندوں میں مذہبی جوش، اخلاق وکردار کی بلندی آج بھی نمایاں ہے، اس قصبہ کی بنیاد دور ہمایونی میں ۹۲۵ھ میں رکھی گئی تھی اور اسی زمانہ سے اس قصبہ کا گہرا تعلق شیراز ہند جونپور سے رہا، یہی وجہ

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ہے کہ یہ قصبہ کسی دور میں بھی اہل علم وفضل اشخاص سے خالی نہیں رہا۔

زمانہ آغاز ہی سے اس قصبہ کی وہ فضا تیار ہورہی تھی، جس میں جونپور اور دیگر مراکز علمی کے انحطاط وزوال کے بعد عظیم تر مرکز علمی پروان چڑھنے والا تھا۔

مبدأ فیاض نے یہاں کے باشندوں کو دینی جذبہ اور عشق وارادت کی فراوانی سے نوازا تھا، تاکہ جب دیار مشرق کے چمن زار علم وفن خزاں سے دوچار ہوجائیں، تو یہ قابل قدر دینی وملی جذبہ رکھنے والے ایثار وقربانی کے پیکر اپنے خون جگر سے ایک نئے گلستان علم وفضل کی آبیاری کریں اور اپنی بے مثال قربانیوں سے اس چمن زار علم کو ایسی تروتازگی عطا کریں، جس کے غنچہ وگل کی روح پرور مہک سے سارا خطۂ ہند معطر ہوجائے۔

مدرسہ مصباح العلوم:۔ انگریزی سامراج کے دور آخر میں مبارکپور کے زندہ دل باحوصلہ اور دیندار مسلمانوں نے علوم اسلامیہ کی تعلیم کے لیے مدرسہ مصباح العلوم قائم کیا، جس کی مسند تدریس پر حضرت مولانا محمد صدیق صاحب گھوسوی علیہ الرحمہ برسہابرس تک تشنگان علم کو سیراب کرتے رہے، مولانا موصوف کے انتقال کے بعد یہ مدرسہ حالات کی زبوں حالی کی نذر ہوگیا اور ایک معمولی مکتب کی شکل میں باقی رہ گیا، لیکن جب غفلت کی فضا ختم ہوئی۔

حضور حافظ ملت کی آمد:۔ قوم بیدار ہوئی، تو اس نے اپنے ادارہ کو فروغ دینے کا عزم مصمم کرلیا اور اہل مبارک پور کے جذبۂ صادق اور خلوص بیکراں کو دیکھتے ہوئے حضرت صدرالشریعہ مولانا امجد علی اعظمی تلمیذ رشید علامہ ہدایت اللہ خاں شیراز ہند جونپور نے اپنے تلمیذ رشید حضرت مولانا حافظ عبدالعزیز علیہ الرحمہ کو مبارکپور کے لیے منتخب فرمایا، چنانچہ حضور حافظ ملت کے مبارک ومسعود قدم نے ۲۹ شوال ۱۳۵۲ھ/۱۹۳۴ء کو سرزمین مبارکپور کو سرفراز فرمایا، آپ کی عظیم شخصیت وکردار کے فیضان سے مبارکپور کو دنیائے علم وفضل میں عظیم رتبہ ملا، حضور حافظ ملت کی آمد نے مدرسہ مصباح العلوم کی فضا کو ابتدائی منزل ہی میں وہ وقار عطا کردیا، کہ کاسبان علم وفضل جوق درجوق مبارکپور پہنچنے لگے۔

''اس شمع علم پر پروانے اس طرح ٹوٹ رہے تھے، گویا ساون کی خاموش اندھیری رات میں کسی ویرانے میں شمع روشن ہوجائے''۔ (اشرفیہ کا ماضی وحال)

دارالعلوم اشرفیہ:۔ حضور حافظ ملت کی پرخلوص دینی وعلمی سرگرمیوں نے وہ فضا پیدا کردی، کہ اہل مبارکپور نے مدرسہ مصباح العلوم کو عظیم الشان دارالعلوم بنانے کا فیصلہ کرلیا اور ۱۳۵۳ھ میں پیر طریقت حضرت اشرفی میاں کچھوچھوی علیہ الرحمہ اور حضرت صدرالشریعہ علیہ الرحمہ کے مقدس ہاتھوں باغ فردوس کی بنیاد رکھی گئی، اس

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

موقع پراہل مبارک پور نے دین اور علم دین کے لیے اپنی فیاضی، ایثار و قربانی کا جو مظاہرہ کیا، وہ تاریخ کی ناقابل فراموش حقیقت ہے، اہل مبارک پور نے ایک طرف تو دور دراز سے آنے والے مہمانان رسول کی ضیافت کی، تو دوسری جانب اپنے مالی تعاون سے تعلیم گاہ اسلامی کا عظیم محل بھی تعمیر کیا، حضور حافظ ملت کی سعی مسلسل اور علمائے اشرفیہ کی جہد پیہم نے دارالعلوم اشرفیہ کا وہ علمی معیار قائم کر لیا، کہ اس کی شہرت پورے برصغیر ہند میں پھیل گئی، اشرفیہ کے تعلیمی معیار اور ترقی کے سلسلہ میں عالی جناب شبیر احمد غوری ایم، اے، ایل ایل، بی سابق انسپکٹر مدارس عربیہ اتر پردیش نے معائنہ کے بعد جو رپورٹ تحریر فرمائی، وہ قابل ذکر ہے، موصوف لکھتے ہیں۔

''مدرسہ صوبجات متحدہ کے چندان مخصوص مدارس میں ہے، جہاں علوم دینیہ و عربیہ کی تعلیم کما حقہ دی جاتی ہے، اس وقت جب کہ ملک میں دینی تعلیم روزانہ روبتنزل ہوتی جارہی ہے اور دیگر مدارس میں طلبہ کی تعداد یوماً فیوماً کم ہوتی جارہی ہے، اس مدرسہ میں طلبا کی علمی سرگرمی بنہج معمول جاری ہے''۔

(روداد ۱۹۴۷ء)

دارالعلوم سے جامعہ تک:۔ حضور حافظ ملت نے دارالعلوم اشرفیہ ہی کو منزل آخر نہیں سمجھا، بلکہ آپ اسلامیان ہند کی دینی و علمی ضرورتوں کا صحیح اندازہ کرنے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے کہ ایک ایسی عظیم دینی درسگاہ کی ضرورت ہے، جہاں طلبہ کو علوم اسلامیہ کی مکمل جامع تعلیم کے ساتھ ساتھ عہد حاضر کے بدلتے ہوئے ماحول میں اسلامی علوم وفنون کی حفاظت اسلام کی تبلیغ و اشاعت کے لیے اور مسائل کو حل کرنے کے لیے جدید فنون سے بھی آراستہ کیا جائے۔

حافظ ملت علیہ الرحمہ نے اس عظیم منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کا پختہ ارادہ کر لیا، جو ایک بڑی جماعت کا کام تھا، لیکن حافظ ملت کی بے مثال شخصیت تنہا اس میدان میں اتر پڑی، اس تحریک کی راہ میں رکاوٹیں بھی پیش آئیں، سنگین حالات بھی پیدا ہوئے، مگر اخلاص و ایثار کا پیکر حالات کی سنگینی اور نامساعدت روزگار سے کبھی ہراساں نہ ہوا، سخت مشکلات میں بھی اپنی دھن اور لگن میں آگے بڑھتا رہا، ملک کی رائے عامہ نے اس عظیم تحریک پر پرجوش صدائے لبیک بلند کی اور وہ مبارک و مقدس ساعت آہی گئی، جب سرزمین مبارک پور پر سہ روزہ دینی تعلیمی کانفرنس کا انعقاد ہوا، ملک کے بیشتر علما و اکابر نے اپنے مبارک وجود سے مبارک پور کو رونق بخشی۔ ۲۱ ربیع الاول ۱۳۹۲ھ ۶ مئی ۱۹۷۲ء کا دن ہندوستان کی علمی تاریخ میں ناقابل فراموش ہے، اسی دن الجامعۃ الاشرفیہ کا سنگ بنیاد رکھا گیا، اس دلکش اور ایمان افروز ساعت کا آنکھوں دیکھا حال ہفتہ وار تاجدار بمبئی ۱۲ مئی ۱۹۷۲ء نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

''جب علما کا کارواں اس سرزمین پر پہنچا جہاں سنگ بنیاد رکھا جانے والا تھا، تو پوری فضا عشق

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

وایمان اور کیف ومستی کی برسات میں بھیگی ہوئی تھی، جذبۂ مسرت سے چھلکتے ہوئے آنکھوں کے پیانے، اس پر درود وسلام کے نذرانے، رہ رہ کر نعرۂ تکبیر ورسالت کی تکرار پوری فضا پر عشق ومحبت اور شوق وتمنا کا پھیلا ہوا جادو، اس ماحول میں حضور مفتی اعظم ہند کا اس یونیورسٹی کے لیے پہلی اینٹ رکھنا ایک ایسا نورانی منظر تھا، جس کی لذت روح تو محسوس کر سکتی ہے، مگر الفاظ ومعانی کی دنیا تعبیر سے قاصر ہے''۔

جس وارفتگی اور جذبہ عشق واخلاص کے ساتھ الجامعۃ الاشرفیہ کا سنگ بنیاد رکھا گیا، مسلمانان ہند بالخصوص مسلمانان مبارکپور نے جس جذبہ ایثار وقربانی کے ساتھ اسے پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لیے قربانیاں پیش کیں، وہ اپنی آپ مثال ہے۔

اشرفیہ کا علمی کارنامہ:۔ بے مثال رہنمائے ملت نے اپنی تحریک کو چند ہی سالوں کے اندر ملک گیر پیمانے پر عام کر دیا، اشرفیہ کے علمی وقار اور حافظ ملت کی عملی جدوجہد نے پوری قوم کو الجامعۃ الاشرفیہ کی طرف متوجہ کر دیا، جامعہ کا وہ تخیل جسے حافظ ملت نے پیش کیا تھا، اس کی عملی شکل چند سالوں کے اندر دنیائے علم وفضل کے سامنے آگئی، آج جب کہ حضور حافظ ملت ہم میں نہیں ہیں، ان کی تحریک تیز گامی کے ساتھ ارباب اشرفیہ کی مساعی جمیلہ سے آگے بڑھ رہی ہے اور آج الجامعۃ الاشرفیہ علمی دنیا میں بے مثال دینی مرکز بن گیا ہے، ملک کے گوشہ گوشہ سے کاسبان علم اس گہوارۂ علمی میں تعلیم وتربیت کے لیے آتے ہیں اور ملک وملت کے مشاہیر علما وفضلا کے فیوض علمی سے مالا مال ہوتے ہیں، دیار شرق میں جونپور کے مرکز علمی کے بعد مبارک پور نے اسی عہد علمی کی یاد تازہ کر دی ہے۔

حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ نے مبارکپور میں اپنی علمی سرگرمیوں کے آغاز ہی میں ملک وقوم کے تقاضوں کے مطابق اپنی آغوش تعلیم وتربیت سے وابستہ ہونے والوں کو ڈھالنا شروع کر دیا تھا۔

حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ میں طلبہ کی جوہر شناسی کا وہ عظیم فطری ملکہ تھا، جس سے وہ طلبہ کے رجحان طبع کا صحیح اندازہ فرما لیا کرتے تھے اور اسی انداز سے ان کی تعلیم وتربیت فرمایا کرتے تھے، یہی وجہ ہے، کہ دار العلوم اشرفیہ سے دستار فضیلت لے کر نکلنے والوں میں کوئی اپنے وقت کا زبردست فقیہ ومحدث بنا، تو کوئی علوم اسلامیہ کا ماہر بنا، کسی نے اپنی شعلہ بیانیوں سے ملک میں دھوم مچا دی، تو کوئی سنجیدہ صحافی اور صاحب قلم مصنف ہوا، کوئی جامع معقولات بنا، تو کسی نے شعر وادب کا پاکیزہ ذوق پایا، کوئی صالح سیاسی شعور لے کر ابھرا اور اہلسنت وجماعت کی قیادت کے فرائض انجام دیے، کسی نے اپنی فکر وبصیرت سے جدید تعلیم یافتہ ذہنوں کے سامنے اسلامی نظام حیات پیش کیا اور کسی نے مناظرانہ بصیرت اور قوت استدلال سے فرق باطلہ کے ایوان میں زلزلہ برپا کر دیا۔

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

آج ملک کا شاید ہی کوئی ایسا ادارہ ہو، جو فارغین اشرفیہ سے خالی ہو اور ہندوستان ہی کیا؟ پاکستان، افریقہ، امریکہ، انگلستان اور دوسرے ممالک بعیدہ میں بھی فرزندان اشرفیہ خدمات دین انجام دے رہے ہیں، جس طرح شیراز ہند کے دور ترقی میں علمائے جونپور کی شہرت ہندوستان گیر پیمانے پر تھی، آج ملک کے چپہ چپہ میں علمائے اشرفیہ کی شہرت وعزت اور عظمت ووقار کا وہی عالم ہے۔

جونپور کا علمی عروج وارتقا ارباب اقتدار امرا وسلاطین کی داد ودہش کا مرہون منت تھا، وہ چمنستان فضل وکمال شاہان وقت کی بارش کرم سے شاداب تھا، بزم علم وفن کی رونق شاہی عظمت سے قائم تھی، چنانچہ جب امرا وسلاطین کا عہد حکومت روبہ زوال ہوا، تو اس مرکز علمی کو بھی انحطاط سے دوچار ہونا پڑا اور یہ تاریخ علمی کا زبردست المیہ ہے، کہ جب ہندوستان میں مسلمان حکمرانوں کی بساط سیاست وحکومت الٹی، تو شہر جونپور کی درسگاہیں اور خانقاہیں بھی ویران ہوگئیں اور وہ چمن نذر خزاں ہوگیا، لیکن مبارکپور کا مرکز علمی کسی شخصی اقتدار یا حکومت کے زیر سایہ وجود میں نہیں آیا ہے، اس کے عروج وارتقا میں امرا و سلاطین کی کرم گستری کا ہاتھ نہیں، بلکہ اس مرکز علمی کی بنیاد ایک باکمال پیر طریقت کے ہاتھوں رکھی گئی اور جسے دین متین کے زبردست عالم باعمل نے اپنی جہد مسلسل اور سعی پیہم سے پروان چڑھایا، جس کی بنیادوں کو مبارکپور کے غریب، افلاس زدہ مگر باہمت، بلند حوصلہ مسلمانوں نے اپنے خون جگر سے استحکام بخشا اور جسے ملک ہند کے دردمند اولوالعزم مسلمانوں نے اپنے جذبۂ ایثار وقربانی سے نوازا، اس لیے یہ مرکز علمی ہندوستان کے انقلاب سیاست سے انشاء اللہ کبھی متاثر نہ ہوگا اور خدا نے چاہا، تو مبارکپور کا یہ علمی مرکز گردش لیل ونہار اور تغیرات زمانہ سے بے نیاز ہوکر اپنی منزل ارتقا کی طرف بڑھتا رہے گا، اس کا فیضان عام ہوتا رہے گا، اس کے فضلا علم وفضل کی مجلس کو سنوارتے رہیں گے اور تشنگان علوم اسلامیہ کی سیرابی کا مقدس فریضہ انجام دے کر کشور ہند کے چپہ چپہ میں اسلام وسنیت کا پرچم بلند کرتے رہیں گے، انشاء اللہ۔

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

تصوف واخلاق

http://t.me/Tehqiqat

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

پیکر صبر و رضا

تاریخ دے رہی ہے یہ آواز دم بہ دم
دشت ثبات وعزم ہے دشت بلا وغم
صبر مسیح و جرأت سقراط کی قسم
اس راہ میں ہے صرف اک انسان کا قدم
جس کی رگوں میں آتش بدر وحنین ہے
جس سورما کا اسم گرامی حسین ہے

کربلا کی وہ صبح کتنی جاں گداز تھی، جب جھلملاتے ہوئے تاروں نے کائنات کو آخری سلامی دی اور افق مشرق سے سورج کی لہو آمیز کرنیں زمین پر پڑیں۔

کتنی بلاخیز تھی وہ صبح، جو تاریخ اسلام کا ایک الم انگیز باب بنی اور تاریخ کا یہ باب خانوادۂ نبوت کے خون سے لکھا گیا۔

صلح ومفاہمت کی ساری کوششیں بے سود ثابت ہو چکی تھیں، اب جنگ ناگزیر تھی، وہ کس سے جنگ؟ محمد رسول اللہ علیہ وسلم کے ماننے والوں کی خاندان رسالت سے جنگ، جو تاریخ کا حیرت انگیز المیہ بنی۔

ابن سعد کے لشکر کو حرکت ہوئی، ادھر حسین بن علی نے بھی اپنے اعوان وانصار اور خانوادۂ نبوت کے جگر پاروں کی مختصر سی جماعت ترتیب دی۔

یہ کفر واسلام کی جنگ نہیں، بلکہ حق و باطل کی جنگ ہے، شرک وتوحید کی جنگ نہیں بلکہ ناانصافی اور ظلم کے خلاف حق وصداقت کی جنگ ہے۔

آغاز جنگ سے پہلے حضرت امام عالی مقام نے اتمام حجت کے لیے آخری تقریر فرمائی، جس میں اپنی شخصیت کا تعارف اور کربلا تک آنے کے اسباب وعلل پر اجمالی روشنی ڈالتے ہوئے یزیدی لشکر کو ایک بار پھر جنگ سے باز رکھنے کی کوشش کی، مگر یہ کوشش بھی ناکام رہی۔

جنگ شروع ہوئی اور معرکۂ کارزار گرم ہوا، تلواریں چمک چمک کر سر قلم کرنے لگیں، نیزے سینوں میں پیوست ہونے لگے، وہ شجاعان عرب جو امام کے ساتھ تھے، بڑی بے جگری سے لڑے، داد شجاعت دی اور حمایت حق کے لیے ایک ایک کر کے سب جام شہادت نوش کر گئے۔

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

تپتا ہوا ریگزار، چلچلاتی ہوئی دھوپ، ہوا کے مسموم جھونکے جسم کو جھلسا رہے ہیں، سورج کی تپش سے پھول جیسے عارض کمہلا رہے ہیں۔

اعوان و انصار حضرت امام کے قدموں پر جانیں قربان کر کے ابدی نیند سو چکے ہیں، اب خاندان رسالت کے چند افراد باقی رہ گئے ہیں، صبر و استقلال کی امتحان گاہ میں حسین نے رفقا کی جدائی کے روح فرسا مناظر اپنی آنکھوں سے دیکھے اور اس دل شکن غم کو برداشت کیا، اب وہ دن آ گیا جب آنکھ کے تاروں، جگر کے ٹکڑوں کو خاک و خون میں تڑپنے کی اجازت دی جائے گی اور رضائے الٰہی کے سامنے سر تسلیم خم کیا جائے گا۔

کڑیل جوان چمن زار رسالت کا شاداب پھول اکبر آگے بڑھتا ہے اور جنگ کی اجازت چاہتا ہے، امام حسین فطری جذبات کے بحر بیکراں کو سینہ میں دبا لیتے ہیں اور نور نظر کو حق کے لیے جانثاری کی اجازت دیتے ہیں، علی اکبر میدان کارزار میں ہاشمی شجاعت کے جوہر دکھاتے ہیں، مگر تنہا شیر کب تک پورے لشکر کا مقابلہ کر سکتا ہے، دشمنوں کے نیزوں اور تلواروں کے زخم کھا کر تپتی ہوئی زمین پر گرے، حضرت امام اس رقت انگیز المیہ کو برداشت کر گئے اور لخت جگر کو اٹھا کر لائے، خیمہ کے سامنے لٹا دیا۔

ابھی غم کا یہ ساز ٹوٹا بھی نہ تھا، کہ بھائی کی نشانی قاسم بن حسن نے اجازت جنگ چاہی اور اپنے خون سے چمنستان اسلام کی آبیاری کا شوق ظاہر فرمایا، امام نے اجازت دے دی، قاسم بھی علی اکبر کی طرح جام شہادت نوش کر کے تپتی ہوئی ریت پر گرے، امام حسین نے اس دل شکن منزل پر اپنی ثبات قدمی اور بے مثال جرأت مندی کا ثبوت دیا اور بھائی کے جگر پارے کو لا کر لخت جگر کے برابر لٹا دیا۔

کربلا کی شعلہ زار وادی میں گلستان نبوت کے سارے پھول مرجھا چکے ہیں، ہرا بھرا چمن ظلم و تشدد کے مسموم جھونکوں سے تاراج ہو چکا ہے۔

صبح سے اب تک ایک فولادی عزائم رکھنے والا بہادر حسین صبر و ضبط کا پیکر بن کر مخلص دوستوں کی مفارقت کا بیکراں غم، بھائیوں کی جدائی کا رقت انگیز منظر، نوجوان بیٹے اور بھتیجے کی روح فرسا موت کے باوجود اس کی جبین عزم و ثبات پر ناگواری کی لکیر تک نہیں ابھری، اس کے آہنی عزائم میں کوئی فرق نہیں آیا، دوستوں، بھائیوں، بھانجوں، بیٹے اور بھتیجوں کی خاک آلود اور خون آغشتہ لاشیں خود اٹھا کر لاتا ہے، مگر پائے استقلال لڑکھڑاتے نہیں۔

صبر و رضا کی آزمائش یہیں ختم نہیں ہو جاتی، کائنات کی نگاہیں یہ جاں گداز منظر بھی دیکھتی ہیں، کہ حسین خانوادۂ نبوت کے پھولوں کو نثار کرنے کے بعد ایک نازک کلی علی اصغر کو ہاتھوں پر لیے خیمے سے

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

باہر نکلتے ہیں، لشکر اعدا کی جانب سے ایک سنسناتا ہوا تیر آیا، حلقوم اصغر میں پیوست ہوگیا اور خون کا فوارہ چھوٹ پڑا، علی اصغر نے باپ کے ہاتھوں پر تڑپ تڑپ کر جان دے دی، یہ کرب انگیز منظر دیکھ کر آسمان کانپ گیا، زمین لرز گئی، فضائیں سہم گئیں، ہوائیں مضطرب ہوگئیں، مگر صبر و رضا کی چٹان حسین نے پورے استقلال اور پامردی کے ساتھ اس ننھی قربانی کو بھی اسلام کی بقا و سالمیت کے لیے پیش کر دیا اور دل میں امنڈتے ہوئے سیلاب کو دبالیا، ایک آہ سرد بھی منہ سے نہ نکلی۔

اب وہ وقت آ گیا کہ نہ تو دوست ہیں اور نہ بھائی اور نہ جواں سال بیٹے اور بھتیجے اور نہ ہی ننھا علی اصغر سب نے جانیں قربان کر دیں، اب پیکر صبر و رضا حسین میدان کارزار کا ارادہ فرماتے ہیں اور صف اعدا پر ٹوٹ پڑتے ہیں۔

ذوالفقار حیدری برابر سر قلم کرتی جارہی ہے اور دشمنان حسین بھی مسلسل حملے کر کے امام کے جسم کو زخمی کر رہے ہیں، بالآخر حسین نے اپنی جان بھی اسلام کے تحفظ و سالمیت کے لیے قربان کر دی اور اپنے خون سے اسلام کے خزاں رسیدہ چمن کو دائمی بہار سے آشنا کر دیا۔

دین کا پاسباں کوثر کا دھنی زندہ باد
عظمت وارث میراث نبی زندہ باد
کفر غارت ہوا باطل کا جنازہ نکلا
ضبط و اقدام حسین بن علی زندہ باد

دنیا نے ہزاروں کروٹیں بدلیں، اس دھرتی پر لاکھوں معرکے گزرے کروڑوں وطن دوست، مذہب پرست انسانوں نے اپنے خون سے کف صحرا کو لالہ زار بنا دیا۔

ظلم و تشدد اور جبر و استبداد کے لاکھوں دل گداز واقعات گزرے، قتل و غارت گری کے لاتعداد مناظر پیش آئے۔

لیکن وادی نینوا میں جبر و استبداد، بہمیت وسفا کیت کا جو روح فرسا المیہ پیش آیا، اس کی نوعیت ہی الگ ہے، اس کا انداز ہی جداگانہ ہے، اس کے نتائج ہی منفرد و جدا ہیں، میدان کربلا میں جہاں خانوادۂ رسالت کی مظلومی، یزیدی لشکر کی سفاکی کی رقت انگیز داستان خون کے آنسو رلاتی ہے، وہیں حسین بن علی کا صبر و ضبط، عزم و استقلال، جوانمردی و حوصلہ مندی عالم اسلام کے لیے آہنی عزائم، فولادی قوت صبر و استقلال کا درس دیتی ہے۔

خویش و اقارب، بھائیوں، بھتیجوں اور بھانجوں، جگر کے ٹکڑوں کو قربان کرنا اور اس کرب انگیز

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

اور جاں شکن منظر کو اپنی آنکھوں سے دیکھنا اور جذبات غم کے امنڈتے ہوئے سیلاب پر قابو پانا اور پھر حق و صداقت کے لیے اپنے خون کا آخری قطرہ بہا دینا، تاریخ کا ایک ایسا سبق آموز، نادر واقعہ ہے، جس کی مثال دنیا کی تاریخ میں مفقود ہے۔

حسین بن علی نے کربلا کے تپتے ہوئے صحرا میں عزم واستقلال کا ایک ایسا چمن کھلایا، جس کی بہاروں کے سائے میں انقلاب پروان چڑھتا ہے۔

حسین نے ظلم وتشدد کی تیز وتند آندھی میں اپنے خون سے ثبات قدمی اور جرأت و ہمت کا ایسا چراغ روشن کیا، جس کی روشنی میں آج بھی انقلاب وعزم کے منصوبے بنائے جاتے ہیں، حسین نے دشت کربلا میں اپنے خون سے جادۂ حق وصداقت کی ایسی لکیر کھینچ دی، جس کے سہارے آج بھی کاروان دعوت وعزیمت آگے بڑھ رہے ہیں۔

حسین نے ارض نینوا میں اپنا بھرا گھر لٹا کر خویش واقارب، اعزہ واحباب اور خود اپنا سوکھا گلا کٹا کر حق وصداقت کے پرچم کو ہمیشہ کے لیے بلند کر دیا، جس کی جلو میں آج بھی حق وصداقت کے لیے انسانیت کے قافلے رواں دواں ہیں۔

مظفر کربلا کا قصۂ غم
حیات قوم کا ہے درس محکم

بھیگی ہوئی پلکوں کے سائے میں پڑھی جانے والی کربلا کی خوں چکاں تاریخ جہاں حبیب ابن مظاہر، حضرت جعفر، حضرت عبداللہ، حضرت عبدالرحمٰن، حضرت عباس کی شہادت کے غم آفریں مناظر پیش کرتی ہے، نوجوان علی اکبر وقاسم کی خاک وخون میں تڑپتی ہوئی لاشوں کی الم انگیز داستان دہراتی ہے اور عون ومحمد اور ننھے علی اصغر کے زخموں سے ابلتا ہوا خون، تڑپتی ہوئی معصوم لاشوں کی درد بھری کہانی سناتی ہے، حسین بن علی کی شہادت اور ان کے روندے ہوئے جسم کی رقت انگیز داستان پیش کرتی ہے۔

خیمۂ اہل بیت سے اٹھتا ہوا دھواں اور پابند سلاسل پردہ نشینان حرم کے دلخراش واقعات پیش کرتی ہے، وہیں کربلا کی تاریخ یہ بھی پکار پکار کر کہہ رہی ہے، مخلص دوستوں عزیز بھائیوں کا تہ تیغ ہونا اور کڑیل بیٹے اور بھتیجوں کا خاک وخون میں تڑپنا دیکھ لو، معصوم بیٹے اور بھانجوں کو خون میں نہلا دو، خود اپنی گردن کٹا دو، بھرا گھر لٹا دو، مگر باطل کی طاغوتی طاقت کے سامنے سر نہ جھکاؤ، ہر ظلم وتشدد اور غم والم کو ہنس کر سہ لو مگر تمہارے فولادی عزائم اور آہنی صبر وضبط میں فرق نہ آئے اور تمہارے پائے صبر واستقلال میں جنبش نہ ہو۔

http://t.me/Tehqiqat

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

خداشناس ضمیر کی آواز

انسان جب دل کی گہرائیوں کے ساتھ کلمۂ شہادت اشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ واشھد ان محمدا رسول اللّٰہ کا اقرار کرتا ہے، تو سب سے پہلے اس کے ضمیر میں خدائے وحدہ لاشریک کی حاکمیت اعلیٰ اور ربوبیت عظمیٰ کا تصور استحکام حاصل کرتا ہے، وہ اپنے ہر لمحۂ زندگی اور کائنات کی ہر شے کی بقا وفنا، حیات وممات نیز آرام وآسائش، رنج ومصائب پر خدا کے اقتدار اعلیٰ کو تسلیم کرتا ہے۔

الذی له ملک السمٰوٰت والارض لا الٰه الا هو یحیی ویمیت (اعراف)

اللہ وہ ہے، جس کے لیے آسمانوں اور زمین کی فرمانروائی ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہی زندگی بخشتا ہے، وہی موت دیتا ہے۔

قل لا املک لنفسی نفعا ولا ضرا الا ما شاء اللّٰه (اعراف)

کہو، میرے اختیار میں میرا نفع ہے، نہ نقصان بجز اس کے جو اللہ چاہے۔

ولم یکن له شریک فی الملک ولم یکن له ولی من الذل وکبره تکبیرا (اسرا)

جس کے اقتدار میں کوئی شریک نہیں جس کا کمزوری کے باعث کوئی دستگیر نہیں، اور اسی کی بڑائی بولو۔

فللّٰه الحمد رب السمٰوٰت ورب الارض رب العٰلمین ان الحکم الا للّٰه امر ان لا تعبدوا الا ایاه (حج ، ۳۱)

پس اللہ ہی کے لیے حمد ہے، جو آسمانوں کا رب، زمین کا رب اور تمام کائنات کا رب ہے۔ حکم صرف اللہ کے لیے ہے، کسی اور کے لیے نہیں، اس نے حکم دیا ہے، کہ صرف اسی کی بندگی کرو۔

واسروا قولکم اواجهروا به انه علیم بذات الصدور، الا یعلم من خلق وهو اللطیف الخبیر (ملک ۱۳، ۱۴)

اور تم بات آہستہ کرو یا زور سے وہ سب سنتا ہے، یقیناً وہ دل کے رازوں سے باخبر ہے، کیا وہ نہ جانے، جس نے پیدا کیا اور وہ باریک بیں ہر چیز سے باخبر ہے۔

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ایک سچا مسلمان جب کلمۂ شہادت کا پہلا جز و پڑھتا ہے، تو وہ ساری دنیا سے بے نیاز کائنات کی تمام مخلوق سے بے خوف ہوکر اپنی جبین بندگی صرف رب کائنات کے حضور جھکاتا ہے، کیونکہ اس کا ایمان و یقین ہی اس بات پر قائم ہے، کہ خدا اس پوری کائنات کا خالق و مالک اور رب ہے اور ساری کائنات پر اس کے قانون اور اس کے اقتدار اعلیٰ کی فرمانروائی ہے، انسان ہو یا کائنات کی دیگر مخلوقات سب کی زندگی و موت اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے، وہی قادر مطلق ہے۔

وما کان لنفس ان تموت الا باذن اللّٰہ کتابا موجلا (آل عمران)

خدا کے حکم کے بغیر کوئی متنفس مر نہیں سکتا، موت ایک مقدر شے ہے، جس کا ایک وقت معین ہے۔

وہ کائنات کی کسی چیز سے کیوں نہیں ڈرتے، اس لیے کہ ان کے رگ و پے میں صرف خدائے حقیقی کا خوف جاگزیں ہوتا ہے۔

فلا تخافوھم وخافون ان کنتم مومنین (آل عمران)

تو تم ان سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو، اگر تم ایمان رکھتے ہو۔

توحید کے اثرات نے ان کے دل و دماغ میں خودشناسی و خداشناسی کا جو شعور پیدا کر دیا تھا، وہ زندگی کے تمام شعبوں میں حاوی تھا، ان کی فکر و نظر عمل و کردار انھیں خطوط اور ضابطوں پر ہوا کرتے تھے، خوف خدا نے زندگی کے ایک ایک لمحہ کو پاکیزگی نفس اور طہارت قلب کے لیے گزارنے پر آمادہ کر دیا تھا، اب وہ صرف خدا کی بارگاہ میں سر جھکاتے تھے، اپنی حاجتیں اسی سے چاہتے تھے، صرف اسی سے ڈرتے تھے، جس کا لازمی نتیجہ تھا، کہ ان کے دلوں میں کسی چیز کا خوف نہ تھا، وہ سمجھتے تھے، کہ موت کا وقت مقرر ہے، اس سے پہلے نہیں آسکتی ہے، نہ اس میں تاخیر ہوسکتی ہے، وہ وقت کی جابر قوموں سے بھی مرعوب نہ ہوتے تھے، سردار و رسن مسکرانا ان کا شیوہ تھا، حق و صداقت کی آواز بلند کرنے کے لیے زیر سایۂ شمشیر شکر خدا ادا کرنا ان کا معمول تھا، ان کے خداشناس ضمیر سے جو آواز نکلتی تھی، وہ حق ہوتی تھی، جو نشتر کی طرح حساس دلوں میں پیوست ہوجایا کرتی تھی اور وقت کا اعلیٰ اقتدار بھی ان کے سامنے سر جھکانے پر مجبور ہوجاتا تھا۔

انھیں خداشناس بزرگوں میں حضرت فضیل بن عیاض رضی اللہ عنہ بھی تھے۔

ملت اسلامیہ کا مطلق العنان خلیفہ ہارون الرشید حج کے لیے مکہ جاتا ہے، قیام منیٰ کی پہلی رات ہے، رات کی سیاہ زلفیں پورے ماحول پر بکھری ہوئی ہیں، ہر طرف سناٹا ہے، ہارون کا وزیر اعظم فضل بن ربیع اپنے خیمے میں محو خواب ہے، اچانک خیمہ کے دروازے پر دستک ہوتی ہے، فضل، کون ہے؟ میں امیر

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

المومنین ہوں، ہارون نے جواب دیا، فضل باہر آتا ہے، ہارون کہتا ہے، میرے دل میں ایک کھٹک پیدا ہوئی ہے، جسے کوئی عالم ہی دور کرسکتا ہے چلو کسی کے پاس چلیں۔

پہلے یہ دونوں مکہ کے زبردست عالم ومحدث سفیان بن عیینہ رضی اللہ عنہ کے پاس جاتے ہیں، سفیان کہتے ہیں، آپ نے کیوں تکلیف فرمائی میں خود آجاتا، ہارون نے کہا، میں جس مقصد کے لیے آیا ہوں اسے پورا کیجیے۔

دونوں باہم گفتگو کرتے ہیں، ہارون پوچھتا ہے، آپ پر کسی کا قرض ہے؟ سفیان، جی ہاں ہے، ہارون فضل سے کہتا ہے، قرض کی ادائیگی کا انتظام کرو، دونوں خیمے سے باہر آتے ہیں، ہارون کہتا ہے، دل کی کھٹک دور نہ ہوسکی، کسی اور کے پاس لے چلو، پھر دونوں عبدالرزاق بن ہمام بن نافع الحمیری کے پاس جاتے ہیں اور ہارون ہم کلامی کے بعد خیمے سے باہر نکلتا ہے اور کہتا ہے، کہ مجھے تشفی نہ ہوئی، کسی اور کے پاس لے چلو۔

فضل بن ربیع ہارون کو ساتھ لے کر رات کی تاریکی میں فضیل بن عیاض رضی اللہ عنہ کے خیمے پر جاتا ہے، فضیل بن عیاض بارگاہ قاضی الحاجات میں محو نماز ہیں، جب نماز سے فارغ ہوتے ہیں، فضل دروازے پر دستک دیتا ہے، آواز آتی ہے، کون؟ فضل جواب دیتا ہے، امیرالمومنین تشریف لائے ہیں، فضیل کہتے ہیں، مجھے امیرالمومنین سے کیا کام؟ فضل کہتا ہے، سبحان اللہ! کیا امیرالمومنین واجب الاطاعت نہیں ہیں، فضیل بن عیاض دروازہ کھولتے ہیں اور فوراً چراغ بجھا دیتے ہیں اور خود ایک گوشہ میں سمٹ کر کھڑے ہوجاتے ہیں، فضل اور ہارون اندھیرے میں فضیل کو تلاش کرتے ہیں، بالآخر ہارون کا ہاتھ فضیل کے ہاتھ سے مس ہوجاتا ہے، فضیل کہتے ہیں، کتنا نرم ہاتھ ہے، اس کی خوش نصیبی کا کیا کہنا، اگر یہ قیامت کے دن عذاب الٰہی سے محفوظ رہے۔

ہارون کہتا ہے، آپ پر خدا کی رحمت ہو، ہم ایک خاص غرض کے تحت آپ کے پاس آئے ہیں، فضیل نے کہا، کون سی غرض اور کیسی غرض؟ آپ نے تو خود ہی اپنے نفس پر اعتماد کرلیا ہے اور آپ کے ساتھی بھی آپ کو اپنے اعتماد کا مرکز سمجھ رہے ہیں، حالانکہ ان کا حال یہ ہے، کہ آپ ان سے اپنے گناہوں کا بوجھ اٹھانے کے لیے کہیں گے، مگر وہ انکار کریں گے، آج وہ آپ سے شفقت ومحبت کرتے ہیں، لیکن آپ سے اتنے ہی بیزار بھی ہیں، فضیل خاموش ہوجاتے ہیں اور چند لمحوں کی خاموشی کے بعد کہتے ہیں۔

عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے خلافت کی باگ ڈور جب اپنے ہاتھ میں لی، تو سالم بن عبداللہ بن عمر بن خطاب، محمد بن کعب القرظی اور رجا بن حیوہ رضی اللہ عنہم کو بلوایا اور کہا، مجھے اس وقت آزمائش میں ڈال دیا

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

گیا ہے،تم لوگ کوئی مشورہ دو،امیر المومنین!انھوں نے اپنی حکومت کو ایک آزمائش خیال کیا،مگر آپ اور آپ کے ساتھی اسے نعمت لازوال خیال کرتے ہیں، چنانچہ سالم نے کہا، اگر آپ قیامت کے دن خدا کے عذاب سے نجات چاہتے ہیں،تو مسلمانوں میں جو بڑی عمر کا ہے،اسے اپنے باپ کا ہمسر اور جو متوسط ہے اسے اپنا بھائی اور جو چھوٹا ہے اسے اپنا بچہ سمجھیے، اپنے باپ کے ہمسر سے نیکی کے ساتھ پیش آیئے، اپنے بھائی کو رحم و کرم سے نوازیے،اپنے بچے پر شفقت کیجیے، رجا بن حیوہ نے کہا، کہ اگر آپ قیامت کے دن عذاب خداوندی سے محفوظ رہنا چاہتے ہیں،تو مسلمانوں کے لیے بھی وہی پسند کیجیے جو اپنے لیے پسند کرتے ہیں اور جس چیز کو اپنے لیے برا سمجھتے ہیں،اسے مسلمانوں کے لیے برا سمجھیے، پھر اپنی جان بلاخوف جان آفریں کے سپرد کر دیجیے،اے امیر المومنین!میں بھی آپ سے یہی کہتا ہوں، میں آپ کو اس دن کا خوف دلاتا ہوں، جب مضبوط قدم ڈگمگا جائیں گے،خدا آپ پر رحم کرے، کہ آپ کے مصاحب بھی عمر بن عبدالعزیز کی طرح ہوں اور آپ کو ایسی ہی باتوں کی تلقین کریں،ہارون رو پڑتا ہے اور اتنا روتا ہے کہ بے ہوش ہو جاتا ہے۔

فضل بن ربیع کہتا ہے، کہ شیخ! امیر المومنین پر رحم کیجیے،حضرت فضیل پر وقار طریقہ پر کہتے ہیں، ابن ربیع تم نے اور تمہارے ساتھیوں نے امیر المومنین کو قتل کر دیا ہے،اب تم مجھ سے رحم چاہتے ہو۔

ہارون ہوش میں آتا ہے اور کہتا ہے، کچھ اور فرمایئے، فضیل کہتے ہیں، امیر المومنین سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس نے ایک مرتبہ بارگاہ نبوت میں حاضر ہو کر عرض کی،اے اللہ کے رسول! مجھے کسی علاقہ کی حکومت عنایت فرمایئے، سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،اے عباس! ایسا نفس جسے تو زندہ و سلامت رکھ سکے،اس حکومت سے بہتر ہے جس کی ذمہ داریوں کا شمار نہیں،حکومت قیامت کے دن حسرت و ندامت کا موجب ہوگی،تم اگر حکمرانی کی تمنا سے دامن بچا سکتے ہو تو بچاؤ۔

ہارون چیخ کر رو پڑتا ہے اور کہتا ہے، کچھ اور فرمایئے، فضیل کہتے ہیں،اے خوبصورت و حسین شخص، خدا تم سے قیامت کے دن اس مخلوق کے بارے میں سوال کرے گا،تو اس چہرے کو آگ سے بچا سکتا ہے،تو بچا اور اس طرح زندگی بسر کر کہ رعایا کی طرف سے تیرے دل میں کینہ اور کھوٹ نہ ہو، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جس نے اس حالت میں صبح کی، کہ اس کے دل میں رعایا کی طرف سے کینہ کپٹ بھرا ہے، وہ جنت کی بو بھی نہ پائے گا۔

ہارون پھر دھاڑیں مار کر روتا ہے اور پوچھتا ہے، آپ پر کوئی قرض ہے؟ فضیل نے جواب دیا، جی ہاں میرے رب کا قرض ہے، جس کا وہ مجھ سے محاسبہ کرے گا، پس میرے لیے ہلاکت ہے، جب مجھ سے حساب لیا جائے گا، ہلاکت میرے لیے ہے، جب مجھ سے پوچھا جائے گا اور ہلاکت میرے لیے جب

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

میری کوئی حجت کام نہ دے گی۔

ہارون کہتا ہے، میری مرادلوگوں کے قرض سے ہے، فضیل کہتے ہیں، میرے رب نے مجھے اس بات کا حکم نہیں دیا ہے، اس نے مجھے حکم دیا ہے، کہ میں اس کے وعدے کو سچ سمجھوں اور اس کی اطاعت کروں، میرے رب نے فرمایا ہے "**وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون . ان اللّٰہ ھو الرزاق ذوالقوۃ المتین**"

ہارون کہتا ہے، یہ ایک ہزار دینار لیجیے اور اپنے خاندان پر صرف کیجیے، فضیل جواب دیتے ہیں، میں نے آپ کو حق کا راستہ دکھایا اور آپ مجھے اس کا بدلہ دینا چاہتے ہیں، فضیل کی خاموشی کے بعد ہارون اور فضل کو بھی جرأت سخن نہیں ہوتی، رات کی تاریکی میں سانسوں کے زیرو بم کی آوازیں سنائی دیتی ہیں۔

ہارون کے دل کا غبار چھٹ چکا تھا، حق وصداقت سے بھرپور فضیل بن عیاض کی نصیحتیں پردۂ گوش سے دل کے نہاں خانے میں اتر گئی تھیں، خوف خدا اور عذاب آخرت سے لرزہ براندام ہوجاتا ہے، اسی عالم سکوت میں دونوں خیمے سے باہر نکلتے ہیں، ہارون فضل بن ربیع سے کہتا ہے، مجھے ایسے ہی خداشناس اصحاب کی جستجو رہا کرتی ہے، جو شاہانہ عظمت وجلال اور وقت کی عظیم طاقت اور زمانہ کے حکمران اعلیٰ کے سامنے بھی حق بات کہنے سے دریغ نہیں کرتے۔

فضیل بن عیاض صرف خدا سے ڈرتے تھے، ان کا خدا شناس ضمیر دنیا کی ہوا وہوس سے خالی ہوکر نور معرفت سے لبریز تھا، وہ دنیا کے بااقتدار اصحاب اور بوالہوس افراد سے کب ڈرسکتے تھے اور حق وصداقت کا دامن کب چھوڑ سکتے تھے؟ انھوں نے خالق کائنات کو اپنا رب سمجھ لیا تھا، وہ خزانۂ شاہی کے دینار ودرم کے خواہشمند نہ تھے، وہ وقت کے دولت مند افراد کے کاشانوں پر کاسۂ گدائی لے کر جانے کو صرف اپنے لیے براہی نہیں سمجھتے تھے، بلکہ دینار ودرم کی پیش کی جانے والی تھیلی کو بھی ٹھکرادینا خدا کی ربوبیت کا عین اقرار اور اسے قبول کرنے کو اقرار ربوبیت کی غیرت کے منافی تصور کرتے تھے۔

آئین جواں مرداں حق گوئی وبے باکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

حضرت صدرالشریعہ علیہ الرحمہ اور تصوف

تصوف ایک صالح اخلاقی وروحانی نظام ہے، جس کی بنیاد دین وشریعت کے اصولوں پر رکھی گئی ہے، اس کا مقصد ایمان واذعان کی حقیقی روح اور تزکیہ باطن حاصل کرنا ہے، تہذیب، اخلاق اور تزکیہ نفس، جو نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے مقاصد بعثت میں اہم مقصد ہے، وہی تزکیہ وتصفیہ صوفیا کا مرکز عمل ہے، تزکیہ ہر پہلو سے ہمارے نفس کی تربیت کرتا ہے، جس سے ہمارا نفس نفس مطمئنہ بن جاتا ہے۔

تصوف کی اصل:۔ متقدمین صوفیا شریعت کے کمال اتباع ہی کو طریقت سمجھتے تھے، وہ خود علم شریعت کے رمز شناس اور دین کی نزاکتوں کا کامل ادراک رکھتے تھے، علامہ ابن جوزی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں، "ما كان المتقدمون في التصوف الا رؤساء في القرآن و الفقه و الحديث و التفسير" قدیم صوفیا قرآن وحدیث، فقہ اور تفسیر کے امام تھے۔ (تلبیس ابلیس ص ۳۴۵)

اس لیے ہم دیکھتے ہیں، کہ متقدمین صوفیا کے نزدیک تصوف کی اصل کتاب وسنت ہی ہے، ان کے نزدیک حدود شریعت کی حفاظت صوفی کے لیے شرط اول ہے۔

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "لو نظرتم الى رجل اوتى من الكرامات حتىٰ يرتفع في الهواء فلا تعتبر وابه حتى تنظروا كيف تجدونه عند الامر والنهي وحفظ الحدود" اگر تم کسی کو دیکھو کہ اسے اس قدر کرامت دی گئی، کہ وہ ہوا میں اڑتا ہے، تو اس سے دھوکا نہ کھاؤ، یہاں تک کہ یہ دیکھ لو، کہ وہ امرونہی اور حدود شریعت کی حفاظت میں کیسا ہے؟۔

سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

"جس شخص نے قرآن وحدیث کے احکام کو نہیں سمجھا اور ان کا علم حاصل نہیں کیا، تصوف میں اس کی اقتدا نہیں کی جاسکتی ہے، کیونکہ ہمارا یہ علم تصوف کتاب وسنت سے مقید ہے اور اجماع وقیاس کا مرجع بھی یہی دونوں ہیں"۔ (رسالہ قشیریہ)

متذکرہ بالا اقوال واقتباسات سے یہ بات واضح ہوگئی، کہ تصوف وسلوک کے ماخذ ومصادر قرآن وسنت ہی ہیں اور تمام اہل تصوف اس بات پر متفق ہیں، کہ تصوف کی عمارت قرآن وسنت ہی پر قائم ہوتی ہے، فی الحقیقت اسلامی تصوف کی بنیاد قرآنی تعلیمات، احادیث رسول، صحابۂ کرام کی پاکیزہ زندگی

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

اور تابعین و تبع تابعین کی مقدس سیرت پر ہے۔

متقدمین صوفیا کا تصوف:۔ قدیم اہل تصوف کے نزدیک تصوف کا مفہوم اتنا تھا، کہ اتباع کتاب و سنت میں کامل جدوجہد کی جائے، اسوۂ صحابہ کو دلیل راہ بنایا جائے، اوامر و نواہی کی تعمیل کی جائے، عبادت وطاعت کو مقصود حیات تصور کیا جائے، قلب کو غیر اللہ کی محبت سے خالی کیا جائے اور نفس کو خشیت الٰہی سے مغلوب کیا جائے، تزکیہ باطن و تہذیب اخلاق میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا جائے، ان کے نزدیک ترک و تجرید کا مفہوم بس اس قدر تھا، کہ تمام امور دنیوی اور رشتہ و قرابت کو چھوڑ کر گوشۂ عزلت اختیار نہ کرلیا جائے، بلکہ حیات و کائنات کے تعلقات و معاملات کو برتتے ہوئے، اللہ کی یاد اور اس کی طاعت و بندگی کا حق ادا کیا جائے، نفس کو دنیاوی آلودگی سے پاک و صاف رکھا جائے، حرص و طمع کبر و عجب سے دامن دل داغدار نہ ہونے پائے، چنانچہ حضرت شہاب الدین نقشبندی علیہ الرحمہ سے پوچھا گیا، کہ آپ کی طریقت کی بنیاد کس چیز پر ہے؟ جواب دیا، ''خلوت در انجمن''، یعنی بظاہر لوگوں کے ساتھ اور بباطن خدا کے ساتھ۔ ؎

از دروں شو آشنا و ز بروں بیگانہ وش
ایں چنیں زیبا روش کم می بود اندر جہاں

صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کا تصوف:۔ صدر الشریعہ بدر الطریقہ حضرت علامہ امجد علی اعظمی علیہ الرحمۃ والرضوان نے امام احمد رضا فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ کے دست حق پرست پر سلسلہ قادریہ میں شرف بیعت حاصل کیا تھا اور انھیں سے اس سلسلہ کی خلافت بھی پائی تھی، یہ وہ خانوادۂ طریقت ہے، جو معرفت و سلوک کے لیے علم و عمل کو لازم قرار دیتا ہے اور طریقت کے لیے شریعت کی پابندی پر زور دیتا ہے۔

بانی سلسلہ حضرت غوث الثقلین شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ نے اپنے فرزند ارجمند کو جو وصیت فرمائی، وہ خانوادۂ قادریہ کے بنیادی دستور کی حیثیت رکھتی ہے۔

''میں وصیت کرتا ہوں، کہ اللہ کا تقوی اور طاعت اختیار کرو اور احکام شریعت کی پابندی لازم رکھو، سینہ کو خباثت نفس سے صاف رکھو، ایذا دہی سے باز رہو، خود آزار خلق کا تحمل کرتے رہو، آداب درویشی نگاہ میں رکھو، بزرگوں کی بزرگ داشت کرتے رہو، برابر والوں سے حسن معاشرت رکھو، خردوں کو نصیحت کرتے رہو، رفیقوں سے جنگ نہ کرو، ایثار کو اپنے اوپر لازم کرلو''۔ (فتوح الغیب مقالہ ص ۷۵)

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا۔

''کتاب و سنت اپنے سامنے رکھو، تامل و تدبر کے ساتھ ان دونوں کا مطالعہ کرو، اور انھیں

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

دونوں کو اپنا دستور العمل بناؤ، قال وقیل اور ہوا وہوس سے دھوکہ نہ کھاؤ''۔(فتوح الغیب ص ۲۶)

حضرت صدر الشریعہ نے حضرت علامہ ہدایت اللہ رامپوری علیہ الرحمہ اور حضرت علامہ وصی احمد محدث سورتی علیہ الرحمۃ والرضوان سے تفسیر وحدیث، فقہ وکلام اور مروجہ علوم وفنون کا درس لیا تھا، یہ دونوں شیوخ محض علوم ظاہری ہی میں کمال نہ رکھتے تھے، بلکہ علم باطن اور سوز دروں کی دولت سے بھی مالا مال تھے، مشفق اساتذہ اور مرشد کامل کی تربیت خاص نے حضرت صدر الشریعہ میں اس صالح صوفیانہ فکر وعمل کی جوت جگائی، جو مشائخ قادریہ کا طرۂ امتیاز اور ان کی خصوصیت تھی۔

صدر الشریعہ نے اپنے اوراد واعمال صوفیانہ کے لیے خانقاہ یا گوشۂ عزلت کا انتخاب نہ کیا، بلکہ مشائخ قادریہ شیخ معروف کرخی شیخ سری سقطی، سید الطائفہ جنید بغدادی اور بانی سلسلہ حضرت غوث الثقلین رضی اللہ عنہم کی سنت طریقت اختیار کی اور خلق خدا میں رہ کر دین وشریعت کی خدمت بھی انجام دی اور تزکیہ وتصفیہ کے عمل سے لوگوں کے اندر روحانی قدریں بھی بیدار کیں۔

حضرت صدر الشریعہ کی پوری زندگی متقدمین اہل تصوف کی نہج پر گزری اور آپ کا فکر وکردار اور نظریہ وعمل صالح صوفیانہ اقدار کے سانچے میں ڈھلا ہوا تھا چنانچہ شیخ العلما حضرت علامہ غلام جیلانی اعظمی علیہ الرحمۃ والرضوان جنھوں نے حیات صدر الشریعہ کا بہت قریب سے مطالعہ کیا، تحریر فرماتے ہیں۔

''حضرت صدر الشریعہ شریعت وطریقت کے مجمع البحرین تھے، منطق وفلسفہ میں بھی آپ کو ید طولیٰ حاصل تھا، آپ کی ذہانت بھی آپ کی کرامت تھی، جس مضمون کو ایک مرتبہ دیکھ لیا سالہا سال تک یاد رہا، مسند تدریس پر جلوہ فرما ہوئے، تو ایسا پڑھایا، کہ ہزاروں مفلسوں اور تہی دستوں کو علم دین کے خزانوں کی کنجیاں عطا فرما دیں، اس علمی کمال کے ساتھ آپ عمل صالح اور خلوص کے بھی حامل تھے، آپ کی عبادت اور زہد وتقویٰ بلکہ آپ کا ہر کام خلوص سے ہوتا تھا، اس وجہ سے آپ کا کلام پر تاثیر ہوتا تھا، آپ کی دعا ومناجات سے رقت قلبی کا پتہ چلتا تھا، آپ مستجاب الدعوات بھی تھے، صابر ومتحمل المزاج بھی تھے، عفو ودرگذر آپ کا طریقہ کار بھی تھا، دینی نقصان کے پیش نظر آپ اظہار ناراضگی فرماتے، احقاق حق اور ابطال باطل آپ کا شیوہ تھا، غیبت وچغلی اور نفسانی عداوت سے آپ کو نفرت تھی، کینہ، بغض وحسد سے آپ پاک وصاف تھے، بہترین سیرت، بلند اخلاق، تہذیب وشائستگی کے پیکر تھے، آرام طلبی وعیش پرستی سے آپ کو نفرت تھی، مسکین پرور بیکس نواز تھے، صادق القول وعدہ وفا تھے، حرص وآز، تکبر وغرور سے بری تھے، ایک عالم باعمل اور صوفی کے لیے جو محاسن ہونے چاہئیں، وہ آپ میں موجود تھے''۔(اشرفیہ صدر الشریعہ نمبر ص ۱۴)

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

شیخ نظام الدین اولیانے فرمایا، کہ

''ایک طاعت لازمی ہے اور ایک طاعت متعدیہ، طاعت لازمی تو وہ ہے، جس کا فائدہ اسی ایک طاعت کرنے والے کی ذات کو پہنچتا ہے اور وہ نماز وروزہ حج اوراوراد وتسبیحات ہیں اور اسی طرح کی دوسری چیزیں ہیں، لیکن طاعت متعدی وہ ہے، جس سے دوسروں کو فائدہ اور راحت پہنچے خرچ کرنے اور شفقت برتنے سے اور حتی الامکان دوسروں کے حق میں مہربانی کرنے سے اس کو طاعت متعدیہ کہتے ہیں، اس کا ثواب حدوحصر سے زیادہ ہے''۔(فوائد الفواد ص ۲۲۷)

صوفیا وصلحائے امت نے طاعت لازمی کے ساتھ طاعت متعدیہ کو بھی اپنا شعار بنایا اور اپنی فیض بخشیوں سے عالم اسلام کو مالا مال کیا۔

حضرت صدرالشریعہ کی پوری زندگی اسی محور تصوف پر گردش کرتی ہے، وہ طاعت لازمی کے ساتھ طاعت متعدیہ کے پابند رہے اوراد واعمال، طاعت وعبادت، ذکر وفکر کے ذریعہ انھوں نے اپنے آئینۂ دل کو مزکی ومصفی کیا، تو دوسری جانب انھوں نے تشنگان علوم نبوت کو اپنے چشمۂ فیض سے سیراب کیا اور روحانی تربیت کے ذریعہ ان کے اندر تصوف کا صالح ملکہ پیدا کیا، اپنی تحریر وتقریر کے ذریعہ عوام الناس کے ایمان واعتقاد اور اعمال واخلاق کو درست کرنے کی سعی بلیغ فرمائی، جو بلاشبہ ان کا عظیم دینی وروحانی کارنامہ ہے، جس سے صرف نظر کرنا ممکن نہیں۔

<u>مشائخ گری ایک اہم کارنامہ:۔</u> چودھویں صدی ہجری کا عہد اسلامیان ہند کے لیے بڑا ہی الم انگیز اور ہمت شکن دور تھا، انگریزی سماج کے ہاتھوں بساط سلطنت الٹ چکی تھی، معاشی بدحالی مسلم معاشرہ کو اپنی گرفت میں لے چکی تھی، صرف اقتدار ومعیشت کا ہی بحران نہ تھا، بلکہ علمی، ثقافتی اور اخلاقی زبوں حالی بھی اپنے نقطۂ عروج کو چھو رہی تھی، ہر طرف حرماں نصیبی اور حزن وملال کے سائے چھائے ہوئے تھے، ایسے حالات میں ضرورت اس بات کی تھی، کہ ہندوستان میں بھی بغداد کی تاریخ دہرائی جاتی اور جس طرح یورش تاتار کے بعد پستی وزوال کے شکار مسلمانوں کی پناہ گاہیں خانقاہیں ہی تھیں اور صوفیا ومشائخ نے ٹوٹے ہوئے دلوں پر سکون وطمانیت کا مرہم رکھ کر گرتی ہوئی مسلم سوسائٹی کو سہارا دیا تھا، ٹھیک اسی طرح برصغیر ہند کے مسلم سماج میں مشائخ طریقت کے فیض روحانی سے اعتماد ویقین کی فضا بحال ہوتی اور بگڑی ہوئی اخلاقی حالت میں سدھار آتا، قلب کی طمانیت اور روح کا سکون شعور فکر کی اصلاح کرتا، جس کی مدد سے کھوئے ہوئے اقتدار کی بازیافت کی راہ ہموار ہوتی۔

مگر افسوس صد افسوس کہ اس دور کی اکثر وبیشتر خانقاہیں روحانیت سے خالی اور مشائخ طریقت

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

سوز دروں اور دولت اخلاص وعمل سے عاری تھے، تصوف کے حلقوں میں دینداری کے بجائے دنیاداری داخل ہوچکی تھی اور تصوف حقیقت سے الگ مخصوص رسم بن کر رہ گیا تھا، طریقت کو شریعت سے جدا کر کے چند ظاہری مراسم پر زور دیا جاتا تھا، ان حالات میں خانقاہ اور خانقاہ نشیں دونوں ہی اصلاح کے محتاج تھے، بھلا وہ لوگوں کی سیرت و اخلاق کی اصلاح کیا کرتے؟ اور روحانیت سے بے خبر جاہل صوفیا روحانی انقلاب پیدا کیسے کر سکتے تھے؟۔

عمرو بن عثمان مکی سے دریافت کیا گیا، کہ تصوف کیا ہے؟ تو فرمایا۔

''تصوف یہ ہے، کہ بندہ ہر وقت اسی کام میں مصروف ہو جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس وقت کے لیے بہترین اور مناسب ہو''۔

اس نقطۂ نظر سے اگر ہم حضرت صدر الشریعہ کی علمی و دینی خدمات کا جائزہ لیں تو یہ حقیقت بے نقاب ہوجاتی ہے، کہ وہ اپنے وقت کے عظیم صاحب باطن صوفی تھے، جنھوں نے کسی خانقاہ یا زاویے کو اپنے اوراد و وظائف، ترک و تجرید کا مسکن بنانے اور مریدوں کا وسیع حلقہ پیدا کرنے کے بجائے، دین کی ان اہم ضرورتوں کو محسوس کیا، جن سے ان کے معاصر صوفیا یا تو غافل تھے یا احساس کے باوجود وقت کے مطالبات کو پورا کرنے کی صلاحیت ہی نہ رکھتے تھے۔

ہم اوپر عہد صدر الشریعہ کی خانقاہوں اور مشائخ کی بے فیضی اور جہل کا جو سرسری تذکرہ کر چکے ہیں، ان کا تقاضا تھا، کہ خانقاہی نظام کی اصلاح کی جائے اور یہ اسی وقت ممکن تھا، کہ ایسے مردان کامل پیدا کیے جائیں جو علم شریعت میں مہارت رکھتے ہوں، دین کے تقاضوں اور اسلامی تصوف کی روح کو سمجھتے ہوں، تاکہ سادہ لوح عوام کو جاہل پیروں اور گمراہ صوفیوں کے دام تزویر سے نکال کر سچا طالب حق اور متبع شریعت بنائیں اور تصوف کے چہرے کو فلسفہ و حکمت اور عجمی جہالت کے غبار سے صاف کریں۔

تصوف میں جو غیر اسلامی اور فلسفیانہ عناصر شامل ہوئے ان کو اس نظام روحانی سے خارج کر کے خالص اسلامی تصوف کو رواج دیں، فکر و عمل کی تمام جہتوں میں قرون اولیٰ کے صوفیا کے ان عقائد و افکار اور اعمال و تجربات کو عام کریں، جس سے اس دور میں بھی وہی خوشگوار روحانی انقلاب رونما ہو، جو اسلامی تاریخ کی ابتدائی صدیوں میں صلحائے امت کی مساعی جمیلہ سے پیدا ہوا تھا۔

اور یہ ناقابل انکار حقیقت ہے، کہ صدر الشریعہ نے عام مشائخ کی طرح مرید سازی کی جدوجہد نہ کی، بلکہ آپ کی پوری کوشش ایسے صالح پاکیزہ باطن علما کی جماعت پیدا کرنے میں صرف ہوئی، جن کی کوششوں نے برصغیر ہند میں تصوف کے ڈوبتے ہوئے سفینہ کو بچایا اور روایتی صوفیا و مشائخ کی جاہلانہ روش

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

سے عوام کو بچانے کی بھرپور کوشش کی۔

اس طرح صدر الشریعہ نے مرید نہیں، بلکہ ایسے صالح مشائخ پیدا کیے، جن سے ہندوستان کی اکثر و بیشتر خانقاہیں خالی تھیں، آپ کا یہ وہ مہتم بالشان کارنامہ تھا، جو مجدد اسلام امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کے تجدیدی کارناموں کا عکس اور پرتو تھا۔

صدر الشریعہ کے دامن علم سے جو وابستہ ہوا، وہ صرف باکمال عالم ہی نہیں، بلکہ اسلامی تصوف کی حقیقی روح کا رمز شناس بھی بن گیا، حضرت صدر الشریعہ نے مردم گری اور مشائخ سازی کا جو اہم فرض انجام دیا، اس سے قطع نظر آپ کے تصنیفی کارناموں پر نگاہ ڈالی جائے، تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے، کہ بہار شریعت کے ذریعہ آپ نے صحیح اسلامی عقائد اور احکام شریعت سے اردو دنیا کو روشناس فرمایا، دنیائے اسلام کو ایسا جامع فقہی انسائیکلوپیڈیا عطا فرمایا، جس کی روشنی میں دین کی راہ پر چلنا آسان ہو گیا، جو خدا رسی اور معرفت کی منزل اولین ہے، اس کتاب کے بعد آپ تصوف و طریقت کے مسائل پر بھی ایک جامع کتاب تصنیف فرمانے کا ارادہ رکھتے تھے، جو کتاب و سنت اور سلف صالحین کے عارفانہ تجربات و مشاہدات کا نچوڑ ہوتی، چنانچہ صدر الشریعہ فرماتے ہیں۔

''اپنا ارادہ تو یہ تھا، کہ اس کتاب (بہار شریعت) کی تکمیل کے بعد اسی نہج پر ایک دوسری کتاب اور بھی لکھی جائے گی، جو تصوف و سلوک کے مسائل پر مشتمل ہو گی، جس کا اظہار اس سے پیشتر نہیں کیا گیا تھا، ہوتا وہی ہے، جو خدا چاہتا ہے، چند سال کے اندر متعدد حوادث پیہم ایسے درپیش ہوئے جنھوں نے اس قابل بھی مجھے باقی نہیں رکھا، کہ بہار شریعت کی تصنیف کو حد تکمیل تک پہنچاتا''۔

یہ کتاب کسی رند بادہ خوار کے ہذیانات کا مجموعہ نہیں، بلکہ بادۂ معرفت کے ایسے سرشار کے قلم سے نکلا ہوا شاہکار ہوتا، جس کے مسلک طریقت میں سکر نہیں، بلکہ صحو کو اختیار کیا گیا اور جس کے نقطۂ نظر میں طریقت شریعت سے الگ نہیں، اس طرح بہار شریعت کے ساتھ بہار طریقت بھی معرفت و حقیقت کی جستجو کرنے والوں کے لیے بہترین تحفہ ہوتا۔

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

حضرت شعیب الاولیا علیہ الرحمہ

اور بیعت وارشاد

خداوند تعالیٰ نے قرآن حکیم میں مسلمانوں کے مقصد حیات کی طرف واضح اشارہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

ولتکن منکم امة یدعون الی الخیر ویامرون بالمعروف وینھون عن المنکر (آل عمران)	اورتم میں ایک گروہ ایسا ہونا چاہیے، جو کہ بھلائی کی طرف بلائے ،اچھی بات کا حکم دے اور برائی سے منع کرے۔

تاریخ اسلام کے اوراق اس امر کی شہادت دیتے ہیں، کہ مسلمانوں کے اندر ہمیشہ ایسے برگزیدہ افراد موجود رہے ہیں، جنھوں نے حکم خداوندی کی بجا آوری کے لیے دعوت الی الخیر اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا مہتم بالشان فریضہ انجام دیا۔

خیر القرون میں صحابۂ کرام، تابعین عظام اور تبع تابعین کی مقدس جماعتوں نے جس انہماک،خلوص اور صبر واستقلال کے ساتھ یہ اہم دینی خدمات انجام دی،وہ دنیا والوں پر مخفی نہیں ہے، صلاح وتقویٰ کے بلند مقام پر فائز ہونے والے ان نفوس قدسیہ نے کسی تنظیم یا تحریک کے زیراثر یہ کام نہیں کیا، بلکہ انھوں نے اس کام کو مقصد حیات سمجھ کر دنیا کے مختلف خطوں میں پھیلی ہوئی اقوام عالم کے سامنے خدا کا آخری پیغام پیش کیا اور اسلام کی صداقت کے چراغ روشن کیے،معاشرہ کو فسق و فجور،ظلم و عدوان کے جراثیم سے پاک کر کے صلاح وتقویٰ،عدل واحسان پر مبنی سماج کی تشکیل فرمائی،ان مردان حق کی پاکیزہ زندگی کا ایک ایک عمل اور ان کے اخلاق وکردار کا ہر ہر پہلو بجائے خود اسلام کی صداقت کا داعی تھا،ان کے فکر وعمل کا پرکشش آئینہ دیکھ کر لوگ متوجہ ہوتے اور اسلام کی ابدی سعادت کو سینہ سے لگاتے۔

خیر القرون کے بعد جب معاشرہ میں بگاڑ پیدا ہونے لگا،خلفا وامرا،دین وشریعت کے نفاذ اور دعوت الی الخیر کی ذمہ داریوں سے سبکدوش ہوگئے،تو ائمہ مجتہدین،علمائے ربانیین اور صلحائے امت

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

نے حکومت وسلطنت کے تانے بانے، دولت وثروت کی رسہ کشی سے الگ ہٹ کر غیر مسلموں میں اشاعت دین اور مسلمانوں میں تزکیہ واحسان کا ماحول پیدا کرنے کی سعی بلیغ فرمائی، پھر ان کی بابرکت صحبتوں سے فیض اٹھانے والے مردان حق نے اپنی خدمات پیش کیں، رفتہ رفتہ رشد وہدایت کے اس انفرادی طریقۂ کار نے اجتماعیت کی شکل اختیار کر لی اور فکر وعمل کا ایک صالح مکتب وجود میں آیا، جسے دنیا نے تصوف کا نام دیا اور اس نظام روحانی سے وابستہ ہونے والوں کو صوفی کے لقب سے یاد کیا جانے لگا۔

تصوف کا یہ روحانی نظام کتاب وسنت کی بنیادوں پر قائم ہوا اور صوفیا، فکر وعمل کے لحاظ سے اسلام کی روش پر گامزن ہوئے، خانقاہیں بنائی گئیں، بیعت وارشاد کے منظم سلسلے وجود میں آ گئے۔

ان شیوخ طریقت اور ان کے خلفا کا وظیفۂ حیات دینِ حق کی صداقت کو زیادہ سے زیادہ افراد انسانی تک پہنچانا تھا، جس کی روشنی سے ان کے دل معمور تھے، سفر میں ہوں یا حضر میں، آبادی میں ہوں یا ویرانوں میں یہ مقصد خیر ان کے ساتھ ساتھ رہتا، پورا خانقاہی نظام اسی محور پر گردش کرتا رہا۔

بعد کی صدیوں میں اسی سرچشمۂ قوت نے اسلام کی ہمہ گیر اشاعت اور اس کی فکری وعملی روح کو مسلم معاشرہ میں باقی رکھنے کا اہم کارنامہ انجام دیا، تاریخ شاہد ہے، کہ مسلمانوں کے سیاسی زوال اور ان کی مرکزی خلافت کے دور انحطاط میں اگر کوئی مستحکم نظام، اسلام وایمان کا تحفظ کر رہا تھا، تو یہی طریقۂ تبلیغ اور انداز اصلاح تھا۔

وحشی تاتاریوں نے ترکستان سے لے کر روم تک مسلم بلاد وامصار کی اینٹ سے اینٹ بجادی اور دیکھتے ہی دیکھتے عباسی خلافت اور خوارزم شاہی سلطنت کے تانے بانے بکھیر دیے، مگر دنیا نے یہ حیرت انگیز منظر بھی دیکھا، کہ مسلمانوں کو مغلوب کرنے والے منگول اسلام کی صداقت کے سامنے سر جھکا رہے تھے، یہ سب کچھ خانقاہ نشیں مشائخ اور صلحا کی روحانی قوت اور حسن اخلاق کا فیض تھا، انھیں کی مساعی جمیلہ تھی، کہ، ع

پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانوں سے

<u>ہندوستان:۔</u> مسلمانوں کے لیے برصغیر ہند کے دروازے تو مسلم فاتحین نے کھولے، مگر اس سرزمین پر اسلامی دور کا آغاز مشائخ طریقت کے ورود سے ہوا، مرشدین برحق کے قافلے عرب وعجم سے سر بفلک پہاڑوں، پر پیچ وادیوں اور پرخطر صحراؤں کو عبور کر کے گنگ وجمن کے سبزہ زاروں میں داخل ہوئے اور ظلمت وکفر کے گہوارے میں شمع ہدایت کی تجلیاں پھیلائیں، مسلم سلاطین وامرا اپنی حکومت کے استحکام

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کے لیے برسر پیکار رہے، لیکن صاحب سجادہ بزرگوں اور دلق پوش درویشوں نے عوام کے درمیان رہ کر دعوت الی الخیر کا کام کیا اور ایمان واسلام کی بساط بچھائی، سیاسی غلطیوں نے مسلم سلاطین وامرا کی حکومتوں کا خاتمہ کر دیا، مگر روحانی فرمانرواؤں کی عظمت واقتدار کے سکے آج بھی چل رہے ہیں، جن کی پر خلوص جدوجہد سے ہندوستان کے چپہ چپہ میں اسلام کی شمع ہدایت روشن ہوئی اور انھیں کی مساعی جمیلہ سے یہاں کے گوشہ گوشہ میں سلاسل تصوف کی مختلف شاخیں برگ وبار لائیں اور اس زرخیز زمین میں تصوف کے مستقل چمن آباد ہوئے۔

ہندوستان میں تصوف کا نظام فکر وعمل اس وقت زبوں حالی کا شکار ہوا، جب ہوا پرست دنیا داروں نے لبادہ صوف اوڑھ کر خانقاہ نشینی اختیار کی اور اس مقدس شغل کو حصول جاہ ومال کا ذریعہ بنالیا، ان صوفیا نے تزکیۂ باطن کے لیے مجاہدہ وریاضت، ذکر وفکر تو دور کی بات ہے، فرائض وواجبات کی بھی پرواہ نہ کی، ان کے معتقدین بھی اسی راہ پر چل پڑے۔

ستم ظریفی دیکھیے، کہ انھوں نے شریعت کو طریقت کا حریف اور متضاد نظام قرار دے دیا، شریعت کی قید وبند سے آزاد ہو کر لایعنی بے بنیاد رسوم وخرافات کو عام کیا، جبکہ شریعت ہی نظام طریقت کی اساس ہے، شریعت کے بغیر طریقت کا تصور ایک بے معنی اور لغوی چیز ہو کر رہ جاتی ہے، اسی حقیقت کی طرف حضرت بایزید بسطامی علیہ الرحمہ نے اشارہ فرمایا ہے۔

لو نظرتم الی رجل اتی من الکرامات حتی یرتفع فی الھواء فلا تعتبروا به حتی تنظروا کیف تجدونه عند الامر والنھی وحفظ الحدود .

اگر تم کسی شخص کو دیکھو، کہ اس کو اس قدر کرامات دی گئی ہوں، کہ وہ ہوا میں اڑتا ہے، تو اس سے دھوکا نہ کھاؤ، یہاں تک کہ یہ دیکھ لو، کہ وہ امر ونہی اور حدود شریعت کی حفاظت میں کیسا ہے؟ (بحوالہ امام غزالی)

بعد کی صدیوں میں ہندوستان کے اندر بیعت وارشاد کے سلسلے تو قائم رہے، لیکن تاثیر واصلاح مفقود ہو گئی، خانقاہ نشیں ارباب طریقت لوگوں کی اصلاح کیا کرتے، وہ تو خود ہی صلاح وتقویٰ کی دولت سے تہی دست تھے، چنانچہ ایسے ہی پیشہ ور پیروں کے بارے میں حضرت شعیب الاولیا علیہ الرحمہ فرمایا کرتے تھے۔

جو پیری مریدی کرنے والے اپنے مریدین کو ہی ذریعۂ معاش بنالیتے ہیں، ان سے کسی کو کیا فیض مل سکتا ہے، وہ تو خود اپنی جگہ پر دوسروں کے محتاج ہیں۔ (تذکرۂ شعیب الاولیا ص ۶۲)

ان نازک حالات میں ایسے مشائخ کی ضرورت تھی، جو دین وشریعت کی بنیاد پر طریقت کا

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

روحانی قصر تعمیر کریں اور عوام کی اصلاح باطن کا فرض انجام دینے کے ساتھ ساتھ تصوف کی ان صالح قدروں کا احیا کریں، جنھیں ہوا پرست مشائخ نے مٹا دیا تھا۔

وہ عظمت مآب مشائخ وصوفیا جنھوں نے خالص اسلامی تصوف کے ذریعہ لوگوں کی رہنمائی اور تربیت نفس وتزکیۂ باطن کا مہتم بالشان فریضہ انجام دیا، ان میں سراج الاصفیا شعیب الاولیا حضرت سیدنا شاہ یار علی صاحب علیہ الرحمہ کی مقدس ومقتدر ہستی بھی ہے، آپ نے بیعت وارشاد کا سلسلہ جلب منفعت یا ذاتی مفاد کو مدنظر رکھتے ہوئے اختیار نہیں کیا، بلکہ وہ اس منصب کی اہلیت رکھنے کے باوجود بھی اپنی طرف مائل ہونے والے لوگوں کو مرید نہ کرتے اور دوسرے مشائخ کی نشاندہی فرماتے، لیکن علما و مشائخ کے اصرار پر جب آپ نے مسند بیعت وارشاد کو زینت بخشی، تو آپ کے فیوض روحانی سے فکر وعمل کا ایک صالح انقلاب پیدا ہوا۔

اصلاح اعتقاد:۔ حضرت شعیب الاولیا نے جس دور میں مسند بیعت وارشاد کو زینت بخشی، وہ تحریک وہابیت کے نشو ونما کا دور تھا، سادہ لوح مسلمانوں کو دام تزویر میں پھنسا کر ایمان واعتقاد تباہ و برباد کرنے کا شغل عام ہو چکا تھا، ایسے پر آشوب ماحول میں آپ نے لوگوں کو گمراہی سے بچانے، مسلک اہلسنت وجماعت پر قائم رہنے کی جو ہدایت فرمائی اور فرق باطلہ کے خلاف جو صف آرائی کی، وہ بجائے خود نہایت اہم کارنامہ ہے، عقیدے کی صحت آپ کے اصلاحی مشن کی اولین بنیاد تھی، جس کا اندازہ اس خلافت نامہ کے مندرجات سے بھی ہوتا ہے، جو صاحبزادہ حضرت علامہ غلام عبدالقادر علوی مدظلہ کو عطا کیا گیا۔

''آں عزیز کو سلسلۂ عالیہ، قادریہ، چشتیہ، محبوبیہ، لطیفیہ کی اجازت وخلافت دیتا ہے، کہ جو مرد یا عورت ان کے پاس توبہ و بیعت کے لیے حاضر ہوں، ان سے توبہ لے کر ان مبارک سلسلوں میں داخل کریں اور مسلک اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی رضی اللہ عنہ کے مطابق اسلام وسنیت کا متبع بنائیں اور پرانے مذہب اہلسنت جس کی تجدید واحیا اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ نے اپنی تحریرات مبارکہ، تصانیف مقدسہ میں کی ہے، خود مضبوطی سے قائم رہیں اور سنی مسلمانوں کو عموماً اور اپنے متوسلین ومعتقدین کو خصوصاً اس پر قائم رہنے کی تاکید شدید رکھیں''۔ (بحوالہ ماہنامہ فیض الرسول براؤں شریف ص ۱۰، اگست ۸۹ء)

یہی وجہ ہے، کہ حضرت شعیب الاولیا اور آپ کے خلفا کے مریدین ومتوسلین اور ان سے ارادت وعقیدت رکھنے والے مسلمان ایمان واعتقاد کے لحاظ سے منہاج سنت پر گامزن ہوتے ہیں اور

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

عقیدہ وعمل میں نرمی وفساد کو کسی حال میں روا نہیں رکھتے۔

نظام بیعت وارشاد کا بنیادی مقصد، فکر وعمل کی صالح قوتوں کو بیدار کرنا اور داخل سلسلہ افراد کو اخلاق حسنہ کا مظہر بنانا ہے، حضرت شعیب الاولیا کی اصلاحی سرگرمیاں بھی اسی مرکز ومحور کے گرد گھومتی ہیں۔

<u>نماز:۔</u> اسلام محض عقیدہ ہی نہیں، بلکہ عقیدہ وعمل کا ایک پورا نظام ہے، اسلام ایک زبردست انقلابی قوت ہے، جو پوری زندگی کو بدل دیتا ہے اور وہ ایک مخصوص انداز پر کام کرنے لگتی ہے، جس کے آثار ایک ایک حرکت سے ظاہر ہوتے ہیں اور ان آثار صفات کا سرچشمہ نماز ہے، اسی سے زندگی میں اسلامی نقوش ابھرتے ہیں اور اعلیٰ اخلاقیات کی تعمیر ہوتی ہے، وہ فحش ومنکر سے بچاتی ہے۔

اقم الصلوۃ ان الصلوۃ تنھی عن الفحشاء والمنکر ولذکر اللہ اکبر (عنکبوت)

تم نماز قائم کرو، یقیناً نماز بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے اور اللہ کی یاد بہت بڑی چیز ہے۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ درحقیقت وہی لوگ انجام دے سکتے ہیں، جن کی زندگیاں برائی سے پاک ہوں اور جو خود معروف کے سانچے میں ڈھل چکے ہوں، دنیا کے اندر انقلاب بے عمل واعظین کی پر جوش تقریریں نہیں لاتیں، بلکہ اس کے لیے ایسے باہمت لوگ درکار ہیں، جو اپنی تلقینات وتعلیمات کے عملی نمونہ ہوں اور دوسروں کو نصیحت کرنے سے قبل خود عمل کر کے دکھائیں۔

اس نقطۂ نظر سے جب ہم حضرت شعیب الاولیا کی زندگی کا مطالعہ کرتے ہیں، تو صاف نظر آتا ہے، کہ ایمان واعتقاد کی صحت کے ساتھ وہ اسلامی اخلاق وکردار کا مثالی پیکر تھے، اقامت صلوۃ ان کی عملی زندگی اور تبلیغی مشن کا سب سے اہم پہلو تھا، انھوں نے عمر بھر نماز کی پابندی کی اور ان کی زندگی کا روشن باب یہ ہے، کہ انھوں نے ہر حال میں نماز کو اس کی تمام شرعی نزاکتوں کے ساتھ ادا کیا، جو بجائے خود ایک عظیم کرامت ہے، جس کی نظیر آج کے صوفیا اور خانقاہ نشیں مشائخ میں شاید ہی مل سکے۔

نماز باجماعت کی مداومت نے آپ کے حلقۂ ارادت میں صحت اعتقاد کے ساتھ صوم وصلوۃ کی پابندی کا ذوق عام کر دیا، اسی بنا پر مریدین اعمال صالحہ اور اخلاق حسنہ کے پیکر نظر آتے ہیں، وہ ہمیشہ فرمایا کرتے ''نماز تو نماز ہے، جماعت تو جماعت تکبیر اولیٰ بھی فوت نہیں ہونی چاہیے''۔

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

تبلیغ وارشاد:۔ ایک مصلح اور مبلغ دین کا مقصد صرف کسی حقیقت کو ظاہر کر دینا ہی نہیں، بلکہ اس کے اظہار کے لیے پرکشش اسلوب بھی ضروری ہے، تاکہ جو لوگ قبول حق کی صلاحیت رکھتے ہیں، اسے بلا تامل قبول کرلیں اور اس مقصد کا لازمی تقاضا یہ ہے، کہ دعوت کی زبان موثر اور داعی کا طرز کلام فطری اور دلنشیں ہو، لیکن یہ صفت مصنوعی نہ ہو، کیونکہ صنعت گری، ملمع سازی بظاہر کتنی ہی دلکش ہو اس کا اثر دیرپا نہیں ہوتا، اسی لیے حق کی دعوت دینے والے ان نمائشی صناعیوں سے اپنے بیان کو آلودہ نہیں کرتے۔

تبلیغ وارشاد کے کام کے لیے دقیق علمی وفنی طرز کلام موزوں نہیں، مختلف طبیعت ومزاج رکھنے والے لوگوں کے سامنے وہ جس حقیقت کا اظہار کرے اس کا کوئی پہلو تشنگی نہ ہو اور اس کا اسلوب بیان ایسا دلکش و دل آویز ہو، کہ دل کی گہرائی میں اتر جائے، اجمال وابہام یا غیر ضروری طوالت، استعارات و تشبیہات کی کثرت اور عقل آزما تلمیحات کی زیادتی، ثقیل وغیر مانوس الفاظ کی بھرمار سے پرہیز کرے، اس کے کلام میں نرمی ودل سوزی ہو اور لفظ لفظ سے امرت ٹپکتا ہو چنانچہ شیخ شہاب الدین عمر سہروردی فرماتے ہیں۔

''شیخ کو چاہیے، کہ وہ مریدوں کے ساتھ ایسا ناصحانہ اور محبت بھرا کلام کرے، جیسا ایک شفیق باپ اپنے بیٹے کے ساتھ کرتا ہے، جو اس کے دین ودنیا کی فلاح وبہود کے لیے ہوتی ہے''۔ (عوارف المعارف ص ۵۷۳)

حضرت شعیب الاولیا کی تبلیغ واشاعت حق کا انداز، موعظت ونصیحت کا پیرایہ، ترغیب و ترہیب کا طرز اسی اسلوب دعوت کا آئینہ دار تھا، آپ سادہ، عام فہم زبان میں کلام فرماتے، لہجے کی نرمی دل کو مسخر کرلیتی اور گم گشتہ راہ کسی ضد کے بغیر اپنی اصلاح کے لیے آمادہ ہو جاتا۔

آپ اپنے کلام کو ہر اس چیز سے پاک رکھتے، جو مخاطب کے اندر ضد اور مخالفت کا جذبہ پیدا کرے، وہ اپنی برتری یا مخاطب کی غلطیوں پر بانداز استخفاف تنقید نہیں کرتے، بلکہ نرمی و ہمدردی سے نصیحت فرماتے، یہی وجہ ہے، کہ بڑے بڑے واعظین، شعلہ بار خطبا کی علمی نکات سے بھری ہوئی لمبی تقریریں سامعین پر وہ اثر نہ دکھا سکیں، جو حضرت شعیب الاولیا کے مختصر، بے تکلف جملے اپنا کام کر گئے۔

ذیل میں ہم کچھ ایسی ہی تربیتی نصیحتیں پیش کریں گے، جو باطنی اصلاح کے لیے آب حیات کا اثر رکھتی ہیں۔

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

☆ حضرت کے ایک ارادتمند براؤں شریف آئے، دوران قیام نماز باجماعت اور دیگر اذکار و عبادات کے پابند رہے، جبکہ اپنے وطن میں ان کی نمازیں کبھی کبھی فوت ہو جایا کرتیں، براؤں شریف کے اثنائے قیام ایک بار حضرت شعیب الاولیا نے ان سے فرمایا، ''جس طرح احاطۂ پاک میں پابند شرع بن کے رہتے ہو ایسے ہی اپنے وطن میں رہو''، اس مختصر پر تاثیر جملے نے شخص مذکور کو نماز واذکار کا اس درجہ پابند بنا دیا، کہ وہ عمر بھر نماز باجماعت کی ادائیگی سے بے پرواہ نہ ہوئے، سفر میں ہوں یا حضر میں نماز کبھی قضا نہیں ہوئی۔ (ماہنامہ فیض الرسول جون رجولائی ۹۴ء ص ۶)

☆ حضرت علامہ غلام جیلانی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ سابق شیخ الحدیث دارالعلوم اہلسنت فیض الرسول براؤں شریف نے ایک بار اپنے وطن میں دارالعلوم فیض الرسول کے لیے کچھ احباب سے زکوۃ وفطرہ کی رقم وصول کی اور اسے اپنی صدری کی جیب میں رکھ لیا، جس میں ان کے ذاتی روپے بھی تھے، دونوں رقمیں خلط ملط ہو گئیں، تو آپ کو اس کا احساس ہوا، جب آپ براؤں شریف پہنچے اور حضرت سے شرف نیاز حاصل کیا، باوجودیکہ آپ نے روپیوں کے اختلاط کا تذکرہ نہیں کیا، حضرت نے ارشاد فرمایا۔

''ہم زکوۃ وفطرہ کی رقم میں بہت محتاط رہتے ہیں، ایسی رقم کو بڑی احتیاط کے ساتھ الگ رکھتے ہیں، تاکہ اپنی ذاتی رقم کے ساتھ مخلوط ہونے کا احتمال نہ رہے، اللہ کا کرم ہوا کہ اس احتیاط کے سبب ہم سے کبھی ایسی غلطی نہیں ہوئی''۔ (ایضاً)

اس نصیحت پر حضرت شیخ العلما کا تاثر ملاحظہ فرمایے۔

میری پردہ پوشی فرماتے ہوئے، اس طرح سے مجھے ہدایت فرمائی، کہ کسی دوسرے شخص کو میرے خطاوار ہونے کا احساس نہیں ہو سکا اور میں نے آپ کی اس درپردہ نصیحت سے اپنی خاص بے توجہی اور بے احتیاطی کو سمجھ بھی لیا، کیسی پیاری نصیحت اور کیسا پیارا اشارہ ہے۔ (ایضاً)

☆ حضرت شیخ العلما کا بیان ہے، کہ ایک بار احاطۂ فیض الرسول میں کوئی ضرورتمند آیا اور اس نے مجھ سے اپنے لیے تعویذ لیا اور پانچ روپیہ بطور نذرانہ دے کر چلا گیا، اس واقعہ کی خبر کسی کو بھی نہ تھی، مگر جب میں ظہر کی نماز کے لیے مسجد میں پہنچا، تو حضرت شعیب الاولیا نے مجھ سے فرمایا۔

''شیخ العلما صاحب ہم نے آج تک کسی کو تعویذ دے کر نذرانہ نہیں لیا، ہمارا خیال ہے، کہ اس طرح نذرانہ لینے میں اجرت اور معاوضہ کی بو آرہی ہے، ایسی عادت سے نفس حریص ہو جائے گا، زبان سے معاوضہ طلب نہیں کرے گا، تو بھی دل میں معاوضہ لینے کی خواہش پیدا

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ہو جائے گی، پھر یہ خدمت خالصاً لوجہ اللہ نہ ہوگی۔ (ایضاً)

یہ بیان اس دین پرور شیخ طریقت کا تھا، جس نے دنیا کو ترک کر دیا تھا، جس کا دامن حرص وطمع کے داغوں سے پاک تھا اور جس کا مطمح نظر یہ تھا۔

''مرید اپنے پیر کا معنوی بیٹا ہوا کرتا ہے، اس لیے مرید کے پاس ہو تو پیر کھائے اور پیر کے پاس ہو تو مرید کھائے''۔ (تذکرہ شعیب الاولیا ص ۶۳)

یہ محض بیان نہیں تھا، بلکہ آپ کی زندگی اس کی عملی تعبیر بھی تھی، نذرانے اور فتوحات کی کبھی حرص نہ کی اور جو کچھ آیا، اسے جمع نہیں کیا بلکہ اپنے اس قول پر عمل پیرا رہے ''بندہ کو ایک بندہ دے تو اسے دوسرے حاجتمندوں پر تقسیم کر دیا جائے''

حضرت شعیب الاولیا نے دعوت الی الخیر اور نہی عن المنکر کو اپنی زندگی کا فرض عین قرار دیا تھا، وہ جہاں جاتے یہ مقصد ان کے ساتھ جاتا اور ان کی زندگی کے ہر عمل میں اس کی شرکت لازمی تھی، سفر میں ہوں یا حضر میں، امن کا دور ہو یا اضطراب وانتشار کا زمانہ ان کی زندگی کا ہر لمحہ اور عمل کا ہر رخ یہ جذبۂ خیر لیے رہتا، ان کا اٹھنا بیٹھنا، چلنا پھرنا، غرض ہر کام اپنے اندر دعوت الی اللہ کا معنوی مقصد پوشیدہ رکھتا تھا، جس سے بیعت وارشاد کا روحانی نظام عبارت ہے۔

دیدہ ودل کے اندھیروں میں اجالا کر دیا
اٹھ گئی جس پر نظر اللہ والا کر دیا

http://t.me/Tehqiqat

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

شہزادی جہاں آرا بیگم کی مشائخ چشت سے عقیدت

محمد بن قاسم ثقفی کی فتوحات سندھ کے بعد ہندوستان کی سرزمین پر اسلام کی اشاعت وتبلیغ کا اہم کام شروع ہوا اور علما ومشائخ کی مساعی جمیلہ سے لوگوں میں علم وعرفان کا ذوق بڑھا، پھر محمود غزنوی کے حملوں نے شمالی ہند میں اسلام کی روشنی پھیلائی، بعدہ شہاب الدین غوری کی فتوحات کے نتیجہ میں سندھ سے لے کر بنگال تک ہندوستان کے بہت بڑے خطے پر مسلمانوں کا اقتدار قائم ہوگیا اور اسی کے ساتھ ہندوستان کے طول وعرض میں علما ومشائخ کی ٹولیاں شہروں، قصبوں اور سنسان علاقوں تک پہنچ کر دعوت و تبلیغ حق میں شب وروز مصروف ہوگئیں اور یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے، کہ آج برصغیر ہند میں موجود تقریباً نصف ارب مسلمان انھیں خدارسیدہ نفوس قدسیہ کی بے لوث جدوجہد کا نتیجہ اور ثمرہ ہیں، یہی وجہ ہے، کہ ہندوستان کے مسلم عوام وخواص ابتدا ہی سے ان مشائخ طریقت اور علمائے ربانیین کے عقیدت کیش اور ان سے والہانہ اخلاص وارادت کا رشتہ رکھتے ہیں، خود ہندوستان کے سلاطین وامرا نے بھی ان سے عقیدت وارادت کا تعلق رکھنے کو اپنے لیے دارین کی سعادتوں کا وسیلہ خیال کیا۔

ہندوستان میں طریقت وتصوف کے جو سلاسل قائم ہوئے، ان میں سلسلۂ چشتیہ کو خاص اہمیت حاصل ہوئی، سلطان الہند حضرت خواجہ غریب نواز رضی اللہ عنہ اور ان کے خلفا ومتوسلین کی مساعی جمیلہ سے اسلام وروحانیت کا جو عظیم کام ہوا، وہ اسلام کی تاریخ وتبلیغ کا اہم باب ہے، اسی بنا پر ہندوستانی مسلمانوں کے خس پوش مکانوں سے لے کر شاہی ایوانوں تک ان کی شمع عشق وارادت کا نور پھیلا ہوا ہے، خانوادۂ چشت کے اکابر مشائخ کی خانقاہیں اور ان کے آستانے ہمیشہ مرجع خلائق رہے، بلاتفریق شاہ وگدا سب ان کے آستانوں پر سائلین برکت وروحانیت کی صف میں دوش بدوش نظر آتے ہیں اور یہ رنگ سلطان الہند خواجہ غریب نواز کی بارگاہ میں پورے طور پر نمایاں ہے، مغل سلاطین جو عظمت واقتدار، شوکت وثروت، خدم وحشم کے لحاظ سے تمام سلاطین ہند کے خانوادوں پر فوقیت رکھتے ہیں، انھوں نے دربار خواجہ میں حاضری کو اپنے لیے سعادت وافتخار دارین کا ذریعہ سمجھا، ان کا یقین تھا، کہ ہندوستان کی حکومت کا استحکام حضرت خواجہ کی عنایتوں کا مرہون منت ہے۔

مغل شہنشاہ اکبر اعظم نے تقریباً ۱۲ رمرتبہ اجمیر کی حاضری کا شرف حاصل کیا، شہزادہ سلیم کی

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ولادت کے بعد فتح پور سیکری سے پاپیادہ اجمیر پہنچا اور وہاں ایک شاندار مسجد اور کچھ عمارتیں تعمیر کرائیں، نورالدین جہانگیر ۱۰۲۲ھ میں اجمیر شریف حاضر ہوا اور فقرا و مساکین میں خوب زر و جواہر لٹائے، ۱۰۲۵ھ میں ایک لاکھ دس ہزار روپیہ کی لاگت سے ایک طلائی مجر بنوایا (جواب موجود نہیں) چھوٹی دیگ بنوائی، جس میں ۸۰ من چاول پکتا ہے، سلطان شہاب الدین شاہجہاں نے اپنے دور حکومت میں پانچ مرتبہ دربار خواجہ میں حاضری کی سعادت حاصل کی، روضہ منورہ سے متصل سنگ مرمر کی ایک عالی شان مسجد تعمیر کرائی، جس کی تعمیر پر اس دور میں دو لاکھ چالیس ہزار روپے خرچ ہوئے، مزار مبارک کے گرد نقرئی مقصورہ بھی شاہجہاں کا بنوایا ہوا ہے، بعد کے مغل سلاطین اور امرا نے عقیدت و احترام کے ساتھ دربار خواجہ میں حاضری دی اور احاطۂ درگاہ میں متعدد عمارتیں تعمیر کرائیں، جو ان کا بہترین خراج عقیدت ہے۔

شہزادی جہاں آرا بیگم متوفیہ ۱۰۹۲ھ شاہی محل کے اندر عیش و تنعم کے ماحول میں پروان چڑھنے کے باوجود عفت و پارسائی کا پیکر تھیں، عبادت و ریاضت زندگی کا معمول اور اولیاء اللہ سے قلبی لگاؤ اور ان کی روحانی شخصیتوں کی عقیدت و ارادت کے نقوش قلب و روح کی گہرائیوں میں مرتسم تھے، اپنی کتاب مونس الارواح کے مقدمہ میں جس کا اظہار انھوں نے بڑے اخلاص سے کیا ہے، وہ لکھتی ہیں۔

''حق سبحانہٗ تعالیٰ نے اولیائے کرام قدس اللہ اسرارہم کے وجود مسعود کو دنیا اور دنیا والوں کے ثبات و استقرار کا سبب بنایا اور ان کی سعادت التزام برکتوں سے دنیا اور دنیا والوں کو پائیداری و استحکام عطا کیا، اس گروہ والا شکوہ (اولیاء اللہ) کے نفوس متبرکہ کی برکت کی وجہ سے تمام فیوض و برکات آسمان سے زمین پر نازل ہوتے ہیں، جو سعادت مند شخص از روئے عقیدت خاص ان بزرگوں کے ارادت و اخلاص کا پٹکا اپنی روح کی کمر میں باندھتا ہے، وہ فیض بہرۂ تمام اور فائدہ مالا کلام حاصل کرتا ہے، حق تعالیٰ جل مجدہ وعلا نے اس باعظمت گروہ کو مسلمانوں کی نجات کا وسیلہ اور درجات بہشت کے پانے کا واسطہ اور جہنم کی وادیوں سے رہائی کا سبب بنایا''۔ (مقدمہ مونس الارواح ص ۱۹)

شہزادی جہاں آرا بیگم فرائض و واجبات کی ادائیگی کے بعد اکثر بزرگان دین اولیائے کاملین کے واقعات و حالات پر مشتمل کتابوں کے مطالعہ میں بسر کرتیں اور ان نفوس قدسیہ کے روحانی حالات و کمالات سے قلب و روح کی تسکین کا سامان مہیا کرتیں، وہ لکھتی ہیں۔

''چوں ایں ضعیفہ راجیہ بعد از ادائے فرائض و واجبات و تلاوت قرآن مجید ہیچ امر شریف تر از ذکر حالات و مقامات اولیائے کرام قدس اللہ ارواحہم نمی داند بنا بریں خلاصۂ اوقات خود را بمطالعۂ کتب و رسائلے کہ مشتمل بر احوال سعادت آل بزرگان دین و اکابر صاحب یقین است صرف می نماید'' (مونس

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

الارواح ص ۸۴)

اس ضعیفہ امید وار کرم کے نزدیک فرائض وواجبات کی ادائیگی، تلاوت قرآن مجید کے بعد اولیاء اللہ قدس اللہ ارواحہم کے حالات ومقامات کے ذکر سے بہتر کوئی چیز نہیں، اسی وجہ سے اپنے خاص اوقات کوان کتابوں اور رسالوں کے مطالعہ میں بسر کرتی ہے، جو بزرگان دین اور اکابر صاحب یقین کے احوال سعادت مآل پر مشتمل ہیں۔

اپنے آباواجداد کی طرح شہزادی کو حضرت قطب الاقطاب، سید الاتقیا نیر آسمان معرفت، غوث الاسلام والمسلمین معین الملۃ والحق والدین محمد الحسینی السنجری الچشتی قدس اللہ سرہ العزیز سے بڑی عقیدت وارادت تھی، اسی عشق وارادت کا نتیجہ تھا، کہ اس نے حضرت خواجہ غریب نواز اوران کے نامور خلفا واکابر چشت پر ایک مختصر رسالہ ''مونس الارواح'' کے نام سے تالیف کیا، وہ لکھتی ہیں۔

''کمال اخلاص وعقیدت مندی ایں فقیرہ راباراں داشت کہ مختصرے از احوال حضرت پیر دستگیر و خلفائے بزرگ آں حضرت روح اللہ ارواحہم تحریر نماید'' اس فقیرہ کی کمال ارادت مندی اور اخلاص نے آمادہ کیا، کہ حضرت پیر دستگیر اوران کے بزرگ خلفا کے حالات میں ایک مختصر رسالہ تحریر کرے۔ (مونس الارواح ص ۸۴)

شہزادی جہاں آرا بیگم نے عشق وارادت میں ڈوب کر حضرت خواجہ غریب نواز اور سلسلۂ چشتیہ کے اکابر مشائخ کے حالات تحقیق وتفحص کے بعد تحریر کیے، یہ کتاب ایک طرف شہزادی کے پاکیزہ علمی ذوق اور عمدہ اسلوب نگارش کا شاہکار ہے، تو دوسری جانب اکابر چشت سے شیفتگی واخلاص کا ناقابل فراموش دستاویز۔

وہ اپنی وارفتگی وشیفتگی کا اظہار ان الفاظ میں کرتی ہیں۔

''ہزاراں حمد وشکر فراواں وثناوستائش مر خدائے کریم ورحیم تعالیٰ وتقدس کہ حلقۂ ارادت وبندگی سلسلۂ شریفہ معظّمہ مکرمہ چشتیہ را کہ درممالک وسیعہ ہندوستان بلکہ در تمامی معمورۂ جہان رواج واشتہار دارد وبسی اولیای بزرگ عالی مقدار وبسیاری از مشائخ کبار نامدار ازیں سلسلۂ عالیہ برخاست اند درگوش دل اخلاص منزل ایں فقیرہ حقیرہ بے بضاعت وضعیفہ ونحیفہ بے استطاعت راجیہ از درگاہ الٰہیٰ جہاں آرا بنت شاہجہاں بادشاہ غازی بن جہانگیر بادشاہ بن اکبر بادشاہ کردہ وایں ضعیفہ اگر برسر ہر موز بانی داشتہ باشد از ادای شمہ شکر ایں عطیۂ عظمیٰ وموہبت کبریٰ عاجز است''۔ (مونس الارواح ص ۲۰،۲۱)

''ہزاروں تعریفیں اور بے اندازہ شکر وثنا اور ستائش اس خدائے کریم ورحیم تعالیٰ وتقدس کے

https://t.me/tehqiqat

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

لیے ثابت ہے، جس نے سلسلہ چشتیہ شریفہ معظّمہ ومکرمہ چشتیہ کی ارادت وغلامی کے حلقے کو جو وسیع ملک ہندوستان بلکہ ساری دنیا میں رائج اور مشہور ہے اور بہت سے عالی قدر بزرگان دین اور اولیا اور بہت سے نامدار ومشائخ کبار اس سلسلہ عالیہ میں پیدا ہوئے، اس بے بضاعت فقیرہ حقیرہ اور بے استطاعت ضعیفہ نحیفہ بارگاہ الٰہی کی امیدوار جہاں آرا بنت شاہجہاں بادشاہ غازی بن جہانگیر بادشاہ بن اکبر بادشاہ کے گوش دل میں اخلاص وارادت کو جاگزیں کیا، اگر یہ ضعیفہ اپنے ہر بال کی نوک پر زبان رکھتی، پھر بھی اس عطیۂ عظمیٰ اور موہبت کبریٰ کے حصۂ شکر کو ادا کرنے سے قاصر رہتی''۔

مونس الارواح کے مقدمہ میں حضرت غریب نواز سے ارادت کا اظہار واقرار کرنے کے بعد منقبت کے کچھ اشعار تحریر کیے ہیں، جو شہزادی کے شاعرانہ کمال اور اس کے جذبۂ عشق وارادت کے غماز ہیں۔

''ایں فقیرہ از کمترین مریدان عبودیت نشان حضرت قطب الاولیا، برگزیدۂ درگاہ ایزد تعالیٰ، عارف واصل، کامل مکمل غوث العارفین، غیاث الاسلام والمسلمین، سرور مشائخ کبار، سرحلقۂ اولیا نامدار

آں شہنشاہ جہان معرفت ذات او بیروں زادراک وصفت
خسرِ وِ ملک فنا بے تخت و تاج از خود واز غیر خود بے احتیاج
غرق بحر عشق از صدق وصفا از خودی بیگانہ باحق آشنا
کرد مرغ ہمتش اوج کمال بیضۂ افلاک را در زیر بال
اختر برج سپہر لم یزل گو ہر درج کمال بے بدل
آں معین دین و ملت بے نظیر فارغ از دنیا بملک دیں امیر
در ثنای اوزبانم راچہ حد فیض و باید کہ فرماید مدد

(مونس الارواح ص ۲۰/۲۱)

مقدمہ کے آخر میں رقم طراز ہیں۔

''والحمد للہ والمنۃ کہ از برکت روح مطہرۂ آنحضرت ویمن عقیدت واخلاص خود بریں مطلب اعلیٰ فائز گردیدو رسالۂ جدا تحریر نمودہ بمناسبت اسمی رسالہ کہ حضرت پیر دستگیر نوشتہ ''انیس الارواح'' نام کردہ اندایں مرید عقیدت مند نیز رسالہ را موسوم بہ ''مونس الارواح'' گردانید، امیدوار ست کہ ہر کس بر کشتی ارادت چشتیاں نشیند اللہ سبحانہ وتعالیٰ اورا از تلاطم امواج بحر عصیاں نجات بخشیدہ بساحل مراد رساند ورجاء واثق است کہ عنایت بے غایت پیر دستگیر کہ در بارۂ مریدان صادق الاعتقاد مبذول است در دنیا وآخرت

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

دستگیری وحمایت ایں ضعیفہ راجیہ نماید''۔(مونس الارواح ص۲۲)

خدا کا شکر واحسان ہے، کہ آنحضرت کی پاکیزہ روح کی برکت اور اپنی عقیدت واخلاص کی سعادت مندی سے اعلیٰ مقصد میں کامیاب ہوئی اور ایک علاحدہ رسالہ تحریر کیا، حضرت پیر دستگیر کے تحریر کیے ہوئے رسالہ ''انیس الارواح'' کے نام کی مناسبت سے اس عقیدت مند مریدہ نے اپنے رسالہ کو بھی ''مونس الارواح'' کے نام سے موسوم کیا، امید کرتی ہوں، کہ جو شخص مشائخ چشت کی عقیدت کی کشتی پر بیٹھے، اللہ تعالیٰ اس کو بحر عصیاں کی موجوں کے تلاطم سے نجات عطا کر کے مراد کے ساحل پر پہنچائے گا اور پختہ امید ہے، کہ پیر دستگیر کی بے انتہا عنایت جو صادق الاعتقاد مریدوں کی طرف مبذول ہوتی ہے، دنیا اور آخرت میں اس ضعیفہ راجیہ کی دستگیری اور حمایت کرے گی۔

مونس الارواح ۲۸ رمضان ۱۰۴۹ھ کو مکمل ہوئی، مگر شہزادی کے دل میں دربار خواجہ میں حاضری کی جو تڑپ اور شوق تھا، اس کی تکمیل نہ ہوسکی، زیارت کا جذبۂ بے کراں اور حاضری کا ذوق وشوق تین سال بعد اس وقت پورا ہوا، جب وہ اپنے والد شاہجہاں بادشاہ کے ساتھ ۱۸ رشعبان المعظم ۱۰۵۳ھ کو آگرہ سے چل کر ۷ ررمضان المبارک ۱۰۵۳ھ کو اجمیر مقدس پہنچیں، اس سفر کے احوال اور حاضری کی کیفیت کو شہزادی نے خاتمہ میں بڑے والہانہ پن کے ساتھ تحریر کیا ہے، جو حضرت خواجہ بزرگ کے احترام وعقیدت کے بے پایاں جذبات کی عکاسی کرتا ہے، ملاحظہ فرمائیں۔

''اس سفر میں روزانہ ہر منزل پر دو رکعت نفل نماز ادا کرتی، ایک بار سورہ یٰسین وسورہ فاتحہ اخلاص وعقیدت سے پڑھ کر حضرت پیر دستگیر خواجہ معین الحق والدین رضی اللہ عنہ کی روح پر فتوح کو ایصال ثواب کرتی، چند روز عمارت مذکورہ میں قیام کیا، لیکن انتہائی پاس ادب کی وجہ سے رات کو پلنگ پر نہ سوئی اور روضۂ مبارک کی طرف پاؤں نہ پھیلایا اور نہ ہی اس کی طرف پیٹھ کی، دن میں درختوں کے نیچے رہتی، حضرت کی برکت اور اس سرزمین جنت آئین کے فیض سے اطمینان اور خاص ذوق پیدا ہوا، رات میں محفل میلاد شریف اور چراغاں کرتی، روضہ کی خدمت اور زینت میں جو کچھ بھی ہوسکا، میں نے اس کے کرنے میں کوتاہی نہ کی اور نہ ہرگز کبھی کروں گی، الحمدللہ والمنۃ لاکھ لاکھ شکر ہے، کہ روز پنج شنبہ ۱۴ ررمضان المبارک کو پیر دستگیر رضی اللہ عنہ کے مرقد منور کی زیارت کی اور اپنے زرد چہرے پر اس آستانہ کی خاک ملی، دروازہ سے گنبد مبارک تک ننگے پاؤں زمین چومتی ہوئی گنبد شریف میں داخل ہوئی اور مزار کی خوشبودار خاک کو آنکھوں کا سرمہ بنایا، اس وقت ایسی حالت اور کیفیت پیدا ہوئی، کہ لکھی نہیں جاسکتی، انتہائی ذوق و شوق اور سراسیمگی کے عالم میں سمجھ میں نہیں آتا تھا، کہ کیا کہوں اور کیا کروں؟ القصہ پہلے عطر وعنبر کو حضرت

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کے مزار معنبر ومعطر پر اپنے ہاتھوں سے ملا اور پھولوں کی چادر جو اپنے سر پر رکھ کر لائی تھی، قبر مبارک پر چڑھائی، اس کے بعد سنگ مرمر کی مسجد میں (شاہ جہانی مسجد) جو والد بزرگوار نے تعمیر کرائی ہے، نماز ادا کی اور پھر گنبد مبارک میں بیٹھ کر سورہ یٰسین اور سورۂ فاتحہ روح پر فتوح کے ایصال ثواب کے لیے پڑھی مغرب کی نماز تک وہیں مقیم رہی، شمع روشن کی، جھالرہ کے پانی سے افطار کیا، عجیب شام تھی، جو صبح سے بہتر تھی، اگر چہ اس فانیہ کے اخلاص ومحبت وعقیدت کا تقاضا یہ ہو رہا تھا، کہ اس مقام متبرک سے نہ ہٹے، لیکن کوئی چارہ نہ تھا۔

رشتہ در گرد نم افگندہ دوست
می برد ہر جا کہ خاطر خواہ اوست

''اگر اختیار ہوتا، تو ہمیشہ حضرت کے روضہ کے پاس رہتی، کیوں کہ یہ عجیب گوشۂ عافیت ہے اور میں گوشۂ عافیت کی عاشق ہوں، مجبوراً چشم گریاں اور دل بریاں اور لاکھوں افسوس کے ساتھ درگاہ سے رخصت ہو کر گھر آئی، تمام رات بے قراری میں گزاری، صبح کو جمعہ کے بعد والد بزرگوار نے اکبر آباد (آگرہ) کی طرف کوچ فرمایا''۔ (مونس الارواح ص ۸۵/۸۶/۸۷)

۱۰۶۸ھ میں انقلاب حکومت کے بعد شاہجہاں کو آگرہ کے قلعہ میں نظر بند کر دیا گیا، تخت وتاج سے محروم بادشاہ کی غم خواری کے لیے اس کی چہیتی بیٹی جہاں آرا بیگم تا دم مرگ مونس وغم خوار رہی، ۲۶/رجب ۱۰۷۶ھ کو شاہجہاں کا انتقال ہوا، والد کے انتقال کے بعد دہلی منتقل ہو گئیں، مگر وہ شاہی محل میں مقیم ہونے کے باوجود فقیرانہ زندگی بسر کرتی رہیں، ان کے بیش تر اوقات نماز ومناجات ذکر واذکار اور تلاوت کلام پاک میں بسر ہوا کرتے، بالآخر ۳/رمضان المبارک ۱۰۹۲ھ/ ۱۶/اپریل ۱۶۸۱ء کو شہزادی نے داعی اجل کو لبیک کہا اور اپنی خواہش کے مطابق درگاہ نظام الدین اولیا میں سلطان المشائخ کے مزار اقدس کے پائینتے دفن ہوئیں، اس طرح اس درویش صفت، عفت مآب شہزادی نے مرنے کے بعد بھی خواجگان چشت سے اپنی گہری عقیدت کا نقش دنیا والوں کے لیے چھوڑا، جہاں آرا کے مزار کے گرد سنگ مرمر کا محصورہ ہے، مگر مزار خام ہے، جس پر سبزے کی بہاریں ہمیشہ مصروف تسبیح وتہلیل رہتی ہیں، لوح مزار پر منقوش اس شعر سے شہزادی کی پارسائی اور زاہدانہ فکر وعمل کی غمازی ہوتی ہے۔

بغیر سبزہ نہ پوشد کسے مزار مرا
کہ قبر پوش غریباں ہمیں گیاہ بس است

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

احوال

http://t.me/Tehqiqat

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

حضرت بابا قاسم سلیمانی قادری (چنار)

قوم افغان کی تحقیق:۔ قوم افغان کی اصل کے بارے میں بوعلی بن احمد نے خواجہ محمد مستوفی سے نقل کیا ہے، کہ افغان بادشاہ طالوت کی نسل سے ہیں اور طالوت ہود بن یعقوب علیہما السلام کی اولاد سے ہیں، بادشاہ طالوت کے دو بیٹے تھے، برخیا، ارمیا[1]، بادشاہ طالوت کی شہادت کے بعد اس کی سلطنت عطائے ایزدی سے حضرت داؤد علیہ السلام کو ملی، برخیا، ارمیا دونوں بھائی حضرت داؤد کے ملازم ہو گئے۔ (حضرت داؤد یہودا بن یعقوب علیہ السلام کی نسل سے ہیں) برخیا کے بیٹے کا نام افغان اور ارمیا کے بیٹے کا نام اذبک رکھا گیا، حضرت داؤد علیہ السلام کے بعد امور سلطنت حضرت سلیمان علیہ السلام کے ہاتھوں میں آئے، تو افغان اور اذبک دونوں چچازاد بھائیوں نے حضرت سلیمان کی ملازمت اختیار کر لی، حضرت سلیمان نے افغان کو جو انتہائی بہادر وشجاع انسان تھا، کوہستان پر رہنے کی اجازت مرحمت فرمائی[2]، چنانچہ اس نے سارے کوہستانی علاقے کو فتح کر لیا اور خود وہاں کا مالک ومختار بن گیا۔

اذبک چونکہ عقل وفراست میں ممتاز تھا، اس لیے اسے اپنے پاس امور سلطنت کا مشیر خاص بنا کر رکھا۔

حضرت بابا قاسم کا نسبی تعلق عزیٰ بن کندی بن حرشکیون بن سرہ بن افغنہ سے ہے، (ان کے مورث اعلیٰ افغنہ یا افغان وہی ہیں جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے حکم سے کوہستانی علاقہ میں بود وباش کے لیے آئے اور پورے علاقہ کو فتح کر کے زیر نگیں کر لیا اور ان کی نسل کے لوگوں نے علاقۂ مذکورہ کو اپنا مسکن بنایا، جس کے سبب یہ علاقہ آج افغانستان کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، جس کے باشندے اپنی فطری شجاعت وبہادری کے لیے آج بھی مشہور ہیں)

---

[1] اس باب میں افغانوں کے مورخین میں قدرے اختلاف پایا جاتا ہے، چنانچہ تاریخ افاغنہ کے مولف شہاب الدین ثاقب کی اپنی تحقیق یہ ہے، ''افاغنہ (پٹھانوں) کا سلسلۂ نسب حضرت یعقوب علیہ السلام کے صاحبزادے یہودا تک پہنچتا ہے، اور یہ سلسلہ اس طرح چلا۔ اخنوح، مہلب، قائع، قیس، طالوت، حضرت طالوت کے دو لڑکے ہوئے اور داؤد ہوئے، حضرت داؤد کو امر سلطنت اور برخیا کو فوجی نظام سپرد کیا گیا، پھر برخیا کا لڑکا آصف اور برمیا کا لڑکا افغنہ ہوا، جو افغانوں مورث اعلیٰ کہا جاتا ہے''۔ (تاریخ افاغنہ ص ۱، ۱۲، ۱۵)

[2] افغانوں کے مورث اعلیٰ نے افغانستان کے کس خطہ میں ابتدائی بود وباش اختیار کی اور اسے اپنی عسکری تنظیم و تربیت کا مرکز بنایا، اس کی صحیح نشاندہی ازبس دشوار ہے، تاہم تاریخی وجغرافیائی قرائن کی روشنی...... بقیہ ۱۹۱ صفحہ پر....

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ولادت وسلسلۂ نسب:۔ حضرت شیخ بابا قاسم سلیمانی قادری الحنفی بن شیخ قدم قندہاری پشاوری (نواسہ شیخ میرداد رحمۃ اللہ علیہ) بن خواجہ محمد زاہد بن حضرت شیخ میرداد بن شیخ کہنہ بن شیخ یوسف ظاہر بن شیخ منی بن شیخ عباس بن شیخ عمر بن شیخ خلیل عزیٰ افغان بن کند بن حرشکیون بن سرہ بن افغان (نور اللہ مرقدہم) ۹۵۶ھ میں موسم بہار میں نماز اشراق کے وقت پیدا ہوئے، صاحب رسالہ اسرار الافغان تاریخ ولادت کے بارے میں رقم طراز ہیں۔

چوں شد زادہ از مادر آں ماہ وش — زنہ صد فزوں بود پنجاہ وشش
بوقتے کہ تحریر شد ایں کتاب — گرفتم ہم از سال عمرش حساب
سرافزودہ برسال پنجاہ بود — زسال سیوم ماہ یک ماندہ بو
زپشت قدم زد قدم بہر ما — کزو راست شد جملہ تدبیر ما
چوں نامش نہاد ند قاسم ولی — جہاں شد ز انوارۂ ممتلی

آپ کی پرورش وپرداخت آپ کی دادی بی شہیدی اور والدۂ ماجدہ بی بی نیک بخت نے خالص اسلامی ماحول میں کی، جب نوشت وخواند کی عمر کو پہنچے، مولانا محمد کوکا سے قرآن مجید اور دینی علوم کی تحصیل کی۔

جب آپ سن بلوغ کو پہنچے تو دادی جان بی بی شہیدی نے عزیز پوتے کی شادی بی بی توتیا بنت شیخ نہتو گلہانی ساکن دوآبہ سے کردی، بی بی توتیا کے بطن سے آپ کے صاحبزادے ابراہیم اور صاحبزادی بی بی حکیمہ پیدا ہوئیں، لیکن قضائے الٰہی سے چند دنوں کے اندر ہی بی بی شہیدی بی توتیا، ابراہیم، بی بی حکیمہ سب نے انتقال کیا۔

صفحہ۱۹۱ کا بقیہ...... میں یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ افغان نے کوہ سلیمان کے پہاڑ میں سرزمین روہ کو اپنا مسکن بنایا، یہی وہ علاقہ ہے جہاں آج بھی افغانوں کے مختلف قبیلے آباد ہیں اور شجاعت ان کی جبلت میں داخل ہے، لودی اور سوری افغان اسی علاقہ سے ہندوستان آئے، ''شیر شاہ سوری اور اس کا عہد'' کے فاضل مصنف کالیکارنجن قانون گو لکھتے ہیں ''پٹھانوں کا آبائی وطن جہاں آج بھی وہ سکونت پذیر ہیں، کوہ سلیمان کے آغوش میں روہ کا پہاڑ ہے، سلیمان پہاڑی کا تعلق تخت سلیمان سے ہے جس کے متعلق یہودی اور عربی روایتوں میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ حضرت سلیمان اپنے درباریوں کے ساتھ بیٹھ کر اس پہاڑ پر اترا کرتے تھے، افغانستان کا یہ پہاڑی سلسلہ پٹھان یا قدیم بختون علاقہ کی ریڑھ کی ہڈی کے مانند ہے جو شمال میں کشمیر سے لے کر بلوچستان تک اور مغرب میں غزنی کی پہاڑیوں سے لے کر مشرق میں دریائے سندھ تک پھیلا ہوا ہے، قدرت نے اس علاقہ کو ایک بہادر قوم کا گہوارا بنادیا ہے جو ابتدائے آفرینش سے اپنے سے قوی تر دشمنوں کا مقابلہ کرتی رہی ہے (شیر شاہ سوری اور اس کا عہد ص ۳۱)

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

شیخ نے ان تمام کو اپنے دادا شیخ محمد زاہد کی قبر سے متصل دفن کیا۔

سفر اور بیعت وخلافت:۔ اعزہ واقربا کی ناگہانی اموات نے دنیاوی علائق سے علاحدگی کا مزاج پیدا کر دیا اور آپ یکسو ہو کر کچھ دنوں فقر وتصوف نیز علوم دینیہ کے اکتساب میں مشغول رہے، ۲۷ر سال کی عمر ہوئی اور ذوق طلب بڑھا، تو حرمین شریفین کی زیارت اور کسی مرشد کامل کی جستجو کی غرض سے سفر کا ارادہ کیا، احباب نے اس ارادۂ سفر سے باز رکھنے کی ہر ممکن کوشش کی، مگر طلب سعادت کے ذوق کی وجہ سے آپ نے کسی کی نہ سنی، ارادۂ سفر میں راسخ دیکھ کر سب نے باہمی مشورہ سے بی بی بسی بنت مغل کھکھانی ہنوزی ساکن دوآبہ سے منسوب کر دیا، کہ شاید عقد ثانی آپ کے پاؤں کی زنجیر بن جائے، لیکن آپ نے بی بی بسی سے نکاح کے باوجود اپنے عزم وفیصلہ سفر سے رجوع نہ کیا، ۹۸۳ھ میں دوآبہ سے پانچ جاں نثار رفقائے سفر کے ہمراہ بلاد وامصار اسلامی کی سیاحت اور علما ومشائخ کی زیارت وکسب فیوض کے ارادے سے آغاز سفر کیا اور سالہا سال سفر میں گزارے، اثنائے سفر جلال آباد، کابل، کوہ ہندوکش، ختجان، غور سے ہوتے ہوئے شہر نجف اشرف حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے آستانہ پر حاضری دی، پھر شہر بلخ، سرغان، شہر یمنہ گئے، ہرات میں (بربور) حضرت شیخ عبداللہ انصاری علیہ الرحمہ کے مزار کی زیارت سے مشرف ہوئے، مختلف مقامات سے ہوتے ہوئے شہر جام گئے، پھر مشہد مقدس میں حضرت امام ضامن علیہ الرحمہ کے آستانۂ پاک پر حاضری دی، شہر غزنی، نیشاپور، شہر باغورہ تشریف لے گئے، وہاں سے گیلان، اردبیل، تبریز کی سیاحت فرمائی، اس دوران آپ کے چار رفقائے سفر نے دار فانی کی جانب رحلت کی، صرف ایک جانثار ہم وطن درویش کی معیت میں شہر زنجیرا وغیرہ ہوتے ہوئے شہر عرفہ پہنچے، وہی تاریخی شہر ہے جہاں نمرود نے خدائی کا دعویٰ کیا تھا اور اللہ کے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام کو منجنیق کے ذریعہ دہکتی ہوئی آگ میں ڈالا تھا، مگر آتش نمرود حضرت ابراہیم پر گل گلزار بن گئی تھی، شہر عرفہ کے بعد شہر ہرہ، حلب، جام ہوتے ہوئے شہر جام (علاقہ شام) پہنچے، جہاں اپنے مقصود مرشد کامل حضرت شیخ عفیف الدین سید حسین سجادہ نشیں حضرت قطب الکونین غوث الثقلین شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ العزیز کے دست حق پرست پر بیعت کی اور سلسلۂ قادریہ میں داخل ہوئے۔

شیخ کی خدمت میں تزکیۂ باطن اور تعلیم سلوک ومعرفت کے لیے کچھ دنوں قیام پذیر رہے، دوران قیام شیخ کو وضو کرانا، دسترخوان بچھانا اور ہاتھ دھلانا آپ کے ضروری معمولات میں تھا، پھر شیخ سے آٹھ ماہ کی اجازت لے کر مکہ مکرمہ کے لیے روانہ ہوئے۔

شہر جام سے درویشوں کی ایک جماعت کے ساتھ عازم سفر ہوئے، بعلبک، مغارہ، ستران،

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کرک، نخلہ مریم بغداد سے ہوتے ہوئے مدینہ منورہ پہنچے، اثنائے سفر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اور امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے آستانوں پر حاضری کا شرف حاصل کیا، مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم میں آستانۂ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم و شیخین رضی اللہ عنہما کی زیارت سے سرفراز ہوئے، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا، حضرت عثمان غنی، حضرت امیر حمزہ، حضرت امام مالک اور دیگر اصحاب رسول وا کابر امت کے مزارات مقدسہ کی زیارت کے بعد مکہ مکرمہ کی جانب رخ فرمایا۔

بیت اللہ شریف کے طواف کے بعد مدت دراز تک جوار حرم میں قیام پذیر رہے، پھر شامی قافلہ کے ساتھ مدینہ منورحاضری دی اور وہاں سے شام کے لیے روانہ ہوئے، جب قلعۂ شوبک پہنچے، مختلف قوم و نسل کے ایک سوسولہ فقرا کے ساتھ شہر قدس تشریف لے گئے، جہاں حضرت ابراہیم خلیل اللہ، حضرت اسحٰق، حضرت داؤد، حضرت یوسف، حضرت یونس علیہم السلام کی قبروں کی زیارت فرمائی، شہر قدس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مزار مقدس پر تشریف لے گئے اور زیارت کی سعادت سے سرفراز ہوئے، پھر شہر رملہ میں حضرت شعیب پیغمبر علیہ السلام کی زیارت سے شرفیاب ہوئے، اس سفر میں بابا قاسم سلیمانی نے اس کنویں کی بھی زیارت فرمائی، جس میں برادران یوسف نے اپنے عزیز بھائی کو ڈال دیا تھا، پھر حمران ہرمز ہوتے ہوئے شہر جام پہنچے۔

خلافت اور سفر بغداد:۔ حرمین شریفین سے مراجعت کے بعد مرشد کامل حضرت شیخ عفیف الدین سید حسین قدس سرہ نے اپنے مرید کے مدارج سلوک وتصوف کا اندازہ فرمالیا، تو اپنی نیابت وخلافت کی سند، خرقۂ مبارک اور غوث اعظم رضی اللہ عنہ کا شملہ اور دستار مبارک عنایت فرما کر سرفراز فرمایا، ان تبرکات کے علاوہ حضرت شیخ نے کتاب ''قلائد الجواہر'' مرحمت فرمائی، (جو مناقب غوث اعظم میں ہے) مرشد کامل سے اجازت سفر لے کر رخصت ہوئے، جب آپ موصل پہنچے، میر اسحٰق اور حاجی عیسیٰ سے فرمایا، کہ کتاب قلائد الجواہر کو بغداد لے جاؤ اور کسی عالم دین کے حوالہ کردو، تاکہ وہ کتاب کو عربی سے فارسی میں منتقل کردے، حکم کی تعمیل میں دونوں درویش بغداد پہنچے اور اسے بغداد کے ایک جید عالم مولانا حسن بغدادی کے حوالہ کردیا، مولانا موصوف نے تھوڑے عرصہ میں اس کتاب کو عربی زبان سے فارسی میں منتقل کردیا۔

ابھی یہ دونوں مرید بغداد ہی میں مقیم تھے، کہ حضرت بابا قاسم بغداد پہنچ گئے، آپ کے ساتھ درویشوں کی ایک بڑی جماعت تھی، بغداد میں بیرون قلعہ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت شیخ شبلی علیہ الرحمہ کے مزارات مقدسہ کی زیارت فرمائی اور اندرون قلعہ غوث اعظم حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمہ اور شیخ شہاب الدین سہروردی علیہ الرحمہ اور حضرت امام غزالی علیہ الرحمہ اور دیگر مشائخ کے

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

آستانوں کی زیارت کا شرف حاصل کیا۔

بغداد میں ایک زمانہ تک حضرت شیخ عبدالقادر پیران پیر کی خانقاہ کے ایک حجرے میں مجاہدہ و مکاشفہ کرنے کے بعد بغداد کہنہ اور کربلائے معلیٰ کی زیارت کے لیے عازم سفر ہوئے۔

زیارت بغداد کہنہ و کربلائے معلیٰ:۔ حضرت بابا قاسم آستانۂ قادریہ کے ایک مجاور کے ساتھ دریائے دجلہ پار کر کے بغداد کہنہ تشریف لے گئے، وہاں حضرت منصور حلاج، حضرت شیخ معروف کرخی، سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی، حضرت سدی سقطی، حضرت شیخ بہلول، حضرت امام موسیٰ کاظم، حضرت امام ابو یوسف اور حضرت امام محمد شیبانی اور دیگر مشائخ امت کے مزارات مقدسہ کی زیارت فرمائی، وہاں سے فقرا کی ایک بڑی جماعت کے ساتھ دریائے دجلہ عبور کر کے کربلا کی طرف رخ کیا، جہاں حضرت امام حسین اور دیگر شہدائے کربلا رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مزارات کی زیارت فرمائی، کربلا کی زیارت کے بعد پھر بغداد نو تشریف لائے، وہاں خدام آستانہ نے دستار مبارک کا ایک ٹکڑا جو مزار مبارک پر تھا، بطور تبرک آپ کو دیا اور رخصت فرمایا، یہ وہ زمانہ تھا، جب شیخ کے کمالات باطنی اور زہد و تقویٰ کا شہرہ دور دور تک پھیل چکا تھا، بغداد سے بصرہ تشریف لائے، جہاں آپ کے دینی بھائی شیخ حبیب اللہ نے جہاز کے کرایہ کے لیے نقد رقم عطا کی۔

مراجعت وطن و سفر ہند:۔ بصرہ سے روانہ ہو کر شیخ قاسم مختلف دیار و امصار کی سیاحت کرتے ہوئے سرحد افغانستان میں داخل ہوئے، آپ کے ہمراہ اس وقت بعض روایات کے مطابق تقریباً ایک لاکھ فقرا اور درویش رہتے تھے، جہاں جاتے ارادت مندوں کا ہجوم آپ کے گرد جمع ہو جاتا اور کسب فیض کرتا۔

بشارت غیبی سے حضرت بابا قاسم نے پشاور سے لاہور کا ارادہ فرمایا اور اپنے اہل و عیال کو لاہور کی جانب روانہ فرما دیا اور خود بعد رمضان ۶ رشوال ۱۰۰۲ھ کو دار الحکومت لاہور پہنچے، اس وقت ہند میں اکبر بادشاہ کی حکومت تھی اور وہ ان دنوں لاہور ہی میں قیام پذیر تھا، بعض نادان چغلخوروں نے اکبر بادشاہ کو یہ خبر پہنچائی، کہ اس وقت قاسم نامی درویش مریدوں کی کثیر جماعت کے ساتھ ہندوستان وارد ہوا ہے، جو کمال باطنی اور خدارسیدگی کے ظاہری طاقت میں بھی کچھ کم نہیں، اس سے غافل رہنا اچھا نہیں، ممکن ہے، کہ حصول حکومت و جاہ کے لیے وہ بغاوت کر دے اور تدارک ممکن نہ ہو۔

الحاصل بادشاہ نے دانش مند مشیروں کے مشورہ سے ایک خوان میں تلوار اور دوسرے خوان میں زنجیر رکھ کر اس غرض سے شیخ قاسم کی خدمت میں بھیجا، کہ اگر وہ جنگ کا ارادہ رکھتے ہوں گے، تو تلوار لے لیں گے ورنہ زنجیر قبول کریں گے، ابھی مذکورہ چیزیں حضرت کی بارگاہ میں لائی نہیں گئی تھیں، کہ حضرت نے

http://t.me/Tehqiqat

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

مریدوں سے ارشاد فرمایا، پروردگار عالم کی مشیت ایسی معلوم ہوتی ہے، کہ ایک امیر کے فریب سے اپنے مقام مدفن میں چلا جاؤں۔

جب مذکورہ خوان آپ کے پاس لائے گئے، تلوار کو ملاحظہ فرما کر ارشاد فرمایا، فقیر کو ملک دنیا کی خواہش نہیں ہے، اگر یہ خواہش ہوتی، تو اس کے حصول کے لیے دعا کا ایک تیر کافی تھا، پھر زنجیر کی طرف اشارہ فرمایا، تو وہ از خود قدم بوسی کے طریقہ پر قدم مبارک میں داخل ہوگئی، اس کرامت کبریٰ کو تمام حاضرین مجلس نے اپنے ماتھے کی آنکھوں سے دیکھا۔

اکبر بادشاہ نے ان حالات سے واقفیت کے بعد بابا قاسم کو سلطنت مغلیہ کے لیے مضر تصور نہ کیا، یہی وجہ ہے کہ حضرت کو نہ تو قید ہی میں رکھا اور نہ نقل بلد کا حکم صادر کیا، بلکہ عزت واحترام کا سلوک کیا، ابوالفضل کے مکان میں ٹھہرایا، چنانچہ اکبر کی خواہش پر بماہ ذی قعدہ ۱۰۰۲ھ شہر لاہور میں تشریف لا کر ابوالفضل کی حویلی میں قیام فرمایا، کچھ دنوں وہاں مقیم رہے، روز وشب ذکر الٰہی میں مصروف ومشغول رہے، دوران قیام اکبر کے چند حاشیہ نشینوں نے کہا، اکثر مشائخ بادشاہ کے مرید وملازم ہیں، آپ بھی بادشاہ کے مرید (یعنی اس کے دین الٰہی کے پیرو) یا ملازم ہو جایئے، حضرت نے ان دونوں باتوں میں سے کسی کو قبول نہیں فرمایا، پھر بادشاہ نے اجازت دی، کہ درویش سے کہہ دو، کہ وہ شہر میں سکونت اختیار کرے، چنانچہ مورخہ ۲۹ ربیع الآخر ۱۰۰۳ھ میں عشا کے وقت اپنے مکان میں جو شہر لاہور میں محلّہ ملک خواجہ میں تھا سکونت گزیں ہو گئے۔

<u>عہد جہانگیری اور حضرت بابا کی اسیری:۔</u> جلال الدین اکبر کی موت کے بعد اس کا بیٹا نورالدین سلیم جہانگیر ۱۶۰۵ء سلطنت مغلیہ کے تخت وتاج کا مالک بنا، جہانگیر کے ابتدائی ایام سلطنت میں اس کے بیٹے خسرو نے باپ سے بغاوت کی اور اس نے پنجاب کا رخ کیا، چند امرا کی مدد سے ایک لشکر فراہم کر لیا اور لاہور پر حملہ کر دیا، دوسری جانب جہانگیر نے خسرو کا تعاقب کیا اور بمقام گوند (بھیروال) جنگ ہوئی، جس میں خسرو کو شکست ہوئی، وہ فرار ہوا، مگر جہانگیر کے بہی خواہوں کی زد سے نہ نکل سکا، گرفتار کر لیا گیا، اس وقت لاہور کے چند مشائخ نے خسرو کے لیے دعائے فتح کی تھی، جہانگیر نے ان میں سے بعض کو قتل کرا دیا اور بعض کو شہر بدر کر دیا اور بعض کو قید کر دیا۔

اس دارو گیر کے ماحول میں بعض قریبی امرا نے بادشاہ سے عرض کی، کہ قاسم نامی ایک فقیر ہے، کہ ایک عالم جس کا مرید ومعتقد ہو گیا ہے، اس کی تاثیر نظر سے اکثر لوگ کھنچ جاتے ہیں اور گھروں کو ترک کر دیتے ہیں، بادشاہ نے کہا، ہاں میں جانتا ہوں، کیونکہ وہ درویش میرے والد محمد اکبر شاہ، بادشاہ کے

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

زمانہ حکومت میں دیار افغانستان سے آیا تھا، اب اس وقت وہ درویش کہاں ہے؟ لوگوں نے جواب دیا، اسی شہر لاہور میں سکونت پذیر ہے، بادشاہ نے حکم دیا، اسے حاضر کرو۔

بتاریخ ۲۸ ربیع الآخر ۱۰۱۵ھ بروز یکشنبہ بوقت عصر آپ اپنے گھر میں تشریف فرما تھے اور ایک خادم سے فرما رہے تھے، کہ دریا کا پانی لاؤ، تاکہ میں وضو کروں، کیونکہ ہماری حویلی کے کنوئیں کا پانی مشکوک ہو گیا ہے، چنانچہ دریا سے پانی لایا گیا اور آپ نے طہارت فرمائی، نماز مغرب کے بعد جب عشا کا وقت آیا، تو ایک فیل سوار عماری کے ساتھ حاضر ہوا اور کہا، آپ کو بادشاہ نے طلب کیا ہے، اٹھیے اور جلد چلیے، اس وقت فرزندوں اور خادموں نے گریہ وزاری شروع کی، حضرت نے نماز عشا ادا فرمائی اور اپنے متعلقین کو خدا کی پناہ میں دے کر ہاتھی کے کجاوہ میں بیٹھ گئے، ابراہیم خاں بھی ساتھ بیٹھا، اثنائے راہ حضرت نے ابراہیم خاں سے پوچھا، کہ بادشاہ نے مجھے کس لیے بلایا ہے؟ اس نے کہا، کہ سلطنت کے بعض غمازوں نے بادشاہ سے کہا ہے، کہ شیخ قاسم افغان نے لاکھوں آدمیوں کو مرید بنا لیا ہے، حضرت نے فرمایا، میں نے کوئی ایسا کام نہیں کیا ہے، جو بادشاہ کی نظر میں قصور وخطا ہو، تم بادشاہ کے ارکان ہو، تم غور وفکر کے بعد بتاؤ، کہ میں اس بات کا کیا جواب دوں؟ ابراہیم خاں نے کہا، مصلحت یہی ہے، کہ آپ انکار کر دیں کہ میں مرید ہی نہیں کرتا ہوں اور اپنے گرد خلق خدا کا ہجوم نہیں چاہتا، حضرت نے فرمایا، میں ہرگز جھوٹ نہیں بولوں گا، جب بادشاہ کی بارگاہ میں پہنچے بادشاہ پورے غضب وجلال میں سوال کرتا جاتا اور آپ صحیح صحیح جواب دیتے جاتے تھے، بالآخر بادشاہ اٹھ کر محل سرا میں چلا گیا، اس وقت ابراہیم خاں نے کہا، خدا کا شکر ہے کہ اس وقت بادشاہ آپ کے قتل کے لیے آمادہ تھا، بارے یہ وقت خیریت سے گزر گیا، دیکھیے آگے کیا ہوتا ہے۔

آپ نے ارشاد فرمایا، مرضی مولیٰ از ہمہ اولیٰ، بادشاہ جہانگیر نے حکم دیا، کہ بابا قاسم کو میرے فرزند پرویز کے حوالے کر دیا جائے، پرویز نے حضرت کے احوال وکوائف کا بغور مطالعہ کیا اور اسے یقین ہو گیا، کہ بابا درویش کامل ہیں، آپ کا قتل ہماری تباہی وبربادی کا سبب بن جائے گا، تو اس نے احترام و عزت کا برتاؤ کیا اور ابراہیم خاں (امیر بادشاہ) سے کہا، کہ بادشاہ کے حضور اہل افغان کا ضامن بن جا، تاکہ بادشاہ انھیں آزاد کر دے، ابراہیم خاں نے ضمانت سے انکار کیا، پھر پختہ بیگ خاں کابلی نے جو بادشاہ کا امیر اعظم اور آپ کا معتقد تھا، ضمانت کا خط بادشاہ کو لکھا۔

میں پختہ بیگ خاں ولد مریم بیگم اپنے دولڑکوں کے ساتھ حضرت شیخ بابا قاسم افغان کا ضامن بنتا ہوں، اگر شیخ قاسم سے بغاوت سرزد ہوگی، تو یہ فقیر اور اس کے لڑکے عتاب شاہی کے مستحق اور مجرم

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

عقوبت ہوں گے۔

بادشاہ نے پختہ بیگ کی ضمانت رد کردی اور حکم دیا، کہ بابا قاسم کو چنار گڑھ کے قلعہ میں قید کر دیا جائے۔

اس حکم شاہی کے مطابق حضرت کو اپنے ایک امیر خلیفہ باقی خاں کے حوالہ کیا اور کہا، کہ آپ کو قلعہ چنار لے جایا جائے، پرویز نے خلیفہ باقی کو بھی چنار گڑھ کا والی بنا دیا، مورخہ ۸/ جمادی الاولی ۱۰۱۵ھ شہر لاہور سے چنار کی جانب روانگی ہوئی، دریائے لدھیانہ عبور کرنے کے بعد خلیفہ باقی نے ٹھہرنے کا حکم دیا، اس نے شیخ کو بادشاہ کی جانب سے رہائی کا حکم سنایا، آپ نے ارشاد فرمایا۔

میں اپنی رہائی کی کوئی صورت نہیں دیکھتا ہوں، اگر میری رہائی کسی وجہ سے ہوئی، تو خدا کی جانب سے ضرور مطلع کیا جاتا، جو آواز آرہی ہے، وہ یہ ہے، کہ بادشاہ نے میری قید کے استحکام کی ہدایت جاری کی۔

دوسرے دن ایسا ہی ہوا، کہ آپ کی قید کی تاکید کا فرمان لانے والا وارد ہوا، پھر سرہند سے کوچ کر کے منزل بہ منزل دہلی پہنچے، جمعہ کی رات تھی، آپ نے فرمایا، تمام بزرگان دین کی روحیں میرے پاس حاضر ہوئیں اور انھوں نے کہا، کہ تو جانتا ہے، کہ تو اپنے مدفن کی طرف جارہا ہے۔

دہلی سے روانگی کے بعد اکبرآباد، فتح پور ہوتے ہوئے چنار کے قریب پہنچے، وہاں ایک مرید کو مٹی کا کوزہ دیا، کہ پانی لاؤ، تاکہ میں وضو کر کے بے نیاز خدا کی نماز ادا کروں، مرید کوزہ لے کر چلا، راستہ میں کوزہ ہاتھ سے چھوٹ کر گرا اور ٹوٹ گیا، اس وقت حضرت نے فرمایا، کہ کوزہ ٹوٹنا اس بات کی دلیل ہے، کہ میں چنار ہی میں مروں گا، آپ نے قلعہ چنار کے دروازے پر واقع مسجد میں نماز مغرب ادا فرمائی، قلعہ میں داخلہ کے بعد خان اعظم کے محل میں رکھا گیا، حضرت نے فرمایا، میں نے ایک غیبی آواز سنی ہے۔

”خوش آمدی بجائے مدفن خود رسیدی“

قلعہ میں اسیری کی زندگی بسر کرنے لگے، لیکن یہ اسارت، عبادت وریاضت اور اذکار واذکار میں ذرا بھی فرق پیدا نہ کرسکی، جب آپ نماز کے لیے آمادہ ہوتے، زنجیر خود بخود پائے مبارک سے جدا ہوجاتی، نماز کی ادائیگی کے بعد قدموں میں آجاتی، اسیری کے دوران حضرت قلعۂ چنار سے باہر دریا اور پہاڑ کی تفریح کے لیے نکلتے اور زنجیر اندرون قلعہ خان اعظم کے مکان ہی میں رہتی، خدا کا یہ برگزیدہ بندہ قید میں بھی زنجیروں کا پابند نہیں تھا، بلکہ زنجیریں خود اس کی مرضی کے تابع تھیں۔

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

جس وقت قلعہ کے محافظین نے حضرت کی کرامت عظمیٰ کا معائنہ کیا اور بادشاہ کو مطلع کیا تو اس نے فرمان بھیجا کہ میری جانب سے حضرت کو ہر طرح کی آزادی ہے، جہاں چاہیں بلا روک ٹوک آ جا سکتے ہیں، آپ کی مرضی کے مطابق جہاں آپ چاہیں، حد نظر زمین معاف ہے، میں عنقریب زیارت سے مشرف ہونے کی تمنا رکھتا ہوں۔(اصلاح القلوب ص ۳۰)

آپ نے جواباً ارشاد فرمایا'' تیری بخشی ہوئی آزادی کی کوئی ضرورت نہیں، حق تعالیٰ عنقریب میری روح کو قفس عنصری سے آزاد کرے گا، تیرا یہ مقدور کہ مجھے تا حد نظر زمین معافی میں دے سکے؟ جب کہ میری نگاہیں عرش الٰہی تک پہنچتی ہیں، میں کبھی تیری ملاقات پسند نہیں کرتا''۔(ایضا)

حضرت نے بادشاہ کی ملاقات کو منظور نہیں فرمایا، یہی وجہ ہے کہ کبھی خاندان تیموریہ کے شاہزادے حضرت کی بارگاہ تک نہیں پہنچ سکے۔

جب آپ کی وفات کے دن قریب آئے، ایک روز اپنی ابدی آرام گاہ منتخب کرنے کے لیے قلعہ چنار کے مغربی سمت جا کر تیر چلایا، تو کچھ دور جا کر تیر گرنے لگا، آپ نے فرمایا، ٹک اور پھر تیر اپنی جگہ سے اٹھا اور آگے بڑھ کر ایک جگہ گر گیا، آپ نے اسی مقام کو اپنے مدفن کے لیے پسند فرمایا۔

۱۸/۱۹/ جمادی الاولیٰ ۱۰۱۶ھ کی درمیانی شب آپ نے جہان فانی سے دار بقا کی سمت رحلت فرمائی۔

http://t.me/Tehqiqat

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

شیخ الاسلام مقتداء العالمین
حضرت شیخ طیب بنارسی علیہ الرحمۃ والرضوان

بنارس:۔ ہندوستان کا قدیم مذہبی وتمدنی شہر بنارس جو برنا اورسی ندی کے درمیان دریائے گنگا کے شمالی ساحل پر آباد ہے، جو بانارسی کے نام سے مشہور ہوا اور کثرت استعمال کے سبب بانارسی بنارس ہوگیا، ہندوؤں کا مذہبی طبقہ اسے کاشی کے نام سے یاد کرتا ہے، یہ قدیم شہر کب آباد ہوا؟ اس کا صحیح اندازہ کرنا ازبس دشوار ہے، ایک انگریز سیاح لکھتا ہے۔

''اگر یہ معلوم ہوجائے، کہ کاشی کب آباد ہوا؟ تو ہمالیہ پہاڑ کے عالم وجود میں آنے کا زمانہ معلوم کرنا آسان ہوگا، اگر روایتوں پر بھروسہ کیا جائے، تو بشوا ناتھ جی کا یہ مشہور شہر مہابیری کے بہت پہلے آباد تھا۔ (بحوالہ مرقع بنارس ص۳)

کاشی نگر کی قدامت کے بارے میں درج ذیل شہادتیں اس بات کا پتہ دیتی ہیں کہ یہ شہر ہزاروں سال قبل مسیح آباد ہو چکا تھا، تاریخ راج بنارس کا مولف رقمطراز ہے۔

''جبکہ آریوں نے ملک پنجاب سے نکل کر گنگا اور جمنا کے کنارے پر آباد ہونا شروع کیا تھا، اس وقت بھی یہ شہر (بنارس) قائم تھا اور یہاں جنگلی قومیں آباد تھیں، بھاگوت پوران سے ظاہر ہوتا ہے، کہ جدونسیوں نے دوارکا سے آکر ایک بار بنارس پر حملہ کیا اور یہاں کے راجہ پنڈریک کو شکست دے کر تمام بنارس کو جلادیا، مہابھارت کی لڑائی میں راجہ بھرت بنارس میں حکمراں تھا اور اس نے پانڈوں کے خلاف کوروں سے جنگ کی اور مارا گیا''۔ (تاریخ راج بنارس ص۴۳،۴۲، بحوالہ مرقع بنارس ص۶،۵)

تاریخی حوالوں سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے، کہ حضرت مسیح علیہ السلام سے چھ سو سال قبل یہ شہر مذہبی اور علمی مرکز تھا اور ہر طرف سے لوگ یہاں علم حاصل کرنے اور زیارت کے لیے آتے تھے، مذہبی تقدس کے ساتھ ساتھ یہ شہر علمی مرکز بھی تھا، جہاں دور دراز سے طلبہ آتے تھے، جن کی تعلیم کے لیے بڑی بڑی سنسکرت درسگاہیں قائم تھیں، ہزاروں مشہور ومعروف ودوان اور سنت اس خاک سے اٹھے، ہندوؤں کے نزدیک کاشی کی مذہبی اہمیت کے بارے میں ابوریحان بیرونی جس نے بنارس میں

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

برسوں رہ کر سنسکرت کی تعلیم حاصل کی اور یہاں کے مذہبی، سماجی، ثقافتی امور کا بچشم خود جائزہ لیا، لکھتا ہے۔

''ہندوؤں میں متعدد مقامات ہیں، جو مذہبی حیثیت سے واجب التعظیم ہیں، جیسے شہر بنارس ان کے درویش وہاں جا کر مستقل سکونت اختیار کر لیتے ہیں، جس طرح کعبہ کے مجاورین مکہ میں، ان کی تمنا یہ ہوتی ہے، کہ ان کی موت بنارس میں ہو، تا کہ مرنے کے بعد ان کی عاقبت اچھی ہو، لوگ کہتے ہیں، کہ خون کرنے والا ہر جگہ پکڑا جائے گا اور اپنے جرم کی سزا پائے گا، لیکن وہ بنارس میں داخل ہو جائے گا، تو وہاں اس کا گناہ معاف ہو جائے گا''۔ (کتاب الہند باب ٦٦)

مولانا آزاد بلگرامی تحریر کرتے ہیں۔

بنارس پورب کے شہروں میں سے ایک بڑا شہر ہے اور وہ ہندوؤں کی عبادت گاہ ہے اور ان کے نزدیک مقدس مقامات میں شامل ہے، اس کی زیارت عمر میں ان کے یہاں ایک بار واجب ہے۔ (سبحۃ المرجان)

بیان کیا جاتا ہے، کہ سب سے پہلے وید کی کتابت یہیں ہوئی اور گوتم بدھ نے اپنے مذہب کی تعلیمات کی اشاعت یہیں سے شروع کی، ازمنہ قدیم سے لے کر آج تک کاشی ہندوؤں اور بودھوں کا مرکز عقیدت ہے۔

اگر یہ شہر ہندوؤں کا قبلہ حاجات اور بودھوں کا مرکز عقیدت ہے، تو یہاں کی متبرک خاک میں مسلمانوں کی علمی و روحانی دنیا کے ہزاروں جواہر ریزے مدفون ہیں، جن کی عبقریت اور روحانی قوت آج بھی عقیدت و ارادت کا خراج وصول کر رہی ہے۔

مسلمان بنارس میں:۔ سلطان محمود غزنوی کے حملوں کے بعد حضرت سید سالار مسعود غازی علیہ الرحمہ نے تقریباً ٤٢٠ھ مطابق ١٠٢٩ء میں مجاہدین کی ایک مختصر سی فوج کے ساتھ ہندوستان کا رخ کیا، ان کی فوج کے ایک سردار ملک محمد افضل ایک جماعت کے ساتھ بنارس آئے، جہاں وہ اور ان کے بہت سے رفقا جنگ کرتے ہوئے شہید ہوئے، جو باقی بچے انھوں نے بنارس ہی کو اپنا مسکن بنایا اور خاموشی کے ساتھ دین حق کی تبلیغ میں مصروف ہو گئے، اس طرح پانچویں صدی ہجری کے ربع اول میں کاشی میں مسلمانوں کی نو آبادی قائم ہو گئی۔

سلطان شہاب الدین غوری کے سپہ سالار قطب الدین ایبک نے ٥٨٩ھ میں بنارس فتح کر کے اسے سلطنت دہلی کا ایک حصہ بنا دیا اور سید جمال الدین کو صوبۂ بنارس کا امیر مقرر کیا، پھر ہزاروں

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

مسلمان اس شہر میں آباد ہو گئے اور عرب وعجم، عراق وافغانستان سے علما، صوفیا، تاجر اور صنعت کاروں کے قافلے اس شہر میں وارد ہونے لگے، صنعت وحرفت کا مرکز بننے کے ساتھ بنارس اسلامی علوم وفنون اور روحانی تعلیمات کا بھی مرکز بن گیا، عہد سلاطین سے لے کر عہد مغلیہ تک یہاں ہزاروں نامور علما، باکمال مشائخ پیدا ہوئے، جن کی علمی سرگرمیوں اور روحانی تعلیمات سے لاکھوں انسانوں کو فائدہ پہنچا، انھیں مقتدر، بلند قامت علمی وروحانی ہستیوں میں حضرت مخدوم طیب فاروقی بنارسی علیہ الرحمۃ والرضوان کی بھی شخصیت تھی۔

خاندانی حالات:۔ عہد سلاطین میں قدوۃ الصالحین شیخ خلیل فاروقی علیہ الرحمہ جن کا سلسلہ نسب حضرت فاروق اعظم عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے، عرب سے ہندوستان آئے اور قصبہ سید پور بھیتری ضلع غازی پور کے گاؤں منجھوار میں سکونت اختیار کی، یہاں خانقاہ بنائی اور اپنی پوری زندگی تبلیغ دین وتزکیۂ نفس میں صرف کردی، وصال کے بعد آپ کے فرزند زبدۃ الصلحا حضرت شیخ بندگی قطب علیہ الرحمہ جانشین ہوئے، ان کی شادی زبدۃ العارفین حضرت بندگی نور علیہ الرحمہ کی صاحبزادی سے ہوئی، شیخ نور اپنے زمانہ کے صاحب کشف وکرامت بزرگ تھے، شیخ قطب کے گھر جب شیخ فرید کی ولادت ہوئی تو آپ فرزند ارجمند کو شیخ نور کی خدمت میں لائے، دیکھتے ہی شیخ نور تعظیماً کھڑے ہو گئے اور بلند اختر بچہ کے تابناک مستقبل کی بشارت دی۔

جب شیخ قطب کا وصال ہو گیا، شیخ فرید اپنے چھوٹے بھائی شیخ داؤد کو ساتھ لے کر بنارس پہنچے، جو اس زمانہ میں علوم اسلامی کا مرکز تھا اور وہاں کے مشہور عالم اور شیخ طریقت خواجہ موسیٰ فردوسی علیہ الرحمہ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے، بلند اختر جوان پر نظر پڑتے ہی شیخ نے بے ساختہ فرمایا۔

''آؤ فرید ثانی'' اور لطف وکرم سے پیش آئے، گھر کے اندر سے دو روٹیاں لا کر دونوں بھائیوں کو کھلائیں اور فرمایا، ''تم دونوں کی نعمت اور علوم ظاہری وباطنی کی تکمیل میرے بھائی خواجہ مبارک سوندھو کی تقدیر میں ہے''، ایک خادم کے ہمراہ شیخ فرید اور شیخ داؤد کو سراج السالکین حضرت خواجہ مبارک سوندھو علیہ الرحمہ کی خدمت میں بھیجا، جب شیخ مبارک پر دونوں بھائیوں کی نظر پڑی، فرط عقیدت سے قدموں پر گر پڑے، شیخ نے دونوں بھائیوں کو اپنی تربیت میں لیا اور علوم ظاہری وباطنی کی تعلیم دینے لگے، شیخ مبارک کی خصوصی توجہ سے دونوں بھائی علوم ظاہر وباطن میں درجۂ کمال پر فائز ہوئے، شیخ کے حکم سے شادی کی اور بنارس ومضافات بنارس کو اپنی علمی واخلاقی سرگرمیوں کا مرکز بنالیا۔

جب سراج السالکین خواجہ مبارک سوندھو علیہ الرحمہ کا وقت رحلت قریب آیا، تو اپنے محبوب مرید

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

شیخ سعداللہ کو یاد کیا، مگر وہ موجود نہ تھے، شیخ فرید موجود تھے، اس لیے مرشد برحق نے اپنی تمام نعمتیں انھیں بخش دیں اور خلافت و جانشینی کے شرف سے نوازا، نماز فجر کے وقت جب شیخ سعداللہ حاضر ہوئے، تو مرشد کے قدموں میں گر پڑے اور معذرت پیش کرنے لگے، حضرت نے فرمایا، ''ماشاءاللہ کان، خودرا مضطرب مکن، واما سعداللہ تا سعداللہ فرید تا قیامت،'' (سعداللہ کی نعمتیں سعداللہ ہی تک ہیں اور فرید کی نعمتیں قیامت تک رہیں گی) چنانچہ حضرت کی یہ پیشن گوئی حرف بحرف صادق آئی اور شیخ فرید کی نعمتیں اب تک جاری ہیں، شیخ فرید نے متعدد حج کیے اور بہت سے مقامات مقدسہ کی سیر و سیاحت فرمائی، وصال شہر جونپور میں ہوا اور میر سید صدر جہاں کی مسجد کے قریب دفن ہوئے، آپ کے مشہور خلفا شیخ حبیب اللہ، شاہ حسن بن شیخ داؤد، سید بدہ حسنی، خواجہ مبارک محدث فاروقی اور میاں شیخ لاڈو ہیں۔

شیخ داؤد:۔ آپ نے خانگی مصروفیات کے باوجود زاہدانہ زندگی بسر کی، یاد الٰہی کے لیے دریائے گنگا کے کنارے راجہ بنارس کے قلعہ کے پاس ایک حجرہ بنایا اور وہیں مصروف عبادت رہتے، مشہور بزرگ حضرت شیخ حسن علیہ الرحمہ آپ کے فرزند ارجمند تھے۔

حضرت شاہ حسن:۔ حضرت شاہ حسن علیہ الرحمہ نے علوم ظاہری کی تکمیل اپنے چچا شیخ الاسلام بندگی شیخ فرید فاروقی کی خدمت میں کی اور انھیں سے روحانی ارادت کا رشتہ استوار کیا، بیعت و خلافت سے مشرف ہوئے، ابتدا میں تدریس علوم کو اپنا مشغلہ بنایا، تصنیف و تالیف کا بھی اعلیٰ ذوق رکھتے تھے، مرغوب الطالبین اور عربی صرف و نحو میں کتابیں یادگار چھوڑیں، روحانیت کا ذوق غالب آیا، تو کتاب و قلم سے رشتہ توڑ کر تصوف و سلوک کی قلم رو میں قدم رکھا، معرفت کے منازل طے کرنے لگے، سخت ریاضت و مجاہدہ معمول بن گیا، راتیں ذکر الٰہی میں بسر ہوتیں اور دن روزوں میں، خشک روٹی سے افطار کرتے، اپنے والد کے حجرہ میں زمانۂ دراز تک خلوت گزیں رہے، انتقال سے سات سال قبل علوی پورہ میں ایک خلوت خانہ تعمیر کرایا اور وہیں مصروف عبادت ہوگئے، شہدائے کرام کے مزارات پر حاضری دیتے، ان سے کسب فیض فرماتے، کشف قبور کا ملکہ تھا، شہدا کی ارواح سے ملاقاتیں کرتے، اخیر عمر میں غلبہ اور استغراق سے بے خود رہتے، مگر جب کانوں میں اذان کی آواز آتی، ہوش آجاتا، نماز ادا فرماتے، پھر استغراق کی کیفیت طاری ہوجاتی، اس حالت میں حج بیت اللہ اور زیارت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بیکراں ذوق پیدا ہوا، سفر پر روانہ ہوگئے، کشتی پر قزاقوں نے حملہ کردیا، کشتی ڈوب گئی، بحر معانی کے شناور نے سمندر میں ڈوب کر دائمی وصال کی دولت حاصل کرلی، یہ واقعہ ۵؍جمادی الاولیٰ ۹۰۰ھ کو پیش آیا، شہادت کا حال بذریعہ کشف اسی دن حضرت شیخ فرید کو معلوم ہوگیا اور فرط غم سے اشکبار ہوکر فرمایا، پیشوا

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

دنیا سے رخصت ہوگیا، آپ نے تین بیٹے چھوڑے، حضرت بندگی سعود، حضرت شیخ معین الدین، حضرت شیخ نصیرالدین۔

شیخ معین الدین:۔ حضرت شاہ حسن علیہ الرحمہ کے منجھلے صاحبزادے حضرت شیخ معین الدین تھے، اپنے بڑے بھائی بندگی سعود سے مرید ہوئے، ۲۰/سال کی عمر میں انتقال فرمایا، حضرت مخدوم طیب بنارسی علیہ الرحمۃ والرضوان آپ ہی کے صاحبزادے تھے۔

شیخ الاسلام مخدوم طیب بنارسی:۔ شیخ الاسلام والمسلمین، مقتداء العالمین، جامع معانی ودقائق، منبع اسرار وحقائق حضرت شیخ طیب بنارسی بن شیخ معین الدین بن شیخ حسن بن شیخ داؤد بن شیخ قطب بن شیخ خلیل فاروقی علیہم الرحمہ کی ولادت باسعادت شہر بنارس میں ہوئی، تذکرے تاریخ سن ولادت کے بارے میں خاموش ہیں۔

ابھی عمر شریف دس سال ہوئی تھی، کہ والد گرامی کا سایہ سر سے اٹھ گیا، مہربان پھوپھی نے اس در یتیم کو اپنی کفالت میں لے لیا اور بھتیجے کی تعلیم وتربیت کی طرف خصوصی توجہ کی۔

تعلیم:۔ فارسی کی کتابیں پڑھنے کے بعد استاذ الفضلا مخدوم العلما حضرت شیخ نظام بنارسی علیہ الرحمہ کی درسگاہ سے وابستہ ہوگئے اور عربی صرف ونحو کی بعض کتابیں پڑھیں، یہ زمانہ شہر جونپور کے علمی عروج کا دور تھا، صدہا علما ومشائخ شب وروز علوم ظاہری کی ترویج واشاعت میں مصروف تھے، جہاں صبح وشام علوم ومعارف کے چشمے ابلتے رہتے تھے، حضرت مخدوم طیب نے بھی مزید طلب علم کے لیے جونپور کا رخ کیا، جہاں کے علما سے مروجہ علوم وفنون کی تحصیل میں مصروف ہوگئے، افضل العصر حضرت شیخ نوراللہ ہروی الغازی علیہ الرحمہ سے پوری شرح وقایہ پڑھی اور حسامی کا کچھ حصہ پڑھا۔

ابھی تعلیم مکمل نہیں ہوئی تھی، کہ جونپور سے بنارس آئے، جہاں احباب کے اصرار پر شادی کر لی اور خانگی ذمہ داریوں نے دوتین سال تعلیم سے دور رکھا، مگر وقتی رکاوٹیں ہمیشہ کے لیے زنجیر پا نہ ہوئیں، جذبۂ حصول علم پھر کشاں کشاں جونپور لے گیا، جہاں فقہ، اصول فقہ اور دوسرے علوم وفنون کی کتابیں پڑھیں۔

روحانی دنیا میں:۔ خلاق عالم نے حضرت مخدوم طیب کو دنیائے روحانیت کی سیادت کے لیے پیدا فرمایا تھا، روحانیت کا ذوق فطری تھا، خانوادہ خلیلی کی صالح روایات کے امین بننے والے تھے، یہی وجہ تھی، کہ کم سنی ہی سے عبادت وریاضت کا بیکراں ذوق تھا، بچپن ہی میں نماز تہجد کے پابند ہوگئے تھے اور نماز تہجد کے بعد عالم وجد میں یہ عارفانہ اشعار پڑھتے۔

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

گر صد ہزار قرن ہمہ خلق کائنات
فکرت کنند در صفت و ذات اے خدا
آخر بعجز معترف آیند کہ اے الٰہ
دانستہ شد کہ ہیچ نہ دانستہ ایم ما

جس زمانہ میں استاذ العلما شیخ میاں نظام الدین کے مدرسہ میں عربی کی ابتدائی کتابیں پڑھ رہے تھے، آپ کے پسندیدہ اطوار اور شائستہ اخلاق سے شیخ نظام کافی متاثر تھے اور اکثر فرمایا کرتے تھے، ”اس لڑکے سے مشیخت کی بو آتی ہے، ایک عالم اس کے انوار و برکات سے حصہ پائے گا اور اس کا خاندان اس کی ذات سے روشن ہوگا“۔ (مناقب العارفین)

ظاہری علوم کی تحصیل کے دوران ہی تصوف و سلوک کا رجحان بڑھنے لگا تھا، وہ کسی مرشد برحق کی رہنمائی میں میدان معرفت میں قدم رکھنے کے متمنی تھے، طلب مرشد کا ذوق خاموشی کے ساتھ پروان چڑھتا رہا، بالآخر وہ ساعت سعید آ گئی اور امام طریقت کاشف اسرار حقیقت استاذ العلما حضرت مولانا خواجہ کلاں بن شیخ نصیر الدین جھونسوی علیہ الرحمہ اپنے خلیفۂ اقدس سراج السالکین امام العارفین شیخ تاج الدین جھونسوی علیہ الرحمہ کو ساتھ لے کر شیراز ہند جونپور تشریف لائے۔

شیخ طیب زمانۂ طالب علمی سے ہی شیخ کلاں سے غائبانہ عقیدت رکھتے تھے، جب شرف زیارت سے مشرف ہوئے، آتش ارادت بھڑک اٹھی، گوہر مقصود کو سامنے دیکھ کر شیخ طیب نے اپنی واردات قلبی اور دیرینہ خواہشات روحانی کا تذکرہ ادب و احترام کے ساتھ حضرت تاج الدین کی معرفت کیا، بیعت کی درخواست پیش کی، خواجہ کلاں نے شیخ طیب میں بزرگی کے آثار دیکھے اور اس جوہر قابل کو اپنی تربیت روحانی میں لینے کے لیے آمادہ ہو گئے، بزرگانہ شفقتوں سے نوازا اور سلسلۂ چشتیہ میں داخل فرما کر اپنی خلافت سے بھی سرفراز فرمایا۔

حضرت شاہ حسن علیہ الرحمہ نے عطائے نعمت کے وقت اپنے خلیفہ حضرت اسد العلما شیخ نصیر الحق والدین سے فرمایا تھا، کہ یہ نعمتیں تمہارے پاس میرے فرزندوں میں سے ایک فرزند کے لیے بطور امانت ہیں، جب وہ تمہارے پاس یا تمہارے خلیفہ کے پاس پہنچے، تو اس کے حوالہ کر دیں گے اور اس کی تربیت سے دریغ نہ کریں گے، اسی طرح اسد العلما نے حضرت خواجہ کلاں کو وصیت کی تھی، چنانچہ حضرت خواجہ کلاں نے عطائے خلافت و نعمت کے وقت آپ سے یہ فرمایا یہ تمہاری امانت ہے۔ (مناقب العارفین ص ٦١)

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

مردکامل کی توجہ خاص نے حضرت شیخ طیب کووارفتہ شوق بنادیا، وہ شب وروز بادۂ معرفت کے جام سے سرشار رہنے لگے، قلبی کیفیت اورروحانی ذوق کا تذکرہ اپنے خلیفہ حضرت شاہ یٰسین جھونسوی سے اس طرح بیان فرمایا۔

''اس فقیر کے دل میں بلوغ وشعور کے بعد یہ خواہش تھی، کہ (اپنے دادا) قدوۃ السالکین مرشد الطالبین حضرت شاہ حسن داؤد علیہ الرحمہ کے خلیفہ کے دامن سے وابستہ ہوجائے، اتفاق وقت کہ اس زمانہ میں چند ضروریات کے سبب جونپور میں کچھ مدت تک قیام رہا، حضرت مرشدی شیخ تاج الدین جونپور تشریف لائے ہوئے تھے، بعض اکابر کی خانقاہ میں ملاقات کا شرف حاصل ہوا، باہمی پرسش احوال کے بعد فقیر نے ان سے حضرت شاہ حسن کے کسی خلیفہ سے اظہار شوق ارادت و بیعت کیا، اس بات کو سن کر بہت خوش ہوئے اور فرمایا یہ تمہاری خوش قسمتی ہے، کہ حضرت مخدومی و مرشدی خواجہ کلاں خلیفہ کامل استاذی شیخ الاسلام والمسلمین شیخ نصیر الحق والدین جو حضرت شاہ حسن کے خلیفہ ومجاز مطلق ہیں، اس شہر میں تشریف فرما ہیں، جب یہ الفاظ کانوں میں پہنچے، میں اتنا خوش ہوا، گویا مجھے نئی زندگی مل گئی اور میں آب حیات تک پہنچ گیا، عرض کی، حضرت کس جگہ تشریف رکھتے ہیں؟ حضرت قبلہ گاہی اپنے ہمراہ حضرت خواجہ کلاں کی بارگاہ میں لے گئے اور مجھے ان کے قدموں میں ڈال دیا، دیکھتے ہی اٹھے، فقیر کو بغل گیر کیا اور ارشاد فرمایا، ''شاید تم حضرت شاہ حسن کی اولاد سے ہو، اس لیے کہ تمہیں دیکھتے ہی حضرت شاہ حسن کی صورت میری نظروں کے سامنے آگئی، میں نے عرض کیا، کہ بندہ شیخ معین الدین بن شاہ حسن قدس سرہ العزیز کا لڑکا ہے، حضرت نے مہربانی فرمائی اور کہا، تم اس عاجز کے مخدوم زادے ہو اور ہمارے پاس جو نعمت ہے، وہ تمہارے خاندان کی ہے، حضرت قبلہ گاہی نے فقیر کے ارادۂ بیعت کا اظہار ایصال ثواب کیا، بندہ کو تلقین توبہ کی، کلاہ سعادت اپنے سر مبارک سے اتار کر اس غریب کے سر پر رکھی، مقراض چلائی اور بندہ کے حق میں پوری توجہ مبذول رکھی اور رخصت فرمایا۔ (ترجمہ مناقب العارفین ص ۵۹)

رشتہ ارادت میں منسلک ہونے کے بعد جونپور کے مشاغل ومعمولات پیشیں سے دل برداشتہ ہوکر بنارس واپس آگئے، سکون وطمانیت کے لیے گھر آئے تھے، مگر وہ زندان بن گیا، بستی سے وحشت ہونے لگی، جنگلوں میں نکل جایا کرتے، خلوت وعزلت میں بیشتر اوقات گزرنے لگے، ارباب حقوق کبھی کبھی گھر لاتے۔

<u>عزلت:۔</u> حضرت شیخ طیب کی عزلت نشینی اورصحرانوردی کے سبب معاش کے دروازے مسدود ہوگئے،

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

اہل خانہ تنگی وعسرت سے دوچار ہوئے، تو حضرت نے اہل خانہ کی کفالت کی غرض سے حاکم شہر کی ملازمت اختیار کرلی، تقریباً ایک سال تک یہ سلسلہ قائم رہا، پھر بادۂ معرفت کے سرمست نے اپنی ذات کو ملازمت کی قید سے آزاد کرلیا، بعد میں حالات خود بیان فرماتے ہیں۔

''پھر دل کو قید ظاہری سے پوری وحشت اور مکمل نفرت ہوگئی، نوکری چھوڑ کر گھر پہنچا اور ہر چیز سے ترک اختیار کرلیا، بلکہ اپنے اوپر جنون ودیوانگی کو طاری کرلیا، غیر مربوط کلام کرتا، تنہا گزر بسر کرتا، اکثر باغ اور گوشہ تنہائی میں بیٹھا رہتا، لیکن عبادت وریاضت کی قید میں پورے طور پر رہتا، بکثرت تلاوت کرتا، جب میری والدہ اور پھوپھی نے اس فقیر کے احوال کو دیکھا، حیرت میں پڑ گئیں اور استاذی افضل العلما میاں شیخ شہابی ترکمان سے امداد کی طالب ہوئیں، انھوں نے فرمایا، اس فرزند کے سر میں طلب حق جاگزیں ہوگئی ہے، اللہ تعالیٰ ہر شخص کو یہ سعادت نصیب کرے، ہمیں اس سے ہمت حاصل کرنی چاہیے، امید رکھو، کہ حق تعالیٰ حضرت شاہ کے خاندان کو اس فرزند کے انفاس کی برکت سے معمور کرے گا، اس کے انوار وروحانیت سے خاندان روشن ہوگا۔(مناقب العارفین ص ۶۰)

شیخ طریقت کی خدمت میں:۔ حضرت مخدوم طیب کی سرمستی وسرشاری کا زمانہ تھا کہ آپ کے چند احباب نے حج وزیارت کا قصد کیا، آپ نے بھی اس مقدس سفر کا ارادہ کرلیا، سامان سفر درست کرنے لگے، امروز وفردا میں آغاز سفر ہونے والا تھا، کہ اسی دوران قلب پر الہام ہوا، کہ تم ابھی کم عمر ہو اور سفر مکہ مکرمہ کے مکلّف نہیں ہو اور طواف بیت اللہ کے لائق نہیں ہو، پہلے پیرومرشد کی بارگاہ میں جاؤ، حصول معرفت کے بعد تم اس عظیم سفر کا قصد کرو، اس حقیقت کے انکشاف سے سفر حج وزیارت ملتوی کردیا، والدہ صاحبہ اور پھوپھی صاحبہ سے اجازت لے کر سپاہانہ لباس زیب تن کیا، اسلحے باندھے اور دو تین آدمیوں کے ساتھ سوار ہوکر شیخ پور جھونسی ضلع الہ آباد مرشد برحق کی بارگاہ میں حاضر ہوئے، حقیقت حال بیان کی تو شیخ نے تسلی دی، اس وقت شیخ تاج الدین بھی جھونسی میں موجود تھے، دونوں بزرگوں کی توجہ سے معرفت وسلوک کی مزید منزلیں طے کیں، کچھ عرصہ قیام کے بعد بنارس واپس ہوئے۔

تکمیل معرفت اور خلافت واجازت:۔ بنارس آنے کے بعد آتش شوق روز بروز زور پکڑتی چلی گئی، دونوں بزرگوں کے اشتیاق نے غلبہ کیا اور فقیرانہ وضع میں پاپیادہ جھونسی تشریف لے گئے، مرشد برحق دیکھ کر بیحد مسرور ہوئے اور بشارتیں سنائیں، اس مرتبہ جھونسی میں طویل قیام رہا، کبھی شیخ کلاں سے مستفیض ہوتے اور کبھی قبلہ گاہی تاج الدین جھونسوی سے، دونوں بزرگوں کی نگاہ التفات نے اس جوہر

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

قابل کونکھارا اور سنوارا اور اس مس (تانبہ) کو کندن بنا دیا، اس کے بعد منڈواڈیہ سے شیخ پور کا پاپیادہ سفر کیا، حضرت مخدوم اپنی والہانہ ارادت اور شوق بیکراں کا ذکر اس طرح فرماتے ہیں۔

''منڈواڈیہ سے شیخ پورہ جھونسی کی حاضری میں تقریباً ایک شب و روز صرف ہوتا، خدمت شیخ میں باریابی کی دھن ایسی ہوتی، کہ اثنائے راہ میں نہ کچھ کھاتا پیتا نہ آرام کرتا، صرف نماز پنجگانہ کی ادائیگی کے لیے ہی راہ میں توقف کرتا، دل کو قرار اور راحت و طعام کا لطف تو شیخ کے قدموں ہی میں میسر آتا۔ (مناقب العارفین)

حضرت مولانا کلاں اور شیخ تاج الدین نے آپ کو منزل روحانیت سے قریب کر دیا، تو ماہ رمضان کے ایک سفر میں حکم دیا، کہ اسد العلما حضرت شیخ نصیر الدین علیہ الرحمہ کے روضہ اقدس کے پاس اعتکاف کرو، اس اعتکاف میں اپنے کرم خاص سے ترقی کی شاہراہ دکھادی، عید کے دن خواجگان چشت کا پیراہن خاص اور دیگر اذکار و ادعیہ کی تلقین فرما کر تعلیم روحانی کی تکمیل فرما دی، سلسلۂ چشت کی خلافت و اجازت مرحمت فرمائی، شجرۂ سلسلۂ چشتیہ اس طرح ہے، حضرت مخدوم طیب، شیخ تاج الدین جھونسوی، شیخ مولانا کلاں جھونسوی، شاہ حسن بنارسی، شیخ فرید قطب، خواجہ مبارک عرف سوندھو بنارسی، مخدوم محمد عیسیٰ تاج جونپوری، شیخ فتح اللہ اودھی، شیخ صدر الدین طیب دِلہا، شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی، سلطان المشائخ نظام الدین اولیا، شیخ فرید الدین گنج شکر، شیخ قطب الدین بختیار کاکی، سلطان الہند خواجہ غریب نواز (علیہم الرحمۃ والرضوان)

مرشد کامل نے خانوادہ چشت کی نعمت و خلافت سے نواز کر ولایت بنارس پر مامور فرمایا اور خلق خدا کی خدمت اور سالکان راہ خدا کی تربیت و تزکیہ کی خدمت تفویض فرمائی۔

حضرت شیخ تاج الدین جھونسوی جو حضرت خواجہ کلاں کے مرید و خلیفہ تھے، حضرت مخدوم طیب کی تربیت روحانی میں ان کا بھی اہم حصہ رہا، یہ بزرگ خانوادۂ چشت کے ساتھ خانوادۂ سہروردیہ کی خلافت و اجازت سے بھی ممتاز تھے، انھوں نے حضرت مخدوم طیب بنارسی کو خانوادۂ سہروردیہ کی خلافت اور وظائف و اوراد کی اجازت سے سرفراز فرمایا۔

سفر دہلی:۔ سلاسل چشتیہ و سہروردیہ کی نعمتوں سے مالا مال ہونے کے بعد مشائخ عظام کی زیارت کے لیے دار الخلافہ دہلی کا سفر کیا، جہاں بزرگان دین کے مزارات پر حاضری دی، وہاں کے مقتدر علما و صوفیا کی زیارت سے شرفیاب ہوئے، اس زمانہ میں قدوۃ الانام حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ (۹۵۸ھ تا ۱۰۵۳ھ) کی ذات طالبین علوم نبوت اور شائقین معرفت کا مرکز تھی، آپ کے دریائے علم و

http://t.me/tehqiqat

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

معرفت سے صبح وشام لوگ مستفیض ہورہے تھے، حضرت مخدوم طیب بھی حضرت محدث دہلوی کی بارگاہ عالی میں عقیدت کے ساتھ حاضر ہوئے اور اس خوان معرفت سے خوشہ چینی کی، حضرت شیخ نے سلسلہ قادریہ کی خلافت اوراذ کار وادعیہ کی اجازت مرحمت فرمائی۔

مسند ارشاد و ہدایت پر:۔ مرشد برحق حضرت شیخ کلاں اور قبلہ گاہی شیخ تاج الدین اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی سے سلسلۂ چشتیہ، قادریہ، سہروردیہ کی دولت سے مالا مال ہونے کے بعد حضرت مخدوم طیب بنارسی نے آبادی کے ہنگاموں سے دور دریائے گنگا و برنا کے سنگم پر راجہ برنا کے قدیم قلعہ کے کھنڈرات میں ایک خانقاہ تعمیر کرائی اور وہیں مسند ارشاد پر متمکن ہوئے، مریدین ومعتقدین نے شیخ سے حصول برکت کے لیے خانقاہ کے ارد گرد مکانات بنائے اور اس روحانی بستی کا نام شریعت آباد رکھا گیا۔

یکسوئی کے ساتھ اوقات بسر ہونے لگے، چونکہ آپ برہان قوی رکھتے تھے، اس لیے خلق خدا آپ کی جانب متوجہ ہونے لگی، طالبوں اور محتاجوں کے گروہ در گروہ اور اغنیا وفقرا سبھی آپ کے آستانہ پر حاضر ہوئے، باوجودیکہ آپ عزلت پسند اور ہنگاموں سے متنفر تھے، مگر مرشد کا حکم فقرا اہل ارادت کی حاجت روائی، دردمندوں کی اعانت اور خلق خدا کی ہدایت تھا، اس لیے ہر آنے والے کا استقبال خندہ پیشانی سے فرماتے اور ہر ایک کی دلجوئی فرماتے، طالبوں کی ہدایت میں مشغول ہوتے، علم نبوت کے شائقین کو درس دیا کرتے، اس طبقہ سے آپ کو خاص انس تھا، اس طرح آپ کی ذات طالبان علم ظاہر و باطن اور حاجت مندوں کا مرجع بن گئی۔

چونکہ علم ظاہر کے ذریعہ ہی انسان منشائے ربانی اور اپنے دینی ودنیاوی فرائض اور ذمہ داریوں سے آگاہ ہوسکتا ہے اور راستہ سے شاہراہ معرفت پر ایک سالک شیطانی وسوسوں سے بچ کر گامزن ہوسکتا ہے، اس لیے طالبان علم نبوت کی تعلیم وتربیت میں خاص دلچسپی لیتے، طلبہ کو سبق یاد کرنے اور مسائل کو حافظہ میں محفوظ رکھنے کا ایک موثر طریقہ اس طرح تعلیم فرماتے ہیں۔

پس از برگرفتن سبق روزینہ راپنج مرتبہ تکرار کنند و پریروز را چہار مرتبہ و روز چہارے راسہ مرتبہ و روز پنجی را دومرتبہ و روز ششمی را یک مرتبہ درجمیع سبقہا ہمبریں نوعہا قرار دیدکہ ایں داعی حفظ وتکرار باشد۔(صلوۃ طیبی ص ۱۸۴ قلمی)

ترجمہ: ہرروز کا سبق لینے کے بعد گزشتہ کل کا سبق پانچ بار دہرانا چاہیے اور پرسوں کے سبق کو چار بار اور چار روز قبل کے سبق کو تین بار پانچویں دن کے سبق کو دوبار اور چھٹے دن کے سبق کو ایک بار تکرار کریں، کیونکہ یہ طریقہ داعیہ حفظ وتکرار ہے۔

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

عام مسلمانوں کے لیے بالعموم اور سالکان طریقت کے لیے بالخصوص اکل حلال ضروری ہے، کیونکہ حرام کھانے سے دل مردہ ہوتا ہے اور تزکیہ باطن کے لیے کی گئیں تمام ریاضتیں اور مجاہدے رائگاں ہو جاتے ہیں، ساتھ ہی حرص وطمع انسان کے اخلاص اور اس کے بے لوث جذبہ عبادت میں خلل ڈالتے ہیں اور ریا وعجب کے مذموم صفات پیدا ہونے لگتے ہیں، حضرت مخدوم طیب اکل حرام اور حرص وآز سے بچنے کے لیے صنعت وحرفت کے سیکھنے اور اس کے ذریعہ رزق حلال کمانے کی ہدایت فرماتے ہیں۔

مومن را باید کہ حرفتے بیاموزد تا در مال مردم مطمع نشود و رزق حلال وصدق مقال روزی باشد کہ بے رزق حلال قطع طمع از مال ہیچ علمے وعبادتے از نماز وروزہ وغیرہ ہیچ چیز فائدہ نہ رساند۔(صلوۃ طیبی قلمی ص ۱۸۵)

مسلمان کے لیے ضروری ہے، کہ کوئی حرفت سیکھے، تاکہ لوگوں کے مال میں طمع نہ کرے، رزق حلال وصدق مقال روزی بن جائے کیونکہ رزق حلال اور قطع طمع مال کے بغیر لوگوں کے لیے علم وعبادت نماز وروزہ وغیرہ کچھ بھی مفید نہ ہوگا۔

ترغیب عمل:۔ حضرت مخدوم طیب علم کے ساتھ عمل صالح کی تلقین فرمایا کرتے تھے، ان کے نزدیک عمل کے بغیر علم کوئی معنی نہیں رکھتا، جس قدر علم ہو اتنا ہی عمل بھی ہونا چاہیے اور اخلاص کے بغیر بھی عمل بے معنی ہے، فرماتے ہیں۔

اندک عمل با علم بسیار است وبسیار عمل با جہل اندک است اما عالم را باید کہ در عمل چنداں کوشد کہ دیگرے مثل آں نتواند زیرا کہ علم بے عمل چنانکہ درخت بے برگ وعمل بے اخلاص چنانکہ درخت سایہ دار بے ثمر کہ مقصود از وکدام میوہ واخلاص است۔(صلوۃ طیبی قلمی ص ۱۷)

علم کے ساتھ تھوڑا عمل کافی ہے اور جہالت کے ساتھ کافی عمل مختصر ہے، لیکن عالم کے لیے ضروری ہے، کہ عمل میں اتنی کوشش کرے، کہ دوسرا اس کے مانند کوشش نہ کر سکے، اس لیے کہ بے عمل علم ایسا ہے، جیسا بے برگ درخت اور بے اخلاص عمل ایسا ہے، جیسا کہ بے ثمر سایہ دار درخت کیونکہ ہر ایک کا مقصود میوہ اور اخلاص ہے۔

امر بالمعروف ونہی عن المنکر:۔ ایک مرشد طریقت کا سب سے اہم فریضہ لوگوں کو بھلائیوں کا حکم دینا اور برائیوں سے باز رکھنا ہے، حضرت مخدوم طیب شریعت پر کمال استقامت رکھتے تھے، اپنے متعلقین کو عقیدے کی صحت اور عمل صالح کی تلقین فرماتے، برائیوں سے باز رہنے کی تاکید فرماتے، مسلم سماج میں جو بری رسمیں در آئی تھیں، ان کو روکنے کی سعی فرماتے، شادی بیاہ، میت وجنازہ اور دوسری تقریبات سے

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

متعلق جو واہیات رسمیں اور توہمات پر مبنی طریقے رائج ہو گئے تھے، ان پر سخت نکتہ چینی فرماتے اور ان سے دور رہنے کا حکم دیتے، صلوۃ طیبی میں ان امور کو بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، صاحب مناقب لکھتے ہیں۔

''ابتدا میں اہل بدعت وغفلت کے ساتھ بڑی سختی کے ساتھ پیش آتے تھے، امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے معاملہ میں بے اختیار ہو چکے تھے، اگر کوئی آپ کے نزدیک رباب بجاتا، سنتے ہی جاتے، اس کو توڑ دیتے، خواہ وہ جگہ جانے کے قابل نہ بھی ہوتی، اگر آپ کسی کو نماز فجر کے وقت سوتا ہوا دیکھتے، تو اس کے منہ پر پانی ڈال دیتے یا اپنی چھڑی سے اس کو جگاتے، بلکہ بعض اوقات اس کو اپنی چھڑی سے مارتے، اسی طرح آپ امور شرعی کے اجرا میں بے تاب رہتے اور یارائے ضبط نہ رکھتے''۔ (مناقب ص ۷۷)

معروف ومنکر کے باب میں آپ کی جرأت ایمانی اس قدر بڑھی ہوئی تھی، کہ وہ غافل عوام ہی کو برائیوں سے باز رکھنے پر اکتفانہ کرتے تھے، بلکہ امرا وحکام اور مامورین سلطنت مغلیہ کے روبرو بھی حق بات کہنے سے باز نہ رہتے اور شاہی غضب وعتاب کی مطلق پرواہ نہ کرتے۔

حضرت شاہ طیب بنارسی جمعہ کی نماز اکبر بادشاہ کی تعمیر کردہ مسجد ''گیان باپی'' میں ادا فرماتے تھے اور منڈواڈیہ سے گیان باپی اسی مقصد سے تشریف لاتے تھے، ایک بار کا واقعہ ہے، کہ خطیب نے خطبہ میں اکبر بادشاہ کا نام لیا، شاہ طیب نے جوش میں آ کر فرمایا، کہ خطبہ میں ایک کافر کا نام لیتا ہے؟ اور خطیب کو منبر سے اتار دینا چاہا، اتفاق وقت کہ مولانا خواجہ کلاں اور شیخ تاج الدین جھونسوی رحمہما اللہ تعالیٰ بھی وہاں موجود تھے، شہر کے قاضی اور حکام شاہ طیب بنارسی کے رعب وجلال کی وجہ سے آپ سے تو کچھ نہ کہہ سکے، ہاں ان دونوں بزرگوں سے ہمت کر کے کہا، کہ ہم لوگ بادشاہ کے نوکر ہیں، اگر اس کو نام نہ لینے کی خبر لگ جائے گی، تو ہمارے مکانات کو تاراج کر دے گا، اس گفتگو کے بعد مولانا خواجہ کلاں نے شاہ طیب کو ہدایت فرمادی، کہ موجودہ دور میں بادشاہ کافر ہے، اس لیے اب نماز جمعہ منڈواڈیہ میں ادا کر لی جائے، چنانچہ منڈواڈیہ ہی میں نماز جمعہ ادا فرمانے لگے۔ (گنج ارشدی)

سماع سے اجتناب:۔ خانوادۂ چشت میں سماع کو روا رکھا گیا ہے اور اسے کیفیت وجد وحال کے لیے ایک موثر ذریعہ قرار دیا گیا ہے، مگر سماع کے لیے قیود وشرائط ہیں، جن کا خواجگان چشت لحاظ رکھتے ہیں اور ان قیود وشرائط کو نہیں توڑتے، دیگر مشائخ چشت کی طرح حضرت مخدوم طیب بھی ابتدا میں سماع کے شائق تھے، صالح قوال ہمراہ ہوتے تھے، مگر بعد میں باختیار خود اسے ترک فرمادیا اور اس سے مجتنب رہنے لگے،

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ارشاد فرماتے، ''اب اس دور میں سماع نہیں سننا چاہیے، وہ اپنی کسی شرط پر باقی نہیں رہا، موافق یاران طریقت نہیں رہے، قوالوں میں طمع پیدا ہوگئی ہے، فاسد حالات پیدا ہوگئے ہیں، اس بنیاد پر یہ چیز طریقہ صوفیا وفقرا کے خلاف ہے''، ایک بار فرمایا، ''الآن اسمع من اللّٰہ ولا نحتاج الی السماع'' (مناقب ص ۷۵)

بیعت وتربیت:۔ حضرت مخدوم طیب اپنے وقت کے جلیل القدر شیخ طریقت تھے، ان کے مرشد نے بنارس کے سجادۂ طریقت پر جلوہ افروز فرما کر خلق خدا کی اصلاح اور تزکیۂ نفوس کا اہم فریضہ انجام دینے کی ہدایت فرمائی تھی، چنانچہ آپ نے مرشد برحق کے حکم کی تعمیل میں اس منصب کی ذمہ داریوں کو بطریق احسن نبھایا، لاکھوں طالبان حق کی ہدایت فرمائی، ہزاروں کو راہ معرفت پر گامزن کیا اور سیکڑوں کو اپنی توجہ خاص سے منزل معرفت تک پہنچا دیا، مریدوں کی تربیت اور سالکوں کی ہدایت میں آپ کے ضابطے سخت تھے، اس باب میں صاحب مناقب العارفین کی تحریر کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔

توبہ اور تلقین کے معاملہ میں آپ کا طریقہ یہ تھا، کہ ہر کسی کو پہلی مرتبہ میں بیعت نہ فرماتے، اس کے اندر مکمل اعتقاد پیدا کرتے، پھر اس کو صلاح پر مستقیم کرنے کے بعد مرید کرتے اور اس کی حالت کے مطابق تلقین فرماتے، ابتدائے ارادت میں آپ مرید کو ایام بیض کے روزے اور چھ رکعت اوابین کی ہدایت کرتے، پھر استعداد کے مطابق نوافل اور وظائف کی تاکید اور مجاہدۂ نفس کی تلقین فرماتے، قلت طعام کی قید لازم نہ کرتے، بعض لوگوں کو کم کھانے کا اشارہ فرماتے، اس قدر کہ جس سے قوت عبادت میں ضعف نہ پیدا ہو، حکم دیتے غذا کو بتدریج کم کرنا چاہیے، جب مرید کے اوقات مختلف قسم کی طاعتوں سے معمور ہو جاتے اور عبادت کی شیرینی اس کو مسرور کرنے لگتی، وہ نفس کی برائیوں اور شہوانی لذتوں سے بے نیاز ہو جاتا، تو ذکر جہر کی تلقین فرماتے، ذکر میں ایک مدت گزر جاتی اور اس کا دل کدورتوں اور خطروں سے پاک ہو جاتا، تو دوسرے طریقوں کی تلقین فرماتے، جب وہ کمال استقامت کی منزل تک پہنچ جاتا، تو اس کو مراقبہ کا حکم دیتے، مشغول فرماتے اور اسرار کی باتیں بتاتے۔ (مناقب العارفین ص ۸۲/۸۱)

اخلاق کریمانہ:۔ حق سبحانہ تعالیٰ نے حضرت مخدوم طیب کو اخلاق کریمانہ کی دولت وافر عطا فرمائی تھی، ان کی ذات اخلاق حسنہ کی پیکر جمیل تھی، توکل وقناعت آپ کا محبوب شیوہ تھا، دنیا و مافیہا سے بے نیاز رہتے، پدر بزرگوار سے وراثت میں کچھ جائداد ملی تھی، مگر اسے ترک کر دیا، مسند ارشاد پر فائز ہونے کے بعد زیادہ تر شریعت آباد میں قیام فرماتے، طالبوں کی تربیت اور فقرا کی خدمت میں مشغول رہتے، کوئی ذریعۂ معاش نہ تھا، اپنی زندگی راہ مولیٰ میں وقف کر دی تھی، ایمان واحسان کی راہ میں پیش آنے

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

والے تمام مصائب وآلام خندہ پیشانی سے برداشت کرتے، فاقہ کی نوبت بھی آجاتی، یاران طریقت سبزی ترکاری جنگلی میوؤں پر ہی گزارا کر لیتے، خداوند تعالیٰ جو رزق عطا فرماتا اسی پر صابر وشاکر رہتے، کسی کے سامنے اپنی حاجت نہ رکھتے، ایک عرصۂ دراز کے بعد جب فتوحات کے دروازے کھلے اور انعامات ربانی کی بارش ہونے لگی، مخلص احباب ومریدین کے تحائف آنے لگے، اس سلسلہ میں حضرت مخدوم طیب کی احتیاط کا یہ حال تھا، کہ دنیاداروں سے کچھ قبول نہ فرماتے، محبّ ومخلص افراد کے ہدیے قبول فرماتے، مگر کوئی مخلص پہلی بار ہدیہ پیش کرتا، تو اسے لوٹا دیتے، لباس وطعام میں شبہہ سے پرہیز کرتے۔

حضرت مخدوم طیب کا نظام یہ تھا، کہ نذر وفتوح کی نقد وجنس کے دو حصے کرتے، ایک حصہ اپنی ذاتی ضروریات کے لیے مختص فرماتے اور نصف دیگر خانقاہ کے مہمانوں، مسافروں، فقرا ومساکین پر صرف فرماتے، آپ کی بارگاہ سے کوئی سائل محتاج خالی ہاتھ واپس نہ جاتا، واردین وصادرین خانقاہ کی دلجوئی فرماتے، کمال توجہ سے پیش آتے، ہر آنے والے سے کشادہ پیشانی کے ساتھ ملتے، سچے عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور سنت کے پابند تھے، دینی ودنیوی امور میں سنت کی پابندی فرماتے، آپ کی خلق نوازی، مسکین پروری اور طالبان حق کی حاجت روائی کا تذکرہ شاہ یٰسین علیہ الرحمہ اس طرح کرتے ہیں۔

''شاہ طیب بنارسی فقرا واغنیا کی جائے پناہ تھے، علما وصلحا کا مرجع تھے، مسکین کی تکیہ گاہ، مسافروں اور غربا کی پشت پناہ تھے، ہر عاجز ودردمند کی اشک شوئی، ہر ضعیف وناتواں کے غم میں شرکت آپ کا شیوہ تھا، کبھی بھی کسی دنیادار عہدہ دار یا حاکم وبادشاہ کے پاس نہیں گئے، مگر جس کسی مصیبت زدہ اور آفت رسیدہ کی حاجت روائی کے لیے اشارہ فرمادیا، سب نے بخوشی اس کو پورا کیا۔ (مناقب العارفین)

<u>**معمولات:۔**</u> حضرت مخدوم طیب علیہ الرحمہ کے معمولات شب وروز اس طرح تھے، نماز فجر کی ادائیگی کے بعد اوراد ووظائف میں مصروف ہوجاتے، مراقبہ فرماتے، نماز اشراق کے بعد تلاوت قرآن کرتے، ہفتہ عشرہ میں ختم قرآن فرماتے، زوال کے وقت سے ظہر کے وقت تک قیلولہ فرماتے، نماز ظہر کے بعد حاضرین، مریدین اور طلبہ کو درس دیتے، پھر تصنیف وتالیف میں مصروف ہوجاتے، عصر کی نماز کے بعد اذکار میں مصروف ہوتے، نماز مغرب کے بعد وظیفہ کرتے، پھر گھر تشریف لے جاتے، ماحضر تناول فرماتے، عشا کی نماز ادا کرنے کے بعد نوافل میں مشغول ہوجاتے، پھر بستر

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

استراحت پرتشریف لے جاتے، نیم شب کے بعد بیدار ہوجاتے، فجر تک اوراد وظائف میں منہمک رہتے، صائم الدہر تھے، صوم داؤدی رکھتے، جمعرات، جمعہ، دوشنبہ اور یوم عاشورہ کے روزے بالالتزام رکھتے، رمضان کے آخری عشرہ میں معتکف ہوجاتے، زندگی کے تمام شعبوں میں احتیاط و تقوی کا رنگ غالب تھا۔

وصال:۔ زندگی کے آخری ایام میں اپنے مرشدین برحق کی زیارت کے لیے جھونسی تشریف لے گئے، نمازعشا کے لیے مسجد میں گئے، اثنائے وضوتکبیر تحریمی طرز پر دونوں ہاتھ کانوں تک اٹھائے اور بآواز بلند اللہ اکبر کہتے ہوئے واصل بحق ہوگئے، ماہ شوال ۱۰۴۲ھ شب دوشنبہ واقعۂ رحلت پیش آیا، جنازہ منڈواڈیہ میں لایا گیا اور ہزاروں ارادت مندوں نے بادیدۂ نم قطب بنارس کی نماز جنازہ پڑھی اور لاش مبارک سپرد خاک کردی، شیخ مسعوداسودی نے قطعۂ تاریخ لکھا۔

شیخ روشن دل کہ اہل عرش و فرش نام پاک او بپا کی می برند
کرد چوں بر عالم بالا صعود رخت خود برعرش سبحانی فگند
یافت تاریخ عروجش اسودیؔ جلوہ گاہ اوشدہ عرش بلند

مریدین وخلفا:۔ حضرت مخدوم طیب کا آفتاب ولایت ایک عرصہ تک اہل ذوق اصحاب باطن پر جلوہ بار رہا، ارباب صفا مریدین وخلفا کی ایک بڑی جماعت پیدا ہوئی جن کے روحانی فیوض سے دنیا مالا مال ہوئی، آپ کے باکمال مقتدر خلفا یہ ہیں، شیخ ناصر الدین جھونسوی بن حضرت خواجہ کلاں، قطب الاقطاب دیوان عبدالرشید جونپوری، شاہ محمد یٰسین، شیخ مصطفیٰ کاکوروی علیہم الرحمۃ والرضوان۔

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

شیخ العلما حضرت علامہ الحاج غلام جیلانی علیہ الرحمہ سے ایک ملاقات

اعظم گڈھ کا مردم خیز ضلع جس طرح ماضی میں علم وادب کا محور ومرکز رہا ہے، جہاں عظیم شاعر، ادیب، فقیہ، محدث، مفسر، فلسفی، مورخ غرضیکہ جملہ علوم وفنون پر کامل دستگاہ رکھنے والے علما، ادبا وشعرا پیدا ہوتے رہے ہیں، موجودہ علمی زوال کے دور میں بھی اس خاک سے علم وفن اور فضل وکمال کے آفتاب وماہتاب طلوع ہوکر دنیائے علم وفضل کو روشنی بخش رہے ہیں، جس کی ترجمانی اقبال سہیل نے اپنے ایک مشہور شعر میں کی ہے۔

اس خطۂ اعظم گڈھ پہ مگر فیضان تجلی ہے یکسر
جو ذرہ یہاں سے اٹھتا ہے وہ نیر اعظم ہوتا ہے

اسی اعظم گڈھ کا ایک قدیم گہوارۂ علم وفن قصبہ گھوسی بھی ہے، اس قصبہ کی قدامت کی طرح یہاں کی علمی تاریخ بھی قدیم ہے۔

زمانۂ دراز سے آج تک کوئی ایسا دور نہیں گزرا، جو اصحاب علم وفن سے خالی رہا ہو، انیسویں صدی عیسوی کے ربع آخر سے لے کر موجودہ صدی تک کا زمانہ خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہے۔

قصبہ گھوسی کا ایک چھوٹا سا محلّہ کریم الدین پور ہے، جسے علمی دنیا میں اہم ترین حیثیت حاصل ہے، اس مختصر سی آبادی نے علما ومشائخ کی ایک ایسی جماعت ہمیشہ پیدا کی ہے، جو ہندوپاک کے طول وعرض میں علوم اسلامیہ کی تدریس اور دین اسلام کی اشاعت وتبلیغ میں مصروف ہیں، انھیں علما ومشائخ میں حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کے خاندان سے تعلق رکھنے والے وقت کے جلیل القدر عظیم المرتبت عالم دین شیخ العلما حضرت علامہ مولانا غلام جیلانی صاحب شیخ الحدیث دار العلوم فیض الرسول براؤں شریف ضلع بستی بھی ہیں[1]، جنھوں نے اپنے پچاس سالہ دور تدریس میں ملک کی موقر اور عظیم درسگاہوں میں منصب درس پر فائز رہ کر علمائے کرام کی ایک عظیم جماعت پیدا کی، جو ملک وبیرون ملک میں تشنگان علم کو

---

[1] ۶؍ ربیع الاول ۱۳۹۷ھ/ ۲۵ فروری ۱۹۷۷ء بروز جمعہ وصال فرمایا۔ نعیم قادری

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

سیراب کررہی ہے۔

۴رشوال المکرّم ۱۳۹۶ھ کوایک تقریب میں شرکت کے لیے مولانا نثاراحمد صاحب،مولانا ڈاکٹر محبّ الحق صاحب قادری،مولانا علی احمد صاحب اعظمی،حافظ تشریف الاعظم صاحب اور راقم السطور حضرت موصوف کی خدمت میں پہنچے،راستہ میں تذکرہ آیا،کہ اکابر علما و مشائخ میں اکثر حضرات پر تعارفی مضامین یا خود ان سے انٹریو اخبارات و رسائل میں شائع ہو چکے ہیں،مگر حضرت مولانا موصوف سے متعلق اب تک کوئی مضمون یا انٹریو شائع نہ ہوسکا،اگر حضرت اجازت مرحمت فرمائیں تو کچھ سوالات پیش خدمت کر کے جوابات حاصل کیا جائے اور انھیں مضمون کی شکل دے دی جائے، جس سے حضرت مولانا موصوف کا قلمی تعارف ارباب علم اور اُردو خواں طبقہ تک پہنچ سکے اور حضرت کی علمی و دینی خدمات ملک کے سامنے آجائیں۔

طے شدہ پروگرام کے پیش نظر سلام و دست بوسی کے بعد احباب نے مل جل کر انٹریو کے لیے سوالات کی ایک طویل فہرست تیار کی، جسے حضرت مولانا موصوف کی خدمت میں پیش کر دیا گیا، ملاحظہ فرمانے کے بعد حضرت نے ارشاد فرمایا، نقاہت اور کمزوری کے باعث فی الحال جواب تو نہیں دے سکتا،ہاں جوابات تحریری شکل میں انشاءاللہ ضرور دے سکتا ہوں،ہم نے بھی حضرت کی معذوری کو محسوس کیا،لیکن انٹریو کے چند سوالات جو ضروری تھے اور ان کے بارے میں معلومات فراہم کرنی تھیں،اس لیے ہم نے ان سوالوں کے جوابات دریافت کیے،حضرت مولانا موصوف نے مرض اور کمزوری کے باوجود سوالوں پر نظر ثانی کے بعد جواب عنایت فرمانے شروع کر دیے، ہمارا پہلا سوال حضرت کی ولادت اور بچپن کے واقعات سے متعلق تھا،جس کے جواب میں ارشاد ہوا۔

میں محلّہ کریم الدین پور گھوسی میں ۱۹۰۲ء میں پیدا ہوا،بچپن کا زمانہ انتہائی غربت میں گزرا اس لیے کہ میرے والد حضرت مولانا محمد صدیق صاحب علیہ الرحمہ کا انتقال میری کم سنی ہی میں ہو چکا تھا،جب کہ میری عمر زیادہ سے زیادہ نو برس کی رہی ہوگی،میری اور میرے برادر عزیز مولانا غلام یزدانی صاحب مرحوم کی کفالت اور تعلیمی مصارف کا پورا پورا بوجھ میری نیک بخت ماں پر پڑا، جو اپنی جسمانی قوت کے مطابق گھریلو کام کر کے اپنا اور ہمارا پیٹ پالتی رہیں اور بلند حوصلہ مادر مہربان نے تنگدستی کے باوجود ہماری تعلیم میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی انھیں کا کرم اور شفقت ہے، کہ ہم اس منصب تک پہنچے، جب حضرت مولانا محمد صدیق صاحب کا ذکر آیا،تو ہم انٹریو کے وہ سوالات جو حضرت مولانا محمد صدیق صاحب علیہ الرحمہ کے متعلق تھے، یکے بعد دیگرے پیش خدمت کرتے رہے اور حضرت مولانا ان کے جوابات مرحمت فرماتے

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

رہے۔

چونکہ حضرت والد بزرگوار کا انتقال میری کم سنی ہی میں ہو چکا تھا، اس لیے میں ان کے بارے میں ذاتی مشاہدات کی بنیاد پر زیادہ یادداشت پیش کرنے سے قاصر ہوں، ہاں سن شعور کو پہنچنے کے بعد اساتذہ اور دوسرے خاندانی بزرگوں سے جو حالات وواقعات مجھے معلوم ہوئے اسے عرض کیے دیتا ہوں۔

والد بزرگوار حضرت مولانا محمد صدیق صاحب مرحوم جونپور مدرسہ حنفیہ کے ممتاز اور ارشد تلامذہ میں تھے، استاذ العلما حضرت مولانا ہدایت اللہ صاحب رامپوری علیہ الرحمہ استاذ حضرت صدرالشریعہ علیہ الرحمہ جو اس وقت صدر مدرسی کے منصب پر فائز تھے، جن کے تبحر علمی اور درس و تدریس کا شہرہ فقط دیار پورب ہی نہیں، بلکہ ہند کے دور افتادہ علاقوں میں بھی تھا، جن کی درسگاہ سے سیکڑوں علم وفضل کے ایسے آفتاب و ماہتاب طلوع ہوئے، جن کی چمک دمک نے لاکھوں تاریک دلوں کو روشنی بخشی اور انھیں دولت علم سے بہرہ یاب کیا، وہ حضرت والد گرامی کے ذوق وشوق علمی اور ذہانت و فطانت سے اس قدر متاثر تھے، کہ انھوں نے اپنی تنخواہ سے پانچ روپیہ ماہوار وظیفہ مقرر فرما دیا تھا اور والد بزرگوار کی سادگی و پاکیزگی نفس کی بنا پر انھیں خلوص کے نام سے یاد کرتے۔

میرے والد بزرگوار جب مبارک پور بسلسلہ تدریس پہنچے، تو وہاں کے بیدار مغز اور زندہ دل مسلمانوں میں ذوق علم پیدا کیا اور انھیں بڑے مدرسہ کے قیام پر ابھارا، جس کے نتیجہ میں ایک ادارہ کا قیام عمل میں آیا، جو مولوی محمد عمر سبزی فروش کے ذاتی مکان میں کھولا گیا، جس کا نام دارالعلوم مصباح العلوم رکھا گیا، والد گرامی نے عرصۂ دراز تک اس ادارے میں اپنی علمی خدمات پیش کیں اور بہت سے تشنگان علم نے ان سے کسب فیض کیا، والد گرامی کے انتقال کے بعد ان کے شاگرد مولانا عبدالسلام صاحب صدر مدرس ہوئے، لیکن زندگی نے وفا نہ کی اور وہ بھی انتقال کر گئے، مولانا عبدالسلام صاحب کے انتقال کے بعد مدرسہ مقفل ہو گیا، صاحب مکان نے دیوبندیوں کو مکان فروخت کر دیا، حالانکہ اس مکان کو انھوں نے زبانی طور پر مدرسہ مصباح العلوم کے لیے وقف کر دیا تھا، اس طرح دارالعلوم مصباح العلوم ایک چھوٹے سے مکتب کی شکل اختیار کر گیا، جو لوگوں کے ذاتی مکان میں منتقل ہوتا رہا اور جس میں معمولی ابتدائی تعلیم ہوتی رہی، حضرت والد بزرگوار کے تلامذہ کی فہرست طویل ہے ان میں درج ذیل اشخاص کے نام یہ ہیں۔

(۱) حضرت مولانا عبدالسلام صاحب مرحوم

(۲) مولانا محمد شریف صاحب مصطفیٰ آبادی مصنف الافادات القدسیہ قابل ذکر ہیں

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

(۳) مولوی محمد یحییٰ صاحب بلیاوی

(۴) مولانا عبدالحئی صاحب بلیاوی (علامہ ارشدالقادری صاحب کے عزیز قریب) اور مولوی غلام غوث صاحب بلیاوی، مولوی عبدالعظیم صاحب (بنگلہ دیش) بھی آپ کے تلامذہ میں ہیں۔

مولانا محمد شریف صاحب سے مجھے ملنے کا جب بھی اتفاق ہوتا، وہ مجھے دیکھ کر کھڑے ہو جاتے اور بڑی محبت کے ساتھ پیش آتے اور فرماتے، آپ میرے استاذ زادے ہیں، والد گرامی کے معاصرین میں حضرت مولانا نذیر احمد صاحب عرف نوشہ علیہ الرحمہ، مولانا یوسف صاحب مرحوم، مولانا ہدایت اللہ صاحب مرحوم، حضرت صدرالشریعہ علیہ الرحمہ، مولانا محمد عمر صاحب اور دیگر مشاہیر علمائے گھوسی تھے، جن میں ہر ایک معاصر سے آپ کے تعلقات انتہائی خوشگوار رہے، جو والد گرامی کی انتہائی شرافت طبع اور سنجیدگی مزاج کا ثبوت فراہم کرتے ہیں۔

ہم نے اگلا سوال حضرت کی تحصیل علم اور فراغت سے متعلق کیا، تو آپ نے بڑی تفصیل کے ساتھ جواب عطا فرمایا۔

بسم اللہ حاجی ضیاء الدین صاحب مرحوم نے کرائی اور انھیں کے پاس میں نے قرآن مجید ختم کیا اور کچھ اردو کی کتابیں بھی انھیں سے پڑھیں، والد بزرگوار کے انتقال کے بعد میں مبارکپور پڑھنے گیا، جہاں مولانا عبدالسلام صاحب تلمیذ رشید حضرت مولانا محمد صدیق صاحب مرحوم سے فارسی کی پہلی آمد نامہ وغیرہ کتابیں پڑھیں، لیکن استاذ گرامی کے انتقال کے بعد میں گھوسی واپس آ گیا اور قصبہ کوپاگنج کے ایک مدرسہ میں داخلہ لے کر مولانا عبدالصمد صاحب سے میزان و پنج گنج تک تعلیم حاصل کی، کوپاگنج کے بعد میں نے گھر ہی مقیم رہ کر بیسواڑہ گھوسی کے رئیس عبدالحئی صاحب کے مکان پر قائم شدہ مدرسہ فیض عام میں داخلہ لے لیا اور تقریباً دوسال وہیں تعلیم حاصل کی، حضرت مولانا محمد عمر صاحب اور مولانا ظہیر صاحب سے نحو میر شرح مأتہ عامل اور ہدایۃ النحو پڑھی، اس کے بعد میں حضرت صدرالشریعہ علیہ الرحمہ کے ہمراہ بریلی شریف گیا، غالباً شوال ۱۳۳۹ھ تھا، جہاں دارالعلوم منظر اسلام میں حضرت صدرالشریعہ علیہ الرحمہ، مولانا حسنین رضا خاں صاحب، مولانا عبدالعزیز صاحب بجنوری علیہ الرحمہ سے شرح جامی، تفسیر جلالین، شرح عقائد نسفی، رسالہ میر زاہد، میر زاہد ملا جلال، شرح ہدایت الحکمۃ، شرح وقایہ، ہدایہ اولین، اصول الشاشی، نورالانوار، حسامی، مشکوۃ شریف پڑھی اور جب حضرت صدرالشریعہ علیہ الرحمہ اجمیر شریف جامعہ معینیہ کی تدریسی خدمات کے لیے تشریف لے گئے، تو میں بھی آپ کے ساتھ ۱۳۴۳ھ ۱۹۲۴ء میں اجمیر شریف گیا، مولانا محمد یحییٰ صاحب مرحوم پسر حضرت

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

صدرالشریعہ بھی ہمراہ سفر تھے، اجمیر شریف میں حضرت صدرالشریعہ علیہ الرحمہ اور مولانا عبدالحئ (افغانی) اور مولانا عبداللہ (افغانی) صاحبان سے مختصر المعانی، میرزاہد رسالہ (دوبارہ) اور چند دوسری کتابوں کا درس لیا۔

سالانہ امتحان میں میں نے اول درجہ میں کامیابی حاصل کی اور مدرسہ کی جانب سے مجھے کتابوں کا انعام بھی ملنے والا تھا، مگر میں دوسرے سال اجمیر شریف نہ جاسکا، بلکہ فرنگی محل لکھنؤ کے مدرسہ نظامیہ میں داخل ہوکر تعلیم حاصل کرنے لگا، جہاں میں نے شرح عقائد، دیوان متنبّی، حماسہ، سبعہ معلقہ، مدارک التنزیل، مسلم الثبوت، صدریٰ، حمداللہ، مولانا عبدالباری صاحب مرحوم فرنگی محلی سجادہ نشین، حضرت مولانا عبدالقادر فرنگی محلی مرحوم، حضرت مولانا عنایت اللہ صاحب، مولانا صبغۃ اللہ صاحب، مولانا قطب الدین صاحب سے پڑھیں، فرنگی محل میں مسلم الثبوت تک تحریری امتحانات میں امتیازی نمبروں سے کامیابی پر مولانا عبدالباری فرنگی محلی نے نو روپیہ ماہانہ وظیفہ مقرر کردیا تھا۔

آئندہ سال دورۂ حدیث اور تکمیل کے لیے ۱۳۴۵ھ میں دارالعلوم منظر اسلام بریلی شریف میں داخل ہوگیا، جہاں شاہزادۂ اعلیٰ حضرت حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں صاحب علیہ الرحمہ اور حضرت مولانا رحم الٰہی صاحب مرحوم صدر مدرس سے بخاری شریف، مسلم شریف، ابن ماجہ، نسائی، ابوداؤد، بیضاوی شریف، توضیح تلویح کا درس لیا اور ۱۳۴۵ھ میں ہی سند فراغت حاصل کی۔

ہمارا اگلا سوال تھا، آپ کے وہ اساتذۂ کرام جن کے فیض تعلیم و تربیت سے آپ متاثر ہوئے اور جس کا نقش آج بھی آپ کے لوح دل پر محفوظ ہے۔

حضرت شیخ العلما نے اس سوال پر قدرے تامل کیا اور ارشاد فرمایا، میرے اساتذۂ کرام کی ایک طویل فہرست ہے، لیکن میں نے مختلف علوم وفنون میں جن کو زیادہ کامل پایا اور جن کے فیض علم سے میں نے اثر قبول کیا، ان میں سرفہرست حضرت صدرالشریعہ علیہ الرحمہ کی بلند پایہ شخصیت ہے، جو درس نظامی کے مروجہ جملہ علوم وفنون پر کامل دستگاہ رکھتے تھے، مولانا عبدالباری فرنگی محلی، معقولات اور فن تفسیر پر کافی عبور رکھتے تھے، مولانا صبغۃ اللہ صاحب ادب کے بے مثال استاذ تھے، ان بزرگوں کے علاوہ حضرت حجۃ الاسلام علیہ الرحمہ اور مولانا رحم الٰہی و مولانا عبدالحئ افغانی مرحوم، مولانا عنایت اللہ فرنگی محلی فقہ وحدیث اور اصول نیز معقولات میں خاصی مہارت اور دستگاہ رکھتے تھے، انھیں بزرگوں کے فیضان علم نے مجھے علم وفضل کی دولت گرانمایہ سے نواز کر کسی لائق بنادیا۔

تحصیل علم کے بعد حضرت شیخ العلما کی زندگی کا گرانقدر حصہ تدریسی خدمات کی انجام دہی

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

اور نئی نسل کو زیورِ علم سے آراستہ کرنے میں گزرا ہے اور اس سلسلہ میں آپ نے مختلف مدارس میں اپنی خدمات پیش کی ہیں، لہٰذا ہم نے تدریسی لائف سے متعلق سوال پیش کیا۔

حضرت نے ارشاد فرمایا، سب سے پہلے میرا تقرر ۱۳۴۶ھ میں دارالعلوم منظرِ اسلام بمشاہرہ پانچ روپیہ ہوا، لیکن صرف پانچ مہینہ قیام کے بعد میں مدرسہ محمدیہ امروہہ ضلع مرادآباد بمشاہرہ تیس روپیہ ماہوار بحیثیت نائب مدرس مقرر ہوا اور تقریباً سات برس تعلیمی خدمات انجام دینے کے بعد اسی تنخواہ پر مدرسہ محمدیہ ویلور (مدراس) چلا گیا، جہاں مجھے مولوی فاضل کے کلاسوں پر عربی ادب کا معلم مقرر کیا گیا، لیکن ناساعد آب وہوا اور خرابیِ صحت کے باعث ایک سال رہ کر پھر امروہہ آگیا، وہاں سے ایک سال بعد حضرت صدرالشریعہ علیہ الرحمہ کے حکم سے مدرسہ احسن المدارس قدیم کانپور چلا گیا، جہاں چھ سال تک تدریسی و تبلیغی خدمات انجام دیتا رہا، ۱۳۶۱ھ میں مجھے مدرسہ قادریہ برکاتیہ مارہرہ شریف ضلع ایٹہ احسن العلما حضرت مولانا حسن میاں صاحب قبلہ سجادہ نشین کی تعلیم کے لیے بلایا گیا، جہاں ایک سال قیام رہا، حضور مفتیِ اعظم ہند مدظلہ العالی نے ۱۳۶۲ھ میں جامعہ رضویہ مظہرِ اسلام بریلی شریف بلالیا، وہاں سے پھر ۱۳۶۶ھ میں دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور میں میرا تقرر ہوا، جہاں میں نے تقریباً سات برس تدریسی خدمات انجام دیں، ۱۳۷۳ھ میں میرا تقرر جامعہ عربیہ ناگپور ہوا، مگر وہاں کی آب وہوا راس نہ آئی، حضور مفتیِ اعظم کے حسبِ حکم دوبارہ دارالعلوم مظہرِ اسلام بریلی شریف تدریسی خدمات انجام دینے کے لیے حاضر ہوا اور تقریباً پانچ سال تک جامعہ رضویہ کی تدریسی خدمات انجام دیتا رہا، پھر شعیب الاولیا حضرت خواجہ صوفی شاہ محمد یار علی صاحب قبلہ قدس سرہ العزیز کے ادارہ فیض الرسول براؤں شریف سے میرے طلبی کے مراسلات جانے لگے، حتیٰ کہ وہاں کے مدرس مولوی محمد یونس صاحب نعیمی اشرفی مجھے لینے کے لیے بریلی شریف پہنچے اور مجھے براؤں شریف ساتھ میں لائے، ۱۳۷۹ھ میں بحیثیت شیخ الحدیث میرا تقرر دارالعلوم اہلسنت فیض الرسول براؤں شریف میں بمشاہرہ ۱۲۵/روپیہ ہوا اور اب ۳۰۵/روپیہ ماہوار مجھے ملتے ہیں، ہنوز تدریسی خدمات انجام دے رہا ہوں، یہاں کے روحانی ماحول میں انتہائی سکون اور قلبی استراحت محسوس کرتا ہوں، حضرت شعیب الاولیا کی بیکراں شفقت میرے قلب کی گہرائیوں میں جاگزیں ہوگئی ہے، ان کے وصال کے بعد ان کی ابدی آرام گاہ کا قرب میرے لیے سکونِ جان ہے، خدا نے چاہا تو زندگی کے آخری ایام بھی اسی مقدس سرزمین سے وابستہ رہ کر دارِ فانی کو خیرباد کہوں گا۔

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

حضرت شیخ العلما نے تحصیل علم سے فراغت حاصل کرنے کے بعد ہی تدریسی زندگی اختیار کر لی تھی اور ملک کے مختلف اداروں میں تعلیمی وتدریسی خدمات انجام دیتے رہے ہیں، اس لیے فطرتاً یہ سوال اٹھتا ہے، کہ حضرت کے فیض تعلیم وتربیت سے آراستہ ہونے والے اور علوم اسلامیہ کی دولت سے مالا مال ہونے والے مشاہیر علما وتلامذہ کون کون سے ہیں؟ چنانچہ ہم نے اگلا سوال تلامذہ کے بارے میں کیا، جس کے جواب میں ارشاد ہوا۔

ملک کے مختلف گوشوں میں میرے تلامذہ کی متعدد تعداد موجود ہے، جن کی تفصیلی فہرست بہر حال استحضار کے متقاضی ہے، تاہم کچھ لوگوں کے نام یہ ہیں۔

(۱) مولانا غلام یزدانی صاحب مرحوم سابق شیخ الحدیث دارالعلوم مظہر اسلام بریلی شریف (۲) مولانا عبدالمصطفیٰ صاحب اعظمی شیخ الحدیث منظرحق ٹانڈہ (۳) مولانا حافظ عبدالرؤف صاحب مرحوم سابق نائب شیخ الحدیث دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور (۴) مولانا سید احمد سعید کاظمی صاحب (۵) مولانا قاری محمد عثمان صاحب اعظمی مبلغ اعظم الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور (۶) مولانا ضیاء المصطفیٰ صاحب قادری سجادہ نشین آستانہ امجدیہ واستاذ الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور (۷) مولانا ریحان رضا خاں صاحب، ایم، ایل، سی بریلی شریف (۸) مولانا قاری رضاء المصطفیٰ صاحب دارالعلوم امجدیہ کراچی (۹) مولانا سید محمد مدنی صاحب سجادہ نشین آستانہ محدث اعظم ہند (۱۰) مولانا سید آل حسن صاحب آستانہ مارہرہ شریف (۱۱) مولانا تحسین رضا خاں صاحب نائب شیخ الحدیث دارالعلوم مظہر اسلام بریلی شریف (۱۲) مولانا سبطین رضا خاں صاحب (۱۳) مولانا مجیب الاسلام صاحب نسیم اعظمی ادروی (۱۴) مولانا قمرالدین صاحب اشرفی صدر مدرس مدرسہ شمس العلوم گھوسی (۱۵) مولانا محمد میاں کامل سہسرامی (۱۶) مولانا بدرالدین صاحب صدر مدرس مدرسہ غوثیہ بڑھیا (۱۷) مولانا محمد احمد شاہدی صاحب (۱۸) مولانا عبداللہ خاں صاحب استاذ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور (۱۹) مولانا صوفی نظام الدین صاحب استاذ مدرسہ تنویر الاسلام امرڈوبھا (۲۰) مولانا اعجاز احمد خاں صاحب صدر مدرس مدرسہ تدریس الاسلام بسڈیلہ (۲۱) مولانا خواجہ مظفر صاحب بہاری شیخ الحدیث مدرسہ نظامیہ بھاگلپور (۲۲) مولانا مجیب اشرف صاحب بانی ومتہمم دارالعلوم امجدیہ ناگپور (۲۳) مولانا سید کمیل اشرف صاحب (۲۴) مولانا محمد صابر القادری نسیم بستوی صاحب (۲۵) مولانا قدرت اللہ صاحب استاذ دارالعلوم فیض الرسول براؤں شریف (۲۶) مولانا نعیم الدین صاحب صدیقی شیخ الحدیث دارالعلوم تنویر الاسلام امرڈوبھا، بستی (۲۷) مولانا محمد اسلم مظفر پوری (۲۸) مولانا غلام عبدالقادر علوی سیف اللہ صاحب صاحبزادہ

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

حضرت شعیب الاولیا علیہ الرحمہ(۲۹) مولانا محمد رمضان صاحب مرحوم (۳۰) مولانا محمد سالم صاحب صدر مدرس مدرسہ امجدیہ پالی راجستھان (۳۱) مولانا محمد عمر صاحب مبارک پوری (۳۲) مولانا سبحان اللہ صاحب (۳۳) مولانا شمس الدین صاحب اعظمی (۳۴) مولانا ابوطلحہ صاحب مبارکپوری (۳۵) مولانا سخاوت علی صاحب (۳۶) مولانا شفیع احمد ادروی مرحوم (۳۷) مولانا خلیل احمد صاحب (۳۸) مولانا کمال احمد صاحب بستوی (۳۹) مولانا کاظم علی صاحب (۴۰) مولانا غلام ربانی صاحب مہتمم دارالعلوم غوثیہ ہبلی (۴۱) مولانا تجمل ہدیٰ صاحب نائب شیخ الحدیث منظر حق ٹانڈہ (۴۲) مولانا محمد سید احمد انجم صاحب استاذ دارالعلوم فیض الرسول (۴۳) مولانا سید منظور احمد صاحب (۴۴) مولانا نثار احمد صاحب استاذ دارالعلوم امجدیہ ناگپور (۴۵) مولانا انوار احمد صاحب استاذ مدرسہ خیریہ فیض عام گھوسی (۴۶) مولانا حفیظ اللہ صاحب استاذ مدرسہ احسن المدارس جدید کانپور (۴۷) مولانا سمیع اللہ صاحب (۴۸) مولانا شفیق احمد صاحب (۴۹) مولانا ثناء المصطفیٰ صاحب صاحبزادہ حضرت صدرالشریعہ (۵۰) مولانا سید ذوالفقار صاحب مکن پوری (۵۱) مولانا سید اظہار اشرف صاحب (۵۲) مولانا صوفی غلام آسی صاحب (۵۳) مولانا اختر حسن صاحب (۵۴) حکیم غلام مصطفےٰ صاحب (۵۵) مولانا مقبول احمد صاحب۔

تلامذہ کی فہرست میں اختصار کرتا ہوں ورنہ میرے شاگردوں کی تعداد لگ بھگ ایک ہزار ہوگی۔

ملک کے اندر روز بروز دینی اداروں کی تعداد میں اضافہ ہوتا چلا جا رہا ہے، چھوٹے چھوٹے مکاتب بڑے بڑے اداروں میں تبدیل ہو رہے ہیں اور ہر ہر گاؤں میں مکتب اور مدرسے قائم ہیں، لیکن اداروں کی بڑھتی ہوئی تعداد کے باوجود علما گھٹ رہے ہیں اور استعداد وصلاحیت علمی کے اعتبار سے ہر آنے والی جماعت اپنی ماسبق جماعت سے کمزور ہوتی ہے، ہم نے اپنے ایک سوال میں تعلیمی سدھار اور ساتھ ہی ساتھ جدید علوم کو نصاب تعلیم میں شامل کرنے کے سلسلہ میں بھی رائے معلوم کرنی چاہی، حضرت نے تعلیمی سدھار سے متعلق ارشاد فرمایا۔

تعلیمی ماحول کا سدھار انفرادی حیثیت سے ممکن نہیں، بلکہ اس سلسلہ میں موثر طریقہ کار اپنانا ناگزیر ہے، ملک گیر یا کم از کم صوبائی پیمانہ پر علما اور نظمائے مدارس کی ایک کانفرنس منعقد کی جائے، جس کے طے شدہ ضوابط اور نصاب تعلیم سارے اداروں میں رائج کیے جائیں، میں حالات کے تقاضوں کے پیش نظر جدید علوم بالخصوص ہندی اور انگریزی کو نصاب تعلیم میں شامل کرنے کا حامی

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ہوں، جس سے ہم موجودہ ماحول کی رفتار سے تاریکی میں نہ رہ کر حالات کا مقابلہ کرسکیں، بلکہ مخالفین اسلام کے نظریات اور انداز استدلال کو سمجھ کر اور انھیں کی زبانوں میں جدید مشاہدات کی روشنی میں جواب دے سکیں۔

ہمارا اگلا سوال تھا، حضور آپ ادب سے خصوصی دل چسپی رکھتے ہیں، کیا آپ شاعری بھی فرماتے ہیں؟ آپ اردو شاعری میں کس کی شاعری سے زیادہ متاثر ہیں ارشاد ہوا۔

میں نے کبھی کبھار حسب موقع عربی زبان میں اشعار لکھے ہیں، ویلور (مدراس) میں حضرت عبداللطیف صاحب ویلوری علیہ الرحمہ کی شان میں ایک قصیدہ عربی میں لکھ کر میں نے پیش کیا تھا، جسے دیکھ کر حضرت سجادہ نشین صاحب قصیدے کی روانی سلاست اور محاسن شعری سے بیحد متاثر ہوئے تھے اور مجھے انعام میں ایک گھڑی عطا فرمائی تھی، پورا قصیدہ ویلور میں موجود ہے۔

وطن مالوف کے قدیم دینی ادارہ کی تعلیمی سرگرمیوں سے متاثر ہوکر میں نے چند اشعار لکھے تھے، یہ اشعار دارالعلوم شمس العلوم گھوسی کے سالانہ اجلاس میں حضرت محدث اعظم صاحب علیہ الرحمہ نے پڑھوائے تھے اور بے حد مسرور ہوئے تھے۔

یا مرجع الانام ویا صاحب الھمم
صلیٰ علیک ربک ذوالفضل والکرم
یا من اذا دعوت الیٰ دین ربنا
دانت لک العرب ولانت لک العجم
فی لیلۃ الفراق لقد اظلم الفضا
نور بنور وجھک یا کاشف الظلم
شمس العلوم قد طلعت فی دیارنا
فارزق بھا الھدایۃ والرشد والحکم
انعم علی من اقتبسوا نور علمکا
واسلک بھم سبیلک یا ھادی الامم

مارہرہ مطہرہ میں حضرت صوفی سید مہدی میاں صاحب قبلہ علیہ الرحمہ کا انتقال ۱۳۶۱ھ میں ہوا، آپ سلسلۂ قادریہ برکاتیہ مارہرہ شریف کے سجادہ نشین تھے اور حضرت شاہ ابوالحسن نوری علیہ الرحمہ کے خلیفہ ومجاز تھے، ان کے انتقال پرملال کی تاریخ "مغفور لہ"، نکلی، اس کو مندرجہ ذیل دو شعروں میں میں

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

نے منظوم کیا۔ ؎

ہے وصال حضرت مہدی کا چرچا سو بسو
آنکھ برساتی ہے اشکوں کی جگہ گویا لہو
جب کہ تاریخ وصال پاک کی تھی جستجو
قال قلبی اکتب التاریخ مغفور لہٗ (۱۳۶۱ھ)

سید العلما حضرت مولانا سید آل مصطفیٰ صاحب علیہ الرحمہ سابق صدر آل انڈیا سنی جمعیۃ العلما بمبئی براؤں شریف کے جلسۂ دستار بندی میں تشریف لائے تھے، تو انھوں نے مجھ سے فرمایا تھا، کہ آپ کے اشعار حضرت مہدی علیہ الرحمہ کے مزار پاک پر آویزاں ہیں اور ہماری بیاض میں محفوظ ہیں۔

براؤں شریف آنے کے بعد یہاں کی نماز پنجگانہ کی امامت میرے سپرد ہوگئی، اس وجہ سے حضرت شعیب الاولیا علیہ الرحمہ بعض مواقع پر مجھ سے فرماتے، نماز کے بعد فلاں مقصد کے لیے دعا کیجیے گا، اسی سلسلہ میں حضرت نے ایک بار مجھ سے فرمایا، کہ مولوی بدرالدین صاحب اور مولوی نعیمی صاحب علیل ہیں اور جن صاحبہ (حضرت کی اہلیہ ان کو تمام مدرسین اور خلیفہ صاحب اماں جی کہا کرتے تھے) بھی علیل ہیں، ان سب کی صحت کے لیے بعد نماز دعا کیجیے گا، بحمدہٖ تعالیٰ وہیں بیٹھے بیٹھے دو شعر ذہن میں آگئے، حضرت کو سنا کر عرض کیا، کہ اگر اجازت ہو تو بعد نماز انھیں اشعار کے ساتھ دعا کروں، حضرت اشعار سن کر بہت مسرور ہوئے اور اجازت دے دی، وہ اشعار یہ ہیں۔

شفاء ک رب ذا الفضل العظیم
لبدر الدین والشیخ النعیم
وعاف امنا ام الخلیفۃ
عن الامراض باللطف العمیم

میں نے اردو شاعری کے ذخائر میں صرف نعتیہ شاعری کا مطالعہ کیا اور اس سلسلہ میں کلام اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ سے بے حد متاثر ہوں، اعلیٰ حضرت کی شاعری قلب کے حقیقی جذبات کی ترجمان ہے اور شعر کا ایک ایک لفظ عشق و عرفان میں ڈوبا ہوا ہوتا ہے، نعت پاک کے پڑھنے یا سننے سے قلب متاثر ہوتا ہے اور روح عشق محمدی کا سرور پاتی ہے، معنی و مفہوم کے لحاظ سے اعلیٰ حضرت کے اشعار گراں قدر علمی معلومات فراہم کرتے ہیں اور جتنا زیادہ علم و فضل جس کے نصیب میں ہے، وہ اتنا ہی زیادہ کلام اعلیٰ حضرت کی گہرائیوں تک پہنچ کر اشعار کے نکات و معارف کی تہ تک رسائی حاصل کرسکتا ہے، مولانا حسن

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

رضا خاں صاحب بریلوی علیہ الرحمہ کی نعتیہ شاعری سے بھی متاثر ہوں اور اسے پسند کرتا ہوں۔

حضرت شیخ العلما نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے اعلیٰ حضرت کے درج ذیل شعر کی تشریح نہایت بلیغ انداز میں فرمائی۔ ؎

سب چمک والے اجلوں میں چمکا کیے
اندھے شیشوں میں چمکا ہمارا نبی

اگلے انبیائے کرام کی بعثت کا سلسلہ اس طرح جاری رہا، کہ پہلے نبی دنیا سے رخصت ہوتے تو بعد والے نبی تھوڑے وقفہ کے بعد تشریف لے آتے، پہلے نبی کے نور ہدایت کا اجالا اور اس کی روشنی باقی رہتی اور لوگوں کے شیشہ ہائے دل قدرے صاف و شفاف رہتے، کہ دوسرے نبی کی بعثت ہوجاتی، اس طرح آنے والے نبی کو تبلیغ دین میں آسانی ہوتی۔

مگر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد ۵۷۰ برس کے وقفہ پر تشریف لائے، اس وقت گمراہی پورے طور پر مسلط ہوچکی تھی، حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ علیہم الصلاۃ والسلام کی تعلیمات کو لوگ بھول چکے تھے (الا من شاء ھم اللّٰہ) شرک و بت پرستی کی تاریکی چھائی ہوئی تھی، لوگوں کے قلوب کے شیشے تاریک اور اندھے ہوچکے تھے، ایسے لوگوں کو راہ راست پر لانا بہت مشکل کام ہے۔

اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ اس شعر میں انبیائے سابقین علیہم الصلوۃ والتسلیم کی ہدایت کے مقابلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہدایت کاملہ کی فضیلت بیان فرمارہے ہیں، کہ گزشتہ انبیائے کرام نے ایسے وقت میں تبلیغ و ہدایت شروع کی، کہ اکثر لوگوں کے قلوب قبول ہدایت کی صلاحیت رکھتے تھے، ان سے پہلے نبی کے انوار کی شعائیں ابھی باقی تھیں، کہ ان کی بعثت ہوگئی، اس لیے دین برحق کی تبلیغ ان کے لیے آسان تھی، مگر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایسے وقت میں مبعوث ہوئے، کہ آپ سے پہلے نبی کے انوار ہدایت منعدم ہوچکے تھے، لوگوں کے قلوب تاریک اور سخت ہوچکے تھے، ایسے لوگوں کی ہدایت کرنا مشکل ترین کام تھا، مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ کمال تھا، کہ ایسے لوگوں کو بھی راہ راست پر لائے اور ان کے قلوب کو نور اسلام سے منور فرمایا۔

بعض معاندین فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کے اس شعر پر اعتراض کرتے ہیں۔ ؎

میں تو مالک ہی کہوں گا کہ ہو مالک کے حبیب
یعنی محبوب و محبّ میں نہیں میرا تیرا

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ہم نے موقع غنیمت سمجھا اور اس شعر کی تشریح وتوضیح چاہی، حضرت شیخ العلما نے ارشاد فرمایا۔

اعتراض یہ ہے، کہ جب اللہ تعالیٰ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دونوں مالک ہوئے، تو ایک مملوک میں دو مالکوں کا اشتراک ہوا یہ شرک ہے۔

جواب سے پہلے چند ضروری مقدمات سن لیجیے (۱) ایک ملکیت حقیقۃً وبالذات ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ ہر ممکن کا خالق ہے وہی مالک کل ہے "للّٰہ مافی السمٰوٰت وما فی الارض" ایسی ملکیت صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ مختص ہے اور اس میں اس کا کوئی شریک نہیں۔

(۲) دوسری ملکیت مجازی ہوتی ہے، مثلاً وہ ملکیت جو بیع وشرا، ہبہ یا میراث کے ذریعہ ہو، یہاں مالک اور مملوک دونوں حقیقۃً اللہ تعالیٰ کے مملوک ہیں، یہ ملکیت صرف ممکن ہی کے لیے ہوتی ہے، ایسی ملکیت اللہ تعالیٰ کے لیے ہرگز نہیں ہوسکتی ہے۔

(۳) اسی طرح ایک ملکیت مجازی بر بنائے محبت بھی ہوتی ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے دربار میں محبوب ترین ہستی ہیں۔

(الف) قل ان کنتم تحبون اللّٰہ فاتبعونی یحببکم اللّٰہ

(ب) انا اعطینک الکوثر بعض مفسرین نے یہاں کوثر بروزن فوعل، بمعنی خیر کثیر مراد لیا ہے، جس میں ہر نعمت حاصل ہے۔

(ج) لولاک لما خلقت ارضا ولاسماء

ان کے علاوہ اور بھی نصوص ہیں، جو آپ کے افضل ترین محبوب ہونے پر دال ہیں، اور یہ بھی معلوم ہے، کہ جب کسی کو کسی کے ساتھ محبت خالصہ ہوتی ہے، تو محبّ اپنے مملوک اشیا میں محبوب کے ساتھ تفریق کا برتاؤ نہیں کرتا، محبّ یہ نہیں کہتا، کہ فلاں فلاں چیزیں میری ہیں اور فلاں فلاں اشیا تمہاری، یہاں میرا و تیرا کا معاملہ نہیں ہوتا، محبّ صادق اپنے مملوک پر محبوب کے تصرف کو پسند کرتا ہے، یہ بھی مجازی ملکیت کی ایک قسم ہے۔

(۴) اب مذکورہ بالا شعر کے مطلب کی طرف توجہ کیجیے۔

(الف) میں تو مالک ہی کہوں گا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مالک ہیں، لہذا میں حضور کو مالک کہوں گا، یہ دعویٰ ہے۔

(ب) کہ ہو مالک کے حبیب، اس میں لفظ "کہ" تعلیل کے لیے ہے، مذکورہ دعوے کی علت کو بتاتا ہے "ہو مالک کے حبیب" یہ مذکورہ بالا دعویٰ کی دلیل مجمل ہے۔

http://t.me/tehqiqat

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

(ج) ''یعنی محبوب ومحبّ میں نہیں میرا تیرا'' یہاں ''یعنی'' کا کلمہ بمنزلہ حرف تفسیر ہے ''محبوب و محبّ میں نہیں میرا تیرا'' یہ مذکورہ بالا دلیل مجمل کی توضیح ہے، خلاصہ کلام یہ ہوا، کہ، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ مالک ہیں، لہذا میں آپ کو مالک کہوں گا، آپ کے مالک ہونے کی دلیل یہ ہے، کہ اللہ تعالیٰ جو مالک حقیقی ہے، وہ آپ کا محبّ صادق ہے، آپ اس کے محبوب کامل ہیں، محبّ صادق کی مملوک اشیا گویا محبوب کی مملوک ہیں، کیونکہ محبّ اور محبوب کے درمیان میرا مملوک اور تیرا مملوک کا برتاؤ نہیں ہوتا، اس شعر میں اللہ تعالیٰ کی مالکیت حقیقیہ کو تسلیم کیا گیا ہے اور سول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مالکیت مجازیہ کو ثابت کیا گیا ہے، یہ شرک نہیں۔

پھر یہ بھی سوچیے کہ اس شعر پر اعتراض کرنے والوں نے بھی کبھی کہا ہوگا، کہ فلاں مکان فلاں کتاب یا فلاں قلم کا مالک میں ہوں، اس کے ساتھ وہ یہ بھی تسلیم کرتے ہوں گے کہ ہر چیز کا مالک اللہ تعالیٰ ہے لِلّٰہ مافی السمٰوات ومافی الارض (مالک خلقا وعبیدا) پھر جب ان معترض صاحب نے اللہ تعالیٰ کی مملوک شی پر اپنی ملکیت کا دعویٰ کیا، تو یہ شرک کیوں نہیں ہوا؟ وہ یہی جواب دیں گے، کہ اللہ تعالیٰ کی ملکیت حقیقۃً وبالذات ہے، اور ان کی ملکیت مجازی ہے، تو اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کے کلام میں حقیقت ومجاز کی تاویل کیوں نہیں کرتے، حالانکہ اعلیٰ حضرت کے کلام میں ملکیت مجازی کی توضیح بھی ہے۔

حضرت شیخ العلما نے حج بیت اللہ زیارت حرمین شریفین کا شرف بھی حاصل کیا ہے، ہم نے حرمین شریفین کے ان واقعات اور حالات کے بارے میں پوچھا، جو آپ پر اثر انداز ہوئے، حضرت نے ارشاد فرمایا۔

سفر حج میں مجھ پر دو قسم کے اثرات مرتب ہوئے، خوش کن اثرات اور اذیت رساں اثرات۔

خوش کن اثرات کے اسباب کی مختصراً چند مثالیں یہ ہیں۔ (الف) جدہ میں حاجیوں کے لیے آرام دہ مسافر خانہ بنا ہوا ہے، اس سبب سے حاجیوں کو اقامت کرنے میں کافی سہولت ملتی ہے۔ (ب) جدہ سے مدینہ منورہ اور مکہ معظّمہ تک وسیع سڑک بن گئی ہے، اس وجہ سے حجاج بذریعہ بس بہ آسانی منزل مقصود تک پہنچ جاتے ہیں۔ (ج) صفا اور مروہ کے مابین مسافت مسقّف ہوگئی ہے، خواہ شدید دھوپ رہے، بارش ہوتی ہو حاجیوں کے لیے اس میں طواف کی زحمت نہیں پیش آتی۔ (د) جنت المعلیٰ اور جنت البقیع کے مزارات مقدسہ کی حاضری اور صاحب مزار کی طرف رخ کر کے ہاتھ اٹھا کر ایصال ثواب کرنے پر حکومت سعودیہ کی طرف سے اب کوئی ممانعت نہیں ہے، شاہ فیصل سے پہلے صاحب مزار

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کی طرف رخ کر کے کچھ پڑھنا اور ادھر رخ کر کے ہاتھ اٹھا کر ایصال ثواب کرنا جرم قرار دیا گیا تھا، جیسا کہ مولوی احمد یار خاں صاحب پاکستان نے اپنے سفر نامہ میں لکھا ہے۔(ہ) حرمین طیبین میں، خاص کر مسجد حرام اور مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں صفائی کا انتظام بہت بہتر ہے، اب اذیت رساں اثرات کے اسباب مختصراً سن لیجیے۔(الف) جدہ کے مسافر خانہ میں حجاج کے لیے بیت الخلا بنا ہوا ہے اور مکہ معظّمہ میں مسجد الحرام کے قریب ایک بیت الخلا عام لوگوں کے لیے ہے (بعض لوگوں کی زبانی معلوم ہوا، کہ یہ ابوجہل کا مکان تھا) ان دونوں بیت الخلا میں قدمچے اس طرح بنائے گئے ہیں، کہ ان پر بیٹھنے والے کا رخ یا تو خانہ کعبہ کی طرف ہوگا یا اس کی پشت ہوگی یہ امر نہایت ہی تکلیف دہ ہے۔

(ب) مسجد الحرام میں مطاف کعبہ کے کنارے متعدد عرب فوٹو گرافر کیمرہ لیے کھڑے رہتے ہیں اور حاجیوں سے فوٹو کھنچوانے کی فرمائش کرتے ہیں، بعد رضامندی ان کا فوٹو کھینچ کر ان کے حوالے کرتے ہیں اور اجرت میں ان سے طے شدہ ریال وصول کرتے ہیں، اس طرح یہ لوگ سیکڑوں ریال روزانہ کما لیتے ہیں، حکومت سعودیہ کی طرف سے ان لوگوں کو وہاں تصویر کشی کی عام اجازت ہے، بعض نادان حاجی گمراہ ہو جاتے ہیں، ان میں سے ایک حاجی صاحب سے میں نے نہایت نرمی سے کہا، کہ آپ نے اپنا فوٹو کھنچوا کر معصیت کا ارتکاب کیوں کیا؟ تو انھوں نے جواب دیا، کہ ہم یہی سمجھتے تھے، کہ جاندار کی تصویر کھینچنا اور کھنچوانا حرام ہے، مگر یہاں آنے کے بعد خیال بدل گیا، اس لیے کہ حکومت سعودیہ کا شمار اسلامی حکومت میں ہوتا ہے، اگر یہ فعل ناجائز ہوتا، تو سرزمین حرم پر وہ بھی مسجد الحرام میں ہرگز نہ ہونے پاتا، ضرور یہاں کے علما اسلام کا فتویٰ اس کے جواز پر ہوگا، اسی وجہ سے حکومت سعودیہ نے اس کی اجازت دی ہوگی۔

یہ منظر دیکھ کر اور ناواقف حاجی کی یہ بات سن کر مجھے بہت افسوس ہوا۔

حضرت شیخ العلما نے ایک سوال کے جواب میں ارشاد فرمایا۔

مکہ معظّمہ، مدینہ طیبہ، مصر و پاکستان و بنگلہ دیش کے متعدد علما سے ملنے کا اتفاق ہوا، ایک ڈائری پر ان حضرات کے اسما اور خلاصہ گفتگو بھی میں نے نوٹ کر لی تھی، مگر افسوس کہ وہ ڈائری ضائع ہو گئی، ان کے اسما بھی یاد نہیں رہے، صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کے صاحبزادے مخدومی حضرت عبد المصطفیٰ ازہری بھی حج کے لیے آئے تھے، ان سے بھی شرف ملاقات حاصل ہوا، آپ لوگوں کی جدائی ان کو تڑپاتی ہے، اہل وطن احباب کے لیے دعائے خیر کرتے تھے۔

جب حرمین شریفین میں علما و مشائخ سے ملاقات کی بات آئی، تو مناسب معلوم ہوا، کہ خلیفۂ

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

اعلیٰ حضرت عظیم البرکتہ حضرت علامہ شاہ ضیاء الدین صاحب قبلہ قادری مدنی سے ملاقات اوران کی گرانمایہ شخصیت کے بارے میں بھی سوال پوچھ لیا جائے، چنانچہ ہم نے حضرت کی ملاقات اوران کی بلند پایہ شخصیت سے جو اثرات شیخ العلما کے قلب پر پڑے، ان سے متعلق سوال پیش خدمت کیا، حضرت شیخ العلما نے ارشاد فرمایا۔

حضرت مولانا ضیاء الدین صاحب قبلہ مدنی قادری مدظلہ کی ملاقات سے میں بے حد متاثر ہوا، جب میں حاضر بارگاہ ہوا، تو اس وقت آپ ضعف ونقاہت کے باعث لیٹے ہوئے تھے میرا نام معلوم کیا، تو انھوں نے مولانا سید غلام جیلانی صاحب میرٹھی کو سمجھا، اٹھ کر بیٹھ گئے، سلام ومصافحہ کے بعد جب انھیں معلوم ہوا، کہ میں براؤں شریف سے حاضر ہوا ہوں، تو دوبارہ مصافحہ کیا، سب سے پہلے حضرت مفتی اعظم صاحب قبلہ دامت برکاتہم العالیہ اورحضرت صوفی ساجد علی خاں صاحب، مولانا ریحان میاں صاحب، مولانا اختر خاں صاحب اور استاذی حضرت مولانا حسنین رضا خاں صاحب کی خیروعافیت دریافت کی، پھر دارالعلوم منظراسلام اور دارالعلوم مظہراسلام کے حالات معلوم کیے، دوران گفتگو انھیں معلوم ہوا، کہ میں نے دارالعلوم منظراسلام بریلی سے فراغت حاصل کی ہے اور دارالعلوم مظہراسلام میں تدریسی خدمات بھی انجام دے چکا ہوں، تو حضرت نے کمال محبت سے سہ بارہ مصافحہ کیا، اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ سے ہرنسبت رکھنے والی شئی کے ساتھ ان کو کامل حسن عقیدت ہے، اس سے میں کافی متاثر ہوا، پھر شعیب الاولیا حضرت شاہ صوفی محمد یار علی صاحب قبلہ علیہ الرحمہ کے محاسن بیان فرمانے لگے، مولوی صوفی محمد صدیق احمد صاحب (المعروف بہ خلیفہ صاحب) اور مولوی بدرالدین سلمہ کی خیریت دریافت فرمائی، دارالعلوم فیض الرسول کے حالات دریافت کیے، میں نے ان کی خیریت اور دارالعلوم کے حالات بتانے کے بعد دریافت کیا، کہ مولوی بدرالدین سلمہ اور دارالعلوم فیض الرسول کا علم آپ کو کیسے ہوا، آپ نے جواباً ارشاد فرمایا، کہ آپ کے دارالعلوم فیض الرسول کی روداد مولوی بدرالدین صاحب نے بعض حجاج کے معرفت میرے پاس بھیجی، میں نے اس کا بغور مطالعہ کیا ہے، اس میں وہاں کے مدرسین کی فہرست درج ہے، آپ کے وہاں سے ماہنامہ فیض الرسول کے کئی پرچے بذریعہ ڈاک مجھے ملے ہیں اور آپ کے مضامین بھی اس میں شائع ہوئے، میں نے ان کا مطالعہ کیا، مولوی بدرالدین صاحب کی تصنیف کردہ کتاب سوانح اعلیٰ حضرت بھی میرے پاس پہنچ چکی ہے، ان ذرائع سے میں نے آپ لوگوں کو جانا۔

حضرت مولانا ضیاء الدین صاحب نہایت متصلب سنی ہیں، وہاں حاضر ہونے کے بعدان کے

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

تصلب فی الدین کا مشاہدہ ہوا، دنیا کی کوئی مصلحت اس مرد باخدا کی شمشیر سنیت کو کند نہیں کر سکی، ان کے دولت کدہ پر محفل میلاد کا انعقاد ہوتا رہتا ہے، جس میں صلوۃ وسلام بھی پڑھا جاتا ہے، مدینہ طیبہ میں ہزار ہا سنی صحیح العقیدہ لوگوں کے آپ مطمح نظر ہیں، وہاں کے خاص وعام سنی حضرات ان کی طرف استفتوں میں رجوع کرتے ہیں، ان مذکورہ بالا حالات نے مجھ پر گہرا اثر ڈالا۔

ہم نے سوال کیا، سب سے پہلے حضور اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ سے کب متعارف ہوئے اور مجدد ماتہ حاضرہ سے شرف نیاز کب حاصل ہوا، آپ اعلیٰ حضرت کی تصانیف کے مطالعہ سے کس حد تک متاثر ہوئے؟۔

جواباً ارشاد ہوا، میں اپنے زمانہ طالب علمی کے ابتدائی ایام میں اساتذہ سے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کا اسم گرامی سنا کرتا تھا اور جب پہلی بار حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کے ساتھ طلب علم کے لیے بریلی شریف ۱۳۳۹ھ میں گیا، تو اعلیٰ حضرت کا دیدار میں نے اپنی ظاہری آنکھوں سے کیا، حضور رمضان شریف میں نینی تال تشریف لے گئے تھے، وہاں سے واپسی کے بعد کمزوری اور جسمانی اضمحلال بڑھتا ہی چلا جا رہا تھا، آپ ظہر کے وقت لوگوں کی مدد سے مسجد میں تشریف لایا کرتے تھے اور مغرب کی نماز ادا کرنے کے بعد مکان تشریف لے جاتے تھے، اس دوران بہت سے ارباب علم اور حاجت مند حضرت کے گرد بیٹھ کر مسائل دریافت کیا کرتے تھے اور میں بھی وہیں بیٹھ کر گفتگو سنا کرتا تھا، صغرسنی اور ابتدائی درجہ کا طالب علم ہونے کی وجہ سے مجھے کبھی بھی کوئی سوال پوچھنے کی ہمت نہیں ہوئی، ۱۳۴۰ھ ماہ صفر میں اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کا وصال ہوا میں اس وقت بریلی شریف ہی میں زیر تعلیم تھا۔

اعلیٰ حضرت کی مصنفات علم وفضل کا بحر بیکراں ہیں، جس فن پر اور علم کے جس موضوع پر قلم اٹھایا، معلومات اور تحقیق کے دریا بہا دیے ہیں، میں نے خصوصیت کے ساتھ علوم دینیہ اور عقائد کے سلسلہ میں تحقیقی علم اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کی تصانیف سے ہی حاصل کیا ہے، فتاویٰ رضویہ سے میں کافی متاثر ہوں۔

ہم نے اگلا سوال مشرقی یوپی کی عظیم روحانی شخصیت شعیب الاولیا حضرت صوفی شاہ محمد یار علی صاحب علیہ الرحمہ کے بارے میں کیا، کیوں کہ براؤں شریف میں رہ کر حضرت شعیب الاولیا کی سیرت و شخصیت کا مطالعہ کرنے کا حضرت شیخ العلما کو کافی موقع ملا تھا، حصرت نے ارشاد فرمایا۔

میں ان سے کافی متاثر ہوں، آپ کو شریعت وطریقت کا پابند پایا، آپ کا قول آپ کے عمل کے

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

موافق، تھا ان کے ہاں تصوف میں کوئی ایسی منزل نہیں، جو شریعت ظاہرہ سے متصادم ہو، آپ دینی امور کی تعلیم و تعلم کو مقدم سمجھتے تھے، اسی خیال کے پیش نظر آپ نے دار العلوم فیض الرسول قائم کیا، آپ وسیع النظر، فراخ دل، غیر متعصب انسان تھے، ان کی یہ کوشش نہیں رہی، کہ اس دار العلوم میں وہی علما مدرس ہوں، جو یار علوی ہوں، اس ادارہ میں رضوی، اشرفی نعیمی، امجدی، مختلف روحانی خانوادے کے مدرسین ہیں اور سب کے ساتھ آپ کا حسن سلوک برابر رہا، علمائے دین کا احترام بیش از بیش کرتے تھے، ان کے تقویٰ ان کی روحانیت ان کی کرامت کی ایسی شہرت ہوئی، کہ مسلم غیر مسلم امیر و غریب بکثرت اپنی اپنی حاجت برآری کے مقصد سے یہاں حاضری دینے لگے۔

آپ کے ساتھ ہنود کی حسن عقیدت کا یہ عالم رہا، کہ جب انھیں معلوم ہوا، کہ مدرسہ، مسجد اور خانقاہ کی تعمیر کے لیے آپ کو زمین کی ضرورت ہے اور اگر زمین نہ مل سکی، تو براؤں شریف سے منتقل ہوکر کہیں دوسری جگہ آباد ہو جائیں گے، جہاں یہ تینوں عمارتیں تعمیر کرا سکیں، تو بابو مہپنت سنگھ (ساکن جملا جوت) اور بابو بچو سنگھ (ساکن گوبرہا ضلع بستی) نے اپنی مشترکہ زمین کا ایک بہت بڑا پلاٹ براؤں شریف کی آبادی سے متصل آپ کی خدمت میں مفت بطور نذرانہ کے پیش کر دیا (کیونکہ یہ دونوں صاحبان اپنی اپنی مشکلات میں آپ کی طرف رجوع کر کے فائز المرام ہو چکے تھے، اس لیے ان لوگوں کو آپ کی جدائی گوارہ نہ ہو سکی چنانچہ آپ نے اس قطعہ زمین پر دار العوم فیض الرسول اور مسجد اور خانقاہ کی تعمیر کرائی۔

براؤں شریف کی حاضری سے پیشتر جب میں متقدمین اولیائے کرام میں سے کسی ولی کی سوانح عمری کا مطالعہ کرتا اور ان کی کسی کرامت کو پڑھتا تو دل میں تمنا پیدا ہوتی، کہ کاش میں اس زمانہ میں کسی ایسے ہی صاحب کرامت بزرگ سے شرف حاصل کرتا، الحمد لوجہ الکریم کہ براؤں شریف آنے کے بعد اور آپ کی کرامت دیکھنے اور سننے کے بعد یہ تمنا پوری ہو گئی۔

بعض بعض سن ایاس میں پہنچے ہوئے اولاد سے محروم مرد و زن آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کی دعا کی برکت سے صاحب اولاد ہو گئے، شہرت گڈھ کے راجہ صاحب نے آپ کی طرف رجوع کیا، تو آپ نے اولاد نرینہ کی اس کو بشارت دی، (حالانکہ یہ پیشین گوئی لکھنو میڈیکل کالج کے ڈاکٹروں کے فیصلے کے خلاف تھی، نیز آپ کی یہ پیشین گوئی سادھوؤں اور جوگیوں کی پیشین گوئی کے خلاف تھی) الحمد للہ کہ آپ کی پیشین گوئی درست ثابت ہوئی، راجہ صاحب نے آپ کو دوبارہ بلایا اور ایک فارم بطور نذرانہ کے آپ کی خدمت میں پیش کرنا چاہا، مگر آپ نے قبول نہیں فرمایا۔

بانسی کے راجہ صاحب بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور فائز المرام ہوئے، آپ کے

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کشف وکرامات کے واقعات ایک نہیں، بلکہ صدہا ہیں، اس کی تفصیل کے لیے ایک دفتر درکار ہوگا، میں اتنے ہی پر اکتفا کرتا ہوں۔

ہم نے سوال کیا، آپ کے برادر عزیز مولانا غلام یزدانی صاحب مرحوم کی علمی استعداد کیسی تھی؟ ان کے کارنامے کیا ہیں؟

شیخ العلما نے ارشاد فرمایا، آپ کے سوال کا جواب تفصیل چاہتا ہے، میں عرصہ سے اس فکر میں ہوں، کہ آپ کے حالات زندگی قلمبند کروں، مگر کثرت کار نے اب تک مہلت نہیں دی، اس وقت مختصراً چند باتیں عرض کرتا ہوں۔

(الف) آپ معیاری عالم اور قابل مدرس تھے، حضرت صدرالشریعہ علیہ الرحمہ نے فرمایا، کہ مولوی غلام یزدانی علیہ الرحمہ کا شمار اجمیر شریف کے ممتاز طلبہ میں تھا۔

(ب) حضرت مفتی اعظم صاحب قبلہ نے ان کے انتقال کے بعد فرمایا، مولوی غلام یزدانی علیہ الرحمہ انتقال کر گئے، اب ہم کو ایسا قابل مدرس ملنا مشکل ہے، میں نے ان کے لکھے ہوئے فتوے دیکھے، تو معلوم ہوا، کہ انھیں فتویٰ نویسی میں کمال حاصل ہے، سبحان اللہ کیا شان افتا تھی۔

(ج) ہندوستان اور پاکستان کا جب بٹوارہ ہوا اور مولوی سردار احمد صاحب قبلہ علیہ الرحمہ پاکستان میں رہنے پر مجبور ہوگئے تو مفتی اعظم صاحب قبلہ نے فرمایا، کہ اپنی جگہ کسی کو منتخب کر کے جایئے، اس پر مولوی سردار احمد صاحب علیہ الرحمہ نے فرمایا، مولوی غلام یزدانی علیہ الرحمہ میری جگہ کامیابی کے ساتھ تدریسی خدمات انجام دے سکتے ہیں، بلا تامل ان کو بلا لیجیے۔

نوٹ:۔ اس زمانہ میں مدرسہ مظہر اسلام میں ایسے قابل طلبہ موجود تھے، جن کو پڑھانا آسان کام نہیں تھا۔

چنانچہ برادر عزیز مولوی غلام یزدانی علیہ الرحمہ دارالعلوم مظہر اسلام پہنچے اور طلبہ نے ان کو سراہنا شروع کیا، تو مفتی اعظم صاحب قبلہ نے مولوی سردار احمد صاحب کو بذریعہ خط اطلاع بھیجی، کہ مولوی غلام یزدانی صاحب نے دارالعلوم مظہر اسلام میں کام شروع کر دیا، آپ کا انتخاب درست ثابت ہوا، طلبہ ان کے حسن تدریس سے مطمئن ہیں، اس دارالعلوم کو نعم البدل مل گیا۔

(د) دارالعلوم شمس العلوم قصبہ گھوسی ضلع اعظم گڈھ کی تعمیر اور ترقی میں انھوں نے پرزور سعی کی، یہ کہنا بے جا نہ ہوگا، کہ وہ اس دارالعلوم کے بانی ہیں، ان کی یہ خدمت نفسانی اغراض سے پاک وصاف تھی، انھوں نے یہ ادارہ قائم کر کے قوم کے ہاتھ میں دے دیا، اس پر اپنا تسلط باقی نہیں رکھا۔

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

عزیز موصوف اوران کے حسن کارکردگی کے تذکرہ میں اتنے ہی پر اکتفا کرتا ہوں، پھر اگر موقع ملا تو مزید معلومات فراہم کروں گا۔

حضرت شیخ العلما کی زندگی عرصہ دراز سے خلوت خانہ اور گوشہ عبادت میں گزر رہی ہے، تدریسی اوقات کے علاوہ تمام تر وقت اوراد و وظائف، تسبیح وتہلیل میں گزرتا ہے، میلان طبع تصوف کی طرف بیش از بیش ہے، ہم نے حضرت کی زندگی کے اس پہلو سے متعلق بھی بیک وقت کئی سوال کر ڈالے، آپ کا میلان طبع تصوف کی طرف کب ہوا؟ آپ کو کس مرشد کامل سے بیعت وخلافت حاصل ہوئی؟ آپ کے خلفا کون لوگ ہیں؟

حضرت نے ان سوالوں کے جوابات مختصراً بیان فرمائے، ارشاد فرمایا۔

بریلی شریف کے دوران قیام میں ۱۳۷۹ھ میں مجھ پر کیف کا عالم طاری ہوا اور میں مسلسل چھ سال باوضو رہا اور فرائض کے ساتھ تہجد کا بھی پابند رہا، مجھے حضرت سید شاہ محمد اسماعیل حسن مارہروی علیہ الرحمہ سے شرف بیعت حاصل ہے، مجھے حضرت تاج العلما صاحب آستانہ قادریہ برکاتیہ سے اور صدر الشریعہ بدر الطریقہ علیہ الرحمہ اور تاجدار اہلسنت حضرت مفتی اعظم ہند دامت برکاتہم القدسیہ اور عزیز الاولیا صاحب رامپوری سے اجازت وخلافت حاصل ہوئی، حضرت سجادہ نشین صاحب قبلہ (کچھوچھہ مقدسہ) سے بھی فیوض وبرکات حاصل ہیں۔

میرے خلیفۂ اول مولانا نعیم الدین صاحب صدیقی شیخ الحدیث مدرسہ تنویر الاسلام امرڈوبھا ضلع بستی ہیں اور خلیفۂ ثانی مولوی سید نظام الدین صاحب سیتاپوری مدرس مدرسہ ارشاد العلوم موضع شہ مسا ضلع بہرائچ ہیں۔

http://t.me/tehqiqat

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

حضرت شارح بخاری علیہ الرحمہ

حیات وخدمات

اس خاکدان گیتی پر ہر روز ہزاروں انسان جنم لیتے ہیں اور ہزاروں افراد بشر اپنی مقررہ زندگی کی حدوں پر پہنچ کر راہئ ملک بقا ہوتے ہیں، مگر جانے والوں میں اکثر ایسے ہوتے ہیں، جو آنکھ بند کرتے ہی لوگوں کے ذہنوں سے محو ہو جاتے ہیں اور ان کا کوئی نقش صفحۂ ہستی پر باقی نہیں رہتا، کچھ تھوڑے لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں، جن کو مرنے کے بعد ان کے اعزہ واحباب یاد رکھتے ہیں اور رفتہ رفتہ داستان پارینہ کی طرح فراموش کر دیتے ہیں۔

مگر عدم سے وجود اور وجود سے عدم میں آنے جانے والے بعض ایسے غیر معمولی انسان بھی ہوتے ہیں، جو اپنی عظیم خوبیوں اور صفات حسنہ، نیز گرانقدر علمی وروحانی وجود سے اپنے قدردانوں کا ایک وسیع حلقہ بنا لیتے ہیں اور ان کی ذات مرجع خلائق بن جاتی ہے، ان کی زندگی کا ایک ایک لمحہ خدمت دین اور اشاعت علم کے لیے وقف ہو جاتا ہے، وہ بے لوث علمی وفکری، دینی وروحانی کارناموں کا ایسا گہرا نقش چھوڑ جاتے ہیں، جنھیں امتداد زمانہ کا غبار مٹانے کی طاقت نہیں رکھتا اور ان کی موت دلوں سے ان کی خوشگوار یادیں محو نہیں کرتی، علم ودانش فکر وتحقیق اور اخلاق حسنہ کے جو چراغ ان کے نفس گرم سے روشن ہوتے ہیں، وہ صدیوں تک باد مخالف کی زد پر بھی اپنی تجلیاں بکھیرتے رہتے ہیں، ایسی ہستیوں کو ان کے پردہ فرمانے کے بعد اس طرح یاد کیا جاتا ہے، جیسے اب بھی وہ ہمارے درمیان موجود ہیں اور زبان حال سے پکار پکار کر دنیا والوں سے کہہ رہے ہیں۔ؔ

ہرگز نہ میرد آنکہ دلش زندہ شد زعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

انھیں نابغۂ روزگار عظیم ہستیوں میں فقیہ اعظم ہند شارح بخاری حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمۃ والرضوان کی عبقری شخصیت بھی تھی، جو ۶ رصفر المظفر ۱۴۲۱ھ مطابق ۱۱ رمئی ۲۰۰۰ء بروز جمعرات بعد نماز فجر لاکھوں ارادت مندوں اور ہزاروں شاگردوں کو سوگوار چھوڑ کر اس دار فانی سے

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

رحلت فرما گئی، آپ کا وطن قصبہ گھوسی جس کی تاریخی قدامت کے ساتھ بہت سی دیو مالا داستانیں وابستہ ہیں، مگر یہاں کی مسلم سوسائٹی میں علمی وروحانی روایات کا آغاز شیراز ہند جونپور میں قائم ہونے والی شرقی سلطنت (۷۹۶ھ تا ۸۸۳ھ) کے ابتدائی عہد سے ہوا، جہاں ہر دور میں مشاہیر علما وفضلا پیدا ہوتے رہے اور یہاں کے متعدد علمی وروحانی خانوادے نسلاً بعد نسلٍ کشت زار علم وفن کی آب یاری کرتے رہے، انھیں معزز ومحترم علمی خانوادوں میں حضرت شارح بخاری علیہ الرحمۃ والرضوان کا خاندان بھی ہے، جس میں صدیوں سے صالح علمی و دینی روایات چلی آرہی ہیں اور اس گھرانے کے ممتاز علما، فقہا اور مشائخ نے ہندوستان کی علمی و دینی بساط پر اپنے دائمی نقوش چھوڑے ہیں اور برصغیر ہند و پاک میں علم و دانش اور فکر و فن کی روشنی پھیلائی ہے۔

حضرت شارح بخاری نے ۱۳۴۰ھ مطابق ۱۹۲۰ء میں جب اس جہان آب وگل میں قدم رکھا، تو ان کے دادا ثناء اللہ ابن لعل محمد ابن مولانا خیر الدین پردہ فرما چکے تھے، جو گھوسی میں کپڑوں کے متمول تاجر تھے، مگر ان کے بعد معاشی خوش حالی کا دور رخصت ہو گیا اور حضرت شارح بخاری کے والد جناب عبد الصمد صاحب زبوں حالی کا شکار ہو گئے اور اس ماحول میں حضرت شارح بخاری طفولیت کے ایام گزار کر اس قابل ہوئے کہ انھیں مقامی مکتب میں داخل کر دیا گیا۔

جہاں قرآن حکیم ناظرہ اور اردو کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد گھوسی کے مشہور استاذ مولوی حکیم احمد علی صاحب مرحوم کی درس گاہ میں بیٹھا دیے گئے، جہاں آپ نے بڑے ذوق وشوق کے ساتھ فارسی زبان وادب کی تحصیل کی۔

جناب عبد الصمد صاحب اقتصادی بحران کا شکار ضرور رہے، مگر انھوں نے صبر وقناعت کا دامن ہاتھ سے کبھی نہ چھوڑا اور وہ اپنے ہونہار فرزند کو دولت علم سے مالا مال کرنے کی ہمیشہ جد وجہد کرتے رہے اور اپنے فرزند کو اس عہد کی ایک نابغہ روزگار علمی وعبقری شخصیت بنا کر دم لیا۔

گھوسی میں چوں کہ باضابطہ کوئی ادارہ نہ تھا، جہاں حضرت شارح بخاری درس نظامی کی ابتدائی کتابیں بھی پڑھ سکتے، خوش قسمتی سے مبارک پور ضلع اعظم گڈھ میں مدرسہ مصباح العلوم کے ارباب حل وعقد نے حضور حافظ ملت عبد العزیز علیہ الرحمہ کی صدارت میں مدرسہ کو ایک عظیم دار العلوم بنانے کا منصوبہ بنالیا اور گولہ بازار میں دار العلوم اشرفیہ مصباح العلوم کی جدید پرشکوہ عمارت کا سنگ بنیاد ۱۲ر شوال ۱۳۵۳ھ مطابق ۱۸ر جنوری ۱۹۳۵ء بروز جمعہ رکھا گیا اور اس مقدس تقریب میں شرکت کے لیے حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ دیگر علما کے ساتھ حضرت شارح بخاری راقم الحروف کے والد بزرگوار

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

جناب مولانا محمد سالم صاحب امجدی مدظلہ العالی اور حکیم غلام مصطفیٰ صاحب مرحوم مبارکپور تشریف لے گئے۔

جہاں تینوں اصحاب نے مدرسہ مصباح العلوم پرانی بستی مبارکپور میں ۱۴؍شوال المکرّم ۱۳۵۳ھ کو داخلہ لے کر باقاعدہ تعلیم کا آغاز کردیا، حضرت شارح بخاری نے دارالعلوم اشرفیہ میں تقریباً آٹھ سال عربی ادب، نحو صرف بلاغت و عروض، تفسیر و حدیث، فقہ و کلام کا درس لیا، پھر ۱۳؍محرم الحرام ۱۳۶۱ھ کو مدرسہ اسلامیہ اندرکوٹ میرٹھ میں داخل ہوئے، اس کے بعد شوال ۱۳۶۱ھ مطابق ۱۹۴۲ء دارالعلوم مظہر اسلام بریلی شریف میں داخلہ لیا اور وہیں درس نظامی کی تکمیل کی اور ۱۴؍شعبان ۱۳۶۲ھ مطابق ۱۹۴۳ء سند تکمیل اور دستار فضیلت سے آپ کو سرفراز کیا گیا۔

آپ کے نامور اساتذہ یہ ہیں:۔ (۱) صدرالشریعہ حضرت مولانا امجد علی اعظمی، مصنف بہار شریعت (۲) مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مصطفیٰ رضا خان (۳) حافظ ملت مولانا عبدالعزیز محدث مراد آبادی (۴) محدث اعظم پاکستان حضرت مولانا سردار احمد قادری (۵) صدرالعلما مولانا غلام جیلانی میرٹھی (۶) خیرالاذکیا حضرت مولانا غلام یزدانی اعظمی (۷) شیخ المعقولات مولانا محمد سلیمان بھاگلپوری (۸) مولانا غلام محی الدین بلیاوی (۹) حضرت مولانا شمس الحق گجھڑوی مبارک پوری علیہم الرحمۃ والرضوان۔

حضرت شارح بخاری کو حضرت صدرالشریعہ علیہ الرحمۃ والرضوان سے بیعت و خلافت کا شرف حاصل ہوا، حضرت احسن العلما علیہ الرحمۃ والرضوان سجادہ نشین خانقاہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ نے بھی آپ کو خلافت و اجازت سے سرفراز فرمایا، درس نظامی کی تکمیل کے بعد حضرت شارح بخاری نے تدریسی زندگی کا آغاز فرمایا اور مختلف درسگاہوں میں ایک فرض شناس معلم کی حیثیت سے کام کرتے رہے اور ہزاروں تشنگان علوم و معارف کو آسودۂ علم و فن کیا، سب سے پہلے مدرسہ بحرالعلوم مئو میں ۱۴؍ذی قعدہ ۱۳۶۲ھ مطابق ۱۳؍دسمبر ۱۹۴۳ء کو مسند تدریس پر فائز ہوئے، پھر مدرسہ خیرالاسلام حسین آباد جپلہ پلاموں بہار اور مدرسہ حنفیہ مالیگاؤں ضلع ناسک مدرسہ عین العلوم بیت الانوار گیا بہار میں تدریسی خدمات انجام دینے کے بعد مدرسہ شمس العلوم گھوسی میں آپ کا تقرر بحیثیت صدرالمدرسین ہوا، یہاں ۱۴؍ذی الحجہ ۱۳۶۶ھ مطابق یکم اکتوبر ۱۹۴۷ء تا ۱۸؍ذی قعدہ ۱۳۷۳ھ مطابق ۶؍جولائی ۱۹۵۴ء تقریباً سات سال تعلیمی و تنظیمی خدمات پورے خلوص و انہماک کے ساتھ انجام دیتے رہے، یہی دور شمس العلوم کی تعمیر و تاسیس کا زمانہ تھا، حضرت شارح بخاری نے ایک طرف مدرسے کے تعلیمی معیار کو بلند کیا، تو

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

دوسری جانب اس کی نوتعمیر عمارت کے لیے جدوجہد فرمائی، پھر مدرسہ فضل رحمانیہ، پچپڑوا ضلع گونڈہ تشریف لے گئے، جہاں تقریباً دو سال قیام رہا، وہاں سے مرکزی دارالعلوم مظہر اسلام بریلی شریف تشریف لائے جہاں ۲۴؍شوال ۱۳۷۵ھ مطابق ۴؍جون ۱۹۵۶ء تا ۷؍ذی الحجہ ۱۳۸۶ھ مطابق ۸؍اپریل ۱۹۶۷ء تقریباً گیارہ سال درس نظامی کی اہم ترین کتابوں کا درس دیتے رہے اور حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کی سرپرستی میں ملک و بیرون ملک سے آئے ہوئے دینی و فقہی استفسارات کا مکمل و مدلل جواب تحریر فرماتے رہے، بریلی شریف چھوڑنے کے بعد ۲۷؍محرم الحرام ۱۳۸۶ھ مطابق ۸؍مئی ۱۹۶۷ء تا ۸؍ربیع الآخر ۱۳۹۵ھ مطابق ۲۰؍اپریل ۱۹۷۵ء جامعہ انوار القرآن بلرامپور میں بحیثیت شیخ الحدیث گراں قدر علمی خدمات انجام دیں، پھر مدرسہ ندائے حق جلال پور ضلع فیض آباد میں ایک سال قیام فرمایا، الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور کے ارباب حل و عقد کے اصرار پر ۲۳؍ذی الحجہ ۱۳۹۶ھ مطابق ۱۳؍دسمبر ۱۹۷۶ء صدر شعبہ افتا کی حیثیت سے مبارکپور تشریف لائے، جہاں آخری دم تک شعبہ افتا کی ذمہ داریوں کو بحسن و خوبی انجام دیتے رہے اور برصغیر ہند و پاک ہی نہیں بلکہ عرب و عجم یورپ و افریقہ سے آنے والے دینی و فقہی سوالوں کا مدلل اور مبسوط جواب تحریر فرماتے رہے، ساتھ ہی ساتھ علما کی نئی نسل کو فتویٰ نویسی کے اصول و ضوابط کی تعلیم و تربیت کا اہم فریضہ بھی انجام دیتے رہے، کبرسنی کے باوجود تبلیغی دورے اور اہم تصنیفی کام بھی کرتے رہے، صحیح بخاری کی شرح کا آغاز اور اتمام بھی یہیں ہوا، حضرت شارح بخاری نے صرف ہندوستان ہی کے طول و عرض میں اشاعت دین احقاق حق اور ابطال باطل کے لیے سفر نہیں کیے، بلکہ آپ کو چار بار حرمین شریفین کی زیارت کا شرف عظیم بھی حاصل ہوا، دوبار پاکستان اور سری لنکا اور ایک بار افریقہ جا کر دین حق کی تبلیغ و اشاعت کی۔

حضور شارح بخاری کو ان کی عظیم دینی علمی اور فقہی خدمات کے اعتراف میں ۱۸؍ربیع الاول ۱۴۱۷ھ مطابق ۴؍اگست ۱۹۹۶ء کو شیخ عبدالواحد بلگرامی ایوارڈ سے نوازا گیا، پھر رضا اکیڈمی بمبئی نے ۱۰؍شوال ۱۴۱۷ھ مطابق ۱۹؍فروری ۱۹۹۷ء کو امام احمد رضا ایوارڈ سے سرفراز کیا۔

۹؍شعبان ۱۴۲۰ھ مطابق ۱۹؍نومبر ۱۹۹۹ء کو شاہ برکت اللہ گولڈ میڈل عطا کیا گیا، نزہۃ القاری شرح بخاری کا آغاز ۲۱؍ذی الحجہ ۱۴۰۲ھ مطابق ۱۰؍اکتوبر ۱۹۸۲ء کو ہوا، جس کی تکمیل ۱۱؍رمضان ۱۴۱۹ھ مطابق ۳۰؍دسمبر ۱۹۹۸ء کو ہوئی، رضا اکیڈمی بمبئی نے ایک شاندار جشن تکمیل بخاری کا اہتمام کیا، ۲۱؍شوال ۱۴۲۰ھ مطابق ۲۹؍جنوری کو اس عظیم الشان جشن کا انعقاد بمبئی میں ہوا، جس میں صدہا علما اور دانشوروں کی موجودگی میں حضرت شارح بخاری کو چاندی سے تولا گیا، لیکن اس پیکر علم و دانش نے اپنی ہم وزن چاندی کا

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ایک ذرہ بھی نہ لیا، بلکہ پورے ایثار واخلاص کا اظہار کرتے ہوئے چاندی کا دوثلث حصہ مادر علمی الجامعۃ الاشرفیہ کواور ایک ثلث رضا اکیڈمی کو دے دیا۔

سکندر خوش نہیں ہے لوٹ کر دنیا کی دولت کو
قلندر مایۂ ہستی لٹا کر ناز کرتا ہے

اس جشن کے موقع پر حضرت شارح بخاری کی ذات وصفات، جلالت علم وفضل کے تعلق سے ۱۱۰۰ صفحات پر مشتمل کتاب معارف شارح بخاری شائع کی گئی، جس میں مختلف پہلوؤں سے حضرت شارح بخاری کی حیات وخدمات کا جائزہ لیا گیا اور منظوم ومنثور خراج ارادت وعقیدت پیش کیا گیا، حضرت شارح بخاری جملہ علوم متداولہ میں اتھارٹی کی حیثیت رکھتے تھے، فقہ وحدیث عقائد و کلام، ادب ولغت، تاریخ وسیرت، قرآن وتفسیر، منطق وفلسفہ ہر علم وفن میں ید طولیٰ رکھتے تھے، وہ شاندار مدرس ومعلم عظیم خطیب ومناظر اور صاحب قلم مصنف تھے، تقریباً ایک لاکھ فتوے تحریر فرمائے اور متعدد بلند پایہ تحقیقی کتابیں تصنیف فرمائیں، جن میں (۱) نزہۃ القاری شرح بخاری نو جلد (۲) اشرف السیر (۳) اسلام اور چاند کا سفر (۴) تحقیقات (۵) منصفانہ جائزہ (۶) اثبات ایصال ثواب (۷) فتنوں کی سرزمین نجد یا عراق (۸) امام احمد رضا اور مسئلہ تکفیر (۹) مقالات امجدی شائع ہوکر ارباب علم ودانش سے خراج تحسین وصول کررہی ہیں اور علم وفن کی جستجو کرنے والوں کے لیے گنج شائگاں ہیں۔

http://t.me/tehqiqat

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

فخرالمحدثین حضرت علامہ عبدالمصطفیٰ اعظمی

ایک تعارف

مشرقی یوپی کا مردم خیز قصبہ گھوسی اپنی تاریخی قدامت اور علمی و دینی شاندار روایات کے لحاظ سے نمایاں مقام رکھتا ہے، جس کے تابناک ذرے افق علم وفضل پر آفتاب و ماہتاب بن کر ابھرے ہیں، جن کی ضیا بار کرنوں سے برصغیر کا چپہ چپہ روشن ہوا ہے اور دنیا نے علم ومعرفت کی روشنی حاصل کی ہے، اس خاک سے اٹھنے والے علما وفضلا شیراز ہند کی عظمت رفتہ کی بازیافت میں ہمیشہ سرگرم عمل رہے، انھیں باوقار علمی ہستیوں میں فخرالمحدثین حضرت علامہ عبدالمصطفیٰ اعظمی علیہ الرحمۃ والرضوان کی ستودہ صفات، قدرآور علمی وعبقری شخصیت بھی تھی، حضرت علامہ اعظمی متبحر عالم دین، بلند پایہ مدرس، مشہور خطیب، عظیم دانشور اور مصنف تھے، جنھوں نے درس وتدریس، تصنیف وتالیف اور وعظ وتقریر کے ذریعہ اشاعت علوم اسلامیہ، تبلیغ دین اور ارشاد و ہدایت کے فرائض حسن وخوبی کے ساتھ نصف صدی سے زیادہ عرصے تک انجام دیے، ہزاروں باکمال تلامذہ، درجنوں گراں قدر مصنفات یادگار چھوڑیں۔

خاندان اور نام ونسب:۔ قصبہ گھوسی کی آبادی اور اس مقام پر بسنے والے خاندانوں کے جائزے سے معلوم ہوتا ہے، کہ دوسرے علاقوں سے ترک وطن کر کے یہاں سکونت گزیں ہوئے، باہر سے آنے والا ایک قبیلہ کرولی باسی سے بھی آ کر آباد ہوا، اس خاندان میں علما واطبا پیدا ہوتے رہے، انھیں میں فخرالمحدثین حضرت علامہ محمد عبدالمصطفیٰ اعظمی رحمۃ اللہ علیہ کی بلند پایہ علمی شخصیت بھی ہے، جن کے چشمۂ علم سے ہزاروں تشنگان علوم نے اپنی پیاس بجھائی۔

آپ کا اسم گرامی محمد عبدالمصطفیٰ اور سلسلہ نسب یہ ہے۔ محمد عبدالمصطفیٰ بن شیخ حافظ عبدالرحیم بن شیخ حاجی عبدالوہاب بن شیخ چمن بن شیخ نور محمد بن شیخ مٹھو بابا رحمۃ اللہ علیہ۔

ولادت اور بچپن:۔ حضرت علامہ اعظمی کی ولادت ماہ ذیقعدہ ۱۳۳۳ھ مطابق ۱۹۱۴ء محلّہ کریم الدین پور گھوسی میں ہوئی، چونکہ والدین کی مسلسل آٹھ اولاد کے انتقال کے بعد ویران چمن میں بہار بن کر آئے تھے، اس لیے والدین نے افلاس وتنگ دستی کے باوجود ہونہار فرزند کو بڑے ناز ونعم میں پالا، خود تحریر فرماتے

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ہیں۔

''والدین نے اپنی غریبی کے باوجود مجھے اکلوتا بیٹا ہونے کی وجہ سے بے حد لاڈ پیار سے پالا، پھول پان کی طرح سنبھال سنبھال کر رکھتے اور میری ہر خواہش وتمنا کو ضرور پوری کرتے اور ماں باپ کی انھیں ناز برداریوں کی وجہ سے میں ضدی مزاج ہو گیا تھا، جس کا آج تک اتنا اثر باقی ہے، کہ اگر کوئی میری بات نہیں مانتا تو مجھے غصہ آجاتا ہے''۔(معمولات الابرار ص ۱۵۴)

تعلیم وتربیت:۔ جب نوشت وخواند کی عمر کو پہنچے، تو والد گرامی نے جو حافظ قرآن تھے، قرآن کریم ناظرہ اور اردو کی ابتدائی کتابیں گھر ہی پر پڑھائیں، اس کے بعد مکتب میں داخل کر دیے گئے، جہاں درجہ چہارم تک اردو، دینیات اور حساب کی تعلیم پائی، فارسی زبان وقواعد کی تعلیم شروع ہوئی، تو گھوسی کے ایک قدیم ادارہ مدرسہ ناصر العلوم ملک پورہ میں داخلہ لیا، مگر دوری کی وجہ سے چند ہی ماہ تعلیم حاصل کی، پھر مدرسہ اسلامیہ فیض عام بیسواڑہ گھوسی میں داخل ہوئے، جہاں اس دور کے بابائے فارسی مولانا محمد سعید خاں فتح پوری علیہ الرحمہ سے یوسف زلیخا، گلستاں، بوستاں، اخلاق محسنی وغیرہ پڑھیں، اس مدرسہ میں عربی کی تعلیم کا بندوبست نہیں تھا، اس لیے اپنے ننیہال پورہ معروف ضلع مئو کے مدرسہ معروفیہ میں میزان ومنشعب سے لے کر شرح جامی تک تعلیم حاصل کی، ۱۰ر شوال ۱۳۵۱ھ میں گھوسی کے ارباب علم ودانش حضرات کے مشورے سے مدرسہ محمدیہ حنفیہ امروہہ ضلع مرادآباد میں داخلہ لیا، جہاں شیخ العلما مولانا غلام جیلانی اعظمی علیہ الرحمہ، حضرت مولانا حکمت اللہ امروہوی علیہ الرحمہ اور حضرت مولانا سعید محمد خلیل چشتی کاظمی امروہوی علیہ الرحمہ سے ایک سال تک متوسطات درس نظامی کی تحصیل کی، پھر ۱۰ر شوال ۱۳۵۲ھ میں صدر الشریعہ حضرت علامہ مفتی محمد امجد علی اعظمی علیہ الرحمۃ والرضوان کے ہمراہ بریلی شریف جا کر دار العلوم منظر اسلام میں داخلہ لیا، میبذی، ملا حسن محدث پاکستان حضرت علامہ سردار احمد گورداس پوری علیہ الرحمہ سے پڑھیں، اور باقی درسی کتابیں حضرت صدر الشریعہ کے زیر درس رہیں، بریلی شریف کا چار سالہ دور طالب علمی بہت تابناک رہا، علم وعرفان کی راجدھانی میں جو قلبی طمانیت وسکون میسر آیا، اس کی زریں یادیں سرمایۂ حیات بن گئیں، ارشاد فرماتے ہیں۔

''اس دوران میں حضرت حجۃ الاسلام مولانا شاہ حامد رضا خاں صاحب قبلہ خلف اکبر وسجادہ نشین اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کی خدمت کا خاص طور پر شرف حاصل رہا، چند سفروں میں حضرت قبلہ نے مجھے اپنا رفیق سفر بھی بنایا، اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کے برادر خرد مولوی محمد رضا خاں صاحب عرف ننھے میاں صاحب مرحوم سے فرائض کی مشق کی اور حضرت اقدس مفتی اعظم ہند مولانا

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

شاہ مصطفیٰ رضا خاں صاحب دامت معالیہم کے دارالافتاء میں بھی حاضر باش رہا، کبھی کبھی چھٹیوں میں مرادآباد بھی جاتا اور صدرالافاضل مولانا حافظ حکیم نعیم الدین صاحب قبلہ قدس سرہ العزیز کی خدمت میں بھی حاضری دیتا، عرس رضوی میں ہندوستان بھر کے اکابر علمائے اہلسنت کا بریلی میں اجتماع ہوتا، میں ان سب علما کی زیارت وخدمت کا شرف حاصل کرتا، سبحان اللہ وہ منظر نگاہوں کے سامنے اب بھی ہے، کہ جب یہ تمام علمائے اہل سنت قل شریف کے وقت ایک جگہ تشریف فرما ہوتے تھے، تو ایسا محسوس ہوتا تھا، کہ غالبًا آسمان بھی زمین پر رشک کرتا ہوگا۔ (معمولات الابرار ص ۱۵۶،۱۵۵)

حضور صدرالشریعہ علیہ الرحمہ جب دارالعلوم حافظیہ سعیدیہ دادوں ضلع علی گڈھ میں شیخ الحدیث کے منصب پر فائز ہوئے، تو حضرت علامہ اعظمی علیہ الرحمہ بھی ۱۰ ر شوال ۱۳۵۵ھ کو دادوں پہنچے اور حضرت صدرالشریعہ کے زیرسایہ دوسال تک دارالعلوم حافظیہ سعیدیہ میں تحصیل علم کی اور یہیں سے ۱۳۵۷ھ میں سند فراغت حاصل کی، دادوں کے دوران قیام آپ کی جولانئ طبع اور ممارست علم کا شہرہ علمی حلقوں میں ہونے لگا تھا۔

چنانچہ دارالعلوم حافظیہ سعیدیہ دادوں کے متولی الحاج نواب غلام محمد خاں صاحب شروانی برادرخرد خان بہادر نواب ابوبکر خاں صاحب شروانی مرحوم جو بڑے ہی علم دوست، زاہد شب زندہ دار تھے، ایک مرتبہ انھوں نے طلبہ کے لیے تحریری مقابلہ کا انعقاد کیا اور آیت کریمہ ”وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ“ کی تفسیر لکھوائی، دوسرے طلبہ کے ساتھ علامہ اعظمی نے بھی تفسیر سپرد قلم کی، جو بہت وقیع اور ایمان افروز تھی، طلبہ میں اول آئے، نواب صاحب نے خوب ستائش کی اور گرانقدر انعام سے سرفراز فرمایا، اور یہ تفسیر نعتیہ مشاعرہ خیرآباد ۱۳۵۷ھ کے مجموعہ نعت میں بطور مقدمہ شائع کی گئی۔

دادوں علی گڈھ کے دوران قیام حضرت علامہ سلیمان اشرف علیہ الرحمہ صدر شعبۂ دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڈھ، صدرالصدور نواب حبیب الرحمٰن خاں شروانی جیسی عظیم علمی شخصیتوں سے بھی نیاز حاصل رہا، اور یہ دونوں بزرگ حضرت علامہ عبدالمصطفیٰ اعظمی کی طباعی، جولانئ طبع، علمی استعداد اور قابلیت کے معترف رہے، مولانا شروانی مرحوم نے ازراہ کرم اپنی تصانیف کا ایک سیٹ عنایت فرمایا اور اپنے کتب خانہ حبیب گنج کی بھی زیارت کرائی، جو علمی و دینی نوادر کا انمول ذخیرہ تھا۔

بریلی شریف اور دادوں کا زمانۂ طالب علمی بڑی عسرت اور تنگ دستی میں گزرا، گھر کی مالی حالت خستہ ہونے کی وجہ سے اخراجات کے لیے رقم نہ آتی، ٹیوشن وغیرہ سے کچھ یافت ہوجاتی اور جیسے تیسے

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ایام گزرتے، مگر طلب علم کی دھن اتنی پکی تھی، کہ پائے ثبات میں کبھی بھی لغزش نہ آئی، فاقہ مستی اور تنگ حالی کبھی آڑے نہ آئی، پوری لگن، محنت اور جاں فشانی سے علم کی لازوال دولت اپنے دامن میں سمیٹتے رہے، طبیعت میں غیرت واستغنا کا ایسا جوہر تھا، کہ کبھی بھی اپنی خودداری پر آنچ نہ آنے دی اور کسی کے روبرو اپنی تنگ دامانی اور افلاس کا ذکر نہیں کیا۔

اساتذۂ کرام:۔ (۱) صدرالشریعہ مولانا امجد علی اعظمی علیہ الرحمہ (۲) شیخ العلما حضرت مولانا غلام جیلانی اعظمی علیہ الرحمہ (۳) محدث پاکستان حضرت علامہ سردار احمد گورداس پوری علیہ الرحمہ (۴) حضرت مولانا حکمت اللہ علیہ الرحمہ (۵) حضرت مولانا سعید محمد خلیل کاظمی چشتی علیہ الرحمہ۔

بیعت وخلافت:۔ حضرت علامہ اعظمی دوران طالب علمی تحصیل علم کے ذوق وانہماک کی بنا پر تصوف وسلوک، ذکرواذکار اور مجاہدہ وریاضت سے دور رہے، بلکہ وہ ان امور سے الگ رہنے ہی میں عافیت تصور کرتے، مگر شوال ۱۳۵۱ھ میں جب بغرض تعلیم امروہہ پہنچے اور وہاں حضرت قاضی ابن عباس نقشبندی علیہ الرحمہ کی زیارت اور اشغال باطنی سے روشناس ہونے کا موقع ملا، ختم خواجگان کی مجلس میں شریک ہونے لگے اور اورادواذکار و مرشد کامل کی روحانی شخصیت کے مثبت اثرات قلب ودماغ پر پڑنے لگے رفتہ رفتہ ان کی قلبی حالت اس درجہ بدل گئی، کہ وہ وارفتگی وشیفتگی کی حدوں کو چھونے لگی، اپنے تاثرات کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

''میں روزانہ بعد مغرب ختم خواجگان پڑھنے میں شامل ہوتا، میں حضرت قبلہ علیہ الرحمہ کے ذکر وشغل اور معمولات نقشبندیہ کی پابندی اور ان کی مقدس و پاکیزہ زندگی سے انتہائی متاثر ہوا، غیر شعوری طور پر خود بخود میرا قلب حضرت قبلہ علیہ الرحمہ کی طرف مائل ہونے لگا، بلکہ ختم پڑھتے پڑھتے بعض وقت ایسی کشش پیدا ہوتی، کہ میرا دل چاہتا کہ میں ان سے لپٹ جاؤں، میں نے اپنے ان قلبی واردات کو کسی سے ذکر نہیں کیا، لیکن دل میں یہ عزم کرلیا، کہ میں بھی ضرور حضرت قبلہ علیہ الرحمہ سے بیعت کر کے حلقے میں بیٹھا کروں گا''۔ (معمولات الابرار ص۱۶۰،۱۵۹)

مگر ۱۶ رصفر ۱۳۵۲ھ میں حضرت قاضی ابن عباس کا وصال ہوگیا اور آرزوئے بیعت دل ہی میں رہ گئی پھر بھی آپ نے عزم راسخ کرلیا، کہ سلسلۂ نقشبندیہ کے کسی مرشد برحق ہی کے حلقۂ ارادت سے وابستہ ہوں گے، چنانچہ ۱۳۵۳ھ میں بریلی شریف سے حضرت قاضی علیہ الرحمہ کے عرس میں شرکت کے لیے امروہہ پہنچے، جہاں حضرت قاضی علیہ الرحمہ کے پیر بھائی مرشد برحق حضرت الحاج حافظ شاہ ابرار حسن خاں صاحب نقشبندی شاہجہاں پوری علیہ الرحمہ کی زیارت سے مشرف ہوئے،

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

روئے انور پر نظر پڑتے ہی ایسی کشش پیدا ہوئی، کہ داخل سلسلہ ہونے کا حتمی فیصلہ کرلیا اور ۱۷ ارصفر ۱۳۵۳ھ کو آپ کے دست حق پرست پر بیعت کرلی، بیعت کے بعد حضرت قبلہ نے حلقہ میں بیٹھا کر توجہات عالیہ سے نوازا اور لطیفۂ قلب کی تعلیم فرمائی، جب تک مرشد برحق زندہ رہے، امروہہ، علی گڈھ دہلی میں بار بار زیارت ہوتی رہی اور معمولات نقشبندیہ کی تعلیم وتربیت کا سلسلہ جاری رہا، ۲/ذوالقعدہ ۱۳۷۰ھ کو مرشد کامل نے وصال فرمایا، تو ان کے خلیفہ و مجاز حضرت الحاج قاضی محبوب احمد عباسی نقشبندی علیہ الرحمہ کے حلقہ سے وابستہ ہوئے اور سلوک و معرفت کے مدارج طے کرتے رہے۔

۲۵/صفر ۱۳۵۸ھ کو عرس رضوی کے دن بعد قل شریف حجۃ الاسلام حضرت علامہ حامد رضا خاں قادری علیہ الرحمہ خلف اکبر امام احمد رضا فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ نے سلسلۂ عالیہ رضویہ قادریہ کی خلافت عطا فرمائی۔

علاوہ ازیں سفر حرمین شریفین کے دوران جہاں حج و زیارت کی سعادتوں سے بہرہ مند ہوئے، وہیں ان مقامات مقدسہ کے مقتدر علما و مشائخ کی نورانی صحبتوں سے بھی فیضیاب ہوئے، ان اکابر مشائخ مکہ و مدینہ نے آپ کو جہاں صحاح ستہ اور دیگر کتب حدیث کی سند اجازت مرحمت فرمائی، وہیں بعض مقتدر مشائخ نے اہم ادعیہ واذکار کی اجازت سے بھی سرفراز فرمایا۔

مفتی محمد سعد اللہ مکی نے دلائل الخیرات، حزب اعظم، قصیدہ بردہ کی اجازت اور صحاح ستہ کی سند اپنے دست مبارک سے تحریر فرما کر عطا فرمائی اور دلائل الخیرات وحزب اعظم وغیرہ کی وہ جلد جس میں خود برسوں انھوں نے تلاوت فرمائی تھی اور جس پر سیکڑوں نوٹ اپنے قلم مبارک سے تحریر فرمائے تھے، علامہ اعظمی کو عنایت فرمائی۔

مدینہ منورہ میں شیخ الدلائل سید یوسف بن محمد بن علی باشلی حریری مدنی نے دلائل الخیرات کی تحریری اجازت عطا فرمائی۔

تدریسی خدمات

دارالعلوم اسحاقیہ جودھپور:۔ اسلامی علوم و فنون کے مروجہ نصاب درس نظامی کی تکمیل دارالعلوم حافظیہ سعیدیہ دادوں ضلع علی گڈھ میں ہوئی اور زندگی کا ایک نیا دور شروع ہوا، علم و فضل کے اس پیکر نورانی نے اپنی تعلیمی خدمات کا آغاز دارالعلوم اسحاقیہ جودھ پور سے کیا، آپ سے پہلے یہ ادارہ ایک چھوٹا سا مکتب تھا، مگر حضرت کی کوششوں سے درس نظامی شروع ہوا، عربی و فارسی کے متعدد درجات قائم ہو گئے اور دیکھتے

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ہی دیکھتے یہ ادارہ عروج وارتقا کے راستے پر گامزن ہوگیا، ۱۳۳۹ھ میں جودھ پور کے اندر ہندو مسلم فساد ہوگیا، بہت سے معززین شہر کے ساتھ علمائے کرام بھی گرفتار کر لیے گئے، حضرت علامہ اعظمی علیہ الرحمہ کو اشتعال انگیز تقریر کرنے کا الزام لگا کر حراست میں لے لیا گیا اور ۱۶؍جون ۱۹۳۹ء کو مہاراجہ امید سنگھ کی حکومت نے آپ کو جودھ پور سے شہر بدر کرنے کا فیصلہ کیا، چنانچہ پولیس کی حراست میں جودھ پور سے اجمیر شریف پہنچا دیا گیا۔

مدرسہ حنفیہ امروہہ:۔ حضرت قاضی محبوب احمد عباسی کی دعوت پر ۱۹۳۹ء کو مدرسہ محمدیہ حنفیہ امروہہ گئے اور مدرس دوم کی حیثیت سے آپ کا تقرر عمل میں آیا، جہاں تین سال تک پورے انہماک اور ذوق وشوق کے ساتھ طالبان علم نبوت کو تعلیم دیتے رہے، اور اپنے استاذ حضرت مولانا سعید محمد خلیل کاظمی چشتی علیہ الرحمہ مدرس اول سے استفادۂ علم بھی کرتے رہے۔

تعلیم وتدریس کا مبارک شغل جاری تھا، کہ ۸؍اگست ۱۹۴۲ء کو انگریزی سامراج کے خلاف پورے ملک میں حریت پسندوں کا عظیم احتجاج ہوا، ریل کی پٹریاں اکھاڑی گئیں اور پورے ملک میں جا بجا ہنگامے ہوئے، جاپان نے کلکتہ پر بمباری کی، جس سے متاثر ہو کر حضرت علامہ اعظمی علیہ الرحمہ وطن آ گئے، اسی دوران ہائی کورٹ نے شیعوں کے حق میں فیصلہ دے دیا اور مدرسہ محمدیہ حنفیہ ٹوٹ گیا۔

دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور:۔ ۱۹۴۲ء میں دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور کے اندر ہنگامی کیفیت پیدا ہوگئی، تمام اساتذہ مستعفی ہوگئے، حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ جامعہ عربیہ ناگپور چلے گئے جس سے اشرفیہ کا نظام تعلیم وتربیت درہم برہم ہوگیا، اسی دوران مجلس انتظامیہ کے صدر جناب محمد امین انصاری مرحوم کی دعوت پر حضرت علامہ عبدالمصطفیٰ اعظمی بحیثیت صدرالمدرسین اکتوبر ۱۹۴۲ء دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور پہنچے اور پوری لگن کے ساتھ وہاں کے تعلیمی نظم ونسق کو بحال کیا، ایک سال بعد حافظ ملت علیہ الرحمہ بھی مبارکپور آ گئے اور مدرس اول کے منصب پر فائز ہوئے، حضرت علامہ اعظمی ان کے نائب کی حیثیت سے گیارہ سال تک تعلیمی وتنظیمی خدمات انجام دیتے رہے۔

دارالعلوم شاہ عالم احمد آباد:۔ ۱۹۵۲ء میں حضرت علامہ اعظمی نے احمد آباد کا تبلیغی سفر کیا، جہاں مسلسل بیس تقریریں ہوئیں، آپ کے مواعظ حسنہ سے احمد آباد میں دینی وعلمی بیداری پیدا ہوئی اور ایک دارالعلوم کا منصوبہ زیر غور آیا، ''تعلیمی کانفرنس احمد آباد'' نے ایک ادارہ کے قیام کا ریزرویشن بھی پاس کر دیا، مگر ادارہ کا قیام عمل میں نہ آ سکا، بالآخر احمد آباد کے مخلص ومتدین اصحاب نے حضرت اعظمی علیہ الرحمہ کو باصرار احمد آباد آنے کی دعوت دی، حضور محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ کے حکم پر آپ احمد آباد تشریف لے گئے

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

اور ایک کرایہ کے مکان میں دارالعلوم شاہ عالم قائم کیا اور یکم ستمبر ۱۹۵۳ء کو تعلیمی افتتاح فرمایا، اس ادارے کی تعمیر و ترقی کے لیے اپنی مساعی جمیلہ کا آغاز فرمایا، اراکین ادارہ کے اخلاص و ایثار اور حضرت علامہ اعظمی کی بے لوث تعلیمی، تبلیغی اور تنظیمی سرگرمیوں کے نتیجہ میں بہت جلد یہ ادارہ گجرات کی مرکزی درسگاہ بن گیا، حضرت علامہ اعظمی ادارے کی تاسیس و تعمیر اور اس سلسلہ میں پیش آنے والے مصائب و آلام اور مشکلات نیز ان کی دفاعی تدبیروں کا تذکرہ اس طرح فرماتے ہیں۔

''دن رات اس دارالعلوم شاہ عالم کی ترقی کے لیے انتہائی جدوجہد کر کے بسم اللہ منزل کو خرید کر اس میں دارالعلوم شاہ عالم کو منتقل کیا، خدا گواہ ہے، کہ اس دینی درسگاہ کو قائم کرنے اور ترقی دینے میں اتنی محنت کرنی پڑی، کہ نہ زندگی میں کبھی اس سے پہلے اتنی محنت کی تھی، نہ آئندہ کبھی ہو سکے گی، اکیلے درس و تقریر اور فتاویٰ کی خدمت انجام دینے کے علاوہ تمام گجرات کا دورہ کر کے مالیات کا فراہم کرنا، اس پر بدمذہبوں اور حاسدوں کی طرف سے بے پناہ جسمانی و روحانی تکلیفوں اور اذیتوں کا پہنچنا، یہ وہ روح فرسا شدائد و مصائب تھے، جنھوں نے میری صحت کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا اور میں قسم قسم کے امراض میں مبتلا ہو گیا، مگر میں نے اس دارالعلوم شاہ عالم کی محبت میں سب کچھ برداشت کر لیا اور بالآخر اس کو معراج ترقی پر پہنچا کر ہی دم لیا''۔ (معمولات الابرار ص ۱۶۷)

آگے چل کر لکھتے ہیں۔

''بحمدہ تعالیٰ پورے گجرات کے سنی مسلمان اس دینی ادارہ سے وابستہ ہو گئے اور یہ مدرسہ گجرات کا مرکزی دارالعلوم اور اس کا آرگن ماہنامہ ''طیبہ'' گجرات میں اہل سنت کا ایک معیاری رسالہ بن گیا، مگر دارالعلوم شاہ عالم سے میری جدائی بھی میری زندگی کا ایک ایسا المناک و روح فرسا سانحہ ہے، جس کو تمام عمر میں فراموش نہیں کر سکتا''۔ (ایضاً ص ۲۶۵)

حضرت علامہ اعظمی کی کاوش پیہم اور جگر سوزی سے دارالعلوم شاہ عالم عروج و ارتقا کے بام بلند تک پہنچ گیا، مگر حاسدوں اور کینہ پروروں نے سازشوں کا ایسا جال بچھا دیا، کہ آپ کے حق میں حالات بد سے بدتر ہو گئے، کمیٹی کے افراد اور دوسرے اعدا کا مقابلہ کرنا اور ان کی نیچی سطح تک اتر کر جواب دینا ممکن نہ تھا، چنانچہ حالات کی نامساعدت دیکھ کر حضرت نے جنرل کمیٹی کے سامنے فروری ۱۹۵۹ء کو اپنا استعفا پیش کر دیا اور حرمین شریفین کی روانگی کا اعلان کیا، کمیٹی نے استعفا نامنظور کر دیا مگر دل ٹوٹ چکا تھا، اس لیے اپنے خون جگر سے سینچے ہوئے چمن زار علم کو ۷؍ شعبان المعظم ۱۳۷۸ھ کو الوداع کہا۔

دارالعلوم صمدیہ بھیونڈی:۔ احمد آباد کے تلخ تجربات نے ملازمت سے بیزار کر دیا تھا اور آپ نے

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ملازمت نہ کرنے کا فیصلہ کرلیا تھا،مگر سفرحج سے واپسی کے بعد حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے عرس مبارک میں شرکت کے لیے سرہند شریف گئے، آستانۂ عالیہ پر اپنے احوال وکوائف ذکر کیے،تو قلب کی حالت بدل گئی اور تدریسی زندگی کی طرف طبیعت مائل ہوگئی،فرماتے ہیں کہ

''میں نے اپنے ذوق سے سمجھ لیا،کہ غالباً یہ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ کا روحانی تصرف واشارہ طیبہ ہے، چنانچہ مکان پر آیا تو دارالعلوم صمدیہ بھیونڈی کی ملازمت کا تار اور خط ملا، میں نے یہ ملازمت قبول کرلی''۔(ایضاً ص ۱۶۹)

مارچ ۱۹۶۰ء کو دورۂ حدیث اور دیگر جماعت کے طلبہ کو ساتھ لے کر بھیونڈی پہنچے اور دارالعلوم صمدیہ کی مسند درس کو زینت بخشی، چار سال تک پوری یکسوئی کے ساتھ تدریسی خدمات انجام دیتے رہے، بھیونڈی، بمبئی اور اطراف وجوانب میں تبلیغی دورے بھی ہوتے رہے،عوامی سطح پر بھی کافی پذیرائی ہوئی، چاہنے والوں کا ایک وسیع حلقہ بن گیا،مگر یہ ادارہ شخص واحد کا ذاتی ادارہ تھا،اس کی مرضی ومنشا کے مطابق ہی تعلیم وتربیت کا اہتمام ہوسکتا تھا،حضرت علامہ کی غیور طبیعت کے لیے یہ ماحول سازگار نہ آسکا، چنانچہ دارالعلوم صمدیہ سے مستعفی ہوگئے۔

مدرسہ مسکینیہ دھوراجی:۔ دارالعلوم صمدیہ ترک کرنے کی خبر عام ہوئی تو دھوراجی کے مخلصین جو بہت دنوں سے حضرت اعظمی علیہ الرحمہ کے متمنی تھے،انھیں سنہرا موقع ہاتھ آگیا''مدرسہ مسکینیہ'' دھوراجی کے سکریٹری الحاج سیٹھ اسماعیل پوٹھیا والے کا تار آیا اور مولانا الحاج حکیم علی محمد اشرفی نے نامۂ شوق تحریر کیا، چنانچہ دھوراجی پہنچ کر یکم اپریل ۱۹۶۴ء کو مدرسہ مسکینیہ میں درس کا افتتاح فرمایا۔

دارالعلوم مسکینیہ حضرت علامہ اعظمی علیہ الرحمہ کی تشریف آوری سے چالیس سال قبل قائم ہوچکا تھا،جس کی مسند تدریس پر اکابر علمائے اہلسنت مثلاً شیر بیشۂ اہلسنت حضرت مولانا حشمت علی علیہ الرحمہ،حضرت علامہ مفتی احمد یار خاں نعیمی علیہ الرحمہ،حضرت علامہ مفتی عبدالرشید خاں فتح پوری علیہ الرحمہ،حضرت مولانا عبدالعزیز خاں فتح پوری علیہ الرحمہ جلوہ افروز ہوچکے تھے،مگر ادارے کی کوئی نجی عمارت نہ تھی، مسجدوں میں تعلیم وتعلم کا فریضہ انجام دیا جاتا تھا،حضرت علامہ اعظمی رحمۃ اللہ علیہ کو قدرت نے علم وفضل کے ساتھ تنظیمی صلاحیت اور رابطہ عامہ کی بھرپور قوت عطا فرمائی تھی، چنانچہ دھوراجی پہنچنے کے بعد مدرسہ مسکینیہ کے ذاتی عمارت کی فکر ہوئی، آپ نے حضرت مولانا الحاج حکیم محمد علی صاحب اشرفی کے ہمراہ ہمدرد قوم وملت سیٹھ الحاج یوسف غنی ماکڑا صاحب سے ملاقات کی اور ادارے کی ذاتی عمارت کی ضرورت پیش کی، چنانچہ آپ کی پرخلوص خواہش کا احترام کرتے ہوئے

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

سیٹھ صاحب موصوف نے اپنی ایک وسیع بلڈنگ جو محلّہ پالا واڑ میں حضرت لدھا شاہ بابا کی درگاہ کے متصل تھی، مدرسہ مسکینیہ کے لیے وقف کر دی، مدرسہ اس بلڈنگ میں منتقل کر دیا گیا۔

تین سالہ دوران قیام ادارہ دن دونی رات چوگونی ترقی کرتا رہا، پورے علاقے میں تبلیغ واشاعت دین کا کام بھی بڑے پیمانے پر ہوتا رہا، آپ کے مواعظ حسنہ سے لوگوں میں دینی بیداری پیدا ہوئی اور آپ کی مقبولیت اور ہر دل عزیزی عام ہوگئی، مگر والد گرامی نے اپنی خراب صحت اور بیماری کا ذکر کرتے ہوئے حکم دیا کہ وطن سے قریب ہی کسی ادارے میں تدریسی خدمات انجام دی جائیں، چنانچہ دھوراجی کو خیر آباد کہا۔

دارالعلوم منظرِحق ٹانڈہ:۔ دارالعلوم منظرحق ٹانڈہ سے دعوت نامہ موصول ہوا، چونکہ یہ شہر گھوسی سے قریب تھا، آمد و رفت کے ذرائع بھی اچھے تھے، اس لیے حضرت علامہ اعظمی علیہ الرحمہ نے دعوت قبول کر لی اور ۲۷؍فروری ۱۹۶۷ء کو "منظرحق" میں درس کا آغاز فرمایا، اس وقت ادارہ زبوں حالی کا شکار تھا، اراکین میں رسہ کشی جاری تھی، تعلیمی و تنظیمی ڈھانچہ درہم برہم ہو چکا تھا، حضرت علامہ اعظمی نے ادارے کی از سرِ نو تعلیمی و تنظیمی شیرازہ بندی کی، شعبۂ مالیات کو مستحکم کیا، اساتذہ کی تعداد بڑھائی، بیرونی طلبہ کے خورد و نوش کا انتظام کیا، پھر ادارہ پوری شان و شوکت کے ساتھ آگے بڑھنے لگا، عمارت میں توسیع بھی ہوئی اور دورۂ حدیث بھی قائم ہوگیا، تقریباً دس سال تک اس ادارے کی مسند درس واقتا کو زینت بخشی اور پورے عالمانہ وقار و وجاہت کے ساتھ درس و تدریس کا شغل جاری رہا۔

دارالعلوم فیض الرسول براؤں شریف:۔ ۶؍ربیع الاول ۱۳۹۷ھ مطابق ۲۵؍فروری ۱۹۷۷ء کو شیخ العلما حضرت علامہ غلام جیلانی اعظمی علیہ الرحمہ کا وصال ہوگیا اور دارالعلوم فیض الرسول کی مسند درس حدیث خالی ہوگئی، وہاں کے ذمہ داروں کو ایک ایسی باوقار، بلند پایہ علمی شخصیت کی ضرورت تھی جو حضرت علامہ غلام جیلانی اعظمی علیہ الرحمہ کے خلا کو پر کر سکے، نگاہ انتخاب حضرت علامہ عبدالمصطفیٰ اعظمی علیہ الرحمہ پر پڑی اور ادارہ کے ارباب اقتدار نے رابطہ قائم کیا، حضرت علامہ اعظمی نے دعوت قبول کر لی اور منظرحق سے مستعفی ہو کر دارالعلوم فیض الرسول کا رخ کیا اور شیخ الحدیث کی مسند کو زینت بخشی اور ۱۹۸۵ء تک براؤں شریف کے علمی و روحانی ماحول میں فرائض منصبی انجام دیتے رہے۔

وصال:۔ حضرت علامہ عبدالمصطفیٰ اعظمی زندگی کے آخری چند برسوں میں امراض واسقام کا نشانہ بن گئے تھے، علاج و معالجہ کے باوجود صحت گرتی چلی گئی، مگر شدید علالت کے زمانہ میں بھی تدریس و تصنیف کا شغل برابر جاری رہا، وفات سے کچھ مہینوں پہلے علاج اور آرام کی غرض سے مکان آ گئے مگر

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ع مرض بڑھتا رہا جوں جوں دوا کی

بیماری شدت اختیار کرتی رہی، ضعف و نقاہت میں اضافہ ہوتا رہا، ساری تدبیریں رائگاں گئیں، بالآخر ۵؍رمضان المبارک ۱۴۰۶ھ مطابق ۱۵؍مئی ۱۹۸۵ء بروز جمعرات بوقت عصر علم وفضل کا مہر درخشاں ہمیشہ کے لیے غروب ہوگیا۔

مسند تدریس سوگوار، منبر خطابت خاموش اور بزم تصنیف و تالیف ماتم کدہ بن گئی، علمی و دینی حلقوں میں صف ماتم بچھ گئی، چہرے مغموم، آنکھیں اشکبار اور سینے دردوالم سے بھر گئے۔

زمانہ بہت غور سے سن رہا تھا
تمہیں سو گئے داستاں کہتے کہتے

۶؍رمضان المبارک بعد نماز جمعہ اس پیکر علم و ہنر کا جنازہ ہزاروں سوگواروں نے اپنے کاندھوں پر اٹھایا، تلمیذ رشید حضرت علامہ قمرالدین صاحب قمر اشرفی مدظلہ العالی نے نماز جنازہ پڑھائی اور آفتاب علم ودانش کو آبائی قبرستان کے قریب ان کی ذاتی زمین میں دفن کر دیا گیا۔

تلامذہ:۔ حضرت علامہ اعظمی علیہ الرحمہ نے تکمیل علم کے بعد تقریباً نصف صدی ملک کے مختلف عظیم دینی مدارس و جامعات میں تدریسی خدمات انجام دیں، وہ درس نظامی میں شامل جملہ علوم وفنون میں مہارت تامہ رکھتے تھے، فقہ، حدیث، تفسیر، معقولات اور شعر وادب ہر فن میں انھیں یدطولیٰ حاصل تھا، منطق، فلسفہ کی ژولیدہ بحثیں ہوں یا عقائد وکلام کے مشکل مسائل، فقہ کی گتھیاں ہوں یا حدیث وقرآن کی تعبیر وتفسیر یا ادب وشعر کی باریکیاں، وہ ان مقامات کی تفہیم سے اس طرح عہدہ برآ ہوتے، کہ متوسط بلکہ ادنی ذہن رکھنے والا طالب علم بھی خوب اچھی طرح سمجھ لیتا اور درس کے تمام اشکال وابہام کو اس خوبی کے ساتھ دفع فرماتے، کہ طلبہ کو مکمل انشراح ہوجاتا، اثنائے درس، طرز کلام سنجیدہ، متین اور پروقار ہوتا، مسائل ومباحث کی تشریح وتعبیر اور اعتراضات کے جوابات اتنے شافی ہوتے، کہ ہر ایک طالب علم مطمئن ہوجاتا، ذہن کے کسی گوشہ میں شک وریب کا شائبہ تک نہیں رہتا، تبحر علمی کے ساتھ تعلیمی نفسیات کا ملکہ بھی قدرت نے عطا فرمایا تھا، جس سے انھوں نے کام لیا، حلقہ درس سے وابستہ ہونے والے طلبہ آپ کے انداز تعلیم وتدریس پر فریفتہ وشیفتہ رہتے، یہی وجہ ہے کہ جب نامساعد حالات میں ایک درسگاہ سے دوسری درسگاہ کا رخ کرتے تو سابق درسگاہ کے بیشتر طلبہ آپ کے ہمراہ ہوتے، آج بھی ان کی درسگاہ سے فیض پانے والے علما بیان کرتے ہیں، کہ حضرت الاستاذ علامہ اعظمی نے جن ادق اور مشکل مقامات درس کی توضیح وتشریح عام فہم زبان میں فرمائی، وہ آج تک قلب ودماغ

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

میں نقوش سنگ کی طرح محفوظ ہے۔

حضرت علامہ اعظمی علیہ الرحمہ اپنے معاصر نابغۂ روزگار علما وفضلا کی جماعت میں نمایاں مقام رکھتے تھے، آپ نے نصف صدی سے زائد عرصہ تک طالبان علوم اسلامیہ کی تعلیم وتربیت ایک ماہرفن استاذ کی حیثیت سے فرمائی اور آپ کی درسگاہ سے بڑے بڑے علما فارغ التحصیل ہوئے جو آگے چل کر وقت کے فقیہ، شیخ الحدیث، معتبر خطیب، بالغ نظر مفکر اور صاحب قلم مصنف ہوئے، جو ہندو بیرون ہند دین کی تبلیغ اور اشاعت علم کا اہم فریضہ انجام دے رہے ہیں، چند اہم مشاہیر تلامذہ کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔

(۱) بحرالعلوم حضرت علامہ مفتی عبدالمنان صاحب قبلہ اعظمی، شیخ الحدیث جامعہ شمس العلوم گھوسی، مئو۔

(۲) حضرت علامہ قمرالدین صاحب قبلہ اشرفی، سابق صدرالمدرسین جامعہ شمس العلوم گھوسی، مئو۔

(۳) حضرت مولانا مجتبیٰ اشرف صاحب کچھوچھوی۔

(۴) حضرت مولانا قدرت اللہ صاحب علیہ الرحمہ مفتی فیض الرسول براؤں شریف۔

(۵) حضرت علامہ صوفی نظام الدین صاحب قبلہ شیخ الحدیث تنویرالاسلام امرڈوبھا، بستی۔

(۶) حضرت مولانا سید احمد شاہ صاحب بخاری مفتی اعظم کچھ گجرات۔

(۷) حضرت مولانا حفیظ اللہ صاحب صدر مدرس احسن المدارس جدید کانپور۔

(۸) حضرت مولانا شہباز انور صاحب صدر مدرس احسن المدارس قدیم کانپور۔

(۹) حضرت مولانا امین الدین صاحب صدر مدرس دارالعلوم مظفرالعلوم جعفرآباد۔

(۱۰) حضرت مولانا مفتی بدرالدین صاحب علیہ الرحمہ شیخ الحدیث دارالعلوم غوثیہ بڑھیا۔

(۱۱) حضرت مولانا قاری رضاء المصطفیٰ خطیب وامام میمن مسجد کراچی پاکستان۔

(۱۲) حضرت مولانا محمد ابواللیث صاحب اعظمی صدرالمدرسین مظہرالاسلام گرسہائے گنج فرخ آباد۔

(۱۳) حضرت مولانا خلیق احمد صاحب صدرالمدرسین جامعہ حنفیہ غوثیہ بجرڈیہہ بنارس۔

(۱۴) حضرت مولانا خلیل اشرف صاحب مہتمم دارالعلوم فیض رضا بہاولپور پاکستان۔

(۱۵) حضرت مولانا مفتی محمد یاسین صاحب کراچی پاکستان۔

(۱۶) حضرت مولانا نسیم بستوی۔

(۱۷) حضرت مولانا فیض الحق صاحب صدرالمدرسین فیض العلوم محمد آباد گوہنہ۔

(۱۸) حضرت مولانا شمیم احمد صاحب استاذ منظرحق ٹانڈہ۔

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

(۱۹) حضرت مولانا حضور احمد منظری صاحب۔

(۲۰) حضرت مولانا محمد اطہر منظری صاحب۔

ازدواج واولاد:۔ دادوں کے دوران تعلیم شعبان ۱۳۵۶ھ میں ماموں کی صاحبزادی محترمہ صالحہ خاتون سے عقد ہوا، جن کے بطن سے دو صاحبزادے مولانا غلام رسول اعظمی، مولانا فضل رسول اعظمی اور چار صاحبزادیاں محترمہ زبیدہ خاتون، حامدہ خاتون، عارفہ خاتون مرحومہ، فاطمہ خاتون تولد ہوئے۔

بحمدہ تعالیٰ دونوں صاحبزادے اور تین صاحبزادیاں زندہ سلامت ہیں۔

اخلاق وعادات:۔ حضرت علامہ اعظمی علیہ الرحمہ نے ایک غریب مگر سنجیدہ خانوادے میں آنکھ کھولی تھی، صالح والدین کی آغوش تربیت میں پروان چڑھے، ملک کی مقتدر علمی شخصیتوں سے اکتساب علم وفضل کیا، زمانہ طالب علمی ہی میں سلسلۂ نقشبندیہ میں مرید ہوئے اور اس سلسلۂ طریقت کے اوراد واشغال کے عادی بن گئے، یہ وہ چیزیں تھیں جن کی بدولت آپ شرافت اور حسن اخلاق کا پیکر بن گئے، حد درجہ غیور اور خوددار ہونے کے باوجود لوگوں سے خندہ پیشانی کے ساتھ ملتے، دوران ملازمت بعض اداروں میں حالات کشیدہ ہوئے تو معرکۂ کارزار گرم کرنے کے بجائے ادارے سے علاحدگی اختیار کر لی اور ادارے کو نزاع وخصومت کی آگ میں جلنے سے بچا لیا، حد درجہ بے باک اور حق گو واقع ہوئے تھے۔

کسی سے کبھی مرعوب نہ ہوتے، اہل دول کی پرواہ نہ کرتے، جو بات سچ سمجھتے دوٹوک ارشاد فرمادیتے، پھر بھی حتی الامکان لوگوں کی دلآزاری سے بچتے اور بلاوجہ کسی کو ناراض نہ کرتے۔

سنجیدہ ظرافت آپ کے خمیر میں شامل تھی، کسی بھی مجلس میں ہوتے اپنے پرلطف انداز بیان اور شگفتہ لطیفوں سے پوری محفل کو زعفران زار بنا دیتے، حسن گفتار اور حسن کردار کی وجہ سے ملک کے گوشہ گوشہ میں آپ کے قدردانوں کی ایک بہت بڑی جماعت پائی جاتی ہے۔

مواعظ:۔ حضرت علامہ اعظمی علیہ الرحمہ ایک بلند پایہ مدرس اور مصنف ہونے کے ساتھ ساتھ عظیم خطیب ومقرر بھی تھے، وعظ وتقریر کا حلقہ بہت وسیع تھا، ہندوستان کا شاید کوئی مشہور شہر وقریہ ہو جہاں آپ نے بار بار بغرض وعظ سفر نہ فرمایا ہو، اپنے وقت کے مشاہیر خطبا کی فہرست میں نمایاں مقام رکھتے تھے۔

جب کرسی خطابت پر جلوہ افروز ہوتے تو پورے اجتماع پر آپ کی جسمانی وجاہت اور علمی وقار وتمکنت کا رعب چھا جاتا، لہجہ کی نرمی اور تکلم کی شیرینی پوری فضا میں رس گھول دیتی، ہر شخص ہمہ تن گوش بن جاتا، برجستہ وبے تکلف الفاظ میں قرآن وحدیث اور شریعت وطریقت کے لطیف اسرار ورموز اس انداز سے پیش کرتے کہ سامعین بڑے بڑے اہم دینی مسائل ومباحث اور شرعی نکات کو بخوبی سمجھ لیتے۔

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

آیات قرآنیہ، احادیث نبویہ سے تقریر کو پر مغز اور مدلل بنا دیتے اور درمیان تقریر موقع ومحل کے مطابق اشعار اتنے وجد آفریں اور سحر انگیز انداز سے پڑھتے کہ پورا مجمع کیف وسرمستی میں جھوم اٹھتا۔

تصنیف وتالیف:۔ حضرت علامہ اعظمی نے درس وتدریس، وعظ وتقریر کے علاوہ اپنے گراں قدر رشحات قلم بھی یادگار چھوڑے ہیں، ۱۳۸۳ھ سے ۱۴۰۶ھ تک پچیس اہم کتابیں تصنیف فرمائیں، جن کے صفحات کی مجموعی تعداد ۱۵۱۷ ہے، جو مختلف موضوعات پر لکھی گئی ہیں۔

اسلوب اور طرز ادا کے لحاظ سے تمام تصانیف یکساں ہیں، جو مصنف کے قلم کی پختگی اور مخصوص انداز تحریر کی علامت ہے، اہم سے اہم دینی مباحث ہوں یا علمی مسائل ہر جگہ انتہائی سلاست وروانی کے ساتھ اشہب قلم رواں دواں ہے، تکلف وتصنع سے عبارت پاک ہوتی ہے، آورد کا شائبہ نہیں، آمد ہی آمد ہے، ثقیل، نادر الفاظ اور طویل جملوں سے قاری پر اپنی عالمانہ وجاہت کا رعب بیٹھانے کے قائل نہیں، بلکہ عام فہم الفاظ مختصر دلنشیں جملوں اور متین وسنجیدہ لب ولہجہ کے ذریعہ قاری کے ذہن کو مسئلہ کی گہرائی تک پہنچا دیتے ہیں، سہل اور آسان انداز تحریر سے ترسیل وابلاغ کا بھرپور کام لیتے ہیں۔

اس مختصر مضمون میں علامہ اعظمی کی تمام کتابوں پر علاحدہ علاحدہ سیر حاصل گفتگو ممکن نہیں، ذیل میں مختلف موضوعات کے تحت آپ کی مصنفات کا اجمالی تعارف پیش کیا جاتا ہے۔

روحانیات

علامہ اعظمی کی تمام کتابوں ہی میں اخلاقیات وتصوف کے موضوع سے متعلق مباحث ومسائل ملتے ہیں، مگر ذیل کی کتابیں خاص طور پر روحانیات کے موضوع پر لکھی گئی ہیں، جن میں تصوف کے مسائل، اذکار واعمال، حکایات ترغیب وترہیب کے ذریعہ مسلم معاشرے کی روحانی واخلاقی تعلیم وتربیت کا فریضہ انجام دیا گیا ہے۔

موسم رحمت:۔ یہ ۴۸ر صفحات پر مشتمل ایک مختصر اور جامع رسالہ ہے، جو ۱۳۸۳ھ میں لکھا گیا ہے، جس میں ایام اللہ کا ذکر اور ان کے فضائل اور روز وشب میں مقبول اعمال وادعیہ کو بیان کیا گیا ہے۔

معمولات الابرار:۔ یہ کتاب ۱۳۸۳ھ میں لکھی گئی، جو ۱۹۶ر صفحات پر مشتمل ہے، کتاب کا موضوع تصوف وسلوک ہے، جس میں علم باطن، شریعت، طریقت، ولایت، کرامت، پیری مریدی، فضائل ذکر، مراقبہ، تصور شیخ جیسے اہم مسائل تصوف کو سیدھے سادے انداز میں بیان کیا

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

گیا ہے، تصوف کے منکرین کی باطل فکر اور جاہل صوفیوں کی روش سے الگ ہٹ کر مثبت انداز فکر و نظر پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

روحانی حکایات حصہ اول و دوم:۔ حصہ اول صفحات ۲۲۴/ ۱۳۹۰ھ حصہ دوم صفحات ۳۱۲/ ۱۳۹۱ھ صفحات کی مجموعی تعداد ۵۳۵/ ہے، اس کتاب میں علمیات، اخلاقیات، کرامات، تفریحات، عجائبات، مجاہدات، عبادات جیسے عنوانات کے تحت دلچسپ اور فکر انگیز واقعات وحکایات درج کی گئی ہیں اور ان سے سبق آموز نتائج اخذ کیے گئیں ہیں جو قاری کی اخلاقی تربیت کے لیے بہت موثر ہیں۔

مشائخ نقشبندیہ:۔ یہ مختصر رسالہ ۸۴/ صفحات پر مشتمل ہے، جو ۱۳۸۵ھ میں لکھا گیا ہے، حضرت علامہ اعظمی سلسلۂ نقشبندیہ میں بیعت تھے اور اس کی اجازت وخلافت بھی حاصل تھی، اس رسالہ میں سلسلۂ نقشبندیہ کے اکابر مشائخ کا مختصر مگر جامع تذکرہ کیا گیا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر اپنے مرشد برحق حضرت الحاج حافظ ابرار حسن خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ تک کے احوال وکوائف تحریر کیے ہیں، مشائخ نقشبندیہ کی دینی علمی روحانی خدمات کا اجمالاً ذکر کیا ہے۔

کرامات صحابہ:۔ یہ کتاب ۱۳۹۸ھ میں سپرد قلم کی گئی، دوسو چالیس صفحات پر مشتمل ہے، جس میں ایک سو مقتدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مقدس حالات اور ان کے کمالات کا تذکرہ کیا گیا ہے، کتاب کے مطالعے سے صحابہ کرام کے روحانی اوصاف کا نقش قاری کے قلب ودماغ پر ثبت ہوتا ہے، کتاب کی ابتدا میں کرامات کی تحقیق، معجزہ اور کرامت کی حقیقت، اقسام کرامت تفصیل کے ساتھ بیان کی گئی ہیں۔

آئینہ عبرت:۔ یہ کتاب ۱۴۰۶ھ میں لکھی گئی، صفحات کی تعداد ایک سو سولہ ہے، یہ کتاب عبرت ونصیحت کی غرض سے تحریر کی گئی ہے، واقعات بڑے ہی دل گداز اور نصیحت آموز ہیں، جن کے مطالعے سے خوف آخرت اور طلب حق کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔

حدیث ورجال

علامہ اعظمی نے تقریباً چالیس سال تک علم حدیث کا درس ہندوستان کے مختلف معیاری اداروں میں دیا اور علمی دنیا میں شیخ الحدیث کے لقب سے مشہور ہوئے، مولانا نے اپنی متعدد کتابوں میں قرآن وحدیث اور اقوال سلف کی روشنی میں اسلامی تعلیمات واحکام کی وضاحت وتشریح کا کام بڑی خوبی کے ساتھ کیا ہے، حدیث نبوی کے متعدد مجموعے ترتیب دیے، جن میں متن حدیث اور انکے ترجمے بڑے ہی دلنشیں، موثر لب ولہجہ اور صاف وشستہ زبان میں تحریر کیے ہیں، اسلوب نگارش غایت درجہ پاکیزہ اور

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

جاذب نظر ہے، وضاحت حدیث میں لفظوں اور جملوں کی بازی گری کے بجائے سادہ اور پرتاثیر انداز بیان اختیار کیا گیا ہے۔

نوادر الحدیث:۔ یہ مجموعۂ احادیث ۱۳۹۴ھ میں مرتب کیا گیا جو ۲۸۸ رصفحات پر مشتمل ہے، اس مجموعے میں چالیس حدیثوں کا ترجمہ اور اس کی بلیغ شرح کی گئی ہے، جس میں ایمانیات واسلامیات کے موضوع پر موثر و دلنشیں حدیثیں پیش کی گئی ہیں، آغاز کتاب میں افادۂ عام کی غرض سے مصطلحات حدیث، دین میں ''حدیث کا مقام'' کے عنوان سے جامع معلومات فراہم کی گئی ہیں، اور حدیث کے ذیل میں راوی حدیث کا مختصر تعارف اور حدیث سے حاصل ہونے والے فوائد ومسائل کا اجمالاً ذکر کیا ہے، حدیث کے مشکل الفاظ کی تشریح وتوضیح بھی کی ہے۔

جواہر الحدیث:۔ یہ کتاب ۱۴۰۳ھ میں لکھی گئی، صفحات کی تعداد ۳۱۲ رہے، کتاب ہذا کے خاص مباحث علمیات، عملیات، سیاسیات، معجزات اور کرامات ہیں، جن کے ذیل میں مستند احادیث کا انتخاب پیش کیا گیا ہے، اور ان سے متعلق وضاحتی نوٹ درج کیے گئے ہیں، حدیث کا یہ مجموعہ ۱۴۰ رعنوانوں پر دو سو سے زائد حدیثوں مع تشریحات وتبصرہ، فوائد ومسائل کے رنگا رنگ گلہائے مضامین کا ایک حسین گلستہ ہے۔

قیامت کب آئے گی:۔ یہ کتاب ۱۳۹۸ھ ۱۲۰ رصفحات میں قلمبند کی گئی، کتاب میں ۔۵۰ رعنوانوں کے تحت علامات قیامت سے متعلق ۵۰ رحدیثوں اور ان کے تراجم وتشریحات لکھے گئے ہیں، کتاب کے مطالعہ سے قاری کی نگاہوں کے سامنے آثار قیامت اور واقعات قیامت گردش کرنے لگتے ہیں، جو لوگ قیامت سے جاہل یا شکوک وشبہات کی دلدل میں پھنسے ہوئے ہیں وہ ان نشانیوں کے ذریعہ صراط مستقیم پر آجائیں گے، اور ان کے اندر طلب خیر اور عمل صالح کا جذبہ بیدار ہوگا، قیامت کی آمد اور اس کے مناظر، میزان، صراط، جنت ودوزخ، شفاعت جیسے عنوانات پر جامع معلومات پیش کی گئی ہیں۔

بہشت کی کنجیاں:۔ ۱۴۰۰ھ میں یہ کتاب لکھی گئی جس میں ۲۴۰ رصفحات ہیں، اس مجموعۂ احادیث کے متعلق علامہ اعظمی رقم طراز ہیں۔

''یوں تو ہر نیک عمل جنت میں لے جانے والا عمل ہے، مگر بعض ایسے نیک اعمال بھی ہیں جن پر خصوصیت کے ساتھ اللہ ورسول جل جلالہ وصلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے جنت کا وعدہ اور بہشت کی خوشخبری دی گئی ہے، چنانچہ اسی قسم کے اعمال حسنہ میں سے چن چن کر ساٹھ عملوں کو حدیثوں سے منتخب کر کے جمع کر دیا ہے، اور ان ساٹھ اعمال کو عنوان بنا کر ہر عنوان کے تحت ان اعمال کے فضائل میں چند

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

احادیث نقل کردی ہیں، پھر ہر عنوان کے آخر میں تشریحات وفوائد لکھ کر حدیثوں کی وضاحت کرتے ہوئے ضروری مسائل کی بھی توضیح کردی ہے۔(بہشت کی کنجیاں ص ۴)

آغاز کتاب میں جنت، باغات جنت، جنت کی حوریں، جنت کے احوال وکوائف سے متعلق مفید معلومات جمع کردی گئی ہیں۔

جہنم کے خطرات:۔ ۱۴۰۰ھ میں ضبط قلم کی گئی، صفحات کی تعداد ۱۶۸ ہے، علامہ اعظمی علیہ الرحمہ نے اس کتاب میں ستر ایسے گناہوں اور اعمال بد کا تذکرہ کیا ہے، جن کا ارتکاب بندے کو جہنم میں لے جاتا ہے، ہر عنوان کے تحت چند حدیثیں تحریر کی ہیں، جابجا قرآن حکیم کی آیات بینات بھی درج کی ہیں، اور عنوان کے آخر میں مسائل وفوائد کے تحت احادیث سے مستنبط مسائل اور اس گناہ کا شرعی حکم بیان کیا ہے، آغاز کتاب میں جہنم کی حقیقت، طبقات جہنم اور احوال جہنم کا مختصر مگر جامع بیان بھی سپرد قلم کیا ہے۔

اولیائے رجال الحدیث:۔ ۱۳۸۵ھ میں تحریر کی گئی، صفحات کی تعداد ۳۴۴ ہے۔ علامہ اعظمی نے اس کتاب میں دوسو ایسے محدثین وفقہا کا تذکرہ لکھا ہے جو دنیائے علم وفضل کے اندر قرآن و حدیث وفقہ وکلام میں عظمت ورفعت کے ساتھ ساتھ روحانیت وسلوک کے بلند مرتبہ پر بھی فائز تھے، وہ علم وعمل، زہد وتقویٰ کے ایسے روشن چراغ تھے، جن سے شریعت وطریقت کی ہزاروں شمعیں فروزاں ہوئیں، رجال حدیث وفقہ کے حالات علمی ودینی خدمات اور ان کے کشف وکرامات کو مستند حوالوں کی روشنی میں پیش کیا گیا ہے، اختصار وجامعیت کے باوجود یہ کتاب بہت اہم اور نہایت مفید ہے، اس کتاب کی تصنیف کا مقصد عوام میں پھیلی ہوئی اس غلط فہمی کا ازالہ ہے کہ علما وفقہا صرف علم ظاہر کے رمز شناس ہوتے ہیں، بحر معرفت کے شناور نہیں ہوتے اس طبقے کو علم ظاہر سے سروکار ہوتا ہے، علم باطن کے حرف شناس نہیں ہوتے''۔

کتاب کے اندر مستند حوالوں سے یہ بات منظر عام پر لانے کی کوشش کی گئی ہے، کہ عوام ظن فاسد کا شکار ہوگئے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ صف محدثین ومجتہدین میں بھی باکمال اولیا اور صاحب باطن بزرگ گزرے ہیں، بلکہ تمام علمائے حق سلوک ومعرفت کے بلند مقام پر فائز تھے، ان کی متبع سنت ذات اور عظیم علمی ودینی خدمات بجائے خود اہم کرامتیں ہیں۔

قرآنیات

علامہ اعظمی علیہ الرحمہ ایک متبحر عالم تھے، انھیں علوم اسلامیہ میں بالخصوص قرآنیات وتفسیر،

http://t.me/tehqiqat

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

حدیث وفقہ میں کامل درک تھا، زمانۂ طالب علمی میں ''ورفعنالک ذکرک'' کی تفسیر لکھنے پر دارالعلوم حافظیہ میں انعام واکرام سے سرفراز کیے گئے تھے، آپ کے سلسلۂ تصانیف میں قرآنیات پر بھی تین اہم کتابیں ہیں۔

عجائب القرآن:۔ یہ کتاب ۱۴۰۱ھ میں لکھی گئی، جو ۲۹۶ ر صفحات پر مشتمل ہے، جس میں قرآن کے اندر عجائبات سے متعلق آیات کا ترجمہ، تفسیر اور مناسب تشریح کی گئی ہے، علامہ اعظمی لکھتے ہیں۔

''اس مجموعہ میں قرآن شریف کی مختلف سورتوں سے چن کر ۶۵ر ان عجیب عجیب چیزوں اور تعجب خیز اور حیرت انگیز واقعات کو جن کا قرآن مجید میں مختصر تذکرہ ہے نقل کر کے ان کے مناسب تفصیل و توضیح کردی ہے اور ان واقعات کے دامنوں میں جو عبرتیں اور نصیحتیں چھپی ہوئی ہیں، ان کو بھی درس حکایت کے عنوان سے پیش کر دیا ہے۔ (عجائب القرآن ص۴)

غرائب القرآن:۔ ۱۴۰۲ھ میں ضبط تحریر میں لائی گئی، صفحات کی تعداد ۲۰۰ر ہے، یہ کتاب عجائب القرآن کا دوسرا حصہ ہے، جس کے اندر قرآن میں مذکور عجائب وغرائب سے متعلق آیات کریمہ کا ترجمہ، تفسیر، شان نزول، نکات، درس ہدایت موثر انداز بیان میں تحریر کیے گئے ہیں۔

مسائل القرآن:۔ یہ کتاب ۱۴۰۵ھ میں لکھی گئی، جو ۴۰۰ر صفحات پر مشتمل ہے، اس کتاب میں توحید، رسالت، امامت، معاشرت، سلطنت وحکومت، اخلاق وآداب اور زمانہ حال میں پیدا شدہ مسائل کا حل قرآن مجید کی آیتوں سے پیش کیا گیا ہے، ۲۸ر ابواب کی شاہ سرخیوں کے تحت ۲۳۰ر عنوانوں اور ۵۰ر قرآنی اعمال وفضائل قرآن وآداب قرآن وغیرہ پر مشتمل ہے، ہر عنوان ایک مستقل مسئلہ ہے جسے قرآنی آیات کی روشنی میں ثابت کیا گیا ہے۔

فقہیات

علامہ اعظمی حدیث وتفسیر کی طرح فقہ میں بھی کمال رکھتے تھے، احمد آباد، بھیونڈی، دھوراجی کے دوران قیام تدریس کے ساتھ افتا کی ذمہ داریاں بھی سنبھالتے تھے، یہ اور بات ہے، کہ آپ شیخ الحدیث کی حیثیت سے متعارف ہوئے، آپ کے القاب میں فقیہ اور مفتی لکھنے کا رواج عام نہیں ہوا، تاہم وہ ایک اچھے فقیہ اور معتبر مفتی تھے، ان کے فتاوے کا مجموعہ موجود ہے، کاش چھپ کر منظر عام پر آجائے تو ان کی فقہی بصیرت طشت از بام ہوجائے، علامہ اعظمی کی متعدد کتابوں میں فقہی مسائل اور جزئیات ضمناً آئے ہیں، جنتی زیور اور سامان آخرت ان کی مستقل فقہی تصانیف ہیں۔

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

جنتی زیور:۔ یہ کتاب شوال ۱۳۹۹ھ میں سپرد قلم کی گئی، صفحات کی تعداد ۷۳۶ رہے، یہ کتاب عوام بالخصوص خواتین کے لیے لکھی گئی ہے، جو صحیح و معتمد مسائل اور بہترین آداب و خصائل کے ساتھ ساتھ عبرت خیز نصیحتوں اور رقت انگیز واقعات کا لاجواب مجموعہ ہے، عورتوں کی روزمرہ زندگی میں پیش آنے والے تمام مسائل کا حل اس کتاب میں مرقوم ہے اور مسلمان عورتوں کی دینی و دنیاوی ضرورتوں کے متعلق ضروری معلومات و مسائل اور فقہی احکام درج ہیں، معاملات، اخلاقیات، رسومات، ایمانیات، عبادات، اسلامیات، تذکرہ صالحات، متفرق ہدایات، عملیات اور میلاد و نعت جیسے مرکزی عنوانوں کے تحت ضروری ہدایات اور اسلامی مسائل و خصائل کا بیش بہا خزانہ ہے۔

سامان آخرت:۔ یہ کتاب ۱۴۰۵ھ میں لکھی گئی، صفحات کی تعداد ۵۰۴ رہے، کتاب ہذا فقہ میں حضرت علامہ کی مستقل تصنیف ہے، جس کے اندر عقائد، طہارت، نماز، زکوۃ، روزہ، حج وزیارت، نکاح، حقوق، رزق حلال، اسلامی معاشرہ جیسے خاص عنوانات کے ذیل میں شرعی احکام و مسائل کثیر تعداد میں درج کیے گئے ہیں، نوجوان طبقہ کے لیے کچھ ایسی مخصوص ہدایات اور خاص نصیحتیں بھی لکھی گئی ہیں، جنھیں پڑھ کر وہ اپنی زندگی کو اخلاقیات و روحانیات کے سانچے میں ڈھالیں، آخر میں ''علمائے سلف کی عبادتیں'' کے عنوان سے ۷۵ ربزرگان دین کی عبادت وریاضت کے ایمان افروز واقعات تحریر کیے ہیں، جنھیں پڑھ کر قاری کے دل میں اللہ رب العزت کی طاعت و بندگی کا جذبہ بیدار ہوتا ہے۔

سیرت

سیرۃ المصطفیٰ:۔ یہ کتاب ۱۳۹۶ھ میں سپرد قلم کی گئی ہے، صفحات کی مجموعی تعداد ۸۹۶ رہے، سیرۃ النبی کے موضوع پر اردو میں بہت سی کتابیں لکھی گئیں، جن میں بعض بہت مختصر اور بعض بہت طویل ہیں، حضرت علامہ اعظمی نے اس موضوع پر ایک متوسط کتاب لکھی، جو سیرت نبوی کے تمام اہم گوشوں کو روشنی میں لاتی ہے، یوں تو طویل و مبسوط کتب سیرت کے زمرہ میں یہ کتاب مختصر ہے مگر اختصار کے باوجود قاری کو سیرت نبوی کے تمام پہلوؤں سے روشناس کرتی ہے، طرز بیان سادہ اور دلکش ہے، حالات وواقعات کو بڑی خوبی کے ساتھ احاطۂ تحریر میں لانے کی کامیاب کوشش کی گئی ہے، عوام اور متوسط اردو خواں طبقہ کے لیے انمول تحفہ ہے۔

سلسلہ خطبات

حضرت علامہ اعظمی ایک بے نظیر خطیب تھے، درس و تدریس کے علاوہ ہندوستان کے طول و

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

عرض میں تبلیغی دورے ہوتے، آپ کے پرمغز، مدلل، دلآویز خطبات ومواعظ سے ہزاروں مسلمانوں نے صلاح وتقویٰ کی زندگی اختیار کی اور سیکڑوں افراد نے بدعقیدگی اور گمراہی سے تائب ہوکر صراط مستقیم اختیار کی، حضرت کے مواعظ حسنہ سنجیدہ متین لب ولہجہ میں ہوتے، لفظ لفظ سننے والوں کے دلوں میں اتر جاتا، بیان میں سلاست وروانی، زبان سہل وسادہ، مضامین میں تسلسل ہوتا، اثر آفرینی کے لحاظ سے ''از دل ریزد بردل خیزد'' کی کیفیت ہوتی، درمیان وعظ لطائف وظرائف سے بھی کام لیا جاتا اور ان سے مفید نتائج اور نکتے سامنے لائے جاتے، یہی ساری خصوصیات آپ کے خطبات کے مجموعوں میں پائی جاتی ہیں، آپ نے بلاشبہ ہزاروں جلسوں اور محفلوں کو خطاب فرمایا اور سامعین کے اندر ایمانی روح اور اسلامی حرارت پیدا کی، حضرت علامہ نے اپنے مواعظ کو قلمبند فرما کر آنے والی نسلوں پر زبردست احسان فرمایا، آپ کی تقریروں کے مندرجہ ذیل مجموعے دنیائے علم سے خراج تحسین وصول کر رہے ہیں، جن کے اندر ایمانیات، اسلامیات، روحانیات، سیرت، معاملات کے موضوع پر گرانقدر خطبات جمع کر دیے گئے ہیں۔

<u>ایمانی تقریریں۔</u> یہ کتاب <u>۱۳۸۷ھ</u> میں لکھی گئی، ۳۲۸ صفحات پر مشتمل ہے، یہ حسب ذیل سات مواعظ کا مجموعہ ہے۔

(۱) رب العالمین (۲) رحمۃ للعالمین (۳) سید المرسلین (۴) محبوب العارفین (۵) حضور العاشقین (۶) قرآن مبین (۷) بشارۃ المومنین۔

<u>نورانی تقریریں:۔</u> <u>۱۳۸۸ھ</u> میں ضبط تحریر میں لائی گئی، صفحات کی تعداد ۳۵۲ ہے، حسب ذیل سات مواعظ درج ہیں۔

(۱) عظمت میلاد (۲) تجلیات معراج (۳) برہان معجزات (۴) معرکہ حق و باطل (۵) اولیائے کرام (۶) دعوت فلاح (۷) فضیلت نماز۔

<u>حقانی تقریریں:۔</u> <u>۱۳۸۹ھ</u> میں سپرد قلم کی گئی، ۴۰۰ صفحات پر مشتمل ہے، مندرجہ ذیل چھ مواعظ کا مجموعہ ہے۔

(۱) خلق عظیم (۲) اسوۂ حسنہ (۳) خلفائے راشدین (۴) شہدائے کربلا (۵) قربانی (۶) غوث اعظم۔

<u>قرآنی تقریریں:۔</u> <u>۱۳۹۲ھ</u> میں حیطۂ تحریر میں لائی گئی، صفحات کی تعداد ۳۶۸ ہے، حسب ذیل دس مواعظ مرقوم ہیں۔

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

(۱)خداوندی جلال و جمال (۲)مغفرت کی تین شرطیں (۳)دربارنبوت کا ادب (۴)رسول کاعلم غیب (۵)نعرہ رسالت (۶)بشریت مصطفیٰ (۷)اسلامی زندگی (۸)تفسیر سورۂ تبت یدا (۹)تین محبوب خصائل (۱۰)فلسفۂ موت۔

عرفانی تقریریں:۔ ۱۳۹۴ھ میں تحریر کی گئی،صفحات کی تعداد ۲۹۶رہے، جوحسب ذیل دس مواعظ پر مشتمل ہے۔

(۱)سورہ فاتحہ کی تجلیاں (۲)روزازل کے دواجلاس (۳)حضرت عیسیٰ قرآن کے آئینے میں (۴)اسباب زوال (۵)جنگ تبوک اور تین صحابہ (۶)صحبت بد سے بچو(۷)منافقین بے نقاب (۸) وجاہت کلیم اللہ(۹)عیدمیلاد (۱۰)حج وزیارت۔

شاعری

علامہ اعظمی اپنی تدریسی زندگی کے اوائل میں شعروسخن کی طرف مائل ہوئے، قدرت نے قوت نظم کے ساتھ فکررسا، پرواز تخیل کا ملکہ عطافرمایا تھا، جسے بروئے کارلاکرآپ ایک قادرالکلام شاعر بن گئے اور اصناف شعروسخن، نعت، غزل، قومی نظم میں کامیاب طبع آزمائی فرمانے لگے، ایک مختصر مجموعۂ کلام بھی مرتب کرلیا تھا، چھپنے کی نوبت نہ آئی تھی کہ نذرآتش ہوگیا، اپنی شاعری اور سرمایہ شعر کے تلف ہونے کا ذکران الفاظ میں کرتے ہیں۔

’’مجھے زمانہ طالب علمی میں شعروسخن کا اچھا ذوق ہوگیا تھا، نعت شریف اور قومی نظموں کے علاوہ غزل کی صنف میں بھی طبع آزمائی کرتا تھا اور باقاعدہ مشاعروں میں شرکت کرتا رہا، اپنے کلاموں کا ایک مختصر مجموعہ بھی مرتب کرلیا تھا، مگر دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور میں میرے کمرے کے اندر آگ لگ گئی، جس میں قیمتی کتابوں کے ساتھ یہ بیاض بھی نذرآتش ہوگئی، اب دس سال سے یہ ذوق ہی ختم ہوگیا اور میرے بعض تلامذہ کے پاس میری چند نظمیں اورغزلیں اس طرح باقی رہ گئی ہیں۔

کچھ بلبلوں کو یاد ہیں کچھ قمریوں کو حفظ
بکھری ہوئی چمن میں مری داستان ہے

(معمولات الابرارص۱۷۵)

اس حادثے کے بعدہجوم کار، تدریسی وتبلیغی مصروفیتوں نے باقاعدہ شعروشاعری کا موقع نہ دیا اور دنیائے شعروسخن ایک ابھرتے ہوئے شاعرکی شعری کائنات سے تہی داماں رہ گئی، شعری ذوق

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کبھی کبھی بیدار ہوتا اور اپنے جذبات واحساسات کو شعر کے قالب میں پیش کر دیتے، مختلف تصانیف میں متعدد حمد ونعت، مناجات وقطعات اور ملی نظموں کے مطالعہ سے آپ کے شاعرانہ کمالات اور محاسن کلام کا اندازہ ہوتا ہے۔

کلام میں برجستگی اور سلاست وروانی ہے، سیدھے سادے الفاظ میں معانی کی بلندی، فکر کی گہرائی نمایاں ہے، سوز دروں اور اخلاص وارادت کے جذبات نے کلام میں بھر پور قوت تاثیر پیدا کردی ہے۔

حمد ومناجات میں شان کبریائی کا تقدس اور خدائے بے نیاز کے روبرو بندۂ سراپا نیاز کی نیاز مندی، نعتوں میں حب رسول اور دیار حبیب کا شوق بیکراں، اہم تلمیحات اور خصائص وفضائل محبوب کردگار کا بیان، جذبوں کی صداقت نے کلام میں ملکی تقدس پیدا کردیا ہے، ذیل میں بطور نمونہ کچھ اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

http://t.me/Tehqiqat

حمد ومناجات:۔

اے مرے معبود حق اے کردگار — سارے عالم کا تو ہے پروردگار
فضل سے تیرے ہی اے رب کریم — گلشن ہستی کی ہے ساری بہار
کردیا مجھ کو غلام مصطفیٰ — ہوگیا میں دو جہاں کا تاجدار
ناز ہے اتنی سی نسبت پر مجھے — میں ہوں مجرم اور تو آمرز گار

نعت:۔

در رسول سے ہرگز میں ٹل نہیں سکتا — بہشت سے بھی مرا دل بہل نہیں سکتا
مئے رسول کا ایسا سرور ہے مجھ پر — خرد کی ترشی کا جادو بھی چل نہیں سکتا
ہے تیزگام بہت ہی یہ آفتاب مگر — نہ پائے ان کا اشارہ تو چل نہیں سکتا
سکینہ حب نبی کا ہو جس کے سینے میں — ہزار حشر ہو وہ دل دہل نہیں سکتا

کرم ہے مہر مدینہ کا اعظمی مجھ پر
مرے عروج کا خورشید ڈھل نہیں سکتا

☆☆☆

سید عالم نبی الانبیا میرے رسول — اولین و آخریں کے پیشوا میرے رسول
صدر بزم انبیا مولائے کل فخر رسل — محرم اسرار حق شان خدا میرے رسول

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

مطلع انوار رشک آفتاب و ماہتاب   نیر برج شرف نور خدا میرے رسول
جن کے قدموں سے ہے وابستہ دوعالم کی نجات   وہ امیر کارواں وہ حق نما میرے رسول
اعظمی ایماں ہے رب العالمیں میرا خدا
رحمۃ للعالمین صل علی میرے رسول

دعا:۔

اے خدا وند جہاں اے کردگار   تیری رحمت کا ہوں میں امیدوار
گوکہ میں اک بندہ ناکارہ ہوں   بیکس و مجبور ہوں بے چارہ ہوں
تیری رحمت سے مگر دل شادہوں   نعمتوں کے باغ کا شمشاد ہوں
تو نے ایسا فضل مجھ پر کردیا   رحمتوں سے میرا دامن بھر دیا
اے خدا جب تک رہیں لیل و نہار   دوجہاں میں ہو یہ میری یادگار
غنچہ امید کھل کر پھول ہو   نور کی سرکار میں مقبول ہو
آنکھ روشن پڑھ کے ہو دل سیر ہو   اور میرا خاتمہ بالخیر ہو
کر دعائے اعظمی یا رب قبول   بہر اصحاب نبی آل رسول

☆☆☆

نگار طیبہ ازل سے ہے آرزو تیری   میرے وجود کا مقصد ہے جستجو تیری
ترا سکوت ہے لطف و کرم کی اک دنیا   نسیم خلد کی جنت ہے گفتگو تیری
مری وفات کا دن میری عید کا دن ہو   بوقت مرگ جو صورت ہو روبرو تیری
نسیم خلد نے مانگی ہے بھیک خوشبو کی   کھلی مدینہ میں جب زلف مشکبو تیری
نہ چھوٹے دامن عبدیت اعظمی ان کا
اسی سے دونوں جہاں میں ہے آبرو تیری

حسن یوسف اور ہے طہٰ کا جلوہ اور ہے   ماہ کنعاں اور ہے مہر مدینہ اور ہے
آسماں پر گئے ادریس و عیسیٰ شک نہیں   دم میں سیر لامکاں معراج اسریٰ اور ہے
ہے خلیل اللہ حبیب اللہ میں فرق عظیم   شان خلت اور ہے تاج فترضیٰ اور ہے
جنتی پھولوں کی خوشبو تو مسلم ہے مگر   نکہت گل اور ہے ان کا پسینہ اور ہے
اعظمی تھی نوح کی کشتی میں عالم کی نجات

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

اہل بیت پاک کا لیکن سفینہ اور ہے

یہ حالت ہے اب سانس لینا گراں ہے
مگر آپ کا نام ورد زباں ہے

کوئی جانے کیا اس کا پرچم کہاں ہے
سر عرش جس کے قدم کا نشاں ہے

یہ سارا جہاں ان کے زیر قدم ہے
کہ پامال ان کا مکاں لا مکاں ہے

کف دست رحمت میں ہے سارا عالم
زمیں آپ کی آپ کا آسماں ہے

مسلم ہے ان کو خدا کی نیابت
کلام خدا مصطفٰے کی زباں ہے

نہ پوچھ اعظمی منزل سر بلندی
مرا سر ہے محبوب کا آستاں ہے

حاجیو! اب گنبد سرکار تھوڑی دور ہے
رحمت حق کا علمبردار تھوڑی دور ہے

ہے خریدار گنہ رحمت کا تاجر جس جگہ
عاصیو! وہ مصطفٰے بازار تھوڑی دور ہے

عشق و مستی میں قدم آگے بڑھا کر دیکھ لو
گنبد خضرٰی کا وہ مینار تھوڑی دور ہے

اللہ ! اللہ! وہ گلستان مدینہ مرحبا
پھول سے بہتر ہیں جسکے خار تھوڑی دور ہے

دشت طیبہ ہے یہاں چل سر کے بل اے اعظمی
مصطفٰے کا جنتی دربار تھوڑی دور ہے

☆☆☆

http://t.me/tehqiqat

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کارنامے

http://t.me/Tehqiqat

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

حضرت امام احمد بن حنبل

شخصیت اور کردار

صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی مقدس جماعت کے بعد ہمیں اسلامی دنیا میں ان مقتدر اور باکمال علما و صلحا، محدثین و فقہا، صوفیا و زہاد کا گروہ نظر آتا ہے، جس نے احیائے دین، بقائے دین اور شریعت محمدی کی ترویج و اشاعت میں اپنی زبان و قلم سے بھرپور حصہ لیا، درس و تدریس کے سلسلے میں قیمتی زندگیاں وقف کیں اور اپنی ذہنی و فکری صلاحیتوں سے ریاض دین کی آبیاری فرمائی۔

حصول علم کے ابتدائی مراحل سے لے کر مسند تدریس و افتا پر فائز ہونے تک ان اکابرین امت نے کتنی تکلیفیں سہیں، کتنے مصائب سے دوچار ہوئے، کتنے صبر آزما مراحل سے گزرے، ان کے حالات زندگی کے یہ صبر آزما واقعات ہمیں مجسمۂ حیرت بنا دیتے ہیں۔

دوسری صدی ہجری کے آغاز ہی میں بہت سے ایسے باکمال اور قابل محدثین و فقہا کی شخصیتیں ہمیں نظر آتی ہیں، جنھوں نے علوم اسلامیہ کی ترویج و اشاعت میں اہم کارنامے انجام دیے ہیں، مگر ان شخصیتوں میں جملہ علمی کمالات کے باوصف ایسے لوگ بہت کم نظر آتے ہیں، جنھوں نے بلاخیز طوفانوں کی زد پر شمع علم و ہدایت روشن کی ہو اور تختۂ دار اور چمکتی ہوئی تلواریں، سنسناتے ہوئے تیر، نیز قید و بند کی مشقتیں بھی انھیں جادۂ حق سے نہ ہٹا سکی ہوں اور وہ ایسے پرآشوب اور بھیانک ماحول میں بھی اسلام و ایمان کی بقا اور سالمیت کے لیے وقت کی عظیم طاقتوں سے برسر پیکار رہے ہوں، انہیں باکمال اور مقدس علما و فضلا محدثین و فقہا کی مخصوص جماعت سے حضرت امام احمد بن جنبل بھی تعلق رکھتے ہیں، جو بیک وقت فقہ و حدیث، علم قرآن اور دیگر علوم و فنون کے جامع ہونے کے باوصف حق گوئی و صداقت، شجاعت و جوانمردی کے مرد مجاہد تھے، جو سنگین اور پرآشوب حالات میں بھی بلاخوف و خطر صداقت و سچائی کے راستے پر گامزن رہے، آپ کی حق گوئی و صداقت نے خلیفۂ وقت کو بھی عاجز کر دیا تھا۔

امام احمد بن حنبل ۱۶۴ھ میں بمقام بغداد پیدا ہوئے، آپ بغداد کے ایک معزز خاندان سے تعلق رکھتے تھے، جو خاندان نبوت سے متعلق تھا، لڑکپن ہی میں باپ کا سایۂ عاطفت سر سے اٹھ گیا،

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

شفیق باپ نے آپ کو آلام ومصائب کا مقابلہ کرتے ہوئے حصول علوم اسلامی اور اشاعت وبقائے دین کے لیے تنہا چھوڑ دیا۔

آپ کی تعمیر حیات میں پانچ چیزیں بہت اہمیت رکھتی ہیں، جنھوں نے آپ کو ایک اعلیٰ انسان بنادیا تھا۔(۱) حسب ونسب کا شرف (۲) یتیمی، جس نے آپ کے اندر خود اعتمادی پیدا کردی تھی (۳) فقر (۴) قناعت، جس نے فکر ونظر کی صلاحیت سے بہرہ ور کیا (۵) تقویٰ، جس نے خدا کے علاوہ ہر چیز سے نڈر بنادیا، اس کے علاوہ خداداد ذہانت، جس نے آپ کے فکر ونظر کو کمال بصیرت عطا کیا۔

امام صاحب نے جب ہوش سنبھالا، اس زمانہ میں بغداد علم وفن کا مرکز بنا ہوا تھا، بغداد میں محدثین، فقہا، مفسرین، فلاسفہ، شعرا وادبا اور دیگر علوم وفنون کے ماہرین کا جم غفیر موجود تھا، خاندان والے آپ کی ذہانت دیکھ کر یہ چاہتے تھے، کہ احمد پڑھیں اور فقہ وحدیث، علم وقرآن اور دیگر علوم وفنون میں کمال حاصل کر کے یکتائے روزگار بنیں۔

آپ نے سب سے پہلے حفظ کیا، اس کے بعد فن کتابت میں مہارت حاصل کی اور پھر دوسرے علوم کی تحصیل کی جانب متوجہ ہوئے، صغرسنی ہی کے زمانہ میں آپ کی ذہانت اور بیدار مغزی دیکھ کر بعض اکابر نے پیشین گوئی کی تھی، کہ اگر یہ لڑکا زندہ رہا، تو اپنے وقت کا باکمال انسان ہوگا۔

آپ کے زمانہ میں فقہ وحدیث کا بڑا چرچا تھا، امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد رشید حضرت امام ابو یوسف کے درس حدیث میں شامل ہوئے اور یہیں سے آپ کا رجحان حصول حدیث نبی اکرم علیہ السلام کی جانب زیادہ ہوا، آپ نے اپنی ساری کوششیں اور ذہنی صلاحیتیں حصول حدیث کے لیے وقف کردیں۔

اس سلسلے میں آپ نے بغداد کے محدثین کے علاوہ بلاد اسلامیہ کے مختلف گوشوں میں قیام پذیر محدثین سے کسب علم حدیث فرمایا، آپ نے اس سلسلے میں دور دراز کا سفر فرمایا، سفر کے آلام ومصائب راستے کی پرخار اور پر پیچ وادیاں سلسلۂ کوہ وبیاباں کے دشوار گزار مرحلے آپ کو اس ارادہ سے باز نہ رکھ سکے اور نہ زیادہ سے زیادہ علم حاصل کر کے آپ کی طبیعت سیر ہوئی نہ حصول علم کی پیاس بجھی۔

ذوق علم میں دور دراز کا سفر اس حالت میں فرماتے، کہ آپ کی پیٹھ پر کتابوں کا بھاری گٹھر ہوتا اور آپ بے تکان منزل بہ منزل راستہ طے کرتے اپنی منزل مقصود کی طرف چلتے رہتے، اگر اثنائے راہ زاد راہ ختم ہوجاتا، تو وہیں چند دنوں کے لیے سفر ملتوی کر کے مزدوروں کے گروہ میں شامل ہوجاتے اور جب کچھ پیسے ہاتھ آجاتے پھر سفر شروع کردیتے۔

آپ نے حصول حدیث کے سلسلے میں بصرہ، دمشق، یمن، حجاز مقدس اور دوسرے مقامات کے

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

طول وطویل سفر کیے، آپ جب بھی مکہ معظّمہ تشریف لے جاتے، حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کے درس میں ضرور شریک ہوتے، استاذ وشاگرد کو ایک دوسرے سے بے پناہ عقیدت ومحبت تھی، والدہ ماجدہ آپ کو حصول علم اور نیک کاموں کے لیے ابھارتی رہتیں، مگر ساتھ ہی ساتھ یہ بھی فرماتیں، اپنی صحت کا ضرور خیال کیا کرو اور بعض اوقات دور دراز کے سفر سے بوجہ خرابی صحت منع بھی فرماتیں، مگر تشنگیٔ علم انھیں منزل کی طرف کھینچ ہی لے جاتی۔

حصول علم کے لیے چالیس سال تک امام صاحب نے بے پناہ تکلیفیں سہیں اور فضل وکمال، علم وفن کے ایسے روشن آفتاب بنے، جس کی شعاعوں نے پوری دنیائے اسلام کو جگمگا دیا، جس وقت آپ مسند تدریس و افتا پر جلوہ افروز ہوئے، مملکت اسلامیہ کے گوشے گوشے سے ہزاروں شائقین علم وفن پروانہ وار درس میں شامل ہونے کے لیے اس شمع علم وفن کے گرد جمع ہوگئے اور اپنے قلوب واذہان کو علم کی شعاعوں سے منور کرلیا۔

بعض مورخین کا کہنا ہے، کہ آپ کے حلقۂ درس میں لگ بھگ پانچ ہزار تشنگان علم شرکت کیا کرتے تھے، آپ کی فطری جولانی طبع خداداد قوت تفہیم، اعلیٰ ترین اجتہادی شان اور بے پایاں علم حدیث نے آپ کو ائمہ اسلام کی صف میں شامل کردیا۔

آپ اسلام کے ان چار ائمہ میں سے ایک ہیں، جنھوں نے قرآن وحدیث کی روشنی میں الگ الگ طریقہ اجتہاد اور استدلال کی بدولت جداگانہ مسائل اور احکام شرع کا استنباط فرمایا۔

ابتدائے عمر ہی سے آلام ومصائب اور مشقتوں نے آپ کو رنج والم کا خوگر بنادیا تھا، یہی وجہ ہے، کہ آخر عمر تک پیش آنے والے آلام ومصائب اور ظلم واستبداد میں آپ ثابت قدم رہے اور عزم و استقلال کا پیکر بن کر ہر مصیبت، ہر ظلم کو اقامت دین اور اشاعت اسلام کے لیے خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت فرمایا۔

عہد مامون میں ''خلق قرآن'' کے عظیم فتنے نے سر ابھارا اور خود مامون اس کا بانی نہیں، تو موید اور پرجوش مقلد ومبلغ ضرور تھا، مامون نے عقیدۂ خلق قرآن کی اشاعت کے سلسلے میں اپنی حکومت کے رعب ودبدبہ اور عظمت وجلال کا سہارا لیا، اپنے دربار میں وقت کے فقہا، محدثین، علما وفضلا کو بلا کر اس مسئلے کو تسلیم کرنے کی دعوت دیتا تھا، پہلے تو اس مسئلہ کو نہ تسلیم کرنے والوں کو لالچ دیتا اس پر بھی آمادہ نہ ہوتے، تو ڈراتا، دھمکاتا، اگر اس دھمکی کے باوجود لوگ نہ مانتے، تو ان کو قتل کرا دیتا۔

اس پرآشوب دور میں بہت سے لوگوں نے مصلحت وقت اور حکومت کے رعب ودبدبہ کی بنا پر اس عقیدہ کو تسلیم کرلیا اور جنھوں نے تسلیم نہیں کیا، وہ قتل کردیے گئے، اس فتنہ نے علم وفضل کے ہزاروں

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

بے بہا موتیوں سے مسلم معاشرت کو محروم کر دیا تھا۔

وہ لوگ جنھوں نے شاہانہ اقتدار سے مرعوب نہ ہو کر اس فتنہ کا مقابلہ کیا اور ہر ظلم و ستم برداشت کیا، ان میں سرفہرست حضرت امام احمد بن جنبل کا نام آتا ہے، جنھوں نے برسر دربار تلواروں اور کوڑوں کے سائے میں بھی قرآن کو مخلوق تسلیم کرنے سے صاف انکار کر دیا، فضل وکمال، تقوی وطہارت، علم وفن کی اس یکتائے روزگار شخصیت نے نامساعد حالات اور وقت کے جبر وتشدد کا ڈٹ کر مقابلہ کیا، ظلم وتشدد کے طوفان اور جبر واستبداد کی تیز وتند آندھیاں بھی آپ کے پائے عزم وثبات کو جنبش نہ دے سکیں، گراں بار زنجیریں، برستے ہوئے کوڑے، قید خانے کی بامشقت کوٹھریاں بھی آپ کو حق بات کہنے سے نہ روک سکیں اور ہمیشہ یہی کلمہ زباں پر جاری رہا، قرآن کلام الٰہی ہے اور کلام الٰہی غیر مخلوق ہے۔

مامون کی موت کے بعد اس کا بھائی معتصم باللہ بن ہارون الرشید ۲۱۸ھ ۸۳۳ء تا ۲۲۷ھ ۸۴۱ء) عباسی مسند خلافت پر بیٹھا، اس کے زمانہ میں یہ فتنہ اور بھی زیادہ زور پکڑ گیا، معتصم اس سلسلے میں مامون سے کہیں زیادہ سخت گیر اور تشدد پسند واقع ہوا تھا، اس نے خلق قرآن کے عقیدہ کو تسلیم نہ کرنے کے جرم میں بہت سے علما وفضلا کو قتل کرا دیا اور کتنوں کو قید وبند کی سزا میں مبتلا کر دیا۔

حضرت امام احمد بن جنبل کو بھی معتصم نے بھرے دربار میں بلایا، درباری علما سے بحث ہوئی، حضرت امام نے معترضین کے تمام سوالات کے اتنے مدلل جواب دیے کہ وہ خاموش ہو گئے اور ان سے ایک نہ بنی۔

امام صاحب کی بے باکی اور درباری علما کی شکست فاش نے معتصم کو چراغ پا کر دیا، اس نے انتہائی غصہ کے عالم میں جلادوں کو حکم دیا، کہ احمد کو کوڑے لگائے جائیں، یہ حکم سن کر جلادوں نے امام صاحب کا کرتا اتار کر ننگی پیٹھ پر کوڑے برسانے شروع کر دیے، کچھ دیر بعد معتصم کو رحم آیا اور خود تخت سے اٹھ کر امام صاحب کے پاس آیا اور کہا اے احمد خدا کی قسم میں تمہیں اپنے بیٹوں سے زیادہ عزیز رکھتا ہوں، اگر تم خلق قرآن کا اقرار کر لو، تو میں خود اپنے ہاتھوں سے تمہارے پاؤں کی زنجیریں کھول دوں، آپ نے فرمایا، قرآن حکیم اور حدیث سے اس کا ثبوت دو، میں ابھی قبول کر لیتا ہوں، اس پر معتصم اور بھی برہم ہو گیا، دوبارہ جلادوں کو کوڑے برسانے کا حکم دیا۔

آپ کی پشت مبارک پر اس قدر کوڑے برسائے گئے، کہ پشت مبارک سے خون کے فوارے جاری ہو گئے، گوشت کے ٹکڑے کٹ کٹ کر گرنے لگے، غش کھا کر زمین پر گر پڑے، جب آپ پر ظلم وستم کے یہ پہاڑ توڑے جا رہے تھے، وہ رمضان المبارک کا مہینہ تھا، آپ روزے پر روزے رکھ رہے تھے،

http://t.me/tehqiqat

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

زخموں سے نڈھال پشت مبارک سے متواتر خون جاری رہا کرتا تھا اور اسی حالت میں آپ نماز ادا فرماتے، کسی نے آپ سے پوچھا، اس حالت میں نماز پڑھتے ہیں، جب کہ پشت مبارک سے خون جاری ہے، آپ نے فرمایا، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بھی ایسا ہی کیا تھا۔

کوڑوں کی بارش کے باوجود جب آپ نے حق گوئی وبیبا کی کا ثبوت دیا، تو معتصم نے قید کر دیا اور قید خانے میں بھی ۲۸ ماہ کی طویل مدت تک روح فرسا آزار میں مبتلا کیے گئے اور قید وبند کی حالت میں بھی معتصم کی کوششیں جاری رہیں، کہ امام عقیدۂ خلق قرآن تسلیم کر لیں، مگر آپ اس حالت میں بھی عزم واستقلال کی مضبوط چٹان کی طرح اپنی جگہ اڑے رہے اور وقت کے سپر پاور کے سامنے کبھی نہ جھکے۔

بالآخر معتصم باللہ کے مرنے کے بعد خلیفہ واثق (۲۲۷ھ ۸۴۱ء تا ۲۳۲ھ ۸۴۶ء) کے زمانہ میں یہ شورش کم ہوئی اور آپ قید سے رہا کیے گئے۔

تدریس وافتا کے شغل میں منہمک ہو گئے اور دور دراز سے حصول علم کے لیے آپ کے گرد لوگ اکٹھا ہونا شروع ہو گئے۔

واثق باللہ کے بعد اس کا بھائی جعفر بن معتصم متوکل علی اللہ کے لقب سے ۲۳۲ھ ۸۴۶ء میں تخت نشین ہوا، یہ بڑا دین دار اور نیک خصلت خلیفہ تھا، اس نے احیائے سنت رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلے میں بہت اہم کارنامے انجام دیے۔

بانی فتنۂ خلق قرآن قاضی ابن داؤد جس نے حکومت کا سہارا لے کر ہزاروں علما وفضلا کو بے گناہ قتل کرایا، اسے عہدہ سے معزول کر کے ساری جائداد ضبط کر لی اور ان علما وفضلا کو جن پر سابقہ حکومتوں نے مظالم ڈھائے تھے، ان کی حتی الوسع تلافی کی، اس خلیفہ کو حضرت امام سے بے پناہ عقیدت ومحبت تھی، اس نے آپ کو کئی بار گرانقدر تحفے پیش کیے، مگر آپ نے انھیں قبول کرنے سے انکار فرما دیا اور کہا، میری کھیتی میرے اخراجات کے لیے کافی ہے، میں اتنا مال واسباب لے کر کیا کروں گا؟ اسی خلیفہ کے زمانہ میں ۲۴۱ھ میں یہ آفتاب علم وہدایت ہمیشہ کے لیے غروب ہو گیا، مگر آج تک اقصائے عالم میں پھیلائی ہوئی اس کی روشنی فرزندان توحید کے لیے مشعل راہ بنی ہوئی ہے اور اسلامی مکتب فکر کا ایک بہت بڑا گروہ آپ کے مسلک پر کاربند ہے اور یہ گروہ حنبلی کہلاتا ہے۔

مورخین کا کہنا ہے، کہ آپ کی نماز جنازہ میں آٹھ لاکھ مرد اور ساٹھ ہزار عورتوں نے شرکت کی اور آپ کے جنازہ پر پرندوں نے سایہ کیا، آپ کی اس کرامت کو دیکھ کر اسی دن بیس ہزار یہودی اور نصرانی حلقہ بگوش اسلام ہوئے، خدا آپ کے مرقد مقدس پر رحمتوں کے پھول برسائے۔

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

علامہ ابن جریر طبری علیہ الرحمہ شخصیت اور کارنامے

دنیائے علم وفضل میں جو بلند قامت شخصیتیں اپنے بیکراں علم وفضل اور بے پناہ شعور ودانش، بے انداز ہ فکر وبصیرت اور گرانقدر علمی یادگاروں کے سبب ممتاز ہوئیں، انھیں عظیم المرتبت ہستیوں میں ابو جعفر محمد بن جریر بن یزید بن خالد الطبر ی کی ذات گرامی بھی تھی، جن کا بے مثال تبحر علمی اور گوناگوں علوم و فنون میں کامل مہارت دنیائے علم وفن میں مسلم ہے۔

آج سے تقریباً ساڑھے گیارہ سو سال پیشتر یہ آفتاب علم وفن آسمان علم وفضل پر جلوہ گر ہوا تھا ،مگر اس طویل مدت کے گزر جانے کے بعد بھی اس کی شعاعیں ارباب علم ودانش کو جلا وقوت عطا کر رہی ہیں۔

جو علامہ موصوف کی عظیم علمی شخصیت ہونے کا زندہ ثبوت ہے، علامہ موصوف کی گرانقدر علمی یادگاریں ہر دور میں علما وفضلا کے لیے بیش قیمت سرمایہ رہی ہیں۔

ولادت اور تعلیم وتربیت:۔ علامہ ابن جریر طبری تیسری صدی ہجری کی چوتھی دہائی میں ۲۲۴ھ کے اواخر یا ۲۲۵ھ کے اوائل میں طبرستان کے مشہور شہر آفل میں تولد ہوئے، آپ کے والد گرامی شہر کے متمول ومعزز افراد میں شمار کیے جاتے تھے۔

خاندانی تمول اور شرافت نسب نے علامہ موصوف کی تعلیمی سرگرمیوں اور تبحر علمی میں معاونت کی ،مبدأ فیاض نے ابن جریر کو ذہن رسا اور بے مثال قوت حافظہ سے سرفراز فرمایا، کمسنی ہی میں حصول علم کی طرف متوجہ ہو گئے تھے اور سات سال کی مختصر سی عمر میں قرآن مجید مکمل حفظ کر لیا۔

حفظ قرآن حکیم کے بعد ابن جریر علوم دینیہ وحکمیہ نیز فنون ادب کی تحصیل کی جانب متوجہ ہوئے اور ابتدائی تعلیم اپنے وطن ہی میں حاصل کی ، جب تشنگی علم بڑھی، تو عالم اسلام کے باکمال ومقتدر علما وفضلا کی مجلس درس سے استفادہ کے لیے شفیق باپ سے سفر کی اجازت طلب کی، باپ نے اپنے ہونہار وباشعور لخت جگر کو زاد سفر کی مکمل تیاریوں کے ساتھ اجازت سفر عطا فرمائی۔

ابن جریر آفل سے چل کر رے پہنچے، رے اور جوار رے کے اکابر علما سے کسب فیض کیا، پھر وہ عالم اسلام کے مایہ ناز وفخر روزگار شہر بغداد آئے، جہاں حضرت امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ سے

http://t.me/tehqiqat

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

حصول فیض کا بڑا شوق تھا، مگر ابن جریر کو یہ شرف حاصل نہ ہو سکا، کیونکہ ان کے بغداد پہنچنے سے پہلے ہی امام احمد بن حنبل دار فانی سے رحلت فرما چکے تھے، بغداد میں کچھ دنوں قیام کے بعد ابن جریر مصر کے لیے آمادہ سفر ہوئے اور شام کی طرف رخ کیا، شام کے مختلف شہروں میں قیام پذیر ہو کر علوم وفنون حاصل کیے۔

مصر پہنچنے سے قبل ہی ابن جریر کی شہرت دور دراز بلاد اسلامیہ تک پہنچ چکی تھی، مصر والے بھی ان کے تبحر علمی اور کمال فضل سے متعارف ہو چکے تھے، چنانچہ جب ابن جریر مصر میں داخل ہوئے، تو علم دوست حضرات نے گرم جوشی سے ان کا استقبال کیا۔

زمانۂ تعلیم میں ابن جریر نے انتہائی محنت اور کدو کاوش سے علما وفضلا کے حلقۂ درس میں زانوئے ادب تہہ کیا اور فضل خداوندی کی اعانت نے انھیں علم وفضل کے اس مقام رفیع تک پہنچا دیا، جہاں سے ان کی شعاع علم، معلوم دنیا کے گوشے گوشے تک پہنچی۔ محمد بن حمید الرازی، مثنی ابن ابراہیم الایلی، احمد بن حماد دارولابی، محمد بن بشار، ابو کریب، محمد ابن العلا، ابن جریر کے مشاہیر اساتذہ ہیں۔

علمی خدمات:۔ عرصۂ دراز تک تحصیل علوم وفنون کے بعد علامہ موصوف اپنے وطن مالوف طبرستان واپس آئے، لیکن زیادہ دنوں تک وطن میں ان کا قیام نہ رہ سکا۔

معجم الادبا کے مصنف کا بیان ہے، کہ جب علامہ ابن جریر طبرستان پہنچے، تو یہاں کا نقشہ ہی بدلا ہوا تھا، رفض وتشیع کا زور تھا، شیعی عقائد پھیلتے جا رہے تھے، جس کے نتیجہ میں حضرات صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی مقدس شخصیتوں کو سب وشتم کا نشانہ بنایا جا رہا تھا، وطن میں بڑھتی ہوئی گمراہی اور بدعقیدگی کو دیکھ کر ابن جریر نے اپنے فرائض منصبی اور علمی ذمہ داریوں کے بھرپور احساس کے ساتھ حضرات شیخین اور اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل ومناقب علی الاعلان بیان کرنے شروع کیے، انجام کار جابر حکومت وقت کو ابن جریر کا یہ عمل ناگوار گزرا جیسا کہ آج سیکولر ہندوستان میں ہے، کہ ہر مذہب وملت کے افراد کو اپنے پیشوایان مذاہب اور اکابر ملت کی مدح وستائش کا آئینی حق حاصل ہے، مگر یوپی کی راجدھانی میں یہ مسئلہ برسوں سے محل نزاع بنا ہوا ہے اور ایک طبقہ مدح صحابہ کرنے والوں کی زبانوں پر قفل لگا دینے کا مطالبہ کر رہا ہے۔

بہر حال حکومت نے ابن جریر کو مدح صحابہ کے جرم میں وطن سے ہجرت پر مجبور کر دیا، چنانچہ ابن جریر نے ترک وطن کے بعد بغداد میں قیام فرمایا۔

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ابن جریر نے زندگی کے آخری لمحات بغداد ہی میں بسر کیے، دین متین اور علوم اسلامیہ کی تبلیغ و اشاعت میں ساری عمر منہمک رہے، حکومت وقت نے بار ہا بیش قیمت تحائف اور عظیم مناصب کی پیش کش کی، لیکن ان کی شان استغنا اور غیور طبیعت نے کبھی قبول نہ کرنے دیا۔

طبقات شافعیہ میں مذکور ہے، کہ ایک بار آپ کو عہدۂ قضا بھی پیش کیا گیا، جسے آپ نے قبول نہ فرمایا، ہم نشینوں اور حلقہ بگوشوں نے کہا، اس عہدہ کا قبول کرنا تو ثواب تھا، اسے مسترد کیوں فرمادیا؟ آپ نے ناراضگی کا اظہار فرماتے ہوئے فرمایا، مجھے تم سے یہ امید تھی، کہ اگر میں یہ عہدہ قبول بھی کر لیتا تو تم مجھے اس سے باز رکھتے۔

علامہ ابن جریر پر بغداد میں بعض نازک اور صبر آزما اوقات بھی گزرے، لیکن نامساعد حالات میں بھی اپنی عالمانہ شان کو ہمیشہ قائم رکھا اور علمی خدمات انجام دیتے رہے۔

آپ کا علمی وقار، شہرت اور قبول عام دیکھ کر ناعاقبت اندیش حاسدوں نے ذات گرامی کو طعن وتشنیع کا نشانہ بھی بنایا، بعض خالی دماغ افراد نے تو آپ پر رفض والحاد کا بھی گھناؤنا الزام عائد کیا، ان حاسدوں کو کیا کہیے؟ کہ جس شیعیت کے خلاف دین حق کی حفاظت کے لیے انھوں نے مورچہ قائم کیا تھا اور جس جرم میں وطن مالوف سے آپ کا انخلا ہوا تھا، وہی الزام آپ کی بلند و بالا شخصیت پر عائد کیا گیا۔

بہر حال ابن جریر آخری دم تک عزم و استقلال اور جرأت و ہمت کے ساتھ نامساعدت روزگار کا سامنا کرتے رہے اور حق پرستی اور اشاعت علم میں سرگرم عمل رہے۔

انتقال:۔ علامہ ابن جریر نے علمی دنیا میں جو مقام بلند حاصل کیا، اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے، کہ جب ۲۵ رشوال ۳۱۰ھ کو آفتاب فضل و کمال غروب ہوا، تو سر زمین بغداد میں کہرام مچ گیا اور جس طرف یہ دلخراش خبر پہنچی، آہ و نالہ کا شور برپا ہوا اور جس نے بھی یہ خبر سنی بے اختیار اس کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں، ارباب علم و دانش نے خراج عقیدت پیش کیے، شعرا نے دردناک مرثیے لکھے، جسے پڑھ کر آج بھی ابن جریر کے سانحۂ ارتحال کا غم تازہ ہو جاتا ہے۔

فضل و کمال:۔ دنیا ابن جریر طبری کو عموماً ایک زبردست مورخ اور مفسر کی حیثیت سے جانتی ہے، اگر چہ یہ حقیقت بھی ہے، کہ ان کو تاریخ و تفسیر میں جو دستگاہ اور کمال حاصل تھا، وہ کسی اور فن میں نہ تھا، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں، کہ وہ دیگر علوم و فنون میں سطحی معلومات کے حامل تھے، بلکہ وہ تاریخ و تفسیر کے علاوہ فن تجوید و قرأت، علم فقہ اور علم حدیث، علم کلام، تصوف، نحو، صرف، ادب، معانی و بیان، منطق، ریاضی، جبر و مقابلہ اور طب پر بھی کامل عبور رکھتے تھے، جس کا واضح ثبوت ہے، کہ انھوں نے مختلف علوم و فنون پر انتیس بیش بہا

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

اور قیمتی تصنیفات یادگار چھوڑیں، مگر افسوس کہ اکثر تصانیف دستبرد زمانہ سے محفوظ نہ رہ سکیں اور آج صرف چند تصنیفات زیور طبع سے آراستہ ہو کر اسلامی علوم وفنون کے خزانہ کی متاع گراں بہا بنی ہوئی ہیں، ان میں تفسیر ابن جریر، تاریخ ابن جریر، الآثار الباقیہ عن القرون الخالیہ، ذیل المذیل، اختلاف الفقہا، الاعتقاد، اہل فکر وبصیرت اور ارباب علم ودانش کا خراج عقیدت وصول کر رہی ہیں۔

فن تجوید وقرأت اور ابن جریر:۔ حضرت علامہ نے اپنی تعلیم کا آغاز حفظ قرآن سے کیا تھا، تکمیل حفظ کے بعد علامہ موصوف نے فن تجوید وقرأت میں کمال حاصل کیا، معجم الادبا کے مصنف نے لکھا ہے، کہ آپ قرآن اتنا اچھا پڑھتے تھے، کہ دور دراز سے قرا آپ کی قرأت سننے کے لیے اور علما پیچھے نماز پڑھنے کے لیے آیا کرتے تھے۔

خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ میں ابوعلی طوماری کا ایک واقعہ نقل کیا ہے، کہ ابوعلی طوماری اپنے استاد ابوبکر بن مجاہد کے ساتھ تراویح کے لیے رمضان کی کسی آخری شب میں روشنی لیے ہوئے جا رہے تھے، ابن مجاہد چلتے چلتے ابن جریر طبری کی مسجد کے پاس کھڑے ہوگئے، ابن جریر اس وقت مسجد میں سورۂ رحمٰن پڑھ رہے تھے، وہ دیر تک قرأت سنتے رہے، جب واپس لوٹے، تو ابوعلی طوماری نے عرض کیا، کہ آپ نے لوگوں کو اپنا منتظر رکھا اور یہاں قرآن سنتے رہے، ابوبکر بن مجاہد نے کہا، کہ تمھیں کیا خبر، کہ اللہ تعالیٰ نے کیسا آدمی پیدا کیا ہے؟ جو اس قدر اچھا قرآن پڑھتا ہے۔

فن قرأت میں ابن جریر نے منصب امامت حاصل کرلیا تھا اور اس فن میں انھوں نے کئی تصانیف یادگار چھوڑیں۔

ابوعلی الحسن بن علی الاہوازی ۴۴۶ھ کہتے ہیں، کہ میں نے فن قرأت میں ابن جریر کی ایک کتاب آٹھ جلدوں میں دیکھی ہے، اس میں انھوں نے قرآن حکیم کی تمام مشہور اور شاذ قرأتوں کو جمع کیا ہے اور ان میں اپنی پسندیدہ قرأتوں کا بھی ذکر کیا ہے۔

معجم الادبا کے مصنف نے ابن جریر کی ایک اور کتاب ''الفصل بین القرأت'' کا ذکر کیا ہے، جس میں ابن جریر نے حروف قرآن کے بارے میں قاریوں کے اختلافات کو واضح کیا ہے، مکہ، مدینہ، کوفہ، بصرہ، شام وغیرہ کے قاریوں کا مفصل ذکر ان کی قرأتوں کی توضیح ہے اور ان میں قابل ترجیح قرأتوں کو دلائل سے ثابت کیا ہے۔

ابن جریر اور تفسیر:۔ علامہ ابن جریر جس طبقۂ مفسرین سے تعلق رکھتے تھے، اس سے قبل مفسرین کرام کے تین دور گزر چکے تھے۔

http://t.me/Tehqiqat

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

(۱) پہلا دور عہد صحابۂ کرام

(۲) دوسرا دور تابعین کرام

(۳) تیسرا دور تبع تابعین کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا ہے۔

حضرت ابن جریر سے قبل علم تفسیر پر مختلف کتابیں لکھی جا چکی تھیں اور عالم اسلام میں اس علم کو کافی عروج نصیب ہو چکا تھا، قرآن فہمی کے لیے ان تفاسیر کا سہارا لیا جاتا تھا۔

چنانچہ جب ابن جریر نے اپنی تفسیر کا آغاز کیا، تو اس وقت ماسبق تفسیری ذخائر موجود تھے، انھوں نے سارے معلوم تفسیری ذخائر کو سامنے رکھ کر اپنی عظیم الشان تفسیر مرتب فرمائی، یہ تفسیر تیس ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے، جس میں مصنف نے اپنے زبردست تبحر علمی اور اعلیٰ قابلیت کا ثبوت فراہم کیا ہے، ابن جریر نے اپنی تفسیر میں ائمہ مفسرین کے اقوال وآرا آیتوں کی تفسیر کے سلسلہ میں سنداً ذکر کیے ہیں، اس طرح یہ تفسیر گزشتہ تمام تفاسیر کا مخزن بن گئی ہے، یہی وجہ ہے، کہ اس تفسیر کو اہل علم میں قبول عام حاصل ہوا۔

جس کا اندازہ مقتدر علمائے ملت اسلامیہ کے اقوال سے ہوتا ہے۔

(۱) خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے۔

''ابن خزیمہ نے اس تفسیر کو کئی سال تک مکمل دیکھا، پھر کہا، روئے زمین پر ابن جریر سے بڑھ کر کوئی عالم نہیں''۔ (خطیب بغدادی ج۲ ص۱۶۴)

(۲) جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔

''اگر تم مجھ سے پوچھو کہ کس تفسیر پر اعتماد کیا جائے اور اس کو دیکھا جائے، تو میں کہوں گا، کہ تفسیر ابن جریر طبری جس پر علما کا اتفاق ہے، کہ اس کے مثل کوئی تفسیر نہیں لکھی گئی''۔ (اتقان ج۲ ص۱۹۱)

تفسیر ابن جریر صرف تفسیری روایات کا مجموعہ ہی نہیں، بلکہ ابن جریر نے دیگر مسائل پر بھی قرآنی آیات کی روشنی میں سیر حاصل بحثیں کی ہیں، چنانچہ فقہی، کلامی، مسائل کو بیان فرمایا ہے اور قواعد صرف ونحو کی رو سے قرآنی آیات کی فصاحت وبلاغت بھی ثابت کی ہے۔

ابن جریر اور حدیث:۔ ابن جریر جس طرح قرآن حکیم اور اس کے متعلق علوم وفنون پر کامل عبور رکھتے تھے، اسی طرح علم حدیث میں بھی ان کا پایہ بہت بلند ہے، محدثین کرام نے آپ کے عظیم مرتبہ کا اعتراف کیا ہے۔

امام نووی علیہ الرحمہ، تہذیب الاسما میں رقمطراز ہیں، ان (ابن جریر) کا شمار ترمذی اور نسائی

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کے طبقہ میں ہے اور ان کے مشائخ وہی ہیں، جو بخاری اور مسلم کے مشائخ ہیں ۔(تہذیب الاسماج ا ص ۴۸)

ذہبی کا قول ہے،''میں نے ابن جریر کے طرق حدیث پر ایک کتاب دیکھی تو ان کے کثرت طرق کو دیکھ کر حیرت زدہ ہوگیا''۔

حدیث میں علامہ ابن جریر کی اہم ترین کتاب ''تھذیب الآثار'' ہے، جس کے متعلق ذہبی کہتے ہیں ''وھو من عجائب کتبہ'' خطیب بغدادی کا بیان ہے، کہ''میں نے ایسی کتاب نہیں دیکھی''۔

ابن جریر نے اس کتاب کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی مرویات سے شروع کیا ہے، ہر ایک شخص کی مرویات کو نقل کرنے کے بعد احادیث کے طرق اور علل پر کلام کیا ہے، پھر اس سے مسائل شرعیہ کا استنباط کیا ہے، علما کے اختلافات بیان کر کے دلائل سے بحث کی ہے، افسوس کہ یہ کتاب پایۂ تکمیل کو نہ پہنچ سکی۔

ابن جریر نے حدیث پر چند اور مفید کتب بھی تحریر فرمائی تھیں، اگرچہ ان کا انداز مناظرانہ تھا، تاہم وہ حدیث ہی سے متعلق تھیں۔

<u>ابن جریر اور فقہ:۔</u> فقہ میں ابن جریر کبار فقہائے مجتہدین کی صف میں شمار کیے جاتے ہیں، ابتداءً دس سال تک ابن جریر نے فقہ شافعی پر فتویٰ دیا، بعد میں علم فقہ پر ذاتی کمال اور عبور نے کسی بھی مذہب فقہ کا پابند نہ رکھا، بلکہ منصب اجتہاد پر فائز کر دیا اور آپ کے مسلک فقہ پر نویں صدی ہجری کے نصف اول تک عمل کیا جاتا رہا۔

علامہ ابن جریر نے علم فقہ میں گرانقدر سرمایہ یادگار چھوڑا، مگر دست برد زمانہ سے ایک کتاب کے سوا کچھ باقی نہ رہا۔

ان کی کتب فقہ کی فہرست درج ذیل ہے۔

(۱) **اختلافات علماء الامصار فی احکام شرائع الاسلام**، یہ کتاب تین ہزار صفحات پر مشتمل ہے، جس میں فقہائے اسلام کے اختلافات سے بحث کی گئی ہے، یہ ابن جریر کی علم فقہ میں سب سے معرکۃ الآراتصنیف ہے۔

(۲) **لطیف القول فی احکام شرائع الاسلام**، یہ کتاب ابن جریر کے متبعین کا دارو مدار تھی، جو ڈھائی ہزار صفحات پر مشتمل تھی۔

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

(۳)بسیط القول فی احکام شرائع الاسلام یہ کتاب بھی نہایت اہم ہے،جس کے لیے بطور مقدمہ مراتب العلما کے نام سے ایک کتاب لکھی گئی۔

(۴)امثلۃ العدول (۵) آداب القضاء (۶) مختصر مناسک الحج (۷) مختصر الفرائض، بشکل رسائل تصنیف کیے گئے۔

ابن جریراور تاریخ:۔ تفسیر کی طرح ابن جریر کو فن تاریخ میں بھی کامل دستگاہ تھی اور اس فن میں ان کو جو شہرت دوام حاصل ہوئی، اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ جب بھی ابن جریر کا نام زبان پر آتا ہے، ذہن ان کی مورخانہ عظمت کی طرف مبذول ہوتا ہے، فن تاریخ میں ابن جریر کی ضخیم اور معرکۃ الآر کتاب ''تاریخ الامم والملوک'' یا ''اخبار الرسل والملوک'' ہے، یہ کتاب موجودہ ضخامت سے کہیں زیادہ ضخیم تھی، یاقوت حموی کا بیان ہے، کہ ابن جریر نے اپنے شاگردوں سے دریافت کیا، کیا تم لوگ تاریخ عالم کی وہ کتاب جو آدم سے ایں دم کے حالات پر مشتمل ہے، پڑھ سکتے ہو؟ جواب میں لوگوں نے اس کی ضخامت دریافت کی، جواب ملا تیس ہزار صفحات پر مشتمل ہوگی، شاگردوں نے کہا، اتنی ضخیم کتاب نقل کرنے میں ہماری عمریں بھی ختم ہو جائیں گی، علامہ موصوف نے فرمایا، لوگوں کی ہمتیں کتنی کم ہیں، پھر اپنی کتاب کو تین ہزار صفحات میں مختصر کر دیا۔ (ارشاد الاریب ج ۲ ص ۴۲۶، بحوالہ عربوں کی تاریخ نگاری)

چونکہ ابن جریر محدث تھے، روایتوں کو سند کے ساتھ قبول کرنے کے عادی تھے، لہٰذا یہی معیار انھوں نے تاریخی واقعات کے سلسلہ میں بھی اختیار کیا ہے اور ابتدائے آفرینش سے ۳۰۲ھ کے واقعات سند کے ساتھ بیان کیے ہیں۔

ابن جریر کے تاریخی مواد نسبتاً قابل اعتماد ہیں، اس لیے کہ انھوں نے تا بمقدور اس امر کی کوشش کی ہے، کہ اپنے ماخذ ایسے اشخاص اور کتابوں کو بنائیں، جو مستند اور قدیم ترین اہمیت کے حامل ہوں۔

یہ کتاب طبری کے بے پناہ حافظہ اور طاقتور دماغ کی شاندار علامت ہے، انھوں نے اپنی انتھک جدوجہد سے تاریخی معلومات کا ایک وسیع اور بیش بہا ذخیرہ محفوظ کر دیا ہے، جو اپنی تصنیف کے بعد سے اب تک تاریخ نگاروں کا مرجع و ماخذ بنا ہوا ہے۔

''تاریخ الامم والملوک'' کو جو شہرت اور قبول عام حاصل ہوا، وہ کسی پر مخفی نہیں ہے، علامہ موصوف کے بعد اس تاریخ کا خلاصہ تیار کیا گیا، جس میں سندوں کو حذف کر دیا گیا اور واقعات میں بھی کمی

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کی گئی اور تحریفات کی لعنت سے بھی یہ تاریخ نہ بچ سکی۔

چنانچہ علامہ عبدالعزیز محدث دہلوی علیہ الرحمہ اپنی کتاب تحفۂ اثنا عشریہ میں تحریر فرماتے ہیں۔

''واین کتاب یعنی تاریخ کبیر بسیار نادر الوجود است کم کسے را نسخۂ او میسر آمدہ آنچہ نزد مردم مشہور است کہ از محرفات سمساطی الشیعی است''

اس کتاب کا فارسی ترجمہ امیر ابوصالح منصور بن احمد بن اسمٰعیل بن سامان کے حکم سے ۳۵۲ھ میں مشہور ادیب ابو علی محمد بن عبداللہ البلعمی نے کیا۔

امیر الامرا احمد پاشا کے عہد میں اس کتاب کا ترجمہ ترکی زبان میں ہوا۔

فن تاریخ میں ابن جریر کی دو اور کتابیں ''ذیل المذیل'' ۳۰۰ھ اور ''الآثار الباقیہ عن القرون الخالیہ'' بھی ہیں۔

ابن جریر بلند پایہ مورخ گزرے ہیں، تاریخ کی سطح پر وہ ایک زبردست جامع اور مرتب کی حیثیت سے سامنے آتے ہیں اور قاری کے سامنے معلومات کا وسیع خزانہ صداقت اور ایمان داری کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔

http://t.me/tehqiqat

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

تاج الفحول علامہ شاہ عبدالقادر قادری بدایونی علیہ الرحمہ اور رد روافض

شیعیت کا آغاز اور ان کے بعض عقائد:۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں شہر صنعا کے ایک عیار یہودی عبداللہ بن سبا نے اسلام کا لبادہ اوڑھ کر مسلمانوں میں سیاسی اور مذہبی انتشار وافتراق کا منصوبہ بنایا، مدینہ منورہ، بصرہ، شام ہوتا ہوا وہ مصر پہنچا، جہاں اسے اپنی خفیہ تحریک کے لیے سازگار فضا میسر آئی اور اس نے اپنے ہم مشرب لوگوں کا ایک بڑا حلقہ قائم کرلیا، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی آڑ لے کر وہ اپنے خطرناک منصوبوں کو عملی شکل دینے لگا اور در پردہ مسلمانوں میں سیاسی انتشار اور صالح اسلامی عقائد وافکار میں فساد کرنے کی کوشش کرنے لگا، وہ کہا کرتا تھا۔

☆ دنیا میں ہزاروں انبیا آئے ہر نبی کا ایک وصی ہوتا ہے، حضرت علی، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وصی ہیں۔

☆ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیا تھے اور حضرت علی خاتم الاولیا ہیں۔

☆ اس سے بڑا ظالم کون ہے؟ جس نے رسول اللہ کی وصیت پر عمل نہیں کیا اور رسول اللہ کے وصی کا حق غصب کر کے امت اسلامیہ کا انتظام اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

☆ عثمان نے خلافت پر ناحق قبضہ کرلیا ہے، اس کے اصل حق دار حضرت علی موجود ہیں، تم پر فرض ہے، کہ حضرت علی کی حمایت کے لیے اٹھ کھڑے ہو، اس کا طریقہ یہ ہے، کہ اپنے ولاۃ وعمال کے نقائص ومعائب بیان کرو، اس طرح امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا فریضہ ادا کر کے عوام کو اپنی طرف مائل کرو۔ (طبری ج ۳ص ۳۷۸،۷۹)

شیعیت کے بانی ابن سبا نے جن نظریات کی تبلیغ واشاعت کی، ان کا بنیادی محور مسئلہ خلافت و امامت ہے، جس کے گرد تمام شیعی افکار وعقائد گردش کرتے ہیں اور اسی مرکزی نقطہ کے گرد رفض وتشیع کے افکار واعمال کے دائرے پھیلتے چلے گئے۔

شیعہ عالم ابوجعفر یعقوب کلینی نے ''الجامع الکافی'' میں امام کی عصمت اور صفات کا تذکرہ کیا ہے،

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

جس سے پتہ چلتا ہے، کہ ائمہ روافض کبائر وصغائر سے پاک ہیں، وہ لکھتا ہے۔

''امام تمام گناہوں سے پاک اور ہر قسم کے عیوب سے مبرا ہوتا ہے......

......امام تو معصوم ہوتا ہے، اس لیے اس سے کسی قسم کی غلطی یا لغزش ہونے کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا اور یہ سب لطف الٰہی کا طفیل ہے، کیوں کہ خالق کون نے اسے معصوم پیدا کیا ہے، تا کہ وہ اس کے بندوں کے لیے حجت بن سکے۔ (الجامع الکافی ص ۱۲۲)

روافض اپنے ائمہ کی عقیدت میں غلو کے نقطۂ انتہا تک پہنچ گئے اور انھوں نے انبیائے کرام کی طرح انھیں بھی معصوم قرار دے دیا، مگر دوسری جانب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان برگزیدہ صحابہ کو جنھوں نے قرآن وسنت کا درس، مہبط وحی والہام صلی اللہ علیہ وسلم کی درس گاہ سے لیا اور وہ دین وتقویٰ اخلاق وکردار کے بلند مرتبہ پر فائز ہوئے، جن کی زندگی اسلام کے نظام اخلاق کی عملی نمونہ تھی، جن کی عظمت وتقدس اور قابل تقلید ذات وصفات کا تذکرہ قرآن وسنت اور مستند تاریخوں میں موجود ہے، تاریخ کے کسی دور میں ایسی کوئی جماعت نظر نہیں آتی، جس میں قبول خیر کی صلاحیت، پاکیزگی نفس، بلند کرداری اور صداقت وعدالت کی ایسی پرکشش مثالیں نظر آتی ہوں، جو رہتی دنیا تک عالم انسانیت کے لیے بہترین نمونہ ہیں، مگر روافض نے اپنے عقیدۂ امامت کے غلو میں شیخین اور جمہور صحابہ پر صرف سب وشتم کا فتح باب ہی نہیں کیا، بلکہ ان کی تحقیر واہانت اور تکفیر کو اپنا بنیادی عقیدہ بنا لیا۔

رافضی مصنف نوبختی لکھتا ہے، ''ابن سبا وہ پہلا شخص تھا، جس نے ابوبکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کو گالیاں دیں، سب وشتم کا یہ عقیدہ شیعوں نے ابن سبا سے لیا ہے اور اس پر وہ سختی کے ساتھ عمل پیرا ہیں، ہر شیعہ خلفائے ثلثہ کے خلاف بطور خصوصی اور تمام صحابہ کرام کے خلاف بطور عمومی نفرت وحقارت کے جذبات رکھتا ہے۔

کلینی کی کتاب ''الروضہ'' میں روایت ہے، کہ امام باقر کے ایک مخلص مرید نے شیخین (حضرت ابوبکر وعمر) کے بارے میں سوال پوچھا، تو انھوں نے جواب دیا۔

''تم ان دونوں کے بارے میں مجھ سے کیا پوچھتے ہو، ہم اہلبیت میں سے جو بھی دنیا سے گیا، ان دونوں سے سخت ناراض گیا ہے، ہم میں سے ہر بڑے نے چھوٹے کو اس کی وصیت کی ہے، ان دونوں نے ظالمانہ طور پر ہمارا حق مارا، یہ دونوں سب سے پہلے ہم اہلبیت کی گردنوں پر سوار ہوئے، ہم اہلبیت پر جو بھی آفت، مصیبت آتی ہے، اس کی بنیاد انھیں دونوں نے ڈالی ہے، لہذا ان دونوں پر لعنت ہو اللہ کی اور فرشتوں کی اور تمام بنی آدم کی''۔ (کتاب الروضہ ص ۱۱۵)

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

روافض نے شیخین ہی پر اکتفا نہیں کیا، بجز چند صحابہ تمام اصحاب رسول کو دائرۂ اسلام سے خارج بتایا، کتاب مذکور میں امام باقر کی ایک اور روایت ملاحظہ ہو۔

انھوں نے کہا، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد سب لوگ مرتد ہو گئے، سوائے تین کے (راوی کہتا ہے) میں نے عرض کیا، وہ تین کون تھے، تو امام باقر نے کہا، مقداد بن اسود، ابوذر غفاری اور سلمان فارسی، ان پر اللہ کی رحمتیں ہوں اور اس کی برکتیں۔ (کتاب الروضہ ص ۱۱۵)

روافض کا دائرہ عالم اسلام میں جوں جوں وسیع ہوتا گیا، ان کے باطل نظریات اسلامی معاشرہ کو متاثر کرتے چلے گئے۔

ہندوستان میں رفض وتشیع:۔ ہندوستان میں رفض وتشیع کی ابتدا کب، کہاں اور کیسے ہوئی؟ اس کا تعین تاریخ کے اسکالر ہی کر سکتے ہیں، ہاں یہ بات تاریخی شواہد کی روشنی میں بڑے وثوق کے ساتھ کہی جاسکتی ہے، کہ شیعیت نے اپنے دست وباز وعہد مغلیہ کے دور عروج میں پھیلانے شروع کیے۔

مغل تاجدار اگر چہ راسخ العقیدہ سنی تھے، مگر ان کے زیر سایہ شیعہ علما وشعرا عمائدین سلطنت امرا ووزرا اپنے افکار وعقائد کی اشاعت وفروغ کے لیے اپنا اثر ورسوخ استعمال کرتے رہے، جب ہمایوں بادشاہ کو شیر شاہ سوری نے شکست دے کر حدود ہند سے باہر کر دیا، برگشتۂ قسمت ہمایوں ٹھوکریں کھاتا ہوا، ایران پہنچا، جہاں صفوی تاجدار شاہ طہماسپ نے آوارہ گرد بادشاہ کی فراخ دلی کے ساتھ پذیرائی کی اور اسے عسکری ومالی امداد دے کر ہندوستان کی طرف بھیجا، تو اس نے ۱۵۵۵ء میں سوری خاندان کی حکومت کا خاتمہ کر کے دوبارہ ہندوستان کا تخت وتاج حاصل کر لیا۔

ایران کے دوران قیام ہمایوں پر وہاں کی تہذیب وثقافت اور شیعی افکار ورسوم کا گہرا اثر پڑا تھا، وہ اپنے محسن شاہ طہماسپ کے ہم خیال شیعوں کا خیر خواہ بن گیا، جب وہ واپس آیا، اس کے ساتھ بیشمار شیعہ سپاہی مصور، معما، رضاع، امرا، علما، دانشور ہندوستان آئے اور اس نے ایرانی امرا وعمال کو بڑے بڑے مناصب عطا کیے اور علما وشعرا کی قدر دانی کی، ان ایرانی شیعوں نے ہندوستان میں ایک نئے تہذیبی وفکری عمل کا آغاز کیا، ہمایوں کے بعد اس کے جانشینوں نے ایران سے وارد ہونے والے شیعوں کا پرتپاک استقبال کیا اور ان کو بڑے بڑے فوجی، ملکی منصب دیے، جاگیروں سے نوازا، شعرا وادبا کی قدر افزائی کی، رفتہ رفتہ مغلیہ سلطنت پر شیعہ چھا گئے، مصلحتاً شیعہ امرا ووزرا نے اپنے عقائد کو چھپایا، لیکن جب اورنگ زیب کے بعد مغلیہ حکومت کی گرفت ڈھیلی پڑی، تو تقیہ کا پردہ اٹھ گیا اور شیعی امرا وعلما نے بہادر شاہ بادشاہ کو اپنے نرغے میں لے لیا اور اس کو اس بات پر آمادہ کر لیا، کہ وہ برسر منبر

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

شیعی عقیدے کا اعلان کرائے، چنانچہ اس نے ائمہ مساجد کو حکم دیا، کہ وہ خطبۂ جمعہ میں **علی ولی اللّٰہ و وصی رسول اللّٰہ** کے الفاظ بڑھائیں۔

آگرہ، احمد آباد، لاہور اور دوسرے شہروں کے سنیوں نے اس کے خلاف سخت ردِ عمل ظاہر کیا، تو بادشاہ کو اپنا حکم واپس لینا پڑا۔

اٹھارہویں صدی عیسوی میں جونئی ریاستیں قائم ہوئیں، ان میں بڑی اکثریت شیعہ حکام و عمال کی تھی، مغلیہ حکومت کے عہدِ زوال میں ان ریاستوں نے استحکام حاصل کیا اور ان کے شیعہ عمال اور صوبہ داروں نے شیعی عقائد و رسوم کے برملا فروغ میں خاص دلچسپی لی اور شیعہ اعیان حکومت نے مسلم معاشرہ پر اپنی گہری چھاپ ڈالی اور رفض و تشیع کے فروغ میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔

شیعہ ریاستوں میں سب سے بڑی ریاست اودھ تھی، جس کا طول گوالیار سے قنوج تک ۳۲۰ کوس اور عرض شمال میں کوہ ہمالہ سے الٰہ آباد تک ۲۱۵ کوس تھا، نوابان اودھ صرف غالی شیعہ ہی نہیں تھے، بلکہ اس مذہب کے پرجوش داعی و مبلغ بھی تھے، طبقۂ اہل ثروت میں جو خاندان شیعہ ہو جاتے، ان کی جاگیریں بحال رہتی تھیں، تعزیہ داری کے لیے بڑی بڑی جاگیریں اور معافیاں دی جاتی تھیں، اس طرح صوبہ اودھ کے ہزاروں خاندان سنی سے شیعہ ہو گئے، ان کو شاہی اعزاز و اکرام سے نوازا گیا اور جو دین حق پر قائم رہے، ان کی جاگیریں ضبط کر لی گئیں، جس کا اثر یہ ہوا، کہ صوبہ اودھ کے تمام شہروں، قصبوں بلکہ چھوٹے چھوٹے قریوں میں بھی شیعہ پھیل گئے، شیعہ نوابوں، امیروں اور جاگیرداروں کے اثر و اقتدار کے سایہ میں شیعیت پروان چڑھتی رہی اور سادہ لوح شیعوں نے بھی عزاداری کے مراسم کو اختیار کر لیا، اس طرح ایران کے شیعی تمدن کا اثر ہندوستان میں ہر سمت نمایاں ہو گیا۔

مغل سلطنت کا آخری دور سخت اضطراب و بے چینی کا دور تھا، جس میں قوم مسلم گونا گوں مصائب و آلام کا شکار ہوئی، مرکز کی کمزوری، اندرونی و بیرونی یلغار، انگریزوں کا بڑھتا ہوا اقتدار، ملک میں خود مختاریوں کا زور ان حالات میں مسلمانوں کی ملکی سیاسی مذہبی قدریں پامال ہو رہی تھیں، مگر ان پر آشوب حالات میں رافضیت کو پھیلنے پھولنے کا موقع ملا اور پورے ملک میں ایران کی رافضی تہذیب و ثقافت کے اثرات پائے جانے لگے۔

اٹھارہویں صدی عیسوی میں شیعی اثر و نفوذ کی کیفیت کیا تھی؟ اس کا اندازہ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی اس تحریر سے لگانا آسان ہوگا۔

''اس ملک میں جس میں ہم سکونت پذیر ہیں اور اس زمانہ میں جو ہمارے حصے میں آیا ہے،

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

مذہب اثنا عشری کا رواج اور اس کے شیوع کی نوبت اس حد تک آ گئی ہے، کہ (سنیوں کے) کم گھر ہوں گے، جن میں ایک دو شخص اس گھر کے اس مذہب کے پیرو اور اس عقیدے کی جانب راغب نہ ہوں، ان میں اکثر علم تاریخ واخبار سے بے خبر اور اپنے اسلاف کے حالات واصول سے ناواقف اور غافل نظر آتے ہیں، جب مجالس اور محافل میں اہلسنت و جماعت کے ساتھ گفتگو کرتے ہیں، تو کج بیانی اور خلط مبحث سے کام لیتے ہیں، اس غرض کے لیے حسبۃً للہ تعالیٰ یہ رسالہ ترتیب دیا گیا، تاکہ بحث ومناظرہ کے وقت اس مذہب کے پیرو پٹری سے اترنے نہ پائیں اور خود اپنے احوال کے منکر نہ ہوں اور ان بعض امور میں جو حقیقت پر مبنی ہیں، شک وتردد کو راہ نہ دیں۔ (تحفۂ اثنا عشریہ ص ۲)

ردروافض:۔ ان حالات میں علمائے حق نے شیعی عقائد باطلہ کی تردید، سنیت کے احیا و بقا کے لیے زبان وقلم سے جہاد کیا، ان میں حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات نمایاں ہے، آپ نے تحفۂ اثنا عشریہ لکھ کر فتنۂ رفض وتشیع کے انسداد اور نصرت سنیت کا جو اہم کارنامہ انجام دیا، اسے قیامت تک فراموش نہیں کیا جاسکتا۔

انگریزی دور حکومت میں بھی شیعیت وتفضیلیت اپنے بال وپر پھیلاتی رہی، چنانچہ اس دور کے اکابر علمائے اہلسنت نے فتنۂ رفض وتشیع کو روکنے کی سعی بلیغ فرمائی، انھیں بزرگ علما میں تاج الفحول علامہ شاہ عبدالقادر قادری بدایونی رحمۃ اللہ علیہ (۱۲۵۳ھ تا ۱۳۱۹ھ) بھی ہیں، ردروافض میں آپ کی اہم کتابیں ہدایت الاسلام، تصحیح العقیدہ فی باب امیر معاویہ ہیں۔

حضرت تاج الفحول علامہ عبدالقادر قادری بدایونی رحمۃ اللہ علیہ نے تصحیح العقیدہ میں روافض اور غیر محتاط مورخین کی ان باطل روایات کی لایعنیت ثابت کی ہے، جن سے سادہ لوح مسلمانوں کا ذہن صحابۂ کرام کی عظمت سے منحرف اور ان کی تکریم کا منکر بنتا ہے، چنانچہ کتاب کے سبب تالیف میں حضرت مولانا سید حسین حیدر حسینی قادری برکاتی رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا۔

”جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام صحابہ کرام کی تعظیم وتکریم دین متین کے فرائض و واجبات سے ہیں اور ان کے بارے میں خیر کے بغیر کف لسان شرع مبین کے لوازمات سے ہیں، کیوں کہ صحابۂ کرام کی فضیلت سرور انام صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث اور خداوند ذوالجلال کی کتاب کی آیات سے ثابت ہے، وہ اخبار مورخین جو سوئے اعتقاد کی بنیاد ہیں، بعض جاہل راویوں اور لعین رافضیوں سے منقول ہیں، جن کے باطل ہونے میں کوئی کلام نہیں، اس کے باوجود کچھ لوگ ایسے ہیں، جو مذہب اہلسنت و جماعت کے اعتقاد کا دعوی کرتے ہیں، لیکن ان کو بعض صحابۂ کرام سے سوئے عقیدت ہی نہیں، بلکہ ان کے بارے میں

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

استخفاف واہانت آمیز کلمات استعمال کرتے ہیں''۔ (تصحیح العقیدہ ص ۱۰)

کتب تواریخ میں مشاجرات صحابہ کی جو روایتیں مذکور ہیں، ان میں اکثر بے بنیاد ہیں، جن کو قبول کرنے میں اکثر مورخین نے غلطیاں کی ہیں اور ایسا بھی ممکن ہے، کہ یہ روایتیں شیعی الحاقات سے ہوں یا پھر یہ بھی ممکن ہے، کہ ان روایتوں میں افسانہ طرازی کی گئی ہو اور رائی کو پربت بنا کر پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہو، بہر حال جنگ جمل، معرکۂ صفین کے وجود سے انکار تو نہیں کیا جا سکتا، لیکن ان سے متعلق جو روایتیں گڑھی گئیں اور جن کی اشاعت، شیعوں کے عقیدۂ اہانت صحابہ کی تائید کرتی ہیں اور جن کے مطالعے سے سادہ لوح سنی مسلمانوں کے دلوں میں بھی محاربین علی کے بارے میں اہانت و تحقیر کے جذبات پیدا ہوتے ہیں اور لوگوں کی زبان طعن دراز ہونے لگتی ہے، حالانکہ وہ صحابۂ کرام جن کے تقدس اور جن کی پاکیزہ نفسی، ایثار و اخلاص کی بین شہادتیں قرآن و حدیث میں موجود ہیں ان کے مقابلے میں تاریخی روایتوں کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔

ابوبکر ابن العربی رقمطراز ہیں۔

''سوائے صحیح روایات کے کسی اور طرف التفات نہ کیا جائے، اہل تاریخ سے بچو، ان کا شیوہ ہے، کہ پہلے چند صحیح روایات ذکر کر دیتے ہیں، تاکہ اس کی آڑ میں باطل روایات کو فروغ دے سکیں، یہ لوگوں کے دلوں میں ایسی باتیں ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں، جو اللہ کو ناپسند ہیں، یہ لوگ اسلاف کی تحقیر اور دین کی تذلیل کرتے ہیں دراں حالیکہ دین اس سے عزیز تر اور اسلاف کہیں اس سے قابل احترام ہیں، **فرضی اللہ عن جمیعھم اجمعین**''۔

جو شخص بھی صحابۂ کرام کے اعمال و افعال پر غور کرے گا، اس پر اہل تاریخ کے ان توہین آمیز الزامات کا بطلان واضح ہو جائے گا، جو انھوں نے کم علم لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے گڑھے ہیں۔........ایک اور مقام پر لکھتے ہیں۔

''جب تم اپنے خلاف دینار و درہم تک کا دعوی اس وقت تک صحیح تسلیم نہیں کرتے جب مدعی عادل، تہمتوں سے پاک اور خواہشات نفسانی سے محفوظ نہ ہو، تو پھر تم سلف کے احوال اور صحابۂ کرام کے مابین ہونے والے واقعات کے متعلق ان لوگوں کی روایات کس طرح قبول کر لیتے ہو، جن کی عدالت تو کجا، سرے سے جن کا دین ہی میں کوئی مقام نہیں''۔ (العواصم من القواصم ص ۲۴۴)

مشاجرات صحابہ کے سلسلے میں علامہ ابن خلدون کی رائے یہ ہے۔

''دراصل یہ اختلاف ایک اجتہادی اختلاف تھا اور ہر فریق اپنے اجتہاد کی روشنی میں دوسرے کو

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

غلط کار ٹھہراتا تھا، اسی بنا پر ہر دو فریق آپس میں ٹکرا گئے، جب حقیقت یہ ٹھہری، تو یہ بہت احتیاط کا مقام ہے، دل اور زبان کو قابو میں رکھیے، ایسا نہ ہو کہ ان بزرگوں کے افعال کے بارے میں کوئی بدظنی کا خیال یا شک دل میں کھٹکے یا ان کی شان میں کوئی خلاف شان بات زبان پر آجائے، بلکہ جہاں تک ہو سکے، ان کے افعال کی بہتر توجیہ کرنی چاہیے اور وہ سب لوگوں میں اس حسن ظن کے زیادہ حقدار ہیں، کیوں کہ انھوں نے جو کچھ بھی اختلاف کیا، وہ دلیل و حجت سے کیا اور ان کا آپس کا قتال جہاد کی شکل میں تھا اور محض حق کی حمایت میں۔ (مقدمہ ابن خلدون)

اہل حق اس بات پر متفق ہیں، کہ ان جنگوں میں بلا شبہ حضرت علی حق پر تھے اور وہ عقیدۂ برحق یہ ہے، کہ تمام صحابۂ کرام عادل ہیں، اس لیے کہ ان تمام جنگوں میں انھوں نے تاویل اور اجتہاد سے کام لیا ہے، اجتہاد کے اختلاف کا سبب درحقیقت معاملات کا اشتباہ تھا جس کی بنا پر صحابہ کی اجتہادی آرا مختلف ہوگئیں، مگر اجتہاد کے ثواب سے کوئی محروم نہ ہوگا اور نہ ہی اجتہادی خطا پر ان کے خلاف زبان دشنام وطعن دراز کرنے کا کسی کو حق حاصل ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

اذا حکم الحاکم فاجتھد لما اصاب فله اجران واذا حکم فاجتھد ثم اخطأ فله اجر (مسلم شریف ج ۲ ص ۷٦)

جب کوئی حاکم کسی فیصلے میں اجتہاد کرے، پھر وہ اجتہاد درست ہو، تو اس کے لیے دوہرا ثواب ہے اور اگر اجتہاد میں خطا کر جائے تو اکہرا۔

تاج الفحول کے زمانے میں تفضیلیت کا زور شباب پر تھا اور لوگ شیعی نقطۂ نظر کی طرف مائل ہو رہے تھے، اس وقت انھوں نے مشاجرات صحابہ کے سلسلے میں حزم و احتیاط سے کام لیا اور تاریخی روایات کے مقابلے میں قرآن وسنت کی جانب رجوع کرنے کا حکم دیا اور تحریر فرمایا۔

''جمہور محققین اہلسنت کے مذہب مختار میں جیسا کہ عقائد احادیث اور اصول کی کتب معتمدہ سے ثابت ہے، خاتم الخلفاء الراشدین حضرت امیر المومنین (علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ) کے محاربین کے تین گروہ تھے، جو کہ اس فتنہ میں شامل تھے، ان میں سے کسی بھی گروہ کو کافر نہیں کہا جا سکتا، بہر حال ان تین گروہوں میں فرق یہ ہے، کہ جنگ جمل کے محاربین کے سربراہ حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما تھے، جو کہ عشرۂ مبشرہ سے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجۂ محبوبہ سیدہ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا تھیں، ان کی غرض جدال وقتال نہ تھی، بلکہ مسلمانوں کے حال کی اصلاح پیش نظر تھی، لیکن اچانک جنگ چھڑ گئی، ان تینوں حضرات کا رجوع معتمد

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

روایات سے ثابت ہے، باوجود اس کے کہ خطائے اجتہادی ایک ثواب کی مستوجب ہے، پھر بھی ان حضرات نے رجوع کیا، توجب ان حضرات نے رجوع کرلیا، توان پر لفظ باغی کا اطلاق حقیقتاً درست نہیں ہے، جنگ صفین کے محاربین کے سربراہ حضرت امیر معاویہ اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما ہیں، یہ دونوں حضرات بھی صحابۂ کرام میں سے ہیں، یہ بھی اشتباہ میں پڑے اور اپنی غلطی سے بار بار قتل وقتال پر اصرار کرتے رہے، اس گروہ نے بھی خطا اجتہاد کی وجہ سے کی، لیکن ان کی خطا واجب الانکار ہے''۔(تصحیح العقیدہ ص ۱۲،۱۱)

آگے چل کر مزید لکھتے ہیں۔

''جمہور اہلسنت کے مذہب میں ان کی تعظیم وتکریم شرف صحابیت کی وجہ سے ضروری ولازمی ہے، اس لیے شرعاً وہ بغاوت وخطا جو عمداً واقع نہ ہوئی ہو، فسق وعصیان کو مستلزم نہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ''رفع عن امتی الخطا والنسیان'' (میری امت سے خطا ونسیان کو اٹھالیا گیا ہے) اس پر شاہد ہے اور صحابۂ کرام کی خطائیں معاف ہیں، کیوں کہ یہ حضرات نہ تو معصوم ہیں اور نہ ہی معذور بلکہ عند اللہ ماجور ہیں، اس خطا کی وجہ سے ان کی شان میں بے ادبی کرنا اور ان کی تعظیم وتکریم سے رکنا، اہلسنت سے خارج ہونا ہے''۔(ایضاص ۱۲)

تاج الفحول نے اس سلسلے میں ائمہ دین کے اقوال وآرا سے تائید پیش کی ہے، اس کے بعد لکھتے ہیں۔

''یہ مقام غور ہے، کیوں کہ پورے دین ومذہب پر کیسے طعن وتشنیع کی جاسکتی ہے، ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کچھ بھی ملا، ان کے واسطے اور ذریعہ سے ملا، تو جس نے صحابۂ کرام پر طعن وتشنیع کی، گویا کہ اس نے پورے دین پر طعن وتشنیع کی، صرف حضرت معاویہ اور حضرت عمرو بن عاص کے بارے میں نہیں، بلکہ تمام صحابۂ کرام کے بارے میں زبان طعن وتشنیع دراز نہ کی جائے اور صحابۂ کرام کی اہلبیت پر جو نکیر بعض روافض سے منقول ہے، اس کی طرف قطعاً توجہ نہ کی جائے، کیوں کہ ان حضرات کا یہ جھگڑا بڑا رقیق ہے اور یہ بھی ہے، کہ یہ جھگڑا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد اور صحابہ کے مابین ہے، اس لیے اس کا فیصلہ آپ ہی پر چھوڑ دیا جائے''۔(ایضاص ۱۵)

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی تفویض خلافت کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت پر جمہور اہل اسلام نے اتفاق کرلیا اور آپ کی اطاعت کا قلادہ صحابہ، تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اپنی گردنوں میں ڈال لیا، اس طرح وہ متفقہ طور پر امیر المومنین ہوگئے اور ان کے بارے میں کوئی اختلاف ملت کے سواد اعظم میں باقی نہ رہا، لیکن روافض اور ان کے نظریات سے متاثر ذہن حضرت

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

امیر معاویہ کی خلافت کے منکر ہی نہیں، بلکہ ان کی شان میں تحقیر و تذلیل کے قائل ہیں، انھیں دین سے خارج بتانے میں بھی کوئی دریغ نہیں کرتے اور تفضیلیوں کا گروہ بھی انھیں کا ہم مشرب ہے۔

تاج الفحول نے اہلسنت کے صحیح موقف کی وضاحت اس طرح فرمائی۔

"ہمارا کام عیوب سے نقص کی اور گناہوں سے دل کی تطہیر موبقات امور سے اپنے ظاہر کو پاک کرنا ہے، بہر حال حضرت معاویہ بن ابی سفیان کی خلافت حضرت علی کی وفات، حضرت حسن کی خلافت سے دست برداری اور حضرت معاویہ کو سونپ دینے کے بعد ثابت و درست ہے، حضرت حسن غور و فکر کے بعد مصلحت عامہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے خلافت حضرت معاویہ کو سپرد کر کے مسلمانوں کو خونریزی سے بچا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی پر پورے اترے، کیوں کہ آپ کا فرمان تھا (میرا یہ بیٹا سردار ہے، اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے دو گروہوں میں صلح کرائے گا) حضرت حسن کے بعد حضرت معاویہ کی امامت واجب ہوگئی اور اس اتحاد و اتفاق والے سال کو "عام الجماعت" (اجتماع کا سال) کہا جانے لگا، اس لیے کہ تمام لوگوں نے اختلاف ختم کر کے حضرت معاویہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور اس کے علاوہ کوئی اختلاف تھا بھی نہیں"۔ (تصحیح العقیدہ ص ۱۶)

حضرت تاج الفحول نے صحابۂ کرام کی تعظیم و تکریم کے سلسلے میں آیات قرآنیہ، احادیث نبویہ اور سلف صالحین کے اقوال و آراذ کر کر کے مشاجرات صحابہ کے ذکر سے پیدا کی جانے والی شیعی غلط فہمیوں کا ازالہ کیا ہے اور سلامت روی کا وہ مسلک مختار اختیار کرنے کی تعلیم دی ہے، جو ارشادات نبوی سے ثابت ہوتا ہے۔

اذا ذکر اصحابی فامسکوا وایاکم وما شجر بین اصحابی فلو انفق احدکم مثل احد ذھبا ما بلغ مد احدھم ولا نصفه .

جب میرے صحابہ کا ذکر ہو، تو اپنی زبانوں کو قابو میں رکھو۔ میرے صحابہ کے آپس کے اختلاف کے بارے میں خاموش رہو، تم میں کا اگر کوئی احد پہاڑ جتنا سونا خرچ کر دے، تو ان جیسا ثواب نہیں پا سکتا، بلکہ اس کا نصف ثواب بھی حاصل نہیں کر سکتا۔

لا تسبوا اصحابی فمن سبھم فعلیه لعنة اللّٰه (تصحیح العقیده ص ۱۸)

میرے صحابہ کو دشنام (گالی) نہ دو، جس نے میرے صحابہ کو دشنام دی، اس پر اللہ کی لعنت ہے۔

اقوال سلف:۔ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، کہ

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و تکریم میں یہ بات بھی داخل ہے، کہ آپ کے صحابہ کی تعظیم کی

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

جائے، ان کے ساتھ نیکی کی جائے، ان کے حقوق کو پہچانا جائے، اسی طرح ان کی اقتدا کرنا، عمدہ الفاظ میں تعریف وتوصیف کرنا اوران کے آپس کے اختلافات سے کف لسان کرنا، ان کے دشمنوں سے دشمنی کرنا، مورخین کے اقوال، گمراہ شیعوں کی بے سروپا روایتوں سے احتراز کرنا اوران کے آپس کے جھگڑوں اوراختلاف کواچھی تاویلات پرمحمول کرنااوروہ ان تمام باتوں کے اہل بھی ہیں، اسی طرح انھیں برائی سے یادنہ کرے، بلکہ ان کے حسنات اورفضائل بیان کرے، اس کے علاوہ تمام باتوں سے خاموشی اختیارکرے، جیسا کہ حضورصلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایاہے، کہ جب میرے صحابہ کا ذکرہوتوزبانوں کوقابومیں رکھا کرو، اسی مقام میں ہے، کہ ایک آدمی نے حضرت معانی بن عمران بن عبدالعزیز کے سامنے حضرت معاویہ کے بارے میں کچھ بری بات کی تووہ غصے میں آگئے اورفرمایا، کہ رسول اللہ کے صحابہ کوکسی پرقیاس نہ کیا جائے، حضرت معاویہ صحابی ہیں، رسول اللہ کے رشتہ دار ہیں، کاتب رسول ہیں اوروحی کے امین ہیں''۔(تصحیح العقیدہ ص۲۰،۱۹)

حضرت تاج الفحول علیہ الرحمہ نے حضرت امیرمعاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں پھیلائی ہوئی شیعی گمراہیوں کے انسداد کے لیے ملاعلی قاری کا یہ بیان نقل کیا۔

''علامہ ملاعلی قاری مرقاۃ شرح مشکوۃ جلد ثانی باب مناقب صحابہ میں حدیث عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال لمعاویۃ اللھم اجعلہ ھادیا مھدیا واھدبہ کے ضمن میں فرماتے ہیں لا ارتیاب ان دعاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم مستجاب فمن کان ھذا حالۃ کیف یرتاب فی حقہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعامستجاب ہے، توجس کی ایسی حالت ہے، اس کے بارے میں کیسے شک کیا جاسکتا ہے؟''۔(ایضاص۲۲)

ملاعلی قاری مرقاۃ جلد ثانی میں دوسروں پرصحابۂ کرام کی فضیلت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں ، کہ

''اگرکوئی آدمی حضرت ابن مبارک سے حضرت معاویہ اورحضرت عمربن عبدالعزیز کے بارے میں سوال کرتا، کہ ان میں سے کون افضل ہے، توآپ فرماتے حضورصلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جاتے ہوئے، حضرت معاویہ کے گھوڑے کی ناک میں جوغباردا خل ہوا، وہ عمربن عبدالعزیز سے بہتر ہے''۔(تصحیح العقیدہ ص۲۲)

یہ روایت حضرت امیرمعاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت کااظہار کرتی ہے، نیزاس سے تابعین کرام پراصحاب رسول کی بے پایاں برتری اوربرگزیدگی کا ثبوت ملتاہے۔

تاج الفحول نے محاربین علی پرتاریخی روایات کی روشنی میں الزام تراشی، سب وشتم اوراہانت و

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

تذلیل کے رویے کواس نقطۂ نظر سے بھی باطل قرار دیا ہے، کہ تاریخی روایات کتنی ہی قابل اعتماد کیوں نہ ہوں وہ ظنی ہیں اوراحادیث صحیحہ قطعی ہیں، ارباب اصول کے نزدیک ظنی دلائل، قطعی دلائل کے مقابلے میں مرجوح ہیں، ان کی کوئی حقیقت واصل شریعت میں نہیں ہے، بحرالمذاہب کے حوالے سے تحریر فرماتے ہیں۔

''اہلسنت وجماعت کا تعظیم صحابہ کے وجوب پران کی اچھی باتوں کے ذکراورناپسندیدہ باتوں سے خاموشی پر اجماع ہے، اس لیے کہ آیات واحادیث ان کے فضائل ومناقب میں وارد ہیں طعن وتشنیع سے رکنا واجب ہے''۔

ارباب سیر نے حضرت معاویہ حضرت عمرو بن عاص حضرت مغیرہ ابن شعبہ کے متعلق جو کچھ لکھا ہے، اس سے صرف نظر کرنی چاہیے اوران کی باتوں پر توجہ نہیں دینی چاہیے، اس لیے کہ ان کی صحبت مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم قطعی ہے اورارباب سیر کے اقوال ظنی ہیں اور جو چیز ظن سے منقول ہو، وہ قطعی سے مزاحم نہیں ہوسکتی''۔ (تصحیح العقیدہ ص ۲۳،۲۲)

جمہور صحابہ کی تکفیر کے بے بنیاد عقیدے کی تردید میں ملاعلی قاری کا ارشاد نقل کرتے ہیں، جس کی روشنی میں یہ ثابت ہوتا ہے، کہ جمہور اہل اسلام نے اصحاب رسول کی تکفیر شہادت عثمان اور معرکۂ جمل و صفین سے پہلے اور نہ بعد ہی میں کی، ان کا باہمی اختلاف کسی دنیاوی غرض کی بنیاد پر نہ تھا، بلکہ اجتہادی خطا کے قبیل سے تھا، اسی لیے ان معرکوں میں دونوں جانب سے شریک ہونے والے کسی بھی صحابی کی تکفیر نہیں کی گئی اور نہ ان پر فسق وعصیان کا حکم صادر کیا گیا''۔

حضرت تاج الفحول اس نقطۂ نظر کی تائید میں ملاعلی قاری رحمۃ اللہ علیہ کا ایک ارشاد نقل فرماتے ہیں۔

''**لا تذکروا الصحابة الا بخیر**'' (صحابہ کا ذکر خیر ہی کرو) اگر ان میں سے کسی کی کچھ ایسی باتیں ہیں، جو بظاہر شر نظر آتی ہیں، تو وہ یا اجتہاد کے قبیل سے ہیں یا ایسی ہیں، جن سے ان کا مقصد فساد وعناد نہیں، بلکہ ان حضرات سے حسن ظن کی بنا پر خیر پر محمول کرنا چاہیے، کیوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے **خیر القرون قرنی اذا ذکروا اصحابی فامسکوا** اس لیے جمہور علما کا قول یہ ہے، کہ تمام صحابۂ کرام قتل عثمان اور اختلاف علی ومعاویہ سے پہلے اور بعد عادل ہیں، حضور کا ارشاد، **اصحابی کالنجوم بایهم اقتدیتم اهتدیتم** ۔(تصحیح العقیدہ ص ۲۶)

حضرت تاج الفحول نے ایک مقام پر یہ حدیث نقل کرکے یہ بتادیا، کہ صحابہ پر دشنام طرازی

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

موجب لعنت ہے اور یہ ہرگز کسی مسلمان کا شیوہ نہیں ہوسکتا۔

من سب اصحابی فعلیه لعنة الله والملئكة والناس اجمعين .

جس نے میرے صحابہ پر سب وشتم کیا، تو اس پر اللہ کی، فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہے۔

شیعوں کا ایک گروہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو صرف تمام اصحاب رسول ہی پر نہیں، بلکہ بعض انبیا ورسل پر بھی فضیلت دیتا ہے، اس باطل عقیدے کی تردید ایک سوال کے جواب میں حضرت تاج الفحول نے فرمائی ہے۔

''تفضیل دینے والا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو کسی نبی پر حضرات انبیائے کرام سے گو کلمۂ شہادت پڑھے اور نماز ہمارے قبلے کی طرف پڑھا کرے، وہ قطعا کافر و مرتد ہے، کیوں کہ افضلیت نبی، غیر نبی سے ضروریات دین سید المرسلین میں داخل ہے''۔ (تصحیح العقیدہ ص ۴۱)

شیعوں کے معتدل فرقے بھی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو تمام اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بزرگ و برتر قرار دیتے ہیں اور دنیا و آخرت میں ان کی افضلیت کے قائل ہیں۔

ابن الحدید لکھتا ہے۔

''حضرت علی آخرت میں افضل الخلق ہوں گے اور آپ کا مقام جنت میں سب سے بلند ہوگا، آپ دنیا میں بھی افضل الخلق ہیں اور کوئی شخص فضائل و مناقب میں آپ کا ہم پلہ نہیں ہے، آپ سے لڑنے والا بغض و عداوت رکھنے والا خدا کا دشمن ہے، اگر ایسا شخص توبہ کیے بغیر مرجائے تو کفار و منافقین کے ساتھ ابدی جہنمی ہوگا''۔ (اسلامی مذاہب ص ۶۴)

حضرت تاج الفحول نے اس بے بنیاد عقیدے کی تردید اپنے ایک مقولے میں فرمائی، جس میں حضرات شیخین کو بشمول حضرت علی تمام صحابہ سے افضل قرار دیا۔

''تفضیل شیخین کی، حضرت جناب مرتضوی اور جملہ اہلبیت وصحابہ اور تمام امت پر حق ہے، جو اس کا منکر ہے، وہ گمراہ ہے اور مراد تفضیل سے اکرمیت عنداللہ وزیادت تقرب باطن وکثرت ثواب اخروی میں ہے، نہ صرف امور دنیویہ مثل منصب خلافت وحکومت کے''۔ (تصحیح العقیدہ ص ۴۱)

رفض و تشیع کے عقائد و افکار کا معجون مرکب یہودیت، نصرانیت مجوسیت اور یونانی فلاسفہ کے نظریات و خیالات سے مل کر ترکیب پاتا ہے۔

شیخ محمد ابوزہرہ مصری لکھتے ہیں۔

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

''شیعہ اپنے تمام افکار و معتقدات میں قرآنی نصوص اور احادیث نبویہ سے احتجاج کرتے ہیں، مگر بایں ہمہ ان کے نظریات کچھ فلسفیانہ آرا پر بھی مشتمل تھے، جن کا مصدر و ماخذ علمائے شرق و غرب کی نگاہ میں وہ فلسفی و دینی مذاہب تھے، جو ظہور اسلام سے قبل پائے جاتے تھے، مزید برآں شیعہ مذہب اس فارسی تہذیب سے بھی متاثر ہوا تھا، جو ظہور اسلام سے ختم ہوگئی''۔(اسلامی مذاہب ص۶۹)

یہی وجہ ہے، کہ ابتدا سے ہی شیعوں میں افکار و نظریات کے لحاظ سے مختلف فرقے پائے جاتے ہیں، جن میں فرقۂ سبیہ، رمیہ، کیسانیہ، زیدیہ، امامیہ، اثناعشریہ، اسماعیلیہ، نصیریہ، مشہور ہیں، چوں کہ ان کے عقائد و آرا میں اختلاف ہے، بعض غالی اور انتہا پسند ہیں اور معتدل ہیں، اسی لیے ان پر شریعت کا حکم ان کے اساسی افکار و نظریات ہی کی بنیاد پر لگایا جاتا ہے، اس سلسلے میں حضرت تاج الفحول نے اپنے ایک فتوے میں شرعی احکام بیان کرتے ہوئے مختلف شیعی فرقوں کی تکفیر و تفسیق کی ہے۔

مذہب شیعہ اپنے افکار و نظریات کے لحاظ سے مختلف فرقوں میں بٹا ہوا ہے، ان کے بارے میں شرعی حکم کی وضاحت حضرت تاج الفحول نے اپنے فتوے میں اس طرح کی۔

''روافض مسائل اعتقادیہ میں آپس میں بہت اختلافات رکھتے ہیں، لہذا ہر ایک کے لیے حکم شرع جداگانہ ہوگا، ان میں سے ایک فرقہ کا عقیدہ یہ ہے، کہ ائمہ اہلبیت کا مقام و مرتبہ ابنیائے سابقین سے افضل و اعلی ہے، اس فرقہ کے کافر ہونے میں اہلسنت کا اجماع ہے اور ان کی اقتدا میں نماز پڑھنا اور ان کے یہاں شادی کرنا حرام محض ہوگا، دوسرا فرقہ یہ عقیدہ رکھتا ہے، کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی احکام کی تبلیغ میں تقیہ و سستی سے کام لیا تھا، یہ فرقہ بھی کافر ہے، تیسرا فرقہ یہ اعتقاد رکھتا ہے، کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وحی کا نزول اہلبیت کرام پر ہوا یہ فرقہ بھی کافر ہے، چوتھا فرقہ یہ اعتقاد رکھتا ہے، کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابۂ کرام نے قرآن مقدس میں رد و بدل اور تحریف و تبدیل کر دی، یہ فرقہ بھی کافر ہے، حاصل کلام یہ ہے کہ ضروریات دین کا منکر یقینی طور پر کافر ہے''۔(مظہر حق اگست ستمبر ۹۸ء ص۳۶)

شیعہ اپنے باطل افکار و عقائد کے ساتھ اپنے مذہبی اعمال و رسوم میں بھی اسلام کے نظریۂ عبادت و اذکار سے بہت دور ہوگئے ہیں، انھوں نے تعزیہ داری اور ماتم حسین کو مذہب میں بنیادی اعمال کے طور پر شامل کر لیا ہے اور اس غیر انسانی عمل کو وہ بنیادی عبادت کا درجہ دیتے ہیں، انھوں نے اپنے دور اقتدار میں شہدائے کربلا کی داستان مظلومیت اور اہل بیت کرام کی محبت کے واسطے سے سادہ لوح سنیوں میں تعزیہ داری رائج کرنے کی کوشش کی اور باور کرایا، کہ تعزیہ داری اور ماتم حسین کار ثواب ہے۔

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

چنانچہ حضرت تاج الفحول نے اپنے ایک فتویٰ میں تعزیہ داری کی شرعی حیثیت کو واضح کرتے ہوئے تحریر فرمایا۔

''انھیں امور شر میں سے تعزیہ داری بھی ہے، جسے بانس، لکڑی، کاغذ وغیرہ سے تیار کرکے امام عالی مقام کا روضہ قرار دیتے ہیں اور کوچہ وبازار میں گشت کراتے پھرتے ہیں، پھر اسے نیچی زمین میں دفن کردیتے ہیں، یہ تعزیہ داری کی حقیقت و ماہیت ہے اور رہے اس کے اندر دوسرے امور مثلاً تصاویر وغیرہ تو یہ زوائد و عوارض ہیں، جن سے قطع نظر بذات خود تعزیہ داری اور اس کو باعث ثواب گمان کرنا، اصول شرعیہ کے خلاف ہے، اس کی وجہ یہ ہے، کہ مال کا بیجا خرچ گناہ کا باعث ہے اور آیت مقدسہ ''اِنَّ الْمُبَذِّرِیْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّیٰطِیْنِ'' اس پر شاہد عدل ہے، کاش وہ لوگ جو تعزیہ داری میں ایصال ثواب کے خیال سے دولت خرچ کرتے ہیں اور زمین کے نیچے ڈال دیتے ہیں، اس کا کچھ حصہ حضرات سادات کرام کی بارگاہ میں نذر کرتے، تو انھیں اللہ ورسول کی خوشنودی ضرور حاصل ہوتی''۔

پھر لکھتے ہیں۔

''اول کسی ہیئت کذائیہ کا نقشہ خاص در و دیوار میں بنانا شریعت مطہرہ میں کسی طرح باعث برکت نہیں، دوسرے اس نقشے کے بنانے میں جو مال خرچ ہوگا، وہ فضول خرچی سے خالی نہیں ہے، تیسرے گزشتہ دونوں امور سے قطع نظر بغیر میت کے قبر بنانا، جیسے کہ تعزیہ میں لکڑی وغیرہ سے کیا جاتا ہے، شرعاً ممنوع ہے، چوتھے اس تقدیر پر کہ تمام محذورات میں سے فرض محض کا اعتقاد کرنا ہے، اس لیے کہ جو فقہائے کرام اور محدثین عظام سے منقول نہ ہو اور اسے فاسقوں اور جاہلوں نے دلائل شرعیہ کے بغیر گڑھا ہو، وہ بدعت سئیہ ہے، لہذا وہ کام گناہ ہوگا اور اس کو جائز سمجھنے والا بدمذہب اور گنہگار ہوگا''۔ (بحوالہ مظہر حق اگست وستمبر ۹۸ء ص ۳۷)

مذکورہ بالا اقتباسات سے یہ حقیقت پورے طور پر واضح ہوگئی، کہ تعزیہ داری کسی بھی صورت میں ہو، ناجائز اور اسراف ہے اس سے اجر و ثواب کا حصول نہیں، بلکہ گناہ کا ارتکاب ہوتا ہے اور تعزیہ داری بدعت وضلالت ہے، اس کا دین سے کوئی سروکار نہیں۔

رفض و تفضیل ونجدیت کا گلا
تیرے ہاتھوں کٹا محبّ رسول

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

حضور حافظ بخاری علیہ الرحمہ
اور ردفرق باطلہ

ظہور اسلام کی بدولت ایک عظیم روحانی انقلاب انسانی دنیا میں رونما ہوا اور حق وصداقت کی شمعیں فروزاں ہونے لگیں، افراد و قبائل جوق در جوق خدا کے آخری پیغام صداقت کو سینہ سے لگا کر دائرۂ اسلام میں داخل ہونے لگے، ابدی سعادت کے علمبرداروں کے نورانی قافلے جزیرہ نمائے عرب سے نکل کر عراق وایران اور مصر وشام میں داخل ہونے لگے، صدیوں سے حق وصداقت کی متلاشی قومیں اپنے موروثی افکار وعقائد سے تائب ہو کر اسلام کے دامن رحمت میں داخل ہونے لگیں، باطل کی طاغوتی قوتوں کو پسپا کرتا ہوا فکر اسلامی کا یہ سیلاب عرب وعجم کے بلاد وامصار میں تیزی سے پھیلنے لگا، کفر وشرک کی تاریکیاں چھٹنے لگیں، دانش وآگہی کے نور سے فضا روشن ہونے لگی، اقتدار وسطوت کی باگ ڈور ان کے ہاتھوں سے نکل کر اہل اسلام کے ہاتھوں میں آنے لگی، تحفظ اقتدار کے لیے اقوام و مذاہب کی تمام تدبیریں رائگاں ہونے لگیں، مختلف رنگ ونسل کے افراد، ملت بیضا کے رشتۂ اتحاد میں منسلک ہو کر انسانی وحدت کا شاہکار بننے لگے، تو شکست خوردہ باطل قوتوں نے اسلام دشمنی کا انداز بدل دیا، کھلے میدانوں میں شمشیر آزما ہونے کے بجائے انھوں نے مکر ودجل کے حربے آزمانے شروع کیے، ان کے ہوشیار افراد نے اسلام کا لبادہ اوڑھ کر مسلمانوں کے عقائد وافکار کو بدلنے کی کوشش کی، اس طرح ملی اتحاد کی جڑوں کو کھوکھلا کرنے کی مہم کا آغاز کیا، مسلمانوں میں افتراق وانتشار کی تخم ریزی انھوں نے خود کی یا اس کام کے لیے سادہ لوح آزاد طبع اور منصب ودولت کے حریص کم سواد مسلمانوں کو اپنا آلۂ کار بنایا۔

باطل کی مغلوب قوت نے اپنے خفیہ طرز عمل سے اسلامی سوسائٹی کو متاثر کیا اور اسلام دشمن عناصر کی خفیہ تحریک اسلام کی ابتدائی صدیوں سے لے کر آج تک اپنا کام کر رہی ہے، آج بھی مسلمان فکری واعتقادی فرقہ بندیوں سے دوچار ہوتے چلے جا رہے ہیں۔

مسلمانوں کے اندر باطل فرقوں کی تاریخ کا جب ہم جائزہ لیتے ہیں، تو براہ راست یا بالواسطہ ان باطل فرقوں کے بانی یہودیت ونصرانیت یا مجوسیت وثنویت سے متعلق افراد نظر آتے

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ہیں اوران کواعدائے اسلام کی نصرت وحمایت ضرور حاصل رہی ہے۔

سبائی تحریک کا بانی عبداللہ بن سبا یمن کا یہودی تھا، جس نے بظاہر اسلام قبول کیا اور ایک سیاسی تحریک کو آگے بڑھانے کے لیے اسلام میں باطل عقائد وافکار کی داغ بیل ڈالی، جن کی بنیاد پر شیعہ فرقہ نے اپنے اساسی اصول وعقائد مرتب کیےاور سواداعظم سے ہٹ کرایک جداگانہ دعوت کا آغاز کیا۔

امام شعبی، شیعہ کے متعلق فرمایا کرتے تھے، کہ شیعہ اس امت کے یہود ہیں، (اسلامی مذاہب ص۷۰)

ابوزہرہ مصری رقمطراز ہیں، ''عبداللہ بن سبا کے متبعین جو حضرت علی کی الوہیت کے قائل تھے، اسلام سے بہت دور نکل گئے، ان کے نظریات کچھ فلسفیانہ آرا پر مشتمل تھے، جن کا مصدر و ماخذ علمائے شرق وغرب کی نگاہ میں وہ فلسفی و دینی مذاہب تھے، جو ظہور اسلام سے قبل پائے جاتے تھے، مزید براں شیعہ مذہب اس فارسی تہذیب سے بھی متاثر ہوا تھا، جو ظہور اسلام سے ختم ہوگئی۔(اسلامی مذاہب ص۶۹)

<u>فرقہ قدریہ:۔</u> اس مسلک کا بانی وموسس کون ہےاور کس زمین میں اس دعوت کی سب سے پہلے تخم ریزی کی گئی؟ یہ مسئلہ مورخین کے درمیان مختلف فیہ ہے، کتاب شرح العیون میں لکھا ہے۔

''بعض لوگوں کا خیال ہے، کہ جس شخص نے سب سے پہلے تقدیر کے مسئلہ پر گفتگو کی، وہ پہلے نصرانی تھا، پھر اسلام لایا اور بعد ازاں نصرانی مذہب اختیار کرلیا، اس سے معبد جہنی اور غیلان دمشقی نے یہ عقیدہ اخذ کیا''۔(اسلامی مذاہب ص۱۹۰)

بعض حضرات یہ کہتے ہیں، کہ سنسو یہ پارسی سے لوگوں نے یہ عقیدہ اخذ کیا، مقریزی کا بیان ہے، کہ معبد جہنی نے دراصل اس عقیدہ کو سنسو یہ سے اخذ کیا تھا، جو اساورہ میں تھا، اس کی کنیت ابو یونس تھی اور الاسواری کی نسبت سے منسوب تھا۔(خطط ص۱۸۱)

سنسو یہ ایران کے آخری تاجدار یزدگرد کے محافظ دستہ کا رکن تھا، اسواری نے سوس کی جنگ میں شکست فاش کھانے کے بعد صلح کرلی اور اسلام قبول کرکے بصرہ میں مقیم ہوگیا، جس نے مجوسیت کے عقیدہ خالق خیر یزدان اور خالق شر اہرمن کے زیر اثر مسلمانوں میں مسئلہ قدر کی اشاعت کی، معبد جہنی نے بعد میں اس عقیدہ کی پرجوش تبلیغ کی۔

دونوں روایتوں سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے، کہ مسئلہ قدر کی تخم ریزی غیر اسلامی مذاہب کے ماننے والوں نے کی۔

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

فرقۂ جبریہ:۔ اس فرقہ کا بانی جہم بن صفوان ہے، جواصلاً خراسانی اور بنی راسب کے موالی میں سے تھا، اس کی دعوت کا مرکز خراسان تھا،جہم نے یہ عقیدہ کس سے اخذ کیا؟اس کے بارے میں اختلاف ہے،بعض حضرات کہتے ہیں، کہ یہ عقیدہ یہودی ذہن کی پیداوار ہے،اس عقیدہ کا موجد جعد بن درہم تھا،جس نے شام کے ایک یہودی سے یہ عقیدہ لیا اور بصرہ میں اسے پھیلایا، پھراس سے جہم بن صفوان نے سیکھا،شرح العیون میں لکھاہے، کہ جعد بن درہم سے جہم بن صفوان نے وہ قول سیکھا،جس کی طرف جہمیہ منسوب ہیں۔

یہ بھی کہا جاتا ہے، کہ جعد نے یہ نظریہ ابان بن سمعان سے اوراس نے طالوت بن اشعم یہودی سے اخذ کیا۔

اس سے واضح ہوتا ہے، کہ یہ عقیدہ یہودی ذہن کی پیداوار ہے۔

بعضوں کا خیال ہے، کہ یہ عقیدہ مجوسیت کی دین ہے، کیونکہ ایرانیوں میں بھی یہ نظریہ قبل ازیں موجود تھا، زردشتی فرقہ ہی سے جہم بن صفوان نے یہ نظریہ لیا،قرین قیاس بھی یہی ہے، کیونکہ جہم نسلاً ایرانی تھا اور یہ عقیدہ اسے وراثت میں ملا تھا، جسے اس نے اسلام میں داخل کیا۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے مروی، ہے کہ فارس کا ایک شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض پرداز ہوا، میں نے دیکھا، کہ اہل فارس اپنی بہنوں اور بیٹیوں کو اپنے نکاح میں لاتے ہیں اور جب ان سے اس کی وجہ پوچھی جاتی ہے،تو کہتے ہیں، خدا کی تقدیر یوں ہی تھی، یہ سن کر آپ نے فرمایا، میری امت میں ایک فرقہ ایسا پیدا ہوگا، جو اسی کا قائل ہوگا، یہ میری امت کے مجوس ہوں گے۔ (اسلامی مذاہب ص ۱۷۷)

معتزلہ:۔ عام طور پر فرقہ معتزلہ کا بانی واصل بن عطا کو قرار دیا جاتا ہے،اس فرقہ والے یونانی حکمت و فلسفہ کی روشنی میں اسلامی معتقدات ونظریات کی تعبیر وتشریح کرتے ہیں،عقل پرستی کا یہ رجحان یہودیوں کے ایک طبقہ میں بھی قبل اسلام موجود تھا، مبادا یہود کے سازشی طرز عمل نے واصل بن عطا کے ذہن و دماغ کو بھی مسموم کردیا ہواوران کے زیراثر اس نے عقلیت پرستی کے رجحان کی تبلیغ کی، جس کے نتیجہ میں ایک مستقل فرقہ وجود میں آگیا، مقریزی کا بیان ہے۔

”ان دنوں جو یہودی فرقے ادھرادھر پھیلے ہوئے تھے،ان میں ایک فرقہ فروشیم کہلاتا تھا،اس کے معنی ہیں، معتزلہ یہ فرقہ تقدیر پر بھی گفتگو کرتا تھا اور یہ عقیدہ رکھتا تھا، کہ بندوں کے سب افعال خدا کے پیدا کردہ نہیں ہیں، کچھ بعید نہیں کہ یہود میں سے جو لوگ اسلام لائے تھے،انھوں نے اسی مماثلت کی وجہ سے معتزلہ پر اس نام کا اطلاق کیا ہو۔ (اسلامی مذاہب ص ۲۱۴)

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

وہابیہ:۔ اس فرقہ کا بانی محمد بن عبدالوہاب نجدی ۱۱۱۱ھ/۱۶۹۹ء تا ۱۲۰۶ھ/۱۷۹۲ء جو طبعاً آزاد خیال جاہ پسند انسان تھا، یہ وہ زمانہ تھا، جب یورپ میں صنعتی نشاۃ ثانیہ ہوچکی تھی اور اہل یورپ دنیا کے مختلف خطوں میں اپنی نوآبادیاں قائم کر رہے تھے، عرب وعراق کا خطہ ان کی خاص دلچسپیوں کا مرکز تھا، جہاں تجارتی فروغ کے ساتھ ان علاقوں میں بسنے والے راسخ العقیدہ مسلمانوں کے درمیان افتراق و انتشار پیدا کر کے ان کی دینی وحدت کو پارہ پارہ کرنا تھا، اس کام کے لیے انھیں ایسے افراد کی ضرورت تھی، جو ان کے بنائے ہوئے خطوط پر چل کر اسلام میں ایسے ناروا عقائد کی اشاعت کریں، جس سے مسلمان باہم دست وگریباں ہوجائیں اور ان میں کشت وخون کا بازار گرم ہوجائے۔

چنانچہ انگریز جاسوس ہمفرے کو محمد بن عبدالوہاب ہاتھ آگیا، جو اسلام دشمن مشن کو مذہبی رنگ دینے میں اس کا آلۂ کار بنا، ہمفرے لکھتا ہے۔

محمد بن عبدالوہاب سے میل جول اور ملاقاتوں کے ایک سلسلہ کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا، کہ برطانوی حکومت کے مقاصد کو عملی جامہ پہنانے کے لیے یہ شخص بہت مناسب دکھائی دیتا ہے، اونچا اڑنے کی خواہش، جاہ طلبی، غرور، علماو مشائخ اسلام سے اس کی دشمنی، اس حد تک خودسری کہ خلفائے راشدین بھی اس کی تنقید کا نشانہ بنیں اور حقیقت کے سراسر خلاف قرآن وحدیث سے استفادہ اس کی کمزوریاں تھیں، جس سے بڑی آسانی سے فائدہ حاصل کیا جاسکتا تھا۔ (ہمفرے کے اعترافات)

ہمفرے نے محمد بن عبدالوہاب کی نفسیات جان لینے کے بعد اس سے گہرے مراسم قائم کیے اور اس کے مزاج میں داخل ہونے میں کامیاب ہوگیا، وہ شیخ نجدی کی عبقریت اور دینی شعور کی جھوٹی تعریفوں کے پل باندھتا اور کہتا میں یہی چاہتا ہوں، کہ اسلام میں جس انقلاب (وہابیت) کو رونما ہونا ہے، وہ تمہارے ہی مبارک ہاتھوں سے انجام پذیر ہو، اس لیے کہ صرف تم ہی وہ شخصیت ہو، جو اسلام کو زوال سے بچاسکتے ہو اور اس سلسلہ میں سب کی امیدیں تمہیں سے وابستہ ہیں۔ (ایضاً)

بالآخر ہمفرے اپنے مقصد میں کامیاب ہوگیا اور جمہور ائمہ و مجتہدین، فقہا و محدثین کے برخلاف اسلام میں گمراہ کن آراو افکار کا اظہار کیا اور کتاب التوحید لکھ کر جزیرہ نمائے عرب میں اپنے باطل افکار ونظریات کی تشہیر وتبلیغ شروع کردی، برطانوی سامراج کے تعاون سے وہابی تحریک کی جڑیں گہری ہونے اور اس کی شاخیں برگ وبار لانے لگیں۔

وہابیت ہندوستان میں:۔ ہندوستان میں وہابی تحریک کا بانی مولوی اسماعیل دہلوی ۱۱۹۲ھ ۱۷۷۹ء تا ۱۲۴۶ھ ۱۸۳۱ء ہے، اس خود پرست، جاہ طلب شخص کو بھی برطانوی سامراج کی پشت

http://t.me/Tehqiqat

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

پناہی وتائید حاصل تھی، جو ہندوستان سے مغلیہ اقتدار کا خاتمہ کر کے برسر اقتدار آنا چاہتا تھا،''لڑاؤ اور حکومت کرو'' کی پالیسی پر عمل پیرا ہوکر مسلمانوں کے درمیان شدید اختلاف وانتشار پھیلانے کا خواستگار تھا، پروفیسر محمد ایوب قادری لکھتے ہیں۔

''تقسیم ہند تک مسلمانان ہند کا اس بات پر اتفاق رہا ہے، کہ فرقہ وہابیہ انگریز کا کاشت کردہ پودا ہے، جس کی آبیاری اس نے نہایت ہوشیاری سے کی اور اس نے اپنی کتاب تقویت الایمان میں شیخ نجدی کی کتاب التوحید اور ردالاشراک کے مندرجات کو تحریر کیا، برٹش سرکار نے اس کا انگریزی ترجمہ ۱۸۴۵ء میں لندن سے شائع کیا، سید احمد رائے بریلوی اور مولوی اسماعیل دہلوی نے جب سرحدی مسلمانوں کے خلاف (بزعم خود) علم جہاد بلند کیا، تو ایسٹ انڈیا کمپنی درپردہ ان کی معاونت کرتی رہی''۔

<u>امر بالمعروف ونہی عن المنکر:۔</u> اسلام نے اپنے متبعین کو جہاں ایمان وعمل اور احسان وتقویٰ کی راہ پر چلنے کی تاکید کی ہے، وہیں اہل ایمان کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا بھی حکم دیا ہے، ارشاد خداوندی ہے۔

ولتکن منکم امة یدعون الی الخیر یامرون بالمعروف وینھون عن المنکر واولئک ھم المفلحون (آل عمران)

تم میں ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے، جو خیر کی طرف بلائے، معروف کا حکم دے اور منکر سے روکے، ایسی ہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

والذی نفسی بیدہ لتامرن بالمعروف ولتنھون عن المنکر او لیوشکن اللہ ان یبعث علیکم عذاباً منه فتدعون فلا یستجیب لکم (ترمذی ابواب الفتن)

قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم ضرور معروف کا حکم دو اور منکر سے روکو، ورنہ وہ وقت دور نہیں کہ خدائے تعالیٰ تم پر اپنا عذاب نازل فرمائے، اس وقت تم اس سے دعا کروگے لیکن تمہاری دعا سنی نہیں جائے گی۔

عہد رسالت سے لے کر دور حاضر تک امت اسلام کے ائمہ مجتہدین، علما وفقہا، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیتے رہے ہیں، مسلمانوں کے اعتقاد وعمل کی اصلاح کے ساتھ اسلام کے خلاف پیدا ہونے والے ہر فکری وعملی نظریہ وتحریک کا رد وابطال کرتے ہوئے صحیح اسلامی نقطۂ نظر

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

واضح کرتے رہے ہیں اور اس کام کو امت کے لیے ضروری قرار دیا ہے۔

ضحاک کا قول ہے۔

الامر بالمعروف والنهی عن المنکر فریضة من فرائض الله علی المومنین

(فتح القدیر ج ۲ ص ۳۶۳)

امر بالمعروف ونہی عن المنکر اللہ تعالیٰ کے متعین کردہ فرائض میں سے ایک ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے مومنین کے لیے لازم کر دیا ہے۔

امام غزالی علیہ الرحمہ احیاء العلوم میں تحریر فرماتے ہیں۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر دین کا عظیم ترین ستون ہے، یہ وہ مہم ہے، جس کو سر کر لینے کے لیے اللہ نے تمام انبیا کو بھیجا ہے، اگر اس کی بساط پلٹ دی جائے، اس کا علم اور اس پر عمل چھوڑ دیا جائے، تو کار نبوت معطل ہو جائے گا اور دین کمزور ہو جائے گا، (اس سے) جہالت کا دور دورہ ہوگا، گمراہی پھیلے گی، جہالت بڑھے گی، فساد گھس پڑے گا، بگاڑ وسیع ہوگا، بستیاں ویران ہوں گی۔ (احیاء العلوم)

ابو بکر جصاص فرماتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کے بہت سے مقامات میں امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے فرض کو تاکید کے ساتھ بیان فرمایا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی متواتر حدیثوں میں پوری تفصیل سے اس کا ذکر کیا ہے، علمائے اسلام اور مختلف علاقوں کے فقہا اس کے وجوب پر متفق ہیں، (احکام القرآن ج ۲ ص ۵۹۲)

امام نووی فرماتے ہیں، "امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے واجب ہونے پر کتاب وسنت اور اجماع امت سبھی متفق ہیں، دین کو خیر خواہی کہا گیا ہے اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر اس خیر خواہی کا جز ہے"۔ (شرح مسلم ج ۲ ص ۵۱)

امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا داعیہ ہی تھا، کہ جب بھی اسلامی صداقت کے خلاف کوئی آواز اٹھی یا کسی نے منکر کی دعوت دی یا باطل افکار ونظریات کے ساتھ کوئی تحریک سرگرم عمل ہوئی، حق وصداقت کے امین آگے بڑھے اور پوری قوت سے باطل افکار وخیالات کی تردید کی اور اسلام کے صحیح نقطۂ نظر کو کتاب وسنت اور اجماع امت کی روشنی میں واضح فرمایا، خوارج کا ظہور ہوا، تو ان کے باطل نظریات کا رد فرماتے ہوئے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

"خدا انھیں (خوارج کو) غارت کرے، کتنی روشن جماعتوں کو انھوں نے سیاہ کر دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کتنی حدیثوں کو بگاڑ دیا۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۲)

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

اس باطل فرقہ کی سرکوبی کے لیے جنگ نہروان میں تلوار کا استعمال کیا، حضرت علی کے بعد بھی خوارج کے خلاف تحریر وتقریر اور شمشیر کے ذریعہ اہل اسلام کا جہاد جاری رہا، اسی طرح روافض، قدریہ، جبریہ، معتزلہ اور دوسرے باطل فرقوں کے خلاف اہل حق زبان وقلم کے ذریعہ برسر پیکار رہے، مناظروں میں ان کے باطل نظریات کی دھجیاں بکھیریں اور اسلامی عقائد کے ثبوت میں روشن دلائل اور قاطع براہین پیش کیے، امت کی ایسی برگزیدہ ہستیوں کے تذکروں سے تاریخ وسوانح کا دامن مالا مال ہے۔

امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ نے معتزلہ کے عقیدۂ خلق قرآن کی تردید میں مناظرے کیے اور حکومت وقت کے خلاف عزیمت پر عمل پیرا ہوئے۔

امام ابوالحسن اشعری (۲۶۰ھ تا ۳۳۰ھ) جو ابتدا میں مشہور معتزلی ابوعلی جبائی کے شاگرد اور اس کے ترجمان تھے، توفیق الٰہی سے جب ان پر حق واضح ہوا، تو انھوں نے معتزلہ کے عقائد سے توبہ کی اور پوری زندگی اس فرقہ کے باطل نظریات کی تردید میں گزار دی اور معتزلہ کی فضیحت ورسوائی کا کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا۔

امام منصور ماتریدی متوفی ۳۳۳ھ نے سمرقند و ماوراء النہر میں معتزلہ کی تردید میں نمایاں کارنامے انجام دیے۔

امام غزالی ۴۵۰ھ تا ۵۰۵ھ نے باطنی معتقدات اور یونانی فلسفہ کے ترجمان متکلمین کا رد وابطال زبردست استدلالی قوت کے ساتھ کیا، اس طرح فلسفہ اور باطنیت کے بڑھتے ہوئے سیلاب کا مقابلہ اور اسلام کی طرف سے ان کی بنیادوں پر کاری ضرب لگائی۔

امام عزالدین بن عبدالسلام ۵۷۸ھ-۶۶۰ھ نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لیے پوری زندگی وقف کر دی۔

ابواسحٰق اسفرائنی ۴۱۸ھ نے جامع الحلی فی اصول الدین والرد علی الملحدین ۵ جلدوں میں لکھی، جس کے ذریعہ گمراہ فرقوں کی ہفوات کا رد فرمایا۔

شیخ نجدی محمد بن عبدالوہاب نے بارہویں صدی ہجری کے وسط میں جب وہابیت کی دعوت کا آغاز کیا اور اپنی گمراہ کن کتابیں التوحید، رد الاشراک کی اشاعت جزیرۃ العرب میں کی، تو وہاں کے علمائے حق نے اس کی پوری شدت کے ساتھ مخالفت کی، شیخ نجدی کے بھائی شیخ سلیمان بن عبدالوہاب نے ۱۱۶۷ھ میں "الصواعق الالٰھیہ فی الرد علی الوھابیہ" لکھی، اس کے علاوہ بہت سے علما نے وہابی عقائد کی تردید میں کتابیں تحریر کیں، علامہ ابوحامد بن مرزوق نے اپنی

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کتاب التوسل بالنبی وجہلۃ الوہابیین میں تقریباً چالیس علما کا ذکر کیا ہے، جنھوں نے ردوہابیہ میں کتابیں لکھی ہیں۔

علمائے دہلی:۔ تقویت الایمان کی اشاعت کے بعد ہی علما دہلی نے اسماعیلی ہفویات کا پرزور رد کیا، ان کے عم زاد مولانا محمد موسیٰ سوال و جواب اور حجۃ العمل فی ابطال الحیل اور مولانا مخصوص اللہ نے معید الایمان ردتقویت الایمان لکھی، علامہ فضل حق خیرآبادی نے "**تحقیق الفتوی فی ابطال الطغوی**" اورامتناع النظیر لکھی، علمائے دہلی نے مولوی اسماعیل کی تکفیر کر کے وہابیت کے دجل وفریب سے مسلمانوں کو آگاہ کیا، مولانا فضل رسول بدایونی نے سیف الجبار لکھی۔

وہابیت کا فتنہ جوں جوں بڑھتا رہا، برصغیر ہند کے علمائے حق اس فرقہ کے اکابر کی کفریات اورشان رسالت میں ان کی گستاخیوں کا ردوابطال کرتے رہے، اس سلسلہ میں مجدد دین وملت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کا جہاد بالقلم امتیازی شان رکھتا ہے، ان کے معاصرین میں جن علما نے بالعموم فرق باطلہ اور بالخصوص وہابیہ کا رد فرمایا، ان میں شیخ المشائخ حافظ بخاری حضرت علامہ مولانا سید عبدالصمد مودودی چشتی علیہ الرحمہ ۱۲۶۹ھ ۱۸۵۳ء تا ۱۳۲۳ھ ۱۹۰۵ء کی والا صفات شخصیت بہت نمایاں ہے۔

ردوہابیہ:۔ حضور حافظ بخاری علیہ الرحمہ نے ہندوستان کے اندر بڑھتے ہوئے فتنۂ وہابیہ کے انسداد کے لیے زبان وقلم کا بھرپور استعمال کیا، اس سلسلہ میں تحریروتقریر مناظرہ ومباحثہ سے اساطین وہابیہ کی تقریروتحریر اوران کے مزعومات فاسدہ کے ردوابطال میں مناظرہ فرمایا، دینی حمیت اور عشق رسول کے جذبۂ بیکراں سے سرشار ہو کر باطل کے خلاف حق وصداقت کا یہ علمبردار ہر محاذ اور ہر مہم پر پیش پیش رہا، حیلہ وفن، دجل وفریب جو باطل کا شیوہ ہے، اس کی پردہ دری کرتا رہا اور حق وصداقت کے خلاف اٹھنے والی ہر آواز کو وہیں دبادیا، جہاں سے وہ اٹھی تھی اور دین حق کی صداقتوں کا چراغ روشن کرتا رہا، امر بالمعروف اورنہی عن المنکر کے اس فریضہ کو زمانۂ طالبعلمی سے لے کر زندگی کے آخری لمحات تک انجام دیتا رہا۔

حضرت خاتم النبیین علیہ الصلوۃ والسلام خاتم الانبیا والمرسلین ہیں، جس کی صراحت قرآن وحدیث میں موجود ہے، سلف سے لے کر خلف تک پوری امت مسلمہ کا اجماع، عقیدۂ ختم نبوت پر قائم ہو چکا ہے۔

ماکان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللّٰہ و خاتم النبیین و کان اللّٰہ

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

بکل شئی علیما (الاحزاب)

لوگو! محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں، مگر وہ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں، اللہ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔

ختم نبوت:۔

ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال فضلت علی الانبیاء بستة اعطیت جوامع الکلم و نصرت بالرعب واحلت لی الغنائم و جعلت بی الارض مسجدا و طھوراً وارسلت الی الخلق کافة وختم بی النبیون (مسلم، ترمذی، ابن ماجه)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، مجھے چھ باتوں میں انبیا پر فضیلت دی گئی ہے، (۱) مجھے جامع ومختصر بات کہنے کی صلاحیت دی گئی ہے، (۲) مجھے رعب کے ذریعہ نصرت بخشی گئی، (۳) میرے لیے اموال غنیمت حلال کیے گئے، (۴) میرے لیے زمین کو مسجد بھی بنادیا گیا اور پاکیزگی حاصل کرنے کا ذریعہ بھی، (۵) مجھے تمام دنیا کے لیے رسول بنایا گیا (۶) اور میرے اوپر انبیا کا سلسلہ ختم کردیا گیا۔

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ان الرسالة والنبو ة قد انقطعت فلا رسول بعدی ولا نبی (ترمذی کتاب الرویا)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، رسالت ونبوت کا سلسلہ ختم کردیا گیا میرے بعد اب کوئی رسول ہے اور نہ نبی۔

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فانی آخر الانبیاء وان مسجدی آخر المساجد (مسلم کتاب الحجج)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں آخری نبی ہوں اور میری مسجد آخری مسجد ہے۔

علمائے سلف اور عقیدۂ ختم نبوت:۔ عہد رسالت وعہد صحابہ سے لے کر آج تک امت کے علما و محدثین، فقہا ومفسرین اور جمہور امت کا یہ عقیدہ تھا اور ہے، کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر سلسلۂ نبوت کا خاتمہ ہوگیا، آپ کے زمانہ میں یا آپ کے بعد کوئی نبی ورسول دنیا میں ہرگز مبعوث نہ ہوگا اور اس عقیدہ پر علمائے امت کا اجماع قائم ہوچکا ہے، چنانچہ پہلی صدی سے لے کر آج تک ہر زمانہ اور ہر ملک و شہر کے علما اس عقیدہ پر متفق ہیں، کہ حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں ہوسکتا اور یہ کہ جو بھی آپ کے بعد دعوئے نبوت کرے یا اسے تسلیم کرے وہ کافر ہے۔

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

۱۔امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ۸۰ھ تا ۱۵۰ھ) کے زمانہ میں ایک شخص نے نبوت کا دعوی کیا اور کہا، مجھے موقع دو کہ میں اپنی نبوت کے علامات پیش کروں، اس پر امام اعظم نے فرمایا، جو شخص اس سے نبوت کی علامت طلب کرے گا، وہ بھی کافر ہو جائے گا، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما چکے ہیں، کہ **لا نبی بعدی**۔

۲۔امام غزالی (۴۵۰ھ تا ۵۰۵ھ) فرماتے ہیں، امت نے بالاتفاق اس لفظ (**لا نبی بعدی**) سے یہ سمجھا، کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بعد کسی نبی اور کسی رسول کے کبھی نہ آنے کی تصریح فرما چکے ہیں اور یہ کہ اس میں کسی تاویل و تخصیص کی گنجائش نہیں ہے، اب جو شخص اس کی تاویل کر کے اسے کسی خاص معنی کے ساتھ مخصوص کرے، اس کا کلام محض بکواس ہے، جس پر تکفیر کا حکم لگانے میں کوئی امر مانع نہیں ہے، کیونکہ وہ اس نص کو جھٹلا رہا ہے، جس کے متعلق تمام امت کا اجماع ہے کہ اس کی نہ تاویل کی جا سکتی ہے اور نہ مخصوص ہے۔(الاقتصاد فی الاعتقاد ص ۱۱۳)

۳۔علامہ بیضاوی متوفی ۶۸۵ھ نے فرمایا، آپ انبیا میں سب سے آخری نبی ہیں، جس نے ان کا سلسلہ ختم کر دیا، جس سے انبیا کے سلسلہ پر مہر کر دی گئی۔(انوار التنزیل ج ۴ ص ۱۶۴)

۴۔ملا علی قاری متوفی ۱۰۱۶ھ کا بیان ہے، ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کا دعوی کرنا بالاجماع کفر ہے۔(شرح فقہ الاکبر ص ۲۰۲)

جس زمانہ میں سلطنت مغلیہ کے ملبہ پر انگریزی حکومت کا قصر اقتدار تعمیر ہو رہا تھا، مولوی اسماعیل دہلوی نے قرآن و سنت اور اجماع امت سے ثابت شدہ عقیدۂ ختم نبوت کے علی الرغم امکان نظیر خاتم النبیین کا گمراہ کن عقیدہ اختراع کیا، بظاہر ختم نبوت کا انکار تو نہ تھا، مگر امکان مثل خاتم الانبیا کے نظریہ کی زد عقیدۂ ختم نبوت پر ضرور پڑتی تھی اور امت مسلمہ کے اس اجماعی عقیدہ میں تذبذب و تشکیک کا فتح باب ہو رہا تھا، چنانچہ سرخیل وہابیہ مولوی اسماعیل دہلوی کے نظریہ خاتم النبیین کا مثل ممکن بالذات اور ممتنع بالغیر نہیں ہے، کہ تردید میں محقق عصر حضرت علامہ فضل حق خیر آبادی علیہ الرحمہ نے رسالہ امتناع نظیر تصنیف فرمایا، جس میں اسماعیلی عقیدہ امکان نظیر کو نقلاً و عقلاً باطل قرار دیا، مگر باطل اپنی شکست کے بعد بھی موقع پا کر ابھرتا ہے اور اس کا داعی دام ہمرنگ زمین بچھا کر سادہ لوح مسلمانوں کو پھنسانے کی کوشش کرتا ہے، حضرت حافظ بخاری علیہ الرحمہ کے دور طالب علمی میں سہسوان کے ایک وہابی مولوی امیر حسن نے ''شش مثل'' کا فتنہ اٹھایا اور دعوی کیا کہ زمانہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں چھ شخص تمام صفات ظاہری میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مثل دوسرے

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

طبقات ارض میں موجود تھے، اس باطل عقیدہ کی تائید میں ایک رسالہ تحریر کیا، جسے مولوی تراب علی میرٹھی کے نام سے شائع کردیا اور اس کا نام ''افادات ترابیہ'' رکھا، امکان نظیر کے ردو بطلان پر اگر چہ بہت کچھ لکھا جاچکا تھا، مگر مولوی امیر حسن نے اس نظریہ کو عام کرنے کی کوشش کی، حضرت علامہ عبدالصمد چشتی علیہ الرحمہ اپنی کتاب افادات صمدیہ میں وہابیہ کی فریب کاریوں کی جانب اشارہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

''ہر خاص و عام پر بخوبی ظاہر ہوگیا، کہ حضرات نجدیہ کو از ابتدا تا انتہا نہ خوف خدا ہے، نہ خلق سے شرم وحیا، روش آئین ان کی صرف مخالفت عقل و دین ہے، اقوال باطلہ کبراوقد ما نجدیہ کے کہ جن کا اہل سنت و جماعت کی طرف سے بکرات و مرات ردو ابطال قرار واقعی ہوکران کا اسکات ہوگیا، انھیں اقاویل واباطیل مردودہ کو وجوہ ودلائل ردوابطال سے چشم پوشی اور دیدہ وشنیدہ کو نادیدہ و ناشنیدہ کر کے کچھ جھوٹ اپنی طرف سے ملاکر کہ دعوی کو دلیل سے مناسبت نہیں ہوتی، شائع کرتے ہیں''۔ (افادات صمدیہ ص۳)

افادات ترابیہ میں شش مثل ذات رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود کی دلیل ایک حدیث شاذ سے پیش کی گئی، وہ حدیث یہ ہے۔

ان اللہ خلق سبع ارضین فی کل ارض آدم کآدم و نوح کنوح و ابراھیم کابراھیم و نبی کنبیکم .

بے شک اللہ نے پیدا کیا، سات زمینوں کو ہر زمین میں آدم کی طرح ایک آدم، نوح کی طرح ایک نوح، ابراہیم کی طرح ایک ابراہیم اور تمہارے نبی کی طرح ایک نبی ہے۔

حضرت حافظ بخاری علیہ الرحمہ نے اس حدیث پر کلام فرمایا اور اسے از قبیل اسرائیلیات قرار دیا، میزان درایت وفن پر تولنے کے بعد یہ ثابت فرمایا، کہ عقیدۂ ختم نبوت جو قرآن و حدیث اور اجماع امت سے ثابت ومبرہن ہے، اس کے خلاف حدیث شاذ کو حجت دین وعقل کے منافی اور لایعنی فعل ہے، تحریر فرماتے ہیں۔

''میاں امیر حسن نے اپنے پیشوایان احبّا جناب مولوی ڈپٹی کلکٹر امداد العلی صاحب اور مولوی نذیر حسین اور مولوی بشیر الدین صاحب اور مولوی صدیق حسن صاحب وغیرہم ارباب تصنیف سے استفسار کیا کہ فرماویں کہ قول شاذ غیر معصوم کو وہ بھی منقول کتب غیر صحاح سے اور ایسا جس میں کہ اہل حق نے ہر طرح کا کلام کیا ہو دلیل مسائل اعتقادیہ کے ٹھہرانا عقل و دین کے موافق ہے یا مخالف؟ قسطلانی نے

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

شرح صحیح بخاری میں بعد نقل روایت ابن جریر اور حاکم وبیہقی کے بعد اور بعد نقل مقولہ بیہقی کے اسنادہٗ صحیح الا انہ شاذ بمرة لا اعلم ابی الضحی علیه متابعاً لکھا ہے، ففیه انه لا یلزم من صحة الاسناد صحة المتن کما هو معروف عند اهل هذا الشان فقد یصح الاسناد ویکون فی المتن شذوذاً وعلة تقدح فی صحته ومثل هذا لا ثبت بالحدیث الضعیف وقال فی البدایة وهذا محمول ان صح نقله علی ان ابن عباس اخذه من الاسرائیلیات انتهی (افادات صمدیه ص ۴)

اس کے بعد حافظ بخاری علیہ الرحمہ نے مولوی امیر حسن کی خام دلیلوں کا بڑی وضاحت سے پوسٹ مارٹم کر کے حق کو روشن فرمایا، وہابیہ کے عقیدۂ امکان نظیر خاتم المرسلین کو دلائل عقلیہ سے رد فرمایا، مثلاً تحریر فرماتے ہیں۔

منشائے امتناع مماثل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا صفات کمالیہ میں امتناع اشتراک بعض صفات کمالیہ کا ہے، بین الاثنین کہ وہ صفات بنفس مفہومہا الی بین اشتراک بین الاثنین سے دائماً قبل وجود باوجود کے بھی اور بعد اس کے جیسے مثلاً وصف خاتم النبیین کہ معنی اس کے فرد اخیر جمیع انبیا کے ہیں، پس مشترک ہونا حقیقت اس وصف کا بین الاثنین بنفس مفہومہ باطل ہے، کیونکہ اگر قبل وجود با وجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ صفت اور میں فرض کی جائے، تو آنحضرت میں متصور نہیں ہوسکتی، چہ جائیکہ موصوف بصفت خاتم النبیین ہوں، ورنہ وہ شخص مقدم فرد اخیر جمیع انبیا کا نہ رہے گا، وقد فرضناه فانما هذا خلف اور اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں یہ صفت فرض کی جائے، جیسا کہ واقع میں بھی ہے، تو وہ شخص قبل والا فرد اخیر جمیع انبیا کا نہیں رہے گا، وهو خلاف المفروض پس درصورت اشتراک اس وصف کی ہر واحد میں متقدم ومتاخر سے ہر ایک میں یہ وصف موجود ہے اور مقدوم بھی و هذا هو مصادیق مفهوم اجتماع النقیضین فیمنع امتناعاً عقلیا ویستحیل استحالة ذاتیة بالضرورة پس اس شق میں کسی طرح انقلاب امکان سے طرف امتناع کے لازم نہیں ہے، منشا غلطی متدل مدعی امکان مماثل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ہے کہ امکان عطاء ان صفات کو قبل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اور امکان اشتراک کو ایک سمجھتا ہے حالانکہ بنظر عقل کے ممکن ذاتی تھا، الخ۔ (افادات صمدیہ ص ۱۰، ۹)

مناظرہ:۔ ۱۲۸۶ھ میں جبکہ آپ کی عمر ۱۷ رسال تھی اور بدایوں میں تعلیم حاصل کر رہے تھے، وطن سہسوان میں سنیوں اور دیوبندیوں کی عیدگاہ ایک ہی تھی، اگرچہ امام سنی عالم ہوا کرتے تھے، مگر عیدین کی

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

نماز سے قبل موقع غنیمت جان کر مولوی امیر حسن منبر پر کھڑے ہو کر تقریر کرتے اور وہابیہ کے غلط عقائد کی تشہیر واشاعت کرتے، چونکہ عیدگاہ میں اس تقریر کی تردید نہ ہوتی، اس سے دو چار سادہ لوح سنی مسلمان مولوی امیر حسن کی تقریر سے فریب میں مبتلا ہو جاتے اور ان کی راسخ العقیدگی تذبذب اور تشکیک کا شکار ہو جاتی۔

حضرت حافظ بخاری نے وہابیت کے اس طریقۂ اشاعت کے انسداد کی یہ تدبیر فرمائی، کہ اسی عیدگاہ میں برسر منبر جملہ حاضرین کے سامنے تقریر کی جائے اور مولوی امیر حسن کے ہفویات کا مدلل و مسکت جواب دیا جائے، تاکہ حق وصداقت واضح ہو جائے، چنانچہ ۲۹؍رمضان ۱۲۸۶ھ کو پاپیادہ بدایوں سے سہوان اپنے دولت خانہ پر پہنچے اور اپنے ارادہ سے کسی کو آگاہ نہ فرمایا، عید کی صبح تنہا عیدگاہ پہنچے منبر کے پاس بیٹھ گئے، جب عیدگاہ بھر گئی اور مولوی امیر حسن بھی اپنے حاشیہ نشینوں کی جھرمٹ میں نمودار ہوئے، تو حضرت حافظ بخاری منبر پر جلوہ افروز ہوئے، قرآن حکیم کی تلاوت کے بعد مولوی امیر حسن کے اقوال کی تردید میں تقریر شروع کی اور اس کے باطل عقائد کا پرزور رد فرمایا، مولوی امیر حسن اور اس کے ہواخواہوں کو دم مارنے کی ہمت نہ ہوسکی، حضرت نے پوری جرأت وبے باکی کے ساتھ خطاب فرمایا۔ ؎

آئین جواں مرداں حق گوئی و بے باکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

حضرت نماز عید کے بعد بدایوں لوٹ گئے، ادھر مولوی امیر حسن کے حامی آتش زیر پا ہوئے، کہ ایک نوعمر طالب علم نے ان کے مولوی کی برسر منبر مجمع عام میں بھرپور تردید کی اور وہ موقع پر کچھ نہ کر سکے، انھوں نے منصوبہ بنایا، کہ بقرعید میں مولوی امیر حسن تقریر کریں کہ خفت دور ہو جائے اور حضرت حافظ بخاری کے عم محترم حاجی انوار حسین صاحب سے جا کر کہا، کہ اپنے بھتیجے کو روک دیں، بقرعید میں تقریر کے لیے آئیں گے، تو خونریزی ہوگی، حاجی صاحب نے دیوبندیوں کے غیظ وغضب اور ان کے ارادہ سے مدرسہ بدایوں کے ذمہ داروں کو مطلع کر دیا۔

جب یوم عرفہ آیا، شیر بیشۂ حق وصداقت خاموشی کے ساتھ پاپیادہ سہوان کے لیے چل پڑا، سہوان پہنچ کر اپنے مکان جانے کے بجائے ایک مسجد میں رات گزاری کہ مبادا حالات کی سنگینی کو سامنے رکھ کر اہل خانہ عیدگاہ میں تقریر سے روک دیں۔

صبح کے وقت جناب وزیر خاں صاحب (جو ایک بااثر زمیندار تھے) کے چند آدمیوں کے ساتھ عیدگاہ پہنچے اور منبر کے قریب بیٹھ گئے، جب عیدگاہ مصلیوں سے بھر گئی اور مولوی امیر حسن اپنے

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ساتھیوں کے ہمراہ پہنچے حضرت قبلہ عالم رونق افروز ہوئے، وہابیوں کی ہمت نہ ہوئی، کہ شیرحق کو منبر سے اتار دیں، حضرت نے تقریر شروع فرمائی اور دیوبندی معتقدات کی دھجیاں بکھیر دیں، کسی کو اعتراض کی جرأت نہ ہوئی۔

خطبہ و دعا کے اختتام کے بعد مولوی امیر حسن آپ کو اپنے ہمراہ قاضی محلّہ کی نشست گاہ میں لے گئے اور پوچھا، کہ افادات صمدیہ واقعی تمہاری تصنیف ہے کیا؟ اس کے مباحث سمجھا سکتے ہو، حضرت نے فرمایا ''تصنیف را مصنف نیکو کند بیان'' سنیوں اور وہابیوں کے مجمع عام میں افادات صمدیہ منگا کر پوچھا، تم نے بیہقی کا یہ مقولہ لکھا ہے، اسنادهٗ صحیح الا انه شاذ بمرة' اس کا مفہوم کیا ہے؟

حضرت نے فرمایا، کہ بیہقی سند حدیث کو صحیح جانتا ہے، لیکن متن حدیث کو بکثرت شاذ کہتا ہے، مولوی امیر حسن نے اعتراض کیا، کہ بمرة کے معنی ایک مرتبہ ہیں نہ کہ بہت؟ حضرت نے فرمایا، بمرة کے معنی عربی زبان میں ایک بار نہیں آتے، متعدد عربی لغات دیکھے گئے، ان سب میں مـرۃ کا ترجمہ ایک مرتبہ ملتا ہے، حضرت نے کہا، کہ میں مرۃ کا نہیں بـمرۃ کا معنی پوچھتا ہوں، اس کو ایک مرتبہ کے معنی میں دکھاہیے، طویل گفتگو کے بعد مولوی امیر حسن بمرۃ کا معنی ایک مرتبہ نہیں دکھا سکے اور لاجواب ہو کر درد سر کا بہانہ کر کے اندرون خانہ چلے گئے اور پھر کبھی حضرت سے بحث ومناظرہ کی جسارت نہ کر سکے۔ (ملفوظ مصابیح القلوب ص۳۳، ۲۷)

حضرت حافظ بخاری کی جرأت وحق گوئی کا یہ اثر ہوا، کہ عیدگاہ سہسوان میں مولوی امیر حسن کی گمراہ کن تقریروں کا سلسلہ ہمیشہ کے لیے بند ہو گیا۔

<u>حق الیقین فی بحث مولد اعلی النبیین :۔</u> وہابی تحریک کے بانی اور زعما جو بزعم خویش اپنے آپ کو توحید خالص کا علم بردار تصور کرتے ہیں، شان رسالت میں ان کی دریدہ دہنی اور گستاخی روز روشن کی طرح واضح ہے، وہ تعظیم رسالت کو بھی منافی توحید گردانتے ہیں، تکریم رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے منکر عاشقان رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق و اخلاق اور اظہار ارادت کے مستحسن آداب ورسوم کو ناجائز وحرام بلکہ شرک سے تعبیر کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتے، میلاد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثنا جسے اکابر علمائے اسلام نے مستحسن اور متبرک خیال کیا، اسے بدعت وحرام اور کنہیا کا جنم کہنے سے بھی نہیں چوکتے، فرقہ وہابیہ کی جانب سے میلاد شریف کو حرام وناجائز ثابت کرنے کے لیے ایک رسالہ قنوجیہ لکھا گیا، جس میں بڑی شدومد کے ساتھ میلاد شریف کی مخالفت کی گئی اور اس کے مجوزین کو کافر ومشرک گردانا گیا، وہابیہ کو اس کتاب پر بڑا فخر وناز تھا، حضرت حافظ بخاری علیہ الرحمہ نے رسالہ قنوجیہ کا

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

بھرپور جواب حق الیقین کے نام سے تحریر فرمایا اور دیابنہ کے ہذیانات کا رد و ابطال فرمایا، کتاب کی ابتدا میں تحریر فرماتے ہیں۔

چندے از طائفہ ہوائیہ بر مجرد انکار شکیب نمودہ اعتقاد شرف و برکت ایام ولادت باسعادت و نفس استحباب اعادۂ شکر نعمت و عقد مجلس اذکار پر برکت را از زبان شقاوت مانند بزم جنم کنہیا قرار می دہند و بر مجوزین و عاملین مجالس شریفہ تہمت دخول در زمرہ مشرکان و خلل اصل ایمان می نہند و نمی دانند کہ ایں حکم فاسد چہ آفتہا بر بنا می سازد و در ثبوت روایت دین اسلام و احکام شریعت بواسطۂ اہل عدالت رخنہ می اندازد واز غایت غوایت و غباوت ایں قدر ہم نمی اندیشند کہ کسانیکہ سلسلہ سند دین خود باوشاں راست می کنند ہم داخل مجوزین و عاملین ایں عمل بودہ اند بمشاہدہ ایں حال بخیال خوشنودی ذوالجلال خواستم کہ بدفع طعن و ملال عوام کالانعام از حضرت ائمہ اسلام پرداختم و حرفے چند در رفع اوہام آں ایام تحریر سازم از جملہ رسائل طائفہ مجموعۂ قنوجیہ را کہ جمع نمودہ و برادران خورد و کلاں است و ایں طائفہ را براں نازش بے پایاں است برائے تحریر جواب منتخب ساختم۔ (حق الیقین ص ۴)

<u>میلاد شریف:۔</u> محفل میلاد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں وہابیہ کا یہ ناروا قول کہ وہ جنم اشٹمی (کنہیا کا جنم دن) کے مانند ہے، اس میلاد کو جنم اشٹمی کے مشابہ قرار دے کر میلاد خوانوں کو متبرک گردانتے کے لیے یہ حدیث پیش کرتے ہیں ''من تشبه بقوم فهو منهم و ليس منا''۔

حضرت حافظ بخاری نے وہابیہ کی کج فہمی و مغالطہ کا جواب حق الیقین فی بحث مولد اعلی النبیین میں بڑی تفصیل کے ساتھ تحریر فرمایا ہے، تشبہ ممنوع سے مراد وہ ہے، کہ کفار کی موافقت ان مخصوص فعل میں ہو جو ان کے شعار سے ہے، ملا علی قاری نے امام اعظم کی کتاب فقہ اکبر کی شرح میں بیان کیا ہے کہ **اما جواب بعض العلما فی مقام الانکار ليس هذه الكسوة بان ليس قلنسوة اللابكية ايضا بدعة فليس فی محله فانا ممنوعون من التشبه بالكفرة واهل البدعة المنكرة فی شعارهم ولو كانت مباحة سواء كانت من افعال اهل السنة اومن افعال اهل البدعة فالمدار على الشعار، الخ۔**

ہاں وہ چیزیں جو جاہلیت کی رسم کو ادا کرنے کے لیے اور بقصد تکلف مشابہت ادا کی جائے، اگرچہ مذموم نہ ہو ممنوع تشبہ میں داخل ہے، پس ائمہ اسلام کی تضلیل اور ایام ولادت باسعادت حضرت سید الانام صلی اللہ علیہ وسلم کے شرف کو باطل جاننے کے لیے ان ایام کو متبرک اور شریف جاننا اور فرحت و سرور کا ظاہر کرنا، سید المرسلین کے فضائل و احوال کے ذکر پر اور ایصال ثواب اور تلاوت قرآن مجید اور دعوت

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

برادران اور دوسرے صدقات وخیرات کا ادا کرنا بقصد شکر نعمت کہ عمل میلا د اسی سے عبارت ہے، داخل وعید "من تشبه بقوم فهو منهم وليس منا" سمجھنا اور اس کلمۂ شیطان کہ اس عمل (میلا د) اور جنم اشٹمی کے درمیان جس میں کنہیا کے تولد جوان کے عقیدے کے مطابق ہے، کوئی فرق نہیں، باطل وقبیح ہے، اگر کوئی شخص کنہیا اور مہر جان وغیرہ کے ایام ولادت پر خوشی منائے یقیناً وہ "من تشبه بقوم فهو منهم" کی وعید کا مورد ہوگا، حالانکہ ایام ولادت باسعادت کا مشرف سمجھنا اور خاتم رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات طیبات کے ذکر پر اظہار مسرت کرنا نہ تو نصاری اور یہود کے اعمال وشعار سے ہے اور نہ ہی کفار اور جہالت کی رسموں کو ادا کرنا مقصود ہے۔

مسلمانوں کی تکفیر کے لیے اکثر لوگ مذکورہ بالا حدیث کو پیش کرتے ہیں اور اس کے مورد میں تفصیل نہیں کرتے، رسالہ اربعین اسحاقیہ کے مسئلہ چھو چک میں (جو اہل ہنود کی رسم ہے) لکھا ہے، جنس اور غلہ کا بھیجنا، نانیہال مولود کی جانب سے بھیجنا، اگر صلہ رحمی کی نیت سے ہو تو جائز ہے اور اگر ادائے رسم جہالت کی نیت سے ہو جائز نہیں ہے، کیونکہ اس میں ہنود کے رسوم کی تشبیہ لازم آئے گی اور وہ درست نہیں، حضور نے فرمایا، من تشبه بقوم، الخ۔

یہاں قابل غور یہ امر ہے، کہ رسم چھو چک کو جو بہ نیت خیر ہے، داخل تشبہ کے قرار نہیں دیا اور اسی رسم کو ادائے جہالت کی نیت سے کرنے پر تشبہ کے لزوم کا حکم دیا۔ (حق الیقین ص ۴۱)

میلا د شریف کو وہابیہ نے بدعت قرار دیا اور اس پر كل بدعة ضلالة کا حکم صادر کرتے ہیں، جسے رسالہ تنوجیہ میں بڑی بے باکی کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے، حضرت حافظ بخاری علیہ الرحمہ نے بدعت کی تقسیم جو علمائے متقدمین ومتاخرین سے منقول ہے، بیان کر کے یہ ثابت فرمایا، کہ میلا د شریف بدعت حسنہ ہے اور كل بدعة ضلالة سے مراد بدعت سیئہ کا ضلالت ہونا ہے، نہ کہ بدعت حسنہ کا۔

آنچہ در قول علما تقسیم بدعت بسوئے حسنہ وسیئہ یافتہ می شود وکلیہ کل بدعۃ ضلالۃ محمول بر بدعت سیئہ شدہ مبنی بر غفلتے است کہ در تعریف تشخیص بدعت رو دادہ اللہ اللہ ایں چہ حماقت ست وچہ سفاہت دریں فی اشعار بلکہ تفریح است بایں کہ از عہد صحابہ کرام تا ہزار دوم کہ ہزاران ہزار محققین فقہا ومحدثین بر بسیارے از امور باوجود اطلاق بدعت حکم استحسان فرمودہ اند وتقسیم بدعت بسوئے حسنہ وسیئہ وحمل کلیہ حکم ضلالت بر کل بدعت سیئہ نمودند معاذ اللہ ائمہ دین در دائے عضال جہل گرفتار بودند پس ایں نسخے است کہ بالبداہۃ بر جہالت صاحب رسالہ شہادت می دہد۔ (حق الیقین ص ۱۰)

<u>اصل اشیا میں اباحت ہے:</u>۔ وہابیہ نے حدیث "ان الحلال بين والحرام بين وبينهما

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

مشتبھات" کو پیش کر کے یہ ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی ہے، کہ میلاد شریف کا ثبوت قرآن وسنت سے نہیں ہے، پس اس لیے وہ مشتبہات میں سے یعنی حرام ہے اور محفل میلاد کا انعقاد ایک غیر شرعی طریقہ ہے، حضرت حافظ بخاری علیہ الرحمہ نے محدثین وفقہا اور شارحین حدیث کے اقوال کی روشنی میں یہ واضح فرمایا، کہ میلاد شریف مشتبہات میں نہیں، بلکہ اصل اشیا میں اباحت ہے کے زمرہ میں داخل ہے، جب تک کہ شرع کی جانب سے دلیل تحریم نہ آجائے، وہ حلال ہے، وہ تحریر فرماتے ہیں، رسول گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "ان الحلال بین والحرام بین و بینھما مشتبھات، الخ" معتمد ومستند شارحین حدیث نے اسی حدیث کے ذیل میں تشریح فرمائی، حافظ بخاری لکھتے ہیں، کہ

"اصل در اشیا حلت واباحت است پس چیزے کہ از شارع دلیل تحریم بر آں قائم نہ باشد داخل حلال بین است پس استدلال بایں احادیث بے فہم معانی وبے دیدن شروح حدیث درست نیست ملاعلی قاری علیہ الرحمہ در مرقات شرح مشکوۃ شریف فرمودہ الحلال بین ای واضح لا یخفیٰ حلہ بان ورد نص علی حلہ فھذا اصل یمکن استخراج الجزئیات منہ کقولہ تعالیٰ خلق لکم ما فی الارض جمیعاً بان اللام للنفع فاعلم ان الاصل فی الاشیاء حل الا ان یکون بہ مضرۃ والحرام بین ای ظاھر لا یخفیٰ حرمتہ بان ورد فیہ نص علی حرمتہ و بینھما مشتبھات ای امور ملتبسۃ لکونھا ذات جھۃ الی کل من الحلال والحرام ونیز ملاعلی قاری در مرقات بذیل حدیث شریف "وسکت عن اشیاء من غیر نسیان فلا تبحثھا عنھا" فرمودہ الا ان الاصل فی الاشیاء الا باحۃ کقولہ تعالیٰ ھو الذی خلق لکم ما فی الارض جمیعا (حق الیقین ص ۴۲)

حضرت حافظ بخاری علیہ الرحمہ نے دیابنہ کے فریب کا پردہ چاک کیا ہے اور دین وشریعت میں ان کی مداہنت واضح کی ہے حقیقت پسندی اور حق پرستی کے علی الرغم ان کی نفس پرستی اور باطل کوشی کو ظاہر فرمایا ہے اور حدیث پاک کے صحیح مفہوم کو جو ائمہ اسلام کے مجتہدات سے ثابت ہے بیان فرمایا۔

"بر اہل تحقیق مخفی نیست کہ بعد بعثت آنحضرت بدلائل کتاب وسنت اصل حلت واباحت است اما بحسب فطرت پس دراں ہم بمذہب جمہور حنفیہ وشافعیہ مختار اباحت است واگر کسے را دریں تحقیق اشتباہی روداد و محققین بر وقولش پرداختہ اند علامہ شامی در رد المختار حاشیہ در مختار در اعتراض بر قول در مختار و جواب از طرف صاحب ہدایہ فرمودہ الاول فان ما مر عن الھدایۃ لیس معیناً علی ان الاصل الاباحۃ لان الخلاف المذکور فیہ انما ھو قبل ورود الشرع وصاحب الھدایہ انما

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

اثبت الاباحة بعد ورود الشرع بمقتضی الدلیل یعنی ان مقتضی الدلیل اباحتھا لکن تثبت العصمة بعارض وقد صرح بذالک فی اصول البزدوی حیث قال بعد ورود الشرع الاموال علی الاباحة بالاجماع مالم یظھر دلیل الحرمة لان اللہ تعالیٰ اباحھا لقولہ جعل لکم مافی الارض جمیعا. (حق الیقین ص ۴۳)

حضرت حافظ بخاری علیہ الرحمہ نے حق الیقین میں مسئلہ میلاد پر وہابیہ کے ہذیانات اور نفس پرستی جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے بغض وعناد پر مبنی اقوال اور اس سلسلہ میں ان کے وارد کردہ کٹھ حجتیوں کا جو مسکت فاضلانہ جواب دیا ہے اور عقل ونقل کی روشنی میں محفل میلاد کے انعقاد کو امر مستحسن ومحمود ثابت کیا ہے، پوری کتاب کے مطالعہ سے اس کی اہمیت اور دلائل کی قوت کا صحیح اندازہ ہوسکتا ہے۔

__ردشیعہ:۔__ مغلیہ سلطنت کے انحطاط کا ایک لازمی اثر یہ ہوا، کہ صوبوں میں خودمختاری کی وباعام ہونے لگی، اودھ کے نوابین شیعہ تھے اور وہ اپنے حدود ولایت میں شیعیت کے فروغ کی ہر ممکن کوششیں کرتے رہے، انگریزی حکومت میں بھی ان کے علما و مجتہدین اہلسنت کے خلاف مہم جوئی کرتے اور اپنے باطل افکار کی اشاعت میں مصروف رہے، رئیس المتکلمین امام المناظرین حضرت علامہ عبدالصمد مودودی چشتی رضی اللہ عنہ نے تحریر وتقریر کے ذریعہ اس باطل فرقہ کا رد فرمایا۔

ایک مرتبہ پھپھوند شریف کے نیم ملا لطافت علی چند شیعوں کے ساتھ حضرت کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور سوال کیا، جناب سیدہ کا قصور تھا کہ فدک طلب کیا یا خلیفہ اول کا کہ دینے سے انکار کیا؟

پھر حضرت نے ارشاد فرمایا، اصل مسئلہ سیدہ اور خلیفہ اول رضی اللہ عنہما کا جو آپ نے دریافت کیا ہے، آپ اس کے سمجھنے کے قابل ہوں یا نہ ہوں، مگر میرا فرض ہے کہ میں اس کا جواب دوں، تاکہ یہ حاضرین سنی سمجھ لیں کہ اصل صورت مسئلہ کیا ہے، اس کے بعد حضرت نے اس پر بہت واضح تقریر فرمائی اور وہ لوگ ساکت بیٹھے سنتے رہے اور چلے گئے، موجودین اہلسنت کو مسرت وانبساط بے اندازہ ہوئی اور وہ ساری کوفت جاتی رہی۔ (ملفوظ مصابیح القلوب ص ۶۵)

__مولوی عمار علی بھرت پوری:۔__ فدک سے متعلق حضرت حافظ بخاری علیہ الرحمہ کی تقریر سے شیعان پھپھوند کے جذبات پر اوس پڑ گئی، مگر وہ قبول حق کے بجائے اپنی ہٹ دھرمی پر قائم رہے، اہلسنت کی تردید اور شیعی مسلک کی تائید کے لیے اپنے مجتہد مولوی عمار علی بھرت پوری کو محرم کی مجلس خوانی کے بہانہ بلایا، حضرت نے بھی ۸؍محرم کو ذکر شہادت کا اعلان کرادیا، پھپھوند اور قرب وجوار کے ہزاروں سنی مسلمان جمع ہوگئے۔

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

حضرت قبلہ عالم نے مسلسل چھ گھنٹہ خطاب فرمایا، ذکر شہادت کے دوران شیعوں کے امہات مسائل اوران کے اصول دین کی واضح مدلل تردید فرمائی، یہ تقریر مجتہد صاحب نے بھی سنی، ان پر اس قدر رعب طاری ہوا، کہ تقریر کی جرأت نہ کرسکے اور واپس چلے گئے اور پھپھوند کے شیعوں سے کہا، تم لوگ ان مولوی صاحب سے شیعوں کے مسلک کے خلاف کوئی تحریر حاصل کرلو، میں اس کا مدلل جواب لکھوں گا۔

باشندہ اٹاوہ فدا حسین نے حضرت کی خدمت میں آکر کہا، آپ متعہ کو حرام کہتے ہیں، اس کی حرمت پر ایک تحریر لکھ دیجیے؟ حضرت نے اپنے ایک شاگرد میر یعقوب علی مرحوم سے ایک تحریر لکھوادی، مولوی عمار علی نے حضرت کی تحریر کا جواب اثبات المتعہ کے نام سے شائع کیا۔

ارغام الشیاطین فی تردید متعة الشیعیین:۔ حضرت حافظ بخاری علیہ الرحمہ نے اثبات المتعہ کے رد میں ارغام الشیاطین تحریر فرمائی، جس کے اندر جواز متعہ کے شیعی مسلک کی خوب خوب ردوقدح کی، دلائل و براہین قاطعہ سے یہ ثابت فرمادیا، کہ اسلام میں متعہ جائز نہیں، اس کا جواز ہوا پرست شیعی مجتہدین کی ہفویات میں سے ہے، یہ کتاب طباعت کے بعد ہندوستان کے شیعہ علما و مجتہدین حتیٰ کہ عراق کے رافضی افاضل کے پاس پہنچی مگر کسی کے اندر اس کا جواب لکھنے کی ہمت نہ ہوئی اور آج تک اس کا کوئی جواب منظر عام پر نہ آسکا۔

روافض متعہ کے جواز میں یہ آیت پیش کرتے ہیں، "**فما استمتعتم به منهن فاٰتوهن اجورهن فريضة**" حضرت حافظ بخاری علیہ الرحمہ نے مذکورہ آیت کے ماسبق و مالحق سے تعلق ثابت کرتے ہوئے تحریر فرمایا۔

''ظاہر ہے، کہ مذکورہ آیت، آیات ماسبق پر متفرع ہے، اس لیے کہ اس پر حرف فا (برائے تفریع) داخل ہے، تو اس آیت کو ماقبل سے جدا کرنا اور اس کے الگ حکم کو جو ماقبل اور مابعد کے مغائر ہو، نکالنا خلاف عربیت اور خلاف ادبیت ہے۔

مطلب یہ ہے، کہ محرمات کے علاوہ جو عورتیں تم پر حلال ہیں ان میں دو قیدیں بھی ہیں اول یہ کہ اپنے مالوں کو ان کے نکاح پر خرچ کرو، یعنی مہر اور نان ونفقہ دینا قبول کرو، دوسری یہ ہے، کہ ان عورتوں کو بیوی کی حیثیت سے رکھو، صرف نفسانی خواہشات اور عیاشی کے لیے نہیں، پہلی قید سے تحلیل مطلق باطل ہے، کیونکہ اس میں مالک فرج کی ممنونیت و مشکوریت کے علاوہ کچھ نہیں اور دوسری قید سے متعہ بالکل خارج، اس لیے کہ اس میں احسان نہیں، ممنوعہ کا یہی وتیرہ ہے، کہ در ہر ماہ یا پورے و ہر سال در کنارے''۔

آگے حضرت مصنف علیہ الرحمہ شیعہ حضرات کی پیش کردہ آیت پر بحث کرتے ہوئے فرماتے

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ہیں۔

''اس کے بعد آیت ''فما استمتعتم به منهن فاٰتوهن اجورهن فريضة'' کو ماسبق آیت پر متفرع فرمایا، یعنی جب ہم نے تمہارے لیے دو قیدوں کے ساتھ عورتوں کو حلال کر دیا، تو یہ کہ مہر و نفقہ ان کا ادا کرو اور دوسرے یہ کہ عیاشی اور مستی کے لیے نہ ہو، بلکہ وہ عورت ہمیشہ کے لیے اس مرد کی ہو جائے بغیر اس کے چھوڑے نہ چھوٹ سکے، پس اگر فائدہ حاصل کرو گے، تو تم انھیں عورتوں سے جو تم پر حلال کی گئیں ہیں، تو تم ان کا مقررہ مہر ادا کر دو''۔

غور کیجیے، اس آیت مبارکہ سے متعہ کا ثبوت کسی طرح نہیں ہوتا، عرب کے محاورہ کے مطابق اردو محاورہ میں بھی لفظ ''پس'' یا لفظ ''تو'' جو فا تفریع کا ترجمہ ہے، اپنے مابعد کو ماقبل پر متفرع کرتا ہے، نہ تو متفرع علیہ کے مخالف ومبائن اصالۃً کوئی معنی ادا کرتا ہے۔ (بحوالہ مظہر حق بدایوں اگست ص ۱۴)

روافض نے فما استمتعتم به منهن فاٰتوهن اجور هن فريضة کے حقیقی مفہوم سے ہٹ کر اپنی شہوانی خواہشات کی تسکین کے لیے متعہ کی حلت پر آیت کو بطور دلیل پیش کیا، اس طرح وہ قرآن کی تحریف معنوی کے مرتکب ہوئے اور یہود نے جس طرح توریت کو اپنی ہوا پرستی کے لیے محرف کیا، روافض نے بھی اسی راہ پر چل کر قرآن کی تحریف معنوی کا ارتکاب کیا اور جمہور اہل اسلام کے خلاف جواز متعہ کے لیے آیت کے حقیقی مفہوم سے انحراف کیا۔ ؎

ہوئے کس درجہ یہ شیعان علی بے توفیق
خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں

http://t.me/tehqiqat

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

حضرت اشرف الاولیا رحمۃ اللہ علیہ کی دعوتی وتبلیغی سرگرمیاں

خاتم الانبیا حضرت محمد مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثنا کی بعثت کے بعد حق سبحانہ تعالیٰ نے بعثت انبیا و رسل کے سلسلے کو مکمل فرمادیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی یا رسول عالم انسانیت کی رشد وہدایت کے لیے مبعوث نہ ہوگا اور انسانوں کی ہدایت ورہنمائی دعوت الی الحق، امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی ذمہ داریاں امت مسلمہ کو سونپی گئیں، قرآن حکیم نے اس فرض کفایہ کی تفویض کا اعلان اس طرح فرمایا۔

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَدْعُوْنَ اِلَى الخَيْرِ يَامُرُوْنَ بِالمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ المُنْكَرِ اُوْلٰئِكَ هُمُ المُفْلِحُوْنَ (آل عمران، ۱۰۴)

تم میں ایک جماعت ضرور ایسی ہونی چاہیے، جو خیر کی طرف بلائے، معروف کا حکم دے اور منکر سے روکے ایسے ہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں مسلمانوں پر دو اہم دینی ذمہ داریاں عائد کی ہیں (۱) دعوت الی الخیر (۲) امر بالمعروف ونہی عن المنکر، خیر سے مراد دین اسلام ہے، جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ امت مسلمہ کو ملا ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے جو نظام عقائد واعمال، ضابطۂ اخلاق اور قوانین سیاست ومعیشت عطا فرمائے ہیں، اس پر عمل پیرا ہونے کے ساتھ دوسروں کو اس نظام رحمت کی دعوت دینا خیر کی طرف بلانا ہے۔

علامہ ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ آیت بالا کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

ولتكن منكم ايها المومنون امة يقول جماعة يدعون الناس الى الخير يعنى الاسلام و شراعه التى شرعها اللّٰه لعباده .

اے اہل ایمان تم میں ایک ایسی امت یعنی جماعت ضرور ہونی چاہیے، جو لوگوں کو خیر کی طرف دعوت دے، خیر کا مطلب ہے، اسلام اور اس کی شریعت جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے جاری کیا۔

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر، وہ مہتم بالشان فریضہ ہے، جسے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء ورسل انجام دیتے تھے، چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ارشاد خداوندی ہے۔

یامرھم بالمعروف و ینھاھم عن المنکر (الاعراف ۱۵۷)

کہ وہ ان کو معروف کا حکم دیتے ہیں اور منکر سے روکتے ہیں۔

حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا حکم دیا اور فرمایا، اس راہ میں آنے والی مشکلات اور مصائب پر صبر سے کام لو! قرآن حکیم میں ارشاد ہوا،

یَا بُنَیَّ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ وَامر بالمعروف وانہ عن المنکر واصبر علی ما اصابک ان ذالک من عزم الامور (لقمٰن ،۱۷)

اے میرے بیٹے! نماز قائم کر، معروف کا حکم دے اور منکر سے منع کر اور اس راہ میں جو تکلیف پہنچے، اس پر صبر کر یقیناً یہ بڑی عزیمت کا کام ہے۔

داعیٔ حق کی تربیت کا یہ بھی ایک ذریعہ ہے، کہ وہ خلق خدا کے اندر بالفعل نیکی کا حکم دے اور بدی سے روکے اور اس کام میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت اور کسی خوف دلانے والے کے خوف سے نہ ڈرے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

کلا واللّٰہ لتامرن بالمعروف و لتنھون عن المنکر ولتاخذن علی یدی الظالم و لتاطرنہ علی الحق اطرا ولتقصرنہ علی الحق قصرا او لیضربن اللّٰہ بقلوب بعضکم علی بعض ثم لیلعننکم کما لعنھم رواہ ابو داؤد (مشکوۃ ۴۳۸)

اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، کہ تم وہ وہ قوم ہو جو نیکی کا حکم دو، بدی سے روکو اور بدکار کا ہاتھ پکڑ لو اور اسے حق کی طرف موڑ دو، ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں کی برائیاں ایک دوسرے پر مسلط کر دے گا، یا تم پر اس طرح لعنت کرے گا، جس طرح اس نے بنی اسرائیل پر کی۔

حضور تاجدار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک اور جگہ ارشاد فرماتے ہیں۔

والذی نفسی بیدہ لتامرن بالمعروف ولتنھون عن المنکر او لیوشکن اللّٰہ ان یبعث علیکم عذابا منہ فتدعونہ فلا یستجیب لکم (ترمذی شریف)

قسم ہے اس ذات کی، جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، تم ضرور معروف کا حکم دو اور منکر سے روکو، ورنہ وہ وقت دور نہیں، کہ خدائے تعالیٰ تم پر اپنا عذاب نازل کر دے، اس وقت تم اس سے دعا کرو گے، لیکن تمہاری دعا سنی نہ جائے گی۔

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر وعظ فرما رہے تھے کہ ایک شخص آگے بڑھا اور عرض کیا۔

یا رسول اللّٰہ! ای الناس خیر؟ فقال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم خیر الناس اقراھم واتقاھم وآمرھم بالمعروف وانھاھم عن المنکر اوصلھم الرحم (مسند احمد ج٦)

اے اللہ کے رسول! انسانوں میں سب سے بہتر انسان کون ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا، جوان میں سب سے زیادہ خدا کی کتاب پڑھے، جوان میں سب سے زیادہ متقی ہو اور جو سب سے زیادہ معروف کا حکم دے اور منکر سے روکے اور جو سب سے زیادہ رشتوں کو ملائے رکھے۔

قال معاویۃ سمعت النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم یقول لا یزال من امتی امۃ قائمۃ بامر اللّٰہ لا یضرھم من خذلھم ولا من خالفھم حتیٰ یاتی امر اللّٰہ وھم علی ذالک (بخاری و مسلم)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، میں نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے، سنا کہ میری امت میں برابر ایک ایسا گروہ موجود رہے گا، جو اللہ کے دین کا محافظ رہے گا، جو لوگ ان کی مخالفت کریں گے، وہ ان کو تباہ نہیں کر سکیں گے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ آجائے اور یہ دین کے محافظ لوگ اپنی اس حالت پر قائم رہیں گے۔

احیاء العلوم میں حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ دعوت الی الحق، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی اہمیت کو اس طرح بیان فرماتے ہیں۔

''امر بالمعروف و نہی عن المنکر دین کا عظیم ترین ستون ہے، یہ وہ مہم ہے، جس کو سر کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے تمام انبیا کو بھیجا ہے، اگر اس کی بساط لپیٹ کر رکھ دی جائے، اس کا علم اور اس پر عمل چھوڑ دیا جائے، تو کار نبوت معطل ہو جائے گا اور دین کمزور پڑ جائے گا، (اس سے) دور جاہلیت عام ہوگا، گمراہی پھیلے گی، جہالت بڑھے گی، فساد گھس پڑے گا، بگاڑ وسیع ہوگا، بستیاں ویران ہوں گی، انسان ہلاک ہوں گے اور قیامت سے پہلے انھیں اپنی ہلاکت کا احساس تک نہ ہوگا، لیکن افسوس کہ جس کا ہمیں خطرہ تھا، وہ اب واقع ہو چکا ہے، انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔

کیونکہ دین کی اس بنیاد کا علم و عمل ختم ہو گیا اور اس کی صورت اور حقیقت دونوں بالکلیہ مٹ چکی ہیں، مخلوق کے دلوں پر مداہنت چھا گئی ہے اور ان کے اندر خالق کا کوئی پاس و لحاظ باقی نہیں رہ گیا ہے، لوگ خواہشات نفس کی پیروی میں جانوروں کی طرح آزاد ہو گئے ہیں اور صفحۂ زمین پر کسی

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ایسے مومن صادق کا وجود دشوار ہوگیا ہے، جسے خدا کے معاملہ میں کسی ملامت گر کی ملامت کی پرواہ نہ ہو، پس جو شخص اس جہالت کی حالت کو دور کرنے اور اس شگاف کو بند کرنے کی کوشش کرے گا، خواہ وہ اس کی تعلیم و اشاعت کی ذمہ داری قبول کرے یا اس کی تنقید کا بار اٹھائے، اس طرح اس مٹتی ہوئی سنیت کی تجدید کرے، اس کا بوجھ اٹھانے کے لیے کھڑا ہو جائے اور اس کو زندہ کرنے کے لیے کمر کس لے، تو ایک ایسی سنت کو زندہ کرنے کی وجہ سے جسے زمانے نے مٹا دیا ہے، خدا کی مخلوق کے درمیان اس کا مقام بہت اونچا اور ممتاز ہوگا اور اسے خدا کے دربار میں ایسی قربت نصیب ہوگی، کہ قریب کا کوئی بھی درجہ اس کی بلندی کو پا نہیں سکے گا''۔(احیاء العلوم)

آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ سے دعوت الی الخیر اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی اہمیت و ضرورت پر روشنی پڑتی ہے اور اس کا وجوب ثابت ہوتا ہے، چنانچہ عہد صحابہ سے لے کر آج تک ہر دور، ہر خطۂ ارض میں دین کے محافظ، سنت کے نگہبان، حق کی دعوت دینے والے، معروف کا حکم دینے والے، برائیوں سے روکنے والے صالح، نیک افراد پائے جاتے رہے ہیں، جنھوں نے غیروں میں دین حق کی تبلیغ اور اسلامی سوسائیٹی کے بگاڑ اور فساد کو روکنے نیز بھلائی کا راستہ دکھانے کا اہم فریضہ انجام دیا، انھیں برگزیدہ لوگوں میں وہ مشائخ طریقت اور ارباب تصوف بھی ہیں، جنھوں نے اپنی زندگیاں دعوتی سرگرمیوں اور اصلاحی کوششوں میں صرف کر ڈالیں، حوادث سے ٹکرائے، مصائب کا پامردی کے ساتھ مقابلہ کیا اور مخالفتوں کے طوفان میں حق وصداقت کا چراغ اپنی ہتھیلیوں پر لے کر آگے بڑھتے رہے، خصوصیت کے ساتھ سرزمین ہند میں شیوخ طریقت نے اپنی مساعی جمیلہ سے دین حق کی اشاعت اور اصلاح باطن کا فریضہ بڑی تندہی، چابک دستی اور خلوص وایثار کے ساتھ انجام دیا، اگر یہ کہا جائے تو بے جانہ ہوگا، کہ ہندوستان میں اسلام اور مسلمانوں کا وجود انھیں نفوس قدسیہ کی کوششوں کا ثمرہ ہے اور ان کے متبعین ومریدین علما وصلحا، زمانہ کی مخالفتوں اور ملامتوں کی پرواہ کیے بغیر اسلاف کے طریقے پر گامزن ہیں اور اپنی بساط کے مطابق اقامت دین کا فریضہ انجام دے رہے ہیں۔

حضرت اشرف الاولیا کے دعوتی واصلاحی کارنامے:۔ شمالی مشرقی ہند میں حضرت مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا دینی وروحانی مرکز جو صدیوں سے اقامت دین کا فریضہ انجام دے رہا ہے اور ماضی قریب میں اس خانوادہ طریقت کے چشم و چراغ اشرف الاولیا حضرت علامہ الحاج الشاہ سید مجتبیٰ اشرف رحمۃ اللہ علیہ کی عظیم علمی و دینی شخصیت گزری ہے، جنھوں نے اپنے آبا واجداد کے نقش قدم پر چل کر پورے ہندوستان میں دین حق کی تبلیغ واشاعت، سنیت کے تحفظ اور اصلاح نفوس کے لیے اپنی

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

گرانقدر زندگی وقف کردی، حضرت اشرف الاولیا ایک متبحر عالم باعمل ہونے کے ساتھ ساتھ داعیانہ صفات سے بھی متصف تھے، ان کا ہر ہر قدم اتباع سنت اور پیروی سلف میں اٹھتا، دین کی خدمت اور دعوت حق کا جذبہ رگ رگ میں خون بن کر گردش کرتا تھا، سفر وحضر، صحت ومرض ہر جگہ، ہر حال میں دین کی اشاعت امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی فکر دامن گیر رہتی اور اپنے فرائض منصبی کی ادائیگی سے کسی جگہ کسی وقت غافل نہ رہتے، سخت سے سخت حالات میں بھی مومنانہ شان بان اور خاندانی جاہ وجلال کے ساتھ اپنے دعوتی منشور کو پوری جرأت وبے باکی کے ساتھ بروئے کار لاتے۔

اللہ تعالیٰ نے دعوت وارشاد کے لیے موثر انداز بیان سے آپ کو سرفراز فرمایا تھا، خاص مجلسیں ہوں یا عوامی جلسے، ہر جگہ پر مغز اصلاحی اور تبلیغی وعظ سے سخت دلوں کو موم کر دیتے اور ذہن و دماغ سے فساد و بغاوت کے جراثیم کا فور کر دیتے، لوگ سرکشی و بغاوت سے تائب ہوکر حلقۂ ارادت میں داخل ہوتے اور آئندہ صلاح وتقویٰ کی زندگی اختیار کرنے کا اقرار کرتے اور ہمیشہ اپنے عہد بیعت پر قائم رہتے، حتیٰ کہ اسلام دشمن عناصر جن کے دل ودماغ میں کفر وشرک رچا بسا ہوتا، آپ کی بصیرت افروز تقریروں سے متاثر ہوکر دائرۂ اسلام میں داخل ہوجاتے۔

بڑوانی، ایم پی میں انقلابی اقدام:۔ ایم۔پی صوبہ مدھیہ پردیش کے ایک شہر بڑوانی میں مولانا شمشاد احمد اشرفی مصباحی نے ایک جلسے کا اہتمام کیا اور حضرت اشرف الاولیا علیہ الرحمہ کو دارالخیر اجمیر شریف سے بڑوانی لائے، مسجد کے قریب ایک مکان میں آپ کا قیام تھا، شام ہوئی، عشا کا وقت آگیا، مگر آپ کو باہر کہیں جلسے کا انتظام نظر نہ آیا، تو مہتمم جلسہ مولانا شمشاد احمد اشرفی مصباحی کو بلا کر پوچھا، مولانا! کیا جلسہ نہیں ہوگا؟ ابھی تک جلسے کی کارروائی شروع نہیں ہوئی؟ مولانا نے ادب کے ساتھ عرض کیا، غیر مسلموں کے شر سے بچنے کے لیے جلسے کا انتظام مسجد میں کیا گیا ہے، حاضرین مجلس میں سے ایک شخص نے عرض کیا، حضرت اس شہر میں ہنود کا غلبہ ہے، ان کے شر پسند عناصر کسی اسلامی تقریب کو کھلے میدان میں ہونے نہیں دیتے، حتیٰ کہ نقض امن کے اندیشے سے اذان بھی مسجد کے اندر ہی دی جاتی ہے، یہ بات سنتے ہی حضرت کو جوش آیا، پیری اور نقاہت کی وجہ سے آرام فرما رہے تھے، اٹھ کر بیٹھ گئے اور پر جلال آواز میں فرمایا، مولانا شمشاد احمد کیا میں دارالحرب میں آگیا ہوں؟ کیا تمہیں یہ مسئلہ معلوم نہیں "**لا یوذن فی المسجد**" پھر فرمایا، یہ ہندوستان سلطان الہند خواجہ غریب نواز کا ملک ہے، کسی کے باپ کی جاگیر نہیں، فقیر سے تقریر کرانی ہو، تو جلسہ مسجد کے باہر رکھواور لاؤڈ اسپیکر کا اہتمام کرو، یہ سننے کے بعد مولانا شمشاد احمد حواس باختہ رہ گئے، سخت کشمکش میں مبتلا ہوئے، ایک طرف مرشد کا حکم تھا، تو دوسری جانب نقض امن کا خطرہ، چنانچہ مولانا شمشاد احمد اشرفی احباب

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

سے مشورہ کرنے لگے، مولانا اویس عالم اشرفی نے پر جوش لب و لہجے میں کہا، جان جائے یا رہے پیر کی آرزو ضرور پوری کرنی ہے، حاضرین نے لبیک کہی اور بیرون مسجد جلسہ گاہ کا اہتمام آناً فاناً ہوگیا، یہ پہلا اتفاق تھا، کہ اس شہر میں کھلی جگہ پر لاؤڈ اسپیکر کے ساتھ جلسۂ عید میلا دالنبی صلی اللہ علیہ وسلم منعقد ہو رہا تھا، حضرت اشرف الاولیا کے حکم پر ان کے جانشین قادری میاں صاحب مدظلہ العالی نے اپنی پہلی تقریر سے جلسے کا آغاز کیا، حضرت اشرف الاولیا خاندانی وضع قطع کے ساتھ مریدوں کی جھرمٹ میں اسٹیج پر تشریف لائے اور کرسی خطابت پر جلوہ افروز ہوئے، آپ نے دین اسلام کی حقانیت وصداقت کو موضوع تقریر بنایا، خطبہ مسنونہ کے بعد یہ آیت کریمہ "محمد رسول اللّٰہ والذین معه اشداء علی الکفار رحماء بینهم" (الآیت) تلاوت فرمائی، آیت کریمہ کی روشنی میں نقلی اور عقلی دلائل و براہین کے ساتھ اپنے مدعا کی وضاحت ایسے موثر لب ولہجہ اور اسلوب بیان میں فرمائی، کہ اسلام کی حقانیت اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت ونبوت کی صداقت دلوں پر نقش ہوگئی، سامعین میں مسلمانوں کے ساتھ برادران وطن کی ایک بڑی تعداد بھی موجود تھی، حضرت کی تقریر سن کر کفر وشرک کے حجابات اٹھ گئے اور وہ اسلام کی سچائی کے معترف ہو گئے، انھوں نے جلسہ گاہ ہی میں حضرت کے دست حق پرست پر اسلام قبول کرلیا اور آپ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوگئے، صبح کے وقت ایک شخص حاضر خدمت ہوا اور ایک پیر پر کھڑے ہو کر عرض کیا، بابا! میں نے گھر ہی سے آپ کی تقریر سنی اور جان لیا کہ سچا دین کیا ہے؟ میں نے بھی رات ہی میں وہ کلمہ پڑھ لیا، جو ہمارے بھائیوں نے پڑھا تھا، اب آپ مجھے اپنی چھتر چھایہ میں لے لیں، حضرت اشرف الاولیا نے بیٹھنے کا اشارہ کیا اور اس کا ہاتھ اپنے مقدس ہاتھوں میں لے کر کلمۂ طیبہ، ایمان مجمل و مفصل پڑھا کر مجمع عام میں مشرف باسلام کیا اور فرمایا، تم اسلام میں داخل ہو چکے ہو اور شریعت اسلامیہ پر عمل پیرا ہونا مشکل نہیں، تم کھلے بندوں، اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کردو، اس نے اپنے اسلام لانے کا اعلان کیا اور شریعت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا پابند ہوگیا۔

برادران وطن کے قبول اسلام کا شہرہ صحرا کی آگ کی طرح پورے شہر میں پھیل گیا، کھلی جگہ میں جلسۂ عام کا انعقاد تو کسی طرح متعصب لوگ برداشت کر سکتے تھے، مگر اپنے ہم مذہبوں کا مشرف باسلام ہونا ان کے لیے بہت بڑا چیلنج تھا، چنانچہ انھوں نے حضرت اشرف الاولیا کا چراغ حیات گل کرنے کی ناپاک اسکیم بنائی، شدہ شدہ یہ خبر مولانا شمشاد احمد اشرفی کو پہنچی، بے حد تشویش کا شکار ہوئے، حضرت کی روانگی کا وقت قریب تھا، خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا، حضور فی الحال سفر کا ارادہ ملتوی کردیں، لوگوں کے عزائم فاسد ہیں، ہم کوشش کررہے ہیں، کہ متشدد افراد کو سمجھا بجھا کر غلط ارادے سے باز رکھیں اور جب ماحول نارمل ہوجائے، تو آپ

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

تشریف لے جائیں، حضور ہم جیتے جی آپ پر آنچ نہیں آنے دیں گے، اپنی جانیں قربان کردیں گے، مگر آپ کا بال بیکا نہ ہونے دیں گے، حضرت نے یہ باتیں سننے کے بعد ارشاد فرمایا "مولوی شمشاد تم کیسے مولوی ہو، تمہارے باپ، دادا اشرفی تھے، تم نے ہمیں پہچانا نہیں، ہم جب گھر سے نکلتے ہیں، تو موت سے نہیں ڈرتے موت ہم سے ڈرتی ہے، ہم جان کو ہتھیلی پر لے کر چلتے ہیں، آج تک فقیر کے راستے کو کوئی روک نہ سکا"۔

یہ فرماتے ہوئے قیام گاہ سے باہر آئے اور کار میں بیٹھ گئے، پھر الا اللّٰہ کی ضرب لگائی، کار کے اردگرد عقیدت مندوں کا ایک جلوس لاالہ الا اللّٰہ کی ضرب لگاتا ہوا کار کے ساتھ آگے بڑھا، گلی، کوچوں اور سڑکوں سے گزرتا ہوا یہ مقدس قافلہ ریلوے اسٹیشن پہنچا، کسی کو سامنے آنے کی جرأت نہ ہوئی، ابھی ٹرین آنے میں دیر تھی، ایک طرف بستر لگا دیا گیا اور حضور اشرف الاولیا استراحت فرمانے لگے، اتنے میں مولانا شمشاد احمد اشرفی کی نظر اور برتج پر پڑی وہ چیخ پڑے، حضور غضب ہوگیا، حضور غضب ہوگیا، دشمن تعاقب میں یہاں تک آگئے ہیں، انھوں نے کہا، گھبراؤ نہیں، مجھے اٹھا کر بیٹھا دو، آپ چہار زانو ہو کر بیٹھ گئے اور عصائے مبارک زانو پر رکھ لیا، چہرے پر غضب وجلال کے آثار نمایاں ہوگئے اور برتج سے اتر کر لوگ آپ کے قریب آئے اور پیٹ کے بل زمین پر لیٹ گئے، پھر ادب کے ساتھ کھڑے ہو کر بڑی لجاجت سے عرض کیا، مہاراج ہمیں اور ہمارے بچوں کو (چھما) یعنی معاف کر دیں، حضرت نے بڑی نرمی سے ارشاد فرمایا تم لوگ کون ہو؟ کہاں سے آئے ہو؟ اور کس بات کی چھما چاہتے ہو؟ انھوں نے کہا، ہم بڑوانی کے رہنے والے ہیں، رات کے واقعہ سے متاثر ہو کر ہمارے بچوں نے آپ کے خلاف خطرناک سازش کی، اسی وقت سے ان کی ایسی حالت ہوئی ہے، کہ نہ بولتے ہیں، نہ چلتے ہیں، نہ اٹھتے ہیں، نہ بیٹھتے ہیں، بے حس وحرکت اپنی اپنی جگہوں پر کھڑے ہیں، اگر آپ چھما نہیں کریں گے، تو ہمارے گھر برباد ہو جائیں گے، ہماری نسلیں ختم ہو جائیں گی، حضور نے بڑی نرمی سے فرمایا، گھبراؤ نہیں، سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا، پانی لاؤ پانی کی چند بوتلیں حاضر کی گئیں، آپ نے سب میں دم کیا اور ارشاد فرمایا، ان بوتلوں کو لے جاؤ ان پر چھڑک دینا اور یہ پانی ان سب کو پلا دینا ٹھیک ہو جائیں گے، وہ لوگ پانی لے کر گھروں کو واپس آئے، دم بخود لڑکوں پر چھڑکا وہ ہوش میں آگئے، پانی پلایا، تو ان کے دلوں کی دنیا بدل گئی اور سب نے کلمۂ طیبہ پڑھ لیا۔

شہر بڑوانی جہاں کفار کے تشدد کا بول بالا تھا، کھلی جگہوں میں جلسہ وجلوس کا انعقاد تو درکنار مسجدوں سے لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ اذان دینا اپنے خلاف ہنگامہ وشورش کو دعوت دینا تھا، مگر حضور اشرف الاولیا رحمۃ اللہ علیہ کی دعوت الی الخیر اور اعلان صداقت نے صرف مسلمانوں کے حوصلوں کو ہی تقویت نہیں بخشی، بلکہ متعصب دشمنان اسلام کے دلوں پر دین کی حقانیت واضح کر دی اور وہ صدق دل سے اسلام کے

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

حلقہ بگوش بن گئے، پھر یہی شہر مسلمانوں کے لیے دارالامن بن گیا، جہاں وہ پوری آزادی سے دینی وملی تشخص وامتیاز کے ساتھ شعار اسلام بجالاتے ہیں، مساجد میں لاؤڈ اسپیکر سے اذانیں ہوتی ہیں، کھلے میدانوں میں جلسے منعقد کیے جاتے ہیں، شاہراہوں پر محمدی جلوس گشت کرتے ہیں، نعرۂ تکبیر ورسالت سے پوری فضا گونج اٹھتی ہے، یہ سب کچھ حضور اشرف الاولیا علیہ الرحمہ کی دعوتی سرگرمیوں کا فیضان ہے۔

حضرت اشرف الاولیا علیہ الرحمہ ارشاد وتبلیغ، دعوت حق، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دینے میں کسی کی مطلق پرواہ نہ کرتے، ملامت کرنے الوں کی ملامت، اغیار کی عداوت، اصحاب جاہ وثروت کا دبدبہ، دین وشریعت کی تبلیغ واشاعت اور حکم شرع بیان کرنے، ابطال باطل اور احقاق حق کی راہ میں حائل نہ ہوتے، بلاخوف وخطر لوگوں کو منکرات ومناہی سے روکتے اور صراط مستقیم پر چلنے کی ہدایت فرماتے۔

مناظرے:۔ ہندوستان کے اندر انگریزی سامراج کے ساتھ باطل فرقوں کی خوب نشو ونما ہوئی اور باطل فرقوں کے مبلغین نے اسلامی معاشرے میں مکر ودجل کے ذریعہ فساد پھیلانے کی پوری کوشش کی اور آج تک وہ اپنے مشن میں لگے ہوئے ہیں، ان تحریکوں سے کروڑوں مسلمان سنیت کے جادۂ اعتدال سے بھٹک گئے ہیں، اسلاف کی عظمتیں ان کے دلوں سے محو ہوگئی ہیں، بلکہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخیوں سے بھی دریغ نہیں کرتے، حضرت اشرف الاولیا نے ان باطل فرقوں کی تردید اور ان کے دام تزویر میں پھنسے ہوئے سادہ لوح مسلمانوں کے عقیدۂ عمل کی اصلاح کو بھی اپنا مطمح نظر بنایا۔

عام مجلسوں اور جلسوں میں جہاں بھی موقع ہوتا، باطل فرقوں کا رد فرماتے اور مسلک اہلسنت وجماعت کی تائید وحمایت میں مدلل ومفصل گفتگو کرتے، اغیار سے مناظرہ ومباحثہ کی نوبت آتی، تو عزم وثبات کی چٹان بن کر مناظرہ فرماتے اور انھیں عقیدۂ اہل سنت کی حقانیت کا قائل کرلیتے، اس طرح ہزاروں افراد نے اپنی بدعقیدگی وگمرہی سے توبہ کرکے عقیدۂ اہل سنت وجماعت کو دل کی گہرائیوں سے قبول کیا۔

سکڑ ونہ کٹیہار کا مناظرہ:۔ سمری بختیار پور سے حضرت کا نورانی قافلہ پنڈوہ شریف کی طرف اس شان سے روانہ ہوا، کہ جہاں شام ہوجاتی، وہاں پڑاؤ ڈال دیا جاتا، محفل میلاد شریف کا انعقاد ہوتا، نعت خوانی کی جاتی، حضرت وعظ ونصیحت فرماتے، پھر صلوۃ وسلام کے دلنواز نغموں سے بستی گونج جاتی، ایک شام یہ نورانی قافلہ سکڑ ونہ کٹیہار پہنچا، جہاں غیر مقلدوں اور وہابیوں کی کثیر آبادی تھی، اطراف وجوانب میں بھی انھیں لوگوں کا غلبہ تھا، آپ مغرب کے وقت سکڑ ونہ پہنچے، قریب کی مسجد میں اذان ہوئی، مگر یہ بدمذہبوں کی مسجد تھی، حضرت نے مسجد کے باہر ایک کھلیان میں نماز باجماعت ادا فرمائی اور وہیں قیام شب کا اہتمام فرمایا، جب آبادی کے لوگ نماز پڑھ کر مسجد کے باہر نکلے اور حضرت کو اپنے ارادت مندوں

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کے ساتھ نماز ادا کرتے ہوئے دیکھا، تو وہ چہ میگوئیاں کرنے لگے، ان کے ایک مولوی نے طیش میں آ کر کہا، کیا مسجد نظر نہیں آ رہی ہے؟ آپ نے فرمایا، تمہارے مذہب میں گنبد و مینار کا نام مسجد ہے، لیکن ہمارے مذہب میں مسجد سجدہ کرنے کی وہ جگہ ہے، جس کا واقف مومن یا مومنہ ہو اور رہی بات جماعت سے پڑھنے کی تو نماز صحیح ہونے کے لیے بنیادی شرط امام کا مسلمان ہونا ہے، اس نے کہا، کیا ہم لوگ مسلمان نہیں ہیں؟ آپ نے فرمایا، اگر تم مسلمان ہو تو اپنا ایمان ثابت کرو، یہ سن کر اس نے مناظرہ کا چیلنج دیا، آپ نے چیلنج قبول کر لیا، دن اور تاریخ کا تعین ہوا، اس نے اپنے درجنوں بڑے مناظر علما کو مناظرہ کے لیے مدعو کیا، آپ نے بھی اردگرد کے چند سنی علما کو دعوت دی۔

مقررہ تاریخ پر مناظرہ منعقد ہوا، دونوں طرف کے ہزاروں سامعین مناظرہ گاہ میں حق و باطل کا معرکہ دیکھنے کے لیے جمع ہوئے، مناظرہ شروع ہوا، وہابی مناظر نے اپنا ایمان ثابت کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور صرف کیا، مغالطہ آمیز دلائل پیش کیے، حضرت اشرف الاولیا اس کی ہر دلیل کو آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ سے رد فرماتے رہے، زور کلام اور مناظرانہ پینترہ بازی کام نہ آ سکی، وہ اپنی بے بسی پر مبہوت ہو گیا، لوگوں پر وہابیت کا باطل ہونا روز روشن کی طرح عیاں ہو گیا، خود غیر مقلدوں کی آنکھوں سے پردے اٹھ گئے اور انھوں نے حق و صداقت کو جان پہچان لیا اور درجنوں غیر مقلدین اور ان کے علما نے اپنے باطل عقائد و افکار سے توبہ کر لی اور مسلک اہل سنت کی حقانیت و صداقت کا کھلے دل سے اعتراف کیا، اس تاریخ سے یہ علاقہ اہل سنت و جماعت کا مرکز بن گیا اور وہابیت کا قلع قمع ہو گیا۔

دارجلنگ کا مناظرہ:۔ ضلع دارجلنگ کے قصبہ چٹپاٹ میں اشرف الاولیا علیہ الرحمہ کا اکثر تبلیغی و اصلاحی دورہ ہوتا، جہاں تقریروں میں آپ دیابنہ کی کفری عبارتیں اور گمراہ کن نظریات لوگوں کے سامنے پیش کرتے، تاکہ گندم نما جو فروش دیوبندیوں کے حیلہ و مکر سے سادہ لوح سنی مسلمان اپنے عقیدہ و مسلک کی حفاظت کرتے رہیں۔

وہاں کے دیوبندیوں کو معلوم ہوا، کہ یہ پیر صاحب تو ہماری گمراہی کا پردہ چاک کر رہے ہیں اور اہل سنت و جماعت کے عقائد لوگوں کے ذہن و دماغ میں بٹھا رہے ہیں، انھیں اپنا مستقبل تاریک نظر آنے لگا، انھوں نے سوچا، پیر صاحب کی تقریریں اسی طرح ہوتی رہیں، تو ہماری قلعی کھل جائے گی اور ہمارا باطل چہرہ بے نقاب ہو جائے گا، پھر یہاں دیوبندی تحریک کی سرگرمیاں خاک میں مل جائیں گی، اس خدشے کو مدنظر رکھتے ہوئے سربرآوردہ دیوبندیوں نے مشورہ کیا اور حضرت کے پاس آ کر کہا ''اگر ہم باطل عقیدہ و مسلک پر ہیں، تو مناظرے کا اہتمام کرتے ہیں، ہمارے علما آئیں گے، ان سے آپ کو مناظرہ

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کرنا ہوگا اور ہمارے عقائد کو باطل ثابت کرنا ہوگا، اس مناظرہ میں جس کی جیت ہوگی، اسی کو حق پر سمجھا جائے گا''، آپ نے مناظرہ کا چیلنج قبول کیا اور فرمایا، حق حق ہے اور باطل باطل ہے۔

تاریخ مناظرہ مقرر ہوئی، دیوبندیوں نے اپنے بہت سے نامور مولویوں کو مناظرہ کے لیے مدعو کیا، مقررہ تاریخ آئی، دونوں فریق آمنے سامنے ہوئے، ہزاروں سامعین کے روبرو حضرت اشرف الاولیا علیہ الرحمہ نے مقررہ عناوین کے تحت صراط مستقیم، براہین قاطعہ، تحذیر الناس، تقویۃ الایمان اور حفظ الایمان کی کفری عبارتیں پڑھ پڑھ کر سنائیں اور ان عقائد کے ماننے اور صحیح جاننے والوں کا کفر ثابت کرتے ہوئے، ان کفری عبارتوں کا جواب طلب کیا، دیوبندی مناظر نے ان کفری عبارتوں کی بے جا تاویلیں کیں، لیکن آپ نے ان بے بنیاد تاویلات کا قرآن وحدیث اور اقوال مفسرین ومحدثین کی روشنی میں ایسا رد بلیغ فرمایا، کہ وہ مبہوت وششدر رہ گیا، کچھ جواب نہ بن پڑا، تو اگلے روز کے لیے مناظرہ ملتوی کر دیا، جب دوسرا دن آیا، حضرت اشرف الاولیا علیہ الرحمہ اپنے ارادتمندوں کے ساتھ مناظرہ گاہ میں تشریف لے گئے، دیوبندی اسٹیج خالی تھا، نہ وہاں ان کے علما تھے اور نہ ہی سامعین، دیر تک انتظار کیا گیا، مگر دیوبندی مناظرین تو وقت سے بہت پہلے ہی فرار ہو چکے تھے، مناظرہ گاہ میں کیا آتے۔

حضرت نے وہیں جشن فتح منایا اور مدرسہ اشرفیہ اصلاح المسلمین کی بنیاد اپنے دست حق پرست سے رکھی، جس کا فیضان یہ ہوا، کہ دیوبندیت اس علاقے سے نیست ونابود ہوگئی اور بحمد اللہ تعالیٰ فیضان اشرف سے سنیت کا غلبہ عام وتام ہوا، حضرت اشرف الاولیا رحمۃ اللہ علیہ کی دعوتی سرگرمیوں، اصلاحی کوششوں اور تبلیغی دوروں سے اسلام اور سنیت کا جو اہم کام ہوا، وہ ہمہ گیر اور ہمہ جہت تھا، جس کے اثرات ونتائج آج بھی ظاہر وباہر ہیں، خصوصیت کے ساتھ مشرقی بہار اور صوبہ بنگال میں آپ کی بے لوث دینی واصلاحی جدوجہد کے جلوے عام ہیں۔

<u>مخدوم اشرف مشن</u>:۔ اشرف الاولیا علیہ الرحمہ کی دینی وعلمی سرگرمیوں کی جیتی جاگتی مثال مخدوم اشرف مشن کا قیام اور اس کے فروغ وارتقا کے لیے آپ کی مساعیٔ جمیلہ ہیں، یہ وہ عظیم کارنامہ ہے، جس کی بدولت اسلام وسنیت کا تحفظ اور اس کی ہمہ گیر اشاعت وابستہ ہے، جس کا مرکز بنگال کا مشہور تاریخی و روحانی شہر پنڈوہ شریف ہے، جو حضرت شیخ علاء الحق والدین رحمۃ اللہ علیہ کی اصلاحی ودعوتی راجدھانی اور آپ کی آرام گاہ ہے اور جہاں مشہور مبلغ دین مرشد برحق حضرت شیخ جلال الدین تبریزی رحمۃ اللہ علیہ نے چلہ فرمایا اور دین حق کی اشاعت کا عظیم کارنامہ انجام دیا۔

سلطان شمس الدین التمش (<u>۱۲۱۰ھ تا ۱۲۳۳ھ</u>) کے زمانے میں شیخ جلال الدین تبریزی

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

رحمۃ اللہ علیہ دہلی، بدایوں ہوتے ہوئے دین حق کی اشاعت کے لیے بنگال تشریف لائے، جن کے ذریعے پہلی بار دعوت وتبلیغ دین کا اہم فریضہ اس سرزمین پر انجام دیا گیا محمود خلجی کی فتوحات بہار و بنگال کے ذریعے اس دعوتی مہم کو مزید قوت حاصل ہوئی اور لوگ جوق در جوق دائرۂ اسلام میں داخل ہونے لگے، پھر حضرت شیخ نظام الدین اولیا نے اپنے چہیتے مرید و خلیفہ حضرت شیخ سراج الدین عثمان المعروف بہ اخی سراج رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۳۵۷ء کو ملک بنگال روانہ کیا، انھوں نے ملک بنگالہ میں دین حق کی اشاعت اور ارشاد وہدایت کا کام بڑے انہماک کے ساتھ انجام دیا، آپ کے ایثار واخلاص کی برکتوں سے بنگال میں مشرب چشت کی خوب اشاعت ہوئی، وصال کے بعد آپ کے مرید و جانشین گنج نبات شیخ علاء الحق والدین پنڈوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مرشد کے مشن کو آگے بڑھایا اور پنڈوہ شریف بنگال کا روحانی مرکز قرار پایا، جہاں سے علم وعرفان کے چشمے پھوٹے اور پورا خطہ روحانیت کا شاداب چمن بن گیا، اسی آستانۂ روحانیت سے حضرت مخدوم اشرف جہاں گیر سمنانی رحمۃ اللہ علیہ (۷۰۹ھ تا ۸۲۹ھ) نے روحانیت وسلوک کی نعمت عظمیٰ پائی اور شیخ علاء الحق والدین کے خلیفہ و جانشین ہوئے، خطۂ جونپور واودھ آپ کی زیر ولایت آئے، شیخ علاء الحق والدین کے وصال کے بعد پنڈوہ شریف کی مسند ارشاد وتبلیغ پر کوئی اہم روحانی شخصیت جلوہ افروز نہ ہوسکی، رفتہ رفتہ یہاں کی روحانی وتبلیغی مرکزیت ماند پڑنے لگی، پھر کئی صدیوں تک یہاں خاموشی طاری رہی، امتداد زمانہ کے دھندلکوں میں ماضی کے تابندہ نقوش چھپ سے گئے اور آنے والی نسلیں آستانۂ شیخ کے علاوہ علمی ودینی مرکزیت کو فراموش کر بیٹھیں، جو وقت کا زبردست المیہ تھا، ضرورت تھی، کہ اس روحانی وعلمی مرکز کی بازیافت کے لیے کوئی مرد کامل پردۂ غیب سے ظاہر ہو اور اس سنسان خطے کو اپنی کوششوں سے آباد کردے۔

جب اشرف الاولیا رحمۃ اللہ علیہ نے بہار و بنگال کے دورے شروع کیے اور اس علاقے میں روحانی واصلاحی کوششوں کا آغاز کیا، خانقاۂ جلالیہ وعلائیہ قائم کی، مدارس قائم کیے، تو پنڈوہ شریف کے ذی اثر، مخلص مسلمانوں نے آپ کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا، حضور پنڈوہ شریف کی طرف بھی توجہ فرمائیں، اس کی کھوئی ہوئی روحانی مرکزیت آپ کے دم قدم سے واپس آسکتی ہے، ہم اس سلسلے میں آپ کا تعاون اور ہر طرح کی قربانی پیش کرنے کے لیے آمادہ ہیں۔

درخواست منظور ہوئی، حضرت پنڈوہ شریف تشریف لے گئے اور مخدوم اشرف مشن کی عمارت کے لیے مناسب زمین کا جائزہ لینے کے بعد ایک مقام پر کھڑے ہوگئے، جو حضرت شیخ جلال الدین تبریزی علیہ الرحمہ کی چلہ گاہ اور شیخ علاء الحق والدین پنڈوی رحمۃ اللہ علیہ کے روضۂ اقدس کے درمیان واقع

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ہے،فرمایا یہی جگہ مخدوم اشرف مشن کی وسیع وعریض عمارتوں کے لیےموزوں ہوگی، پھر مشن کی عمارتوں کے لیے سرمایہ کی فراہمی کا کام شروع ہوا،۱۹۹۳ء میں عرس علائی کے موقع پر ایک عمارت کا سنگ بنیاد حضرت نے اپنے دست اقدس سے رکھا،تقریب سنگ بنیاد کے موقع پر آپ نے ادارے کے مقاصد،اس کے شعبوں،طریقۂ کاراوراس کی ہمہ گیرافادیت واہمیت پران الفاظ میں روشنی ڈالی۔

”یہ ادارہ ایک منفرد المثال ادارہ ہوگا،اس ادارے کے اثر سے دارالعلوم کے علاوہ اسکول اور کالج بھی چلیں گے،دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ یہاں کے طلبہ کوعصری تعلیم سے بھی آراستہ کیا جائے گا،تا کہ یہاں کے فارغین ہرمیدان میں اپنےعلم وہنر کے ذریعہ دین کے خدمات انجام دے سکیں،اس مرکز میں طبی خدمات کا بھی انتظام ہوگا،گاؤں گاؤں مریضوں کے لیےطبی سہولیات فراہم کی جائیں گی،رفاہ عام اورغریبوں کی امداد کے لیے بیت المال قائم ہوگا،ریسرچ سنٹر بھی قائم ہوگا،علما آپس میں بیٹھ کرتحقیق وجستجو اورعلمی گفتگوکریں گے، جو یہاں سے پڑھ کر نکلے گا،جہاں بھی جائے گا،کامیاب رہےگااورمخدومی فیضان اس کےساتھ رہےگا“۔

رسم سنگ بنیاد کے بعد مسلسل کمرے تعمیر ہونے لگے اور دیکھتے ہی دیکھتے متعدد پرشکوہ عمارتیں بن کر تیار ہوگئیں اورمشن کے مجوزہ منصوبوں پرعمل درآمد کا آغاز بھی ہوگیا، بانی کے اخلاص و ایثاراورگردونواح کے مسلمانوں کی قربانیاں رنگ لائیں،علم دین اورعصری علوم کا یہ شاندار مرکز اپنے بنیادی مقاصداور ذیلی منصوبوں کی تکمیل کے لیے جدوجہد کررہا ہے،علمی وروحانی سرگرمیوں کی دانشگاہ صدیوں پرانی تاریخ کودہرارہی ہے۔

حضرت اشرف الاولیانے ۲۱/ذوالقعدہ ۱۴۱۸ھ مطابق ۲۰/مارچ ۱۹۹۸ء بروز جمعہ اس دارفانی سے رحلت فرمائی،مگرآپ کا لگایا ہوا یہ چمن جانشین اشرف الاولیا حضرت علامہ مولانا سید جلال الدین اشرف اشرفی قادری میاں مدظلہ العالی کی بےلوث جدوجہداورقربانیوں سے پروان چڑھ رہاہےاوراس کے غنچہ وگل کی نکہتیں پورےعلاقے کومعطرکررہی ہیں اوراس کےثمرات پورے ہندوستان کومتمتع کررہے ہیں۔

حضرت اشرف الاولیا علیہ الرحمہ نے اپنی دعوتی تبلیغی، اصلاحی،تعمیری سرگرمیوں سے اس سرزمین میں جودینی،علمی،روحانی وعرفانی بیداری پیدا کی، بلاشبہ وہ ایک تاریخ ساز کارنامہ ہے،سنسان، بےآب وگیاہ خطے میں علم وعرفان کی چہل پہل اورروحانی تازگی وطراوت آپ کی اولوالعزم روحانی ودعوتی شخصیت کا کرشمہ ہے۔

شورش عندلیب نے روح چمن میں ڈال دی
ورنہ کلی کلی یہاں مست تھی خواب ناز میں

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

یادیں

http://t.me/Tehqiqat

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

حضور مفتی اعظم ہند اور خدمت خلق

''عمدہ انسانی سماج کی تشکیل، باہمی امداد واعانت اور خیر خواہی کے بنیادی اصولوں پر ہی ہوسکتی ہے، جو معاشرہ کمزوروں کی حمایت، لاچاروں کی اعانت اور غم زدوں کی غمگساری کے جذبات سے خالی ہو، تو وہ ترقی وخوشحالی کے مدارج طے کرنے کی صلاحیت سے محروم ہوگا، یہی وجہ ہے، کہ اسلام نے اپنے اجتماعی معاشرتی تصورات میں ہر فرزند توحید کو باہمی امداد و اعانت، غمگساری ومودت کی مؤثر تعلیم دی ہے''۔

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

من کان فی حاجة اخیه کان اللّٰه فی حاجته ومن خرج عن مسلم کربة خرج اللّٰه عنه من کرب یوم القیامة (بخاری ومسلم)

''جو شخص اپنے بھائی کی حاجت پوری کرنے میں لگا رہے گا، اللہ اس کی حاجت پوری کرے گا اور جو شخص کسی مسلمان کی مصیبت دور کرے گا، تو خدا اس کی قیامت کی مصیبتوں میں سے کوئی مصیبت دور کرے گا''۔

من نفس عن مسلم کربة من کرب الدنیا نفس اللّٰه منه کربة من کرب یوم القیمة ومن یسر علی معسر یسر اللّٰه علیه فی الدنیا والآخرة ومن ستر مسلما ستره اللّٰه فی الدنیا والآخرة واللّٰه فی عون العباد ما کان العبد فی عون اخیه (ترمذی)

''رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، جو کسی مسلمان کی کوئی دنیوی تکلیف اور پریشانی دور کرے گا، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کی تکلیف اور پریشانی سے اسے نجات دے گا اور جو قرض خواہ اپنے تنگدست مقروض کو اپنے قرض کی وصولی کے سلسلہ میں سہولت دے گا، تو اللہ تعالیٰ اسے دنیا اور آخرت میں سہولت دے گا اور جو کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرے گا، اللہ تعالیٰ دنیا وآخرت میں اس کی پردہ پوشی کرے گا اور جو کوئی بندہ جب تک اپنے کسی بھائی کی امداد واعانت کرتا رہے گا، اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرتا رہے گا''۔

''خیر الناس من ینفع الناس'' سب سے اچھا وہ آدمی ہے، جو لوگوں کو نفع پہنچائے۔

یہ وہ مؤثر تعلیمات تھیں، جن پر عمل پیرا ہو کر قرون اولیٰ کے مسلمانوں نے ایک ایسے سماج کی

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

تشکیل کی تھی، جو سراپا رحمت ومودت اور ہمدردی وغمگساری کا بے مثال مظہر تھا، جس کا ہر فرد دوسرے افراد کی خیر خواہی، اعانت اور ہمدردی کے لیے آمادہ رہتا تھا، انسان دوستی، مسکین نوازی، غریب پروری کی ذمہ داری خواص کے لیے اوروں سے بڑھ جاتی ہے اور خلق خدا کے لیے اس کے ایثار وخلوص اور مودت ومحبت کا جذبہ امتیازی شخصیت کی علامت بن جاتا ہے۔

خدمت خلق:۔قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم سید القوم فی السفر خادمھم فمن سبقھم بخدمۃ لم یسبقوا بعمل الا الشھادۃ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، قوم کا سردار سفر میں لوگوں کا خادم ہوتا ہے، پس جو شخص خدمت کر کے ان پر سبقت لے جائے، اس سے کوئی بھی شخص کسی بھی عمل کے ذریعہ بازی نہیں لے جاسکتا، مگر یہ کہ شہادت کا رتبہ (بیہقی)

سربراہ قوم کا یہ فرض ہے، کہ وہ لوگوں کی ضرورتوں کو سمجھے اور ان کو آسانیاں بہم پہنچانے کی کوششیں کرے، بے کس ومجبور اور درماندہ انسانوں کی امداد وتعاون کرے، حاجت روائی، مدد اور کارسازی صفت خداوندی ہے، اس لیے خدمت کو فطرت الٰہیہ سے ایک قسم کی مشابہت حاصل ہے، اس لیے اس کی فضیلت ایک واضح حقیقت ہے، اس نقطۂ نظر سے جب ہم مقتدائے اہلسنت حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمۃ والرضوان کی زندگی کا مطالعہ کرتے ہیں تو یہ حقیقت منکشف ہوتی ہے، کہ اسلاف کی طرح آپ کی زندگی کے بیشتر اوقات بندگان خدا کی اعانت، حاجت مندوں کی حاجت روائی اور دردمندوں کی دلداری میں بسر ہوا کرتے تھے، مسند افتا ہو یا بیعت وارشاد کی مجالس یا تعویذ نویسی کا شغل ہر مرحلہ میں لوگوں کی مشکل کشائی اور اعانت کے جلوے نظر آتے ہیں، مسند افتا پر بیٹھ کر لوگوں کے استفتا اور استفسارات کے جوابات تحریر کرنا، دینی مشکلات کا حل کرنا اور انھیں منشائے شریعت سے آگاہ کرنا، پھر بیعت وارشاد اور تبلیغ واشاعت دین کے لیے ملک کے طول وعرض میں سفر کرنا، لوگوں کو روحانی قدروں سے آشنا کرنا، بدعات ومنکرات سے احتراز کی تعلیم دینا اور بھلائیوں کی ترغیب ودعوت، بلاشبہ یہ حضور مفتی اعظم ہند کے وہ عظیم علمی اور دینی کارنامے ہیں، جن کے ذریعہ عام مسلمانوں کی خدمت بھی ہوتی رہی ہے، لیکن خدمت خلق کا ہمہ گیر کارنامہ جو آپ نے تعویذات ونقوش کے ذریعہ انجام دیا، وہ خدمت خلق کے تعلق سے سب سے اہم ہے، جس سے فائدہ اٹھانے والے صرف مسلمان ہی نہیں، بلکہ وہ تمام برادران وطن بھی تھے، جن کا اسلام سے کوئی بھی مذہبی تعلق نہ تھا، تعویذ کے طلبگاروں میں ہندو مسلم، سکھ، عیسائی، مرد وزن ہر طبقہ اور ہر مذہب کے لوگ ہوا کرتے تھے۔

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

سفر میں ہوں یا حضر میں جب بھی کوئی درد کا مارا حاضر بارگاہ ہوتا، اپنی مصیبتیں بیان کرتا اور چارہ گری کی استدعا کرتا، مفتی اعظم ہند اسے تعویذ اور نقوش عطا فرماتے، زخموں پر تسکین کا مرہم رکھتے، مایوسیوں کے اندھیرے سے نکالتے اور مسرت ونشاط سے بہرہ مند کرتے، یہ شغل کسی مالی منفعت یا کسی ذاتی غرض سے ہرگز نہ تھا، بلکہ خالصتاً لوجہ اللہ، خدا کے بندوں کی خدمت تھی۔

حضور مفتی اعظم ہند کے اس جذبہ خدمت نے بلاتفریق مذہب وملت سب کو آپ کا گرویدہ وشیفتہ بنا دیا تھا، بریلی شریف میں مقیم ہوں یا دوران سفر ہندوستان کے کسی شہر قصبہ یا قریہ میں اقامت گزیں ہوں یا رحلت وسفر کی حالت میں سواریوں پر ہوں ہر جگہ دردمندوں کا ہجوم پروانوں کی طرح آپ کے گرد جمع رہتا اور ہر دردمند شخص اپنی ضرورت پیش کرتا، روحانیت کے تاجدار کی بارگاہ سے فیضیاب ہوکر خوش وخرم لوٹتا۔

منعم بہ کوہ ودشت وبیاباں غریب نیست
ہر جا کہ رفت خیمہ زد و بارگاہ ساخت

ذیل میں راقم السطور ایک واقعہ نقل کرتا ہے، جس کا تعلق حضور مفتی اعظم ہند کی بے پایاں روحانی شخصیت سے ہے اور یہ جذبہ خدمت خلق کی روشن دلیل ہے، میرے چھوٹے ماموں جناب امتیاز احمد صاحب مرحوم جو عمر میں مجھ سے تقریباً ایک سال بڑے تھے، ۶۲/۱۹۶۱ء کا ذکر ہے، جب ان کی عمر بارہ تیرہ سال رہی ہوگی، خبیث جنوں کے نرغے میں آگئے، ابتدا میں ایسا ہوتا، کہ کبھی کانوں اور کبھی دانتوں میں شدید درد ہوتا، پوری پوری رات بستر پر پڑے تڑپتے رہتے، تدبیریں الٹی ہوتیں اور دوائیں بے اثر ثابت ہوتیں، پورا گھر ان کی جاں گسل تکلیفوں سے پریشان رہتا، یہ آزار باقی ہی تھا، کہ جنوں کے اثر سے ادھر ادھر بھاگنے لگے، جب پکڑ کر لائے جاتے، ہوش آتا تو انھیں پچھلی کیفیت یاد نہ رہتی، اسی طرح کے چند واقعات پیش آتے رہے، کہ نانا جان مرحوم اور دوسرے اہل خانہ کو سحر یا جنوں کے اثر کا شبہ ہونے لگا، پھر جھاڑ پھونک اور تعویذوں کا سلسلہ جاری ہوا، بعض عاملوں کی کوششوں سے جن حاضر ہونے لگے، یہ حضرات ان کو قابو میں لانے کی جدوجہد کرتے، مگر ناکامی ہوتی۔

اب روزانہ کا یہ معمول ہوگیا تھا، کہ مغرب کی نماز کے بعد کچھوچھہ شریف کا چوگوشی چراغ جلایا جاتا، ماموں جان اس کے سامنے بیٹھتے فوراً جن سوار ہوجاتے اور ایران وتوران کی باتیں کرتے، اللہ ورسول کا واسطہ دے کر انھیں قائل کرنے کی کوششیں کی جاتیں، مگر وہ کسی طرح مریض کو چھوڑنے پر آمادہ نہ ہوتے، اسی زمانے میں ادری کی جامع مسجد میں ایک عظیم الشان جلسے کا انعقاد ہوا، جس میں

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

علامہ مشتاق احمد نظامی علیہ الرحمہ ایڈیٹر ''پاسبان'' اور مولانا سید اسرارالحق صاحب صدر آل انڈیا مسلم متحدہ محاذ خصوصی مقرر کی حیثیت سے تشریف لائے تھے، راقم السطور نے پہلی بار اسی جلسے میں ان دونوں بزرگوں کو دیکھا اور ان کی موثر دلآویز اور پر جوش تقریریں سماعت کیں، غالبًا کچھ ہی دنوں کے بعد آل انڈیا مسلم متحدہ محاذ کی سنی اوقاف کانفرنس ۱۹۶۲ء دلی میں منعقد ہونے والی تھی، جس کا خاص مدعا دلی اور اطراف دلی میں واقع سیکڑوں مساجد اور مقابر جن پر شرنارتھیوں کا ناجائز قبضہ تھا، انھیں خالی کر کے ۱۹۴۷ء سے قبل کی پوزیشن پر لانا تھا۔

علامہ نظامی اور مولانا اسرارالحق صاحب نے عام مسلمانوں سے کانفرنس کے کام اور دلی چلنے کی خاص طور پر اپیل کی تھی، اسی دن کی شام کی بات ہے، کہ میں نانا جان کے مکان پر موجود تھا، بعد مغرب کچھوچھہ شریف کا چراغ جلایا گیا، جس کے سامنے ماموں جان بیٹھے، اس مجلس میں میرے چچا جناب محمد مصطفٰے صاحب امجدی نانا جان جناب عبدالاحد صاحب راقم السطور اور دوسرے اہل خانہ موجود تھے، ایک مشہور عامل و معوذ نے پانی پر دم کر کے دیا تھا اور ہدایت کر دی تھی، کہ جنوں کی سواری آئے، تو ان سے کہا جائے، کہ وہ پیچھا چھوڑ دیں، اگر وہ شرافت کے ساتھ جانے کے لیے آمادہ نہ ہوں تو آسیب زدہ کے چہرے پر رومال ڈال دیا جائے اور دونوں کانوں کو مضبوطی سے بند کر کے پانی کے چھینٹے مریض کے چہرے پر مارے جائیں، اس اذیت سے جن پریشان ہوں گے اور پھر کبھی نہ آئیں گے۔

ہدایت کے مطابق عمل شروع ہوا، ابتدا میں یکے بعد دیگرے دو جن آئے، گفتگو ہوئی، رخصت ہوئے، آخر میں تیسرا سرکش جن آیا، جس نے اپنا نام نورالعین بتایا، دیر تک مباحثہ ومکالمہ جاری رہا، مگر وہ اپنی ہٹ پر قائم رہا، تو چہرے پر رومال ڈال کر عامل کے دم کردہ پانی کے چھینٹے مارے جانے لگے، جن شور مچاتا رہا اور چھوڑنے کی قسمیں کھاتا رہا، جب اس نے کبھی نہ آنے کا وعدہ کیا، تو پانی کا چھڑکاؤ بند کر دیا گیا اور رومال ہٹا لیا گیا، ماموں جان ہوش میں آ گئے، گھر والوں کو یک گونہ مسرت حاصل ہوئی، کہ اب جنوں کے آسیب سے مریض نے نجات پالی ہے، مگر چند روز بعد یہ مسرت غارت ہوگئی اور شریر جنوں کا حملہ بڑی قوت وشدت کے ساتھ ہونے لگا، مریض کی حالت بد سے بدتر ہونے لگی، عاملوں کے تعویذات، پانی، چلّے پھر شروع ہوئے، درگاہوں میں حاضری دی جانے لگی، مگر جن اپنی ضد پر اڑے رہے۔

ع مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

نانا جان مرحوم لخت جگر کی تکلیفوں سے شب وروز تنگ رہتے اور ہر کس وناکس سے التجائیں

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کرتے، کہ وہ کسی ایسے عامل کا پتہ بتادے، جس کے جھاڑ پھونک سے فرزند، خبیث جنوں کی گرفت اوران کے شدید آزار سے نجات پا جائے، اسی پریشانی ودرماندگی اور بے کسی وبے بسی میں دو تین سال کا طویل عرصہ گزر گیا، ہر طرف مایوسیوں کا اندھیرا چھانے لگا، کسی معوذ کا تعویذ کسی عامل کا عمل کارگر نہ ثابت ہوا۔

مایوسیوں کے اسی دور میں تاجدار اہلسنت حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمۃ والرضوان ادری تشریف لائے، قیام حضرت مولانا مفتی مجیب الاسلام نسیم اعظمی صاحب مدظلہ العالی کے مکان پر ہوا (موصوف نانا جان کے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں) مفتی صاحب ماموں جان کی حالت زار اوران کے خانوادہ کی سالہا سال پرانی پریشانیوں سے بخوبی واقف تھے، نانا جان نے جب مفتی صاحب کی وساطت سے فرزند کی حالت زار کا مختصراً تذکرہ بارگاہ مفتی اعظم ہند میں کیا اور تعویذ کی درخواست پیش کی، حضرت نے قلمدان طلب فرمایا، چند تعویذات تحریر فرمائے اور انھیں مریض کے گلے میں پہنانے اور بازو میں باندھنے کی ہدایت فرمائی، دوسرے عاملوں کی طرح لمبا چوڑا چلہ یا دوسری تدبیر کی کوئی ہدایت نہ فرمائی، نانا جان نے ادب واحترام کے ساتھ تعویذ لیا اور حکم کے مطابق ماموں جان کو پہنایا اس کے بعد کیا ہوا نانا جان نے فرمایا۔

''میں نے امتیاز احمد کے گلے میں تعویذ ڈال دیا، حضور مفتی اعظم ہند ادری سے تشریف لے گئے، پھر ایک رات خواب میں دیکھا، کہ شاہ رکن الدین علیہ الرحمہ کے مزار کے قریب تالاب کے کنارے فرش بچھا ہوا ہے، کچھ لوگ خاموش بیٹھے ہیں، ایک طرف کچھ کپڑا اور کنارے بالٹی میں پانی رکھا ہوا ہے، ماحول یہ بتا رہا ہے، کہ کسی کا انتقال ہو گیا ہے اور لوگ تجہیز وتکفین کی تیاریوں میں مصروف ہیں، میں نے دریافت کیا کہ کس کا انتقال ہو گیا ہے، ایک شخص نے جواب دیا، نور العین، شمس الضحیٰ، بدر الدجیٰ اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ (یہ تینوں نام خبیث جنوں کے ہیں، جو ماموں جان کو برسوں سے مبتلائے آلام کیے ہوئے تھے) جب میں بیدار ہوا، خواب پوری طرح یاد رہا یہ خواب ہی تھا، یقین کیسے کر لیا جاتا کہ واقعی سچا بھی ہے، لیکن دن گزرتے رہے اور امتیاز احمد کی صحت بحال ہونے لگی، جسمانی تکلیف اور جنوں کی سواری کا سلسلہ بند ہو گیا، مجھے یقین آ گیا، کہ خواب سچا تھا اور حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کے تعویذ کی برکت اور آپ کے روحانی تصرف سے جنوں کا خاتمہ ہو گیا''۔

ماموں جان اس کے بعد تقریباً ۳۷ برس زندہ رہے، عمر کے آخری سالوں میں اگرچہ وہ شدید علیل رہنے لگے، مگر شیطانی آسیب کا کبھی کوئی اثر تادم مرگ ان پر نہیں ہوا، بے شمار عاملوں کے تعویذات، چلے جنوں کو جلانے، ہلاک کرنے، بند کرنے کی ساری تدبیریں جہاں رائگاں ثابت

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ہوئیں، روحانی دنیا کے تاجدار کے چند نقوش نے مریض کو درد والم کی جاں گسل مشقتوں سے نجات دلا دی، بظاہر یہ چند نقوش تھے، جن کی حیرت انگیز تاثیر سے مدتوں کی کلفت ورنج سے صرف ایک شخص نے نجات نہیں پائی، بلکہ خبیث جنوں کی ہلاکت کے سبب بے شمار لوگوں کے شر سے مامون ومحفوظ ہوگئے، حقیقتاً یہ حضور مفتی اعظم ہند کی روحانی قوت کا کرشمہ اور آپ کی ناقابل انکار کرامت تھی، جو تعویذ کے پردہ میں اپنا کام کرگئی، اسی روحانی رمز کی طرف اشارہ کرتے ہوئے محقق عصر شارح بخاری حضرت علامہ الحاج مفتی محمد شریف الحق صاحب قبلہ امجدی علیہ الرحمہ نائب مفتی اعظم ہند نے اپنے ایک مضمون میں تحریر فرمایا ہے۔

''حضور مفتی اعظم ہند نے فرمایا، کچھ اللہ والے اپنی کرامتوں کو دوا اور تعویذ میں چھپاتے ہیں ، پھر سرکار سید حمزہ مارہروی علیہ الرحمہ کا واقعہ بیان فرمایا، کہ ایک شخص دعا کے لیے حاضر ہوا، حضرت نے اسے ایک دوا کا نسخہ عنایت فرمایا، مدت کا مریض ایک ہی خوراک میں ٹھیک ہوگیا، حضرت نے اپنی کرامت دوا میں چھپالی''۔

یہی حال حضور مفتی اعظم ہند کا ہے، کہ وہ اپنی کرامتوں کو تعویذ کے پردے میں چھپائے ہوئے تھے، جس کی دلیل یہ ہے، کہ وہی تعویذات بہت سے لوگ لکھتے ہیں، مگر فائدہ نہیں ہوتا۔ (انوار مفتی اعظم ہند ص ۲۶۶)

ایک اور واقعہ:۔ حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمۃ والرضوان کی مسکین نوازی اور کرم گستری کا ایک واقعہ حضرت مولانا مفتی عزیز الحسن صاحب قبلہ خلیفہ مفتی اعظم ہند نے اس طرح بیان فرمایا۔

۱۹۶۴ء، ۶۵ء کا ذکر ہے، تاجدار اہلسنت حضور مفتی اعظم ہند مالیگاؤں تشریف لائے، جب میں دار العلوم اشرفیہ مالیگاؤں میں بحیثیت شیخ الحدیث تدریسی فرائض انجام دے رہا تھا، دار العلوم اشرفیہ میں قیام فرمایا، صبح کا وقت تھا، ایک وسیع کمرے میں حضرت رونق افروز ہیں، عقیدت مند زائرین اور ضرورت مند لوگ مودب بیٹھے ہوئے ہیں، ہر شخص اپنی اپنی پریشانی اور ضرورت بیان کررہا ہے، حضرت تعویذ عطا فرماتے اور دعا کرتے جاتے، اسی دوران ایک خستہ حال دیہاتی جس کے جسم پر پھٹا پرانا لباس ہے اور چہرے سے پریشانی کے آثار ظاہر ہیں، بدحواسی کے عالم میں حضرت کے قریب پہنچا، سلام عرض کیا، حضرت نے سر اوپر اٹھایا، سلام کا جواب دیا، اس شخص نے دست بوسی کی، حضرت نے خیریت دریافت فرمائی، اس نے انتہائی لجاجت اور دل گرفتگی کے ساتھ عرض کیا ''حضور میں غریب آدمی ہوں، دو جوان بیٹیوں کی شادی کرنی ہے، تعویذ مرحمت فرمائیں تاکہ شادی

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کے سلسلے میں اخراجات کا انتظام ہو جائے''۔

حضرت نے نرمی سے فرمایا، تم غریب ہو تمہیں تعویذ ضرور ملے گا، کچھ دیر بیٹھو، پھر حضرت تعویذ نویسی میں مصروف ہو گئے، چند آدمیوں کو تعویذ عطا فرمانے کے بعد دیہاتی شخص کی جانب متوجہ ہوئے تو وہ وہاں موجود نہ تھا، پورے کمرے پر نگاہ ڈالی کہیں نظر نہ آیا، دریافت فرمایا، وہ غریب کہاں گیا؟ تلاش کیا جائے، لوگ یہ سنتے ہی باہر نکلے مدرسہ کے اردگرد تلاش کرنے لگے، دوکانوں اور چائے خانوں میں گئے، مگر وہ کہیں نظر نہ آیا، حاضر ہو کر عرض کیا، حضور اس آدمی کا پتہ نہیں چلا، کہاں گیا، حضرت نے فرمایا، وہ غریب ہے اسے تعویذ دینا ہے، جاؤ تلاش کرو، بار بار یہی جملہ دہراتے رہے، حاضرین پریشان ہو گئے چونکہ وہ ایک اجنبی شخص تھا، شہر کا باشندہ ہوتا تو اسے کوئی پہچاننے والا مل جاتا، اس کے گھر جا کر لایا جا سکتا تھا، مگر اس اجنبی غریب کو تلاش کر لانا سخت دشوار تھا اور حضرت کا پیہم اصرار وہ غریب ہے اسے تعویذ دینا ہے اسے تلاش کرو لوگوں نے دور دور تک تلاش کیا، مگر اسے نہ ملنا تھا نہ ملا لوگ حیران اور حضرت کا مسلسل اصرار۔

مالیگاؤں کے ایک قریبی قصبہ کے چند معزز اشخاص حضرت کو اپنے وہاں لے جانے کے لیے حاضر ہیں، دیر ہوتی جا رہی ہے، وہ عرض کرتے حضور وقت زیادہ ہو گیا ہے، گاڑی حاضر ہے تشریف لے چلیں، لیکن حضرت فرما رہے ہیں''وہ غریب ہے اسے تعویذ دینا ہے اسے تلاش کرو'' اس طرح کافی وقت گزر گیا، مضافاتی قصبہ کے لوگوں نے گزارش کی، حضرت چلنے کے لیے آمادہ ہو گئے، مگر کار میں بیٹھتے ہوئے فرمایا وہ غریب ہے اسے تعویذ دینا ہے کار روانہ ہوئی، تمام ارادت مند رخصت ہوئے، مدرسہ کے اساتذہ ذمہ دار اس واقعہ سے حیران تھے، الٰہی وہ کون شخص تھا؟ جس نے حضرت کو پریشان کر دیا اور حضرت بار بار اسے یاد کر رہے ہیں، ڈیڑھ گھنٹہ ہوا ہوگا، کہ مدرسہ کی طرف کار آنے کی آواز سنائی دی، کچھ لوگ باہر آئے وہی کار جس پر حضرت سوار ہو کر گئے تھے، مدرسہ کے دروازہ پر آ کر رکی اور حضرت نے کار سے باہر آ کر فرمایا، وہ غریب ہے اسے تعویذ دینا ہے اسے تلاش کرو، یہ کہتے ہوئے مدرسہ میں داخل ہوئے اور قیام گاہ کے کمرے میں جا کر اپنی نشستگاہ پر بیٹھ گئے، بار بار فرما رہے ہیں، وہ غریب ہے اسے تعویذ دینا ہے، حاضرین دم بخود ہیں، پریشان ہیں، ابھی چند ہی منٹ گزرے ہوں گے کہ وہی خستہ حال دیہاتی حاضر ہوا، حضرت نے اسے دیکھا، متبسم ہو کر فرمایا ''تم آ گئے پھر قرطاس و قلم سنبھالا، چند نقوش تحریر فرمائے اور اسے عطا فرما دیے، اس کے بعد مضافاتی قصبہ کے معززین کے ساتھ ان کے ہاں تشریف لے گئے، پھر بعض لوگوں نے اس دیہاتی شخص سے

http://t.me/Tehqiqat

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

پوچھا، تم کہاں چلے گئے تھے، حضرت کو اور ہم سب کو پریشانی میں مبتلا کر دیا، جواب دیا، میں جھونپڑ پٹی کا رہنے والا ہوں، ایک غریب آدمی ہوں، یہاں سے گھر چلا گیا تھا، اب واپس آیا ہوں۔

بعد میں مضافاتی قصبہ کے معزز افراد سے حضرت کی اتنی جلد مراجعت کا حال دریافت کیا گیا، تو انھوں نے بتایا، کہ ہم حضرت کو اپنے مکان پر لے گئے، وہاں ناشتہ حاضر کیا گیا، حضرت نے اسے ہاتھ نہ لگایا، فرمانے لگے ''وہ غریب ہے، اسے تعویذ دینا ہے'' اسی جملے کی تکرار کرتے رہے۔

آخر میں فرمایا، ہمیں مالیگاؤں لے چلو، کس کی مجال تھی انکار کرتا، فوراً ہی ہم کار میں بٹھا کر یہاں لائے، راستہ میں بھی حضرت کی زبان پر وہی جملہ بار بار آتا رہا، خدمت خلق اور مفلس نوازی کا وہ جذبہ خیر تھا، جس نے آپ کو ایک انجانے غریب کے لیے اس درجہ مضطرب کر دیا تھا اور اس وقت تک سکون نہ حاصل ہوا، جب تک اس غریب کو تعویذ عطا نہ فرما دیا، اللہ کے قدسی صفات بندے پریشان حال غم زدہ مخلوق خدا کے زخمی دلوں پر مرہم رکھ کر ہی سکون و مسرت پاتے ہیں، ان کا مقصد حیات دردمندوں کی غمگساری اور شکستہ حالوں کی چارہ سازی ہے، یہی طرز عمل رضائے الٰہی کے حصول اور دائمی راحت قلب و جگر کا سرچشمہ ہے۔

حضور مفتی اعظم ہند کی عبقری شخصیت سے خیر و صلاح کے چشمے پھوٹے، آپ کی پوری زندگی دوسرے انسانوں کی خیر خواہی و خدمت کے لیے وقف تھی، وہ سفر ہو یا حضر ہر حال میں خدمت خلق کے جذبات سے سرشار اور اس کے لیے مستعد رہتے تھے، ان کی یہ ہمہ گیر خدمت کسی ذاتی غرض یا خارجی دباؤ کا نتیجہ نہ تھی، انھوں نے اسے شہرت و ناموری یا دنیاوی مفاد کے حصول کا ذریعہ ہرگز نہ بنایا، بلکہ اسے ایک مقدس فریضہ سمجھ کر انجام دیتے رہے، انھوں نے اس کے ذریعہ خدا کی رضا طلب کی اور اسی سے صلہ و کرم کی امید وابستہ رکھی، اس طرح انھوں نے خلق خدا کا دل جیت لیا۔

ع   دل بدست آور کہ حج اکبر است

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

مجاہد ملت کی زریں یادیں

کاروان حیات اپنی رفتار کے ساتھ آگے بڑھتا رہتا ہے، لیل ونہار پے در پے آتے جاتے ہیں، ہر روز نت نئے واقعات وحادثات پیش آتے رہتے ہیں، ان تمام واقعات وحادثات کو انسان اپنے ذہن میں محفوظ نہیں رکھ سکتا، امتداد زمانہ کا غبار ان پر دبیز پردے ڈال دیتا ہے اور رفتہ رفتہ ہزاروں واقعات حافظے سے غائب ہوجاتے ہیں، مگر انہیں حادثات و واقعات میں کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں، جو ذہن کے پردوں پر اس طرح نقش ہوجاتے ہیں، کہ ماہ وسال کی گردش ان پر اثر انداز نہیں ہوتی، ذراسی توجہ سے یادداشتوں کا دفتر کھل جاتا ہے اور واقعات وحادثات اس طرح نگاہوں کے سامنے آجاتے ہیں، جیسے تازہ تازہ وقوع پذیر ہوئے ہوں اور انسان چند لمحوں کے لیے ماضی کی یادوں میں گم ہوجاتا ہے، ایسی ہی کچھ یادیں اور کچھ باتیں آقائی ومرشدی حضرت علامہ ومولانا الحاج محمد حبیب الرحمٰن قادری علیہ الرحمۃ والرضوان سے متعلق ہیچ مداں کے حافظے میں محفوظ ہیں، تنہائی کے لمحات میں ان واقعات سعادت نشان کو حیات پارینہ کے اوراق میں پڑھتا رہتا ہوں۔

یہ اچھی طرح یاد نہیں، کہ آقائی ومرشدی حضور مجاہد ملت علیہ الرحمۃ والرضوان کی زیارت سے پہلی بار کب مشرف ہوا، لیکن یہ بات پورے وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں، کہ صغرسنی ہی سے حضور کو جانتا پہچانتا ہوں اور بچپن ہی سے آپ کے دیدار اور دست بوسی کے مواقع نصیب ہوتے رہے ہیں، میں اسے بخت کی یاوری سمجھتا ہوں، کہ جوار صدر الشریعہ میں رہنے کی وجہ سے عرس امجدی اور سالانہ جلسہ عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے موقعوں پر ملک وملت کی مقتدر برگزیدہ علمی وروحانی ہستیوں کی زیارت سے بہرہ مند ہونے کی سعادت حاصل ہوا کرتی تھی، یوں تو اس دور کے اکثر وبیشتر علما ومشائخ کو دیکھنے، ان کے مواعظ سننے کا اتفاق ہوتا رہا، مگر جن بزرگ علمی وروحانی شخصیتوں کی عقیدت وعظمت صفحۂ دل پر مرتسم ہوئی، وہ تاجدار اہلسنت شہزادہ اعلیٰ حضرت علامہ الحاج مفتی مصطفیٰ رضا خان بریلوی اور مجاہد ملت حضرت علامہ الحاج الشاہ محمد حبیب الرحمٰن قادری رئیس اعظم اڑیسہ اور استاذ العلما حافظ ملت حضرت علامہ الحاج عبدالعزیز محدث مرادآبادی بانی الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور رحمہم اللہ علیہم اجمعین ہیں، یہ تین باعظمت مقتدر نورانی ہستیاں تھیں، جن کی زیارت سال میں دوچار بار ہوجایا کرتی تھی، آج بھی ان بزرگوں کا نام زبان

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

پر آتے ہی ان کے نورانی پیکر نگاہوں کے سامنے آجاتے ہیں اور عالم خیال میں ان کی یادیں سلسلۃ الذہب کے مانند پے در پے آنے لگتی ہیں۔

زمانہ طالب علمی میں اولیائے عظام اور مشائخ طریقت سے والہانہ ارادت وعقیدت تو تھی، مگر جوانی کی غفلتوں میں پیری مریدی کو زیادہ اہمیت نہ دیتا تھا اور کسی بزرگ سے رشتہ ارادت استوار کر کے ان کی بیعت سے گریز کی حد تک اغماز تھا، یہ لا ابالی پن اور ناشائستگی برسوں تک قائم رہی، پھر غفلتوں کے حجاب اٹھنے لگے اور بیعت کی افادیت سمجھ میں آنے لگی، مگر پیشہ ور پیروں کی طرف دل کا رجحان نہ ہوتا، پندار کا فیصلہ یہ تھا، کہ ایسے مرشد برحق کے مقدس ہاتھ میں ہاتھ دیا جائے اور ان کی ارادت کا قلادہ گردن میں ڈالا جائے، جو متبحر عالم دین ہونے کے ساتھ ساتھ اقلیم روحانیت کا تاجدار بھی ہو، اس لحاظ سے حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ اور حضور مجاہد ملت علیہ الرحمۃ والرضوان اور حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ پر نگاہ انتخاب مرکوز ہونے لگی اور عزم راسخ کر لیا، کہ ان تینوں بزرگوں میں سے کسی ایک سے مرید ہونا چاہیے۔

ابتدا میں ضمیر کا یہ مطالبہ بہت ہلکا اور خفیف تھا، لا پرواہی میں دن گزرتے رہے سوچتا تھا، کبھی ان تینوں بزرگوں میں سے کسی کے دست حق پرست پر بیعت کر کے رشتہ ارادت میں منسلک ہو جاؤں گا۔

لیل ونہار کا قافلہ تیزی سے آگے بڑھتا رہا، ستمبر ۱۹۶۸ء میں سلطان الہند حضرت خواجہ غریب نواز علیہ الرحمہ کے عرس میں شرکت کے لیے دارالخیر اجمیر شریف حاضر ہوا، تو ۷/رجب کی صبح بیگمی دالان کے سامنے کسی خادم کے برآمدے میں آقائے نعمت حضور مجاہد ملت اور پیر طریقت حضرت مولانا عبدالحق رحمۃ اللہ علیہما ارادت مندوں کے ہجوم میں نظر آئے، میں بھی اپنے رفقا کے ساتھ اس محفل کے حاشیہ پر بیٹھ گیا، دونوں بزرگ تصوف وسلوک سے متعلق باتیں کرتے رہے، ناچیز سنتا زیادہ تھا، سمجھتا کم تھا، یہ اسرار و رموز ومعرفت کی باتیں تھیں، اس کج فہم کے پلے کیا پڑتیں، ہاں ان دونوں بزرگوں کے پیکر نورانی کی جی بھر کر زیارت کرتا رہا۔

بفراغ دل زمانے نظرے بہ خوبروئے
بہ ازاں کہ چتر شاہی ہمہ عمر ہائے ہوئے

ناچیز دوسرے دن والد گرامی حضرت مولانا محمد سالم صاحب امجدی علیہ الرحمہ کی زیارت اور احباب سے ملاقات کے لیے پالی پہنچا، صبح کا وقت تھا، جامع مسجد چھیپان میں حضور مجاہد ملت اوراد وظائف میں مصروف تھے، والد صاحب کو تلاش کرتے ہوئے میں وہاں پہنچا، زیارت کی برکت سے مستفیض ہوا، یہ پہلا اتفاق تھا، کہ حضرت کے ساتھ صبح سے شام تک ایک ہی جگہ قیام، ناشتہ اور پھر

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

دو پہر کے کھانے کا اتفاق ہوا، حضور کی نگاہ التفات اور شفقت بیکراں مجھ عاجز پر رہی، میرے ضعف بصارت کا علم ہوا، تو افسوس کرتے ہوئے فرمایا، ابھی سے آنکھ اتنی کمزور ہے، پھر والد گرامی سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا، آپ ۱۴؍شعبان المعظم کو بریلی شریف بھیج دیں میں وہیں رہوں گا، حکیم محمد ہاشم صاحب امراض چشم کے بہت اچھے معالج ہیں، انھیں دکھادوں گا، میں نے ایک دوست کی معرفت مرید ہونے کی خواہش کا اظہار کیا، تو فرمایا میاں بڑے بڑے پیر موجود ہیں، ان سے مرید ہوجانا، اس جواب کے بعد ہمت نہ رہی کہ اصرار کرتا، شام کی ٹرین سے حضور بیکانیر کے لیے روانہ ہوگئے، اس دوران حضور نے متعدد لوگوں کو حلقہ بگوش ارادت کیا، وظائف واوراد کی تعلیم دی، یہ مقدس شغل پالی اسٹیشن پر بھی جاری رہا۔

۲۷؍۱۹۷۱ء کی بات ہے، عرس امجدی کی تقریبات ختم ہونے کے بعد چند دوستوں کے ساتھ مادر علمی جامعہ شمس العلوم پہنچا، رات کے دو بج رہے تھے، سردی کافی تھی، ایک کمرہ میں داخل ہوا، تو دیکھا، کہ حضور مجاہد ملت لیٹے ہوئے ہیں اور کچھ طلبہ خدمت میں مصروف ہیں، سلام و دست بوسی کے بعد میں نے عرض کیا، حضور رات سرد ہے، یہاں اوڑھنے بچھونے کا کوئی انتظام نہیں ہے، غریب خانہ پر تشریف لے چلیں، میں مولانا محمد سالم صاحب کا بڑا لڑکا محمد عاصم ہوں، یہ سنتے ہی حضرت اٹھ کر بیٹھ گئے اور ارشاد فرمایا، چلو چلتے ہیں، حضور مجاہد ملت اور آپ کے خدام غریب خانہ پر تشریف لائے، تو بیٹھک میں گدے بچھا کر لحاف، کمبل اور تکیے رکھ کر میں دوسرے کمرے میں جا کر سوگیا، فجر میں تاخیر سے بیدار ہوا، والدہ ماجدہ چائے ناشتہ تیار کرنے میں مصروف ہوئیں، میں بیٹھک میں داخل ہوا، تو حضور مجاہد ملت اور آپ کے خدام بیدار ہوکر پہلے ہی جا چکے تھے، خیال آیا، مدرسہ کی مسجد میں بعد نماز فجر معمول کے مطابق اوراد و وظائف میں مصروف ہوں گے، جا کر ناشتہ کے لیے زحمت دوں، مگر جب مدرسہ پہنچا، تو حضور مجاہد ملت وہاں موجود نہ تھے، معلوم ہوا، کہ فجر کی نماز کے بعد ریلوے اسٹیشن تشریف لے گئے ہیں، صبح کی ٹرین سے واپس چلے جائیں گے، سخت افسوس ہوا، میں سو کیوں گیا، رات ہی میں ناشتہ کیوں نہ تیار کرالیا، خوش بختی سے حضور غریب خانہ پر تشریف لائے اور ضیافت کا حق ادا نہ کرسکا، اس احساس ندامت و پشیمانی کے ساتھ اسٹیشن پہنچا، ٹرین آچکی تھی، حضور مجاہد ملت ٹرین میں تشریف فرماتھے، محترم مولانا عبدالماجد صاحب اشرفی ہوٹل سے چائے نمکین لے کر حاضر ہوئے، حضرت نے چائے نوش فرمائی، ٹرین نے حرکت کی، ہم سب دست بوسی کر کے واپس آگئے، مگر ضیافت نہ کرنے کا ملال مہینوں تک رہا۔

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

۱۹۷۴ء کی بات ہے،مغرب کی نماز سے فارغ ہوکر احباب کے ساتھ مدرسہ کے صحن میں محو گفتگو تھا، کہ ایک ادھیڑ عمر کے مولانا صاحب تیز تیز قدموں سے مدرسہ میں داخل ہوئے اور فرمایا،حضور مجاہد ملت تشریف لا رہے ہیں،ہم لوگ دروازے کی سمت بڑھے،حضرت کی دست بوسی کی،حضرت نے ارشاد فرمایا،مولوی محمد سالم صاحب گھر پر ہیں، میں نے عرض کی حضور موجود ہیں،حضرت مسجد میں جا کر نماز میں مصروف ہوگئے، میں دوڑا ہوا گھر آیا،حضرت والد گرامی نماز اور وظائف سے فارغ ہوکر حسب معمول دسترخوان پر بیٹھ چکے تھے، میں نے عرض کیا،حضور مجاہد ملت تشریف لائے ہیں،آپ کو پوچھ رہے تھے، والد صاحب نے فرمایا،حضرت کی ضیافت کا اہتمام کرو، وقت مختصر تھا اور آج کی طرح وسائل کی فراوانی نہ تھی ،کہ جب چاہو ہر چیز آناً فاناً مہیا ہوجاتی ہے، بہرحال حسب مقدور ضیافت کا اہتمام ہوگیا، جو حضور کی شایان شان تو کیا عام مہمانوں کے لائق بھی نہ تھا، بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ محض ماحضر تھا۔

حد درجہ مسرت تھی، کہ حضور مجاہد ملت غریب خانہ کو عزت بخش رہے ہیں،مگر کماحقہ میزبانی کا حق ادانہ کرنے کی ندامت بھی تھی،حضرت نماز اور اوراد و وظائف سے فارغ ہونے کے بعد اپنے دو خادموں کے ساتھ گھر پر تشریف لائے، والد صاحب سے فرمایا،مبارکپور سے چلتے وقت میں نے ارادہ کیا تھا، کہ آپ ہی کے یہاں رات کا کھانا کھاؤں گا، یہ حضرت کا بے پایاں کرم تھا، کہ وہ ہم غریبوں کو سرفراز فرما رہے تھے،گرمی کا موسم تھا،کھلی چھت پر دسترخوان بچھایا گیا اور ماحضر چن دیا گیا، میں خدمت عالی میں دست بستہ کھڑا ہوکر روئے انور کی زیارت سے قلب ونظر کو ٹھنڈک پہنچا رہا تھا، یہ دیکھ کر حیرت کی انتہا نہ رہی، کہ جن چیزوں کا پرتکلف اہتمام کیا تھا،ان میں سے صرف چند لقمے ہی تناول فرمائے، دال، روٹی، سادہ چاول اور چٹنی تناول فرمائی، پھر دیر تک والد صاحب سے ہم کلام رہے۔

آج جب اس واقعہ کو یاد کرتا ہوں، تو اپنی بے بضاعتی اور بدسلیقگی پر سخت افسوس ہوتا ہے، کہ ایک نابغۂ روزگار ہستی نے گھر کو عزت بخشی، مگر ارادت وعقیدت کی سوغات اور حق خدمت ادانہ کرسکا، جوانی کی غفلت اور لاپرواہ ذہنیت کا نتیجہ تھا، جس نے بھرپور خدمت کی سعادت سے محروم رکھا۔

۱۹۷۹ء میں ناچیز اور محبّ گرامی حضرت مولانا مفتی عبدالمنان صاحب کلیمی (جو اس زمانہ میں جامعہ شمس العلوم گھوسی میں درجات عالیہ کے موقر استاذ تھے اور فتاویٰ امجدیہ کی ترتیب کا کام فاضل اوقات میں بڑے انہماک اور یکسوئی کے ساتھ کر رہے تھے اور انھیں کی بے لوث پرخلوص جدوجہد سے فتاویٰ امجدیہ کی دو جلدیں یکے بعد دیگرے طبع ہوکر منظر عام پر آئیں) الہ آباد گئے، جہاں اسرار کریمی پریس میں فتاویٰ امجدیہ کی طباعت ہورہی تھی، ہم دونوں کو وہاں کے مشہور ماہر امراض چشم ڈاکٹر چندرا

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

سے آنکھ چیک کرانی تھی، قیام دارالعلوم غریب نواز میں رہا، دوسرے دن صبح کو کسی نے بتایا، کہ حضور مجاہد ملت جامعہ حبیبیہ میں تشریف لائے ہیں (حضور مجاہد ملت اس ادارہ کے بانی وسرپرست تھے) محترم کلیمی صاحب اور ناچیز نے طے کیا، کہ جامعہ حبیبیہ چل کر حضور کی دست بوسی اور زیارت کی جائے اور دعائیں لی جائیں، میں نے مصمم ارادہ کرلیا، کہ آج حضور کے دست حق پرست پرضرور بیعت ہونا ہے، تاکہ دیرینہ آرزوؤں کی تکمیل ہوجائے، جب ہم جامعہ حبیبیہ پہنچے، تو معلوم ہوا، کہ حضرت پیرطریقت حضرت مولانا شاہ عزیزاحمد صاحب کے دولت خانہ خانقاہ ابوالعلائیہ تشریف لے گئے ہیں، جذبہ شوق کشاں کشاں وہاں لے چلا، ہم بڑی دقتوں سے خانقاہ ابوالعلائیہ پہنچے، محبّ گرامی مولانا ڈاکٹر شمیم گوہر صاحب نے بتایا، کہ ابھی چندمنٹ پیشتر حضرت یہاں سے تشریف لے جاچکے ہیں، کف افسوس ملتے ہوئے وہاں سے واپس ہوئے، حرماں نصیبی کا غم کچوکے لگانے لگا، مگر اب کیا ہوسکتا تھا، حضرت کہاں تشریف لے گئے، گوہر صاحب کو معلوم نہ تھا، اتنے بڑے شہر میں کہاں کہاں پوچھتے پھرتے؟ ناکام ونامراد واپس ہوئے تو اس ناکامی پر دلک کا حال یہ تھا۔

تیرے استغنا کے قرباں دل کا عالم کیا کہوں
جیسے کوئی چھوڑ دے پتھر پہ شیشے کا گلاس

ڈاکٹر چندرا نے پہلی بار آنکھوں کی جانچ کے بعد دوسری جانچ کے لیے ۱۵؍روز بعد کی تاریخ دی، فیس بھی ایڈوانس جمع کرالی، مقررہ تاریخ آئی، تو گھوسی سے روانہ ہوا، مئو سے پروانچل ایکسپریس پرالہ آباد کے لیے روانہ ہوا، مگر دو چار اسٹیشن عبور کرنے کے بعد انجن خراب ہوگیا اور ریل گاڑی بیل گاڑی کی طرح چلنے لگی، تاخیر پرتاخیر ہونے لگی، بنارس میں انجن تبدیل ہوا، مگر تاخیر کی تلافی نہ ہوسکی، ۴؍بجے شب میں الہ آباد پہنچا، جب سول لائن ڈاکٹر چندرا کے مطب پر پہنچا، تو مطب کا وقت ختم ہوچکا تھا، کمپاؤنڈر نے دوسرے دن آنے کے لیے کہا، جاڑے کی رات تھی، ٹھنڈک سے یوں ہی سکڑا ہوا تھا، یہ سنتے ہی مزید اوس پڑگئی، بوجھل قدموں سے روڈ پر آیا، دیر تک سوچتا رہا، کہاں چلوں کسی مسافرخانہ کا پتہ معلوم نہ تھا، رکشہ کرکے دارالعلوم غریب نواز پہنچا، ایک مولانا صاحب سے اپنا تعارف کرایا، انھیں جب اطمینان ہوا، کہ یہ آدمی غلط نہیں ہے، تو ایک تکیہ عنایت فرمایا، میں فرش پر لیٹ گیا اور وہ حضرت مسہری پر آرام فرما ہوئے، یہ ان کا کرم تھا، کہ رات گزارنے کے لیے جگہ مرحمت فرمادی، فجر کی نماز کے بعد جان پہچان کے ایک مولانا صاحب مل گئے، انھوں نے بتایا، کہ حضور مجاہد ملت جامعہ حبیبیہ میں تشریف فرما ہیں، سفر کی صعوبتوں اور شام تک انتظار کی زحمتوں کا احساس جاتا رہا، سامان

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

اٹھایا، حتمی عزم بیعت کے ساتھ جامعہ حبیبیہ کی طرف پاپیادہ اس تصور کے ساتھ چل پڑا۔

بوئے جاناں سوئے جانم می رسد
بوئے یارے مہربانم می رسد

ٹرین کی غیر معمولی تاخیر اپنے حق میں فال نیک سمجھتے ہوئے جامعہ حبیبیہ پہنچا، حضور مجاہد ملت مسجد اعظم کے جنوبی پہلو پر واقع کمرے میں تشریف فرما تھے، جامعہ کے بعض اساتذہ اور عقیدت کیش حاضر تھے، سلام و نیاز اور دست بوسی کے بعد مدعا پیش کیا، بخت کی یاوری سے جذبہ صادق کو قبولیت کا شرف بخشا گیا، حکم ہوا دو رکعت نفل ادا کرلو، مسجد میں داخل ہوکر دو رکعت نماز ادا کی اور بارگاہ عالی میں حاضر ہوا، حضور نے توبہ و استغفار کرایا اور رسم مشائخ قادریہ کے مطابق اس ناچیز کو حلقہ بگوش ارادت بنالیا اور غوث صمدانی محبوب یزدانی حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کی غلامی کا زریں قلادہ اس ناچیز کی گردن میں ڈال دیا اور شجرہ طیبہ سلسلہ عالیہ قادریہ حبیبیہ عنایت فرمایا، یہ زندگی کا مسرتوں بھرا دن تھا، دیرینہ آرزو پوری ہوئی، بخت و وقت کا اتفاق تھا، کہ برسوں ورد زبان رہنے والی دعا پوری ہوئی۔

قادری کر قادری رکھ قادریوں میں اٹھا
قدر عبدالقادر قدرت نما کے واسطے

اب صبح و شام یہ دعا دل کی گہرائیوں سے نکلتی ہے، کہ قادری رکھ قادریوں میں اٹھا، انشاء اللہ مرشد برحق کے طفیل یہ تمنا بھی بار آور ہوگی، سرکار کی خدمت سے جدا ہونے کو جی نہیں چاہتا تھا، آپ کے دیدار پر انوار سے دل کا زنگ صاف کرنے کی تمنا تھی، قدم ناز کے ذروں کو آنکھوں کا سرمہ بنانے کی آرزو تھی، جو دل ہی میں رہ گئی اور اس کے بعد حضرت کی زیارت سے شرف یاب سعادت نہ ہوسکا۔

آرزو دارم کہ خاک آں قدم
تو تیائے چشم سازم دمبدم

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

آہ! حضرت شیخ العلما علیہ الرحمہ

آہ! ٦ ربیع الاول ۱۳۹۷ھ مطابق ۲۵ فروری ۱۹۷۷ء بروز جمعہ مبارکہ ساڑھے سات بجے صبح علم وعرفان کے نیر اعظم زہد وتقویٰ کے پیکر حضرت شیخ العلما مولانا الحاج غلام جیلانی صاحب قبلہ اعظمی شیخ الحدیث دارالعلوم اہلسنت فیض الرسول براؤں شریف ضلع بستی جنھیں علیہ الرحمۃ والرضوان لکھتے ہوئے قلم کا سینہ شق ہورہا ہے، نہ صرف اہل خاندان کو بلکہ پوری دنیائے علم کو سوگوار چھوڑ کر رحلت فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت العلامہ مرحوم یوں تو پانچ چھ ماہ سے علیل تھے اور ادھر روز بروز مرض میں اضافہ ہوتا جارہا تھا شدت مرض ہی کی بنا پر ابھی بارہ روز قبل آرام اور علاج کی غرض سے (وطن) گھوسی تشریف لائے تھے اور معقول علاج سے بظاہر مرض میں افاقہ ہورہا تھا، کون جانتا تھا، کہ علم وفضل کا یہ مہر درخشاں اتنی جلد اپنی تابانیوں کو سمیٹ کر افق اجل میں غروب ہوجائے گا؟ آپ کی وفات

ع ''عجب ایک سانحہ سا ہوگیا ہے''۔

صاحبزادہ شیخ العلما حضرت مولانا غلام ربانی صاحب کا بیان ہے، کہ جمعہ کی شب تقریباً بارہ بجے تک ہم سے گفتگو کرتے رہے اور آواز اتنی تیز اور صاف تھی، جیسے حالت صحت میں ہوا کرتی تھی، ۱۲ بجے شب کو ہم نے پورے اطمینان کے ساتھ حضرت کو آرام کے لیے چھوڑا، لیکن صبح آفتاب طلوع ہوا، تو رنج وغم کی دنیا ساتھ لے کر طلوع ہوا، غم کا کوہ گراں ٹوٹ پڑا صبر وتحمل کا پیمانہ چھلک گیا، وصال کی خبر عام ہوتے ہی گھوسی پر گھرے رنج وغم کے بادل چھا گئے، جسے دیکھو غمزدہ ومغموم نظر آرہا ہے، یقیناً اہل گھوسی کے لیے حضرت صدرالشریعہ علیہ الرحمہ کی وفات حسرت آیات کے بعد یہ سب سے اہم اور دل خراش حادثہ تھا، جس نے آنکھوں کو اشکبار اور دلوں کو پر درد بنا دیا تھا، بقول فانی بدایونی نوحہ وماتم کا یہ منظر تھا۔

ع

دل سے لپٹ لپٹ کر غم بار بار رویا

ساڑھے تین بجے دن نازش علم وفن عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا جنازہ سیکڑوں سوگواروں کی جھرمٹ میں احباب کے دوش بدوش اٹھایا گیا، وہ راستے جو مدتوں شیخ العلما کی گزرگاہ رہے، جن کے

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ذروں کوقدم بوسی کا شرف حاصل ہوتا رہا آج وہ سوگواروں کے قدموں سے لپٹ لپٹ کر اپنے محبوب مسافر ابدی کا ماتم کررہے تھے، شاہراہ کے برگ وشجر جنازہ پر جھک جھک کر اپنے وطن کے محبوب پیشوائے دینی کو خراج عقیدت پیش کررہے تھے، جنازہ نصف میل کی مسافت طے کرنے کے بعد دارالعلوم اہلسنت شمس العلوم گھوسی کے صحن میں لوگوں کے لیے لایا گیا، یہ شیخ العلما کے وطن عزیز کی درس گاہ ہے، جس کا سنگ بنیاد حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے رکھا اور جس کے موسس و بانی حضرت شیخ العلما کے برادرخرد جامع معقول ومنقول سند العلما حضرت علامہ غلام یزدانی صاحب قبلہ شیخ الحدیث جامعہ رضویہ مظہر اسلام بریلی شریف علیہ الرحمہ تھے، جس کی تعمیر وتاسیس نو کے جلسہ کے موقع پر حضرت شیخ العلما نے ایک عربی نظم تحریر فرمائی تھی، جس کا ایک شعر یہ ہے۔

شمس العلوم قد طلعت فی دیارنا
فارزق بها الهداية والرشد والحكم

شمس العلوم سے جنازہ حضرت شیخ العلما کے آبائی مکان پر لایا گیا، جہاں دومنٹ کے لیے رکھا گیا، گھر کے در و دیوار سنگ وخشت نے اپنے قدیمی مکین کے جنازہ پر شدت غم والم کے ساتھ زبان حال سے الوداع کہا، وہاں سے جنازہ علامہ مرحوم کے آبائی قبرستان باغ کریم الدین پور لایا گیا، نماز جنازہ حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کے روضہ مبارک کے سامنے حضرت علامہ ضیاء المصطفیٰ صاحب قادری شہزادہ صدر الشریعہ نے پڑھائی، تقریباً پندرہ سو افراد نے جنازہ کی نماز ادا کی، نماز جنازہ کے بعد حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کے روضہ مبارک کے پورب تقریباً دس گز کے فاصلہ پر حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کی آغوش علم ومعرفت میں پروان چڑھنے والے فرزند روحانی کو سپرد خاک کردیا گیا، اب علم وفضل اخلاق وکردار سے مزین ہستی اپنی ساری خصوصیات کے ساتھ اپنے استاذ گرامی فقیہ اعظم ہند حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ والرضوان کے پہلو میں ابدی نیند سو رہی ہے۔

حضرت شیخ العلما حضرت مولانا محمد صدیق صاحب علیہ الرحمہ کے فرزند ارجمند تھے، آپ کی پیدائش محلّہ کریم الدین پور گھوسی اعظم گڈھ میں غالباً ۱۹۰۲ء میں ہوئی، ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد آپ نے ملک کے مشاہیر علما وفضلا سے اکتساب علم وفضل فرمایا، بریلی شریف، فرنگی محل، لکھنؤ، اجمیر مقدس کی مایہ ناز علمی درس گاہوں میں بحیثیت متعلم وقت کے عظیم اساتذہ بالخصوص حضرت صدر الشریعہ، حضرت حجۃ الاسلام حضرت مولانا عبد الباری فرنگی محلی، حضرت مولانا عبد الہادی، مولانا رحم الہی وغیرہم سے مروجہ جملہ اسلامی علوم وفنون کی تحصیل فرمائی۔

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

شیخ العلما نے فراغت کے معاً بعد ہندوستان کی مختلف دینی درس گاہوں میں تقریباً پچاس سال مسند تدریس پر فائز رہ کر علوم وعرفان کی گہرباری کی، ہزاروں طالبان فضل وکمال نے اپنے دامن میں ان موتیوں کو سمیٹا اور آج برصغیر ہند پر سکہ رائج الوقت کی طرح عیار اعتبار بنے ہوئے ہیں، دارالعلوم مظہر اسلام بریلی شریف، دارالعلوم محمدیہ امروہہ، دارالعلوم احسن المدارس کانپور، دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور اور دارالعلوم اہلسنت فیض الرسول براؤں شریف خصوصیت سے قابل ذکر ہیں، جہاں اپنی گرانمایہ زندگی کے ایام علم وفن کی تدریس میں گزارے اور ابھرتی ہوئی نسل کو دولت علم سے مالا مال کیا، دارالعلوم فیض الرسول براؤں شریف اس حیثیت سے قابل فخر ہے، کہ جہاں شیخ العلما نے اپنی علمی زندگی کے تقریباً اٹھارہ سال گزارے جہاں کی مسند درس حدیث کی زینت بن کر دارالعلوم کا علمی وقار بلند فرمایا اور اسے ہندوستان گیر شہرت عطا کی اور جس کے پرسکون روحانی ماحول میں بیٹھ کر حضرت شیخ العلما نے ابھرنے والی اہلسنت و جماعت کی نئی نسل کو علم کی متاع گراں بہا سے نوازا اور نہ صرف اس آفتاب علم وکمال کی کرنوں سے طلبہ نے اپنے دل ودماغ کو روشن ومنور کیا، بلکہ عمل کی بھرپور قوتوں سے مزین ہو کر قوم وملت کے سامنے عالمانہ عمل وکردار کا مثالی نمونہ پیش کیا۔

براؤں شریف کو حضرت شیخ العلما اور شیخ العلما کو براؤں شریف سے جو تعلق خاطر تھا، وہ محتاج بیان نہیں ہے، انھوں نے ایک موقع پر فرمایا تھا ''مجھے دارالعلوم کی روحانی فضا میں جو سکون قلبی نصیب ہوتا ہے، وہ کہیں میسر نہیں آتا۔''

آہ! وہ درس گاہ حدیث آج اپنے صدر نشین کے بغیر سونی پڑی ہے، انجمن علم شمع انجمن کے بغیر اداس اداس ہے، غم والم کی فضا ہر طرف چھائی ہے، ارباب دارالعلوم اپنے گرانقدر شیخ الحدیث سے محروم ہو گئے اور اب ساری فضا پکار پکار کر کہہ رہی ہے۔

ع ایسا کہاں سے لائیں کہ تجھ سا کہیں جسے

حضرت صدر الشریعہ، حضرت حجۃ الاسلام، حضرت علامہ رحم الٰہی، حضرت علامہ عبدالباری فرنگی محلی کی علمی یادگار آج ہماری نگاہوں سے روپوش ہو گئی ہے، حضرت حافظ ملت علیہ الرحمۃ والرضوان کے بعد دنیائے سنیت کا یہ سب سے عظیم اور المناک سانحہ ہے، یوں تو اس انجمن سے جو بھی جاتا ہے، اس کا خلا پر نہیں ہوتا، لیکن حضرت شیخ العلما کی رحلت علمی زوال کے اس پر آشوب دور میں بڑا زبردست خلا ہے، کیونکہ دنیائے سنیت کو جن قابل احترام ہستیوں کے تبحر علمی اور فضل وکمال پر ناز تھا، انھیں چند برگزیدہ شخصیتوں میں حضرت شیخ العلما بھی تھے، آج شیخ العلما کی وفات پر ہم شاعر کے اس شعر کو بار بار دہراتے

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ہیں ۔

کچھ ایسے بھی اٹھ جائیں گے اس بزم سے جن کو
ہم ڈھونڈ ھنے نکلیں گے مگر پا نہ سکیں گے

حضرت شیخ العلما نے ملک کی مختلف درسگاہوں میں بیٹھ کر اپنے فیض علم سے ہزاروں طالبان علم کو نوازا، آپ کی شخصیت تفسیر، حدیث، فقہ، کلام، ادب، منطق و فلسفہ کی جامع تھی اور آپ اسلامی درسگاہوں میں مروجہ جملہ علوم وفنون پر کامل دستگاہ رکھتے تھے، آپ کے بحر علم سے سیراب ہونے والے علما وفضلا آج برصغیر ہندو پاک میں صف اول کے علما میں شمار کیے جاتے ہیں، لیکن یہ کتنے افسوس کا مقام ہے، کہ ہم نے حضرت شیخ العلما کی عظیم شخصیت کو نہ پہچانا اوران کی قدر نہیں کی، حضرت شیخ العلما نے شہرت نمود کو کبھی بھی پسند نہیں فرمایا، ہمیشہ عزلت وتنہائی کو ترجیح دی، اپنا آخری مستقر بھی ایک ایسی جگہ کو بنایا، جہاں تنہائی ہی تنہائی تھی، محض طالبان علم تھے اور آپ کی برگزیدہ شخصیت، شیخ العلما کی عظیم شخصیت سپرد خاک ہوئی، تو اپنے سینے میں علم وفضل، تقوی، پاکیزگی نفس، اخلاق وکردار کو بھی لیے چلی گئی اور آج ہمارے ذہن ودماغ میں حضرت شیخ العلما کی شخصیت کا ابھرتا ہوا نقش کہہ رہا ہے۔

ع ڈھونڈھوگے اگر ملکوں ملکوں ملنے کے نہیں نایاب ہیں ہم

فضل وکمال کا جامع علم وفن، کردار وگفتار کا مرد جلیل، فلسفہ ومنطق، فقہ وکلام کے ژولیدہ مسائل اور پیچیدہ مباحث کو اپنے ذہن وفکر کی جولانیوں سے حل کرنے والا مفکر، علم وفن کے ادق مسائل کو طلبہ کے ذہن ودماغ پر منقش کرنے والا معلم کامل، اپنے نرم وموثر لب ولہجہ میں کلام کرکے دلوں کو گرویدہ بنانے والا انسان، اپنے اذکار وافکار، اعمال وکردار سے دلوں کو مائل زہد واتقا کردینے والا مرشد، قرآن وحدیث کے رموز واسرار کا نکتہ داں ہم میں موجود نہیں رہا، لیکن اس کی روحانی اولاد اس کے فیض صحبت کے خوشہ چیں اس کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کرنے والوں کی تعداد آج بھی برصغیر ہند میں اس کثرت سے موجود ہے، کہ اس مرد خدا کی روح عالم ارواح سے پکار پکار کر کہہ رہی ہے۔

ع ثبت است برجریدۂ عالم دوام ما

بارگاہ رب کریم میں صبح وشام یہی دعا ہے، کہ اپنے پیارے محبوب حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل حضرت شیخ العلما کے پس ماندگان، اعزہ واقربا، تلامذہ اور ارادتمندوں کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے اور چمنستان علم وفضل دار العلوم فیض الرسول براؤں شریف ضلع بستی کو حضرت کے فیض روحانی سے سدا سرسبز وشاداب رکھے اور حضرت شیخ العلما علیہ الرحمہ کے مزار پر انوار پر رحمتوں کا نزول فرمائے،

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

آمین۔

آسمان ان کی لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نو ر رستہ اس گل کی نگہبانی کرے

تصنیفی وتالیفی مشاغل:۔ حضرت شیخ العلما نے مبدأ فیاض سے فکر رسا اور اخاذ طبیعت پائی تھی، وہ معقولات ومنقولات، ادب وشعر کسی بھی شعبہ میں تصنیف وتالیف اور شرح وترجمہ کی بھرپور صلاحیت رکھتے تھے، مگر نام ونمود اور شہرت سے آپ کی منکسر المزاجی اور تجرد پسندی اس شغل سے روکتی رہی، تاہم وقتاً فوقتاً تلامذہ کے اصرار پر درسیات سے متعلق اہم متون ومباحث کی شرح وتوضیح کا کام کرتے رہتے تھے، جن کی تفصیل ذیل میں آرہی ہے، افسوس ہے، کہ حضرت کے گراں قدر علمی وفنی رشحات قلم کو طباعت واشاعت کی منزل سے گزارنے کی کبھی کوشش نہیں کی گئی اور شائقین علم وفن کو ان کے استفادے سے باز رکھا گیا، کاش اب بھی ان بکھرے موتیوں کی شیرازہ بندی کردی جاتی۔

☆شفائے امام قاضی عیاض کا اردو ترجمہ، جو حضرت حسن میاں صاحب کے لیے لکھا گیا تھا، مارہرہ میں موجود ہے۔

☆رسالۂ لامیہ، غیر مطبوعہ۔

☆متن الکافی (عروض) اردو ترجمہ وشرح، غیر مطبوعہ

☆مختصر المعانی (معانی وبیان) اردو تلخیص۔

☆العلم ان کان اذعانا للنسبة فتصديق و الا فتصور، منطق کی پیچیدہ بحث پر مفصل رسالہ۔

☆فصل الجوهر، جوہر کی بحث پر رسالہ۔

☆وجود رابطی، حمداللہ کی پیچیدہ بحث پر مشتمل ۸۰ صفحات کا نوٹ۔

☆حیات شیخ المشائخ، جو بالاقساط رسالہ فیض الرسول میں طبع ہوئی۔

☆سوانح صدر الشریعہ (مختصر سوانح) جو ماہنامہ فیض الرسول میں شائع ہوئی۔

حسنِ اخلاق، تصوف وسلوک:۔ حضرت شیخ العلما علم وفضل، اخلاق وکردار حسن عمل اور زہد واتقا میں صالح علمائے سلف کے سچے جانشیں تھے، حد درجہ متواضع اور منکسر المزاج تھے، شہرت وناموری سے بیر تھا، عزلت نشینی آپ کا خاصہ تھی، اپنے ہوں یا بیگانے چھوٹے ہوں یا بڑے ہر ایک سے خندہ پیشانی اور تپاک سے ملتے، سلام میں سبقت آپ کی فطرت ثانیہ تھی، سادگی، کردار کی بلندی، شوقِ عبادت، سوز وگداز

http://t.me/Tehqiqat

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

آپ کی طبیعت میں رچا بسا تھا۔

بریلی شریف کے دورانِ قیام ۱۳۷۹ھ سے حضرت شیخ العلما پر مجاہدہ وریاضت اور تطہیر وتزکیہ باطن کا جو دور شروع ہوا، تو آپ مسلسل آخر سال تک عالم بیداری میں ہمہ وقت باوضو رہے، فرائض وسنن کے علاوہ تہجد، چاشت اور اشراق کی نمازیں بھی پڑھتے رہے، درس وتدریس کے علاوہ سارے اوقات اذکار واوراد میں گزراتے، ذکر جہری میں کیف وسرمستی اور سوز وساز کا وہ عالم ہوتا، کہ سننے والے دم بخود رہ جاتے اور آپ کی ضرب لا الٰہ الا اللّٰہ اور صدائے حقہٗ سے سننے والوں کے دلوں میں انقلاب برپا ہوجاتا اور کلمات تسبیح وتہلیل کی صدائے بازگشت سے پورے ماحول پر کیف ونشاط کا عالم طاری ہوجاتا۔

حضرت شیخ العلما کو حضرت سید شاہ محمد اسمٰعیل علیہ الرحمہ مارہروی سے شرف بیعت حاصل تھا، آپ کو تاج العلما حضرت مولانا اولادِ رسول محمد میاں قادری صاحب سجادہ آستانہ قادریہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ، حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ، حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ اور حضرت عزیز الاولیا رام پوری علیہ الرحمہ سے متعدد سلاسل کی اجازت وخلافت عطا ہوئی۔

براؤں شریف کے پرسکون روحانی ماحول میں حضرت شیخ العلما کا ذوق طریقت اور بھی زیادہ نکھرا، مگر طبعی عزلت نشینی اور گوشہ گیری سلسلۂ ارادت کو بڑھانے سے مانع رہی، متوسلین کے تزکیۂ قلب اور تزئین باطن کے لیے پند ونصائح ضرور فرماتے اور فرائض وواجبات کے علاوہ اوراد ووظائف کی تلقین بھی فرماتے، حضرت کے مریدین کی فہرست طویل نہیں، لیکن جو لوگ داخل سلسلہ ہیں، وہ اخلاص وعمل اور حسن کردار کے جوہر سے آراستہ ہیں، آپ کے خلفا حضرت مولانا نعیم الدین صاحب شیخ الحدیث دار العلوم فیض الرسول براؤں شریف اور حضرت مولانا سید نظام الدین صاحب مدرس مدرسہ ارشاد العلوم ہیں۔

<u>رشتۂ ازدواج اور اولاد:۔</u> حضرت شیخ العلما کا عقد محترمہ صالحہ خاتون صاحبہ سے ہوا، جن سے چار لڑکے حضرت مولانا غلام ربانی فائق القادری، جناب غلام سبحانی مرحوم، جناب غلام نعمانی اور جناب زین العابدین تولد ہوئے اور ایک لڑکی محترمہ خدیجہ مرحومہ پیدا ہوئیں۔

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

علامہ نسیم بستوی کچھ یادیں کچھ باتیں

رئیس التحریر حضرت علامہ نسیم بستوی علیہ الرحمہ سے میری پہلی ملاقات ۱۹۷۷ء میں ہوئی، جب وہ دارالعلوم فیض الرسول براؤں شریف کے اساتذہ، طلبہ اور عہدہ داروں کے ساتھ حضرت شیخ العلما علامہ غلام جیلانی اعظمی علیہ الرحمۃ والرضوان کے وصال کے بعد فاتحہ خوانی کے لیے گھوسی تشریف لائے تھے، فجر بعد شیخ العلما کے مزار پر حاضری کے لیے پہنچا، تو محبّ گرامی حضرت مولانا نثار احمد صاحب نے دیگر علمائے براؤں شریف کے ساتھ حضرت رئیس التحریر سے بھی ملاقات کرائی اور ہم دونوں کا ایک دوسرے سے تعارف بھی کرایا، مولانا موصوف جس شفقت اور گرم جوشی کے ساتھ ملے، اس کا نقش آج بھی صفحۂ دل پر محفوظ ہے، باوجودیکہ عمر میں وہ مجھ سے تقریباً تیس سال بڑے تھے، مگر خرد نوازی کا یہ عالم تھا، کہ گویا وہ اپنے کسی ہم سن معاصر سے گفتگو فرمارہے ہوں اور وہ مجھ سے پہلے سے آشنا ہوں۔

درسیات کے علاوہ خارجی کتب ورسائل کے مطالعے کا شوق بچپن ہی سے ہے، جب میں پرائمری کے درجۂ چہارم میں زیر تعلیم تھا، اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کا رسالۂ تعزیہ داری، العذاب الشدید، احکام شریعت اور دوسرے علمائے اہلسنت کی کچھ کتابیں پڑھ لی تھیں، ظاہر ہے، کتابوں کے دقائق تک میری رسائی کہاں ہوسکتی تھی، تاہم عام فہم معلومات سے نابلد بھی نہ رہتا، مطالعہ کا یہ ذوق پروان چڑھتا رہا اور دینی رسائل میں حضرت مولانا کی تحریریں بھی نظر سے گزرنے لگیں، جوان سے تعارف کا وسیلہ بنیں، یہ عجیب بات ہے، کہ مولانا کی پرجوش اسلامی نظموں سے کافی دلچسپی ہوگئی اور جب ان کا ایک شعری مجموعہ ”تمہارے اسلاف اور تم“ میں نے خریدا، تو ایک ہی مجلس میں اسے پڑھ ڈالا، جس کے کچھ ابتدائی بند آج بھی حافظہ میں محفوظ ہیں۔

یوں ہی بے ساختہ عہد درخشاں کا خیال آیا — نبوت کی حسیں صبح فروزاں کا خیال آیا
عروج وارتقائے اہل ایماں کا خیال آیا — وقار ابن آدم اوج انساں کا خیال آیا
تصور میں ابھر آئی قدیمی داستاں اپنی — بدل کر رہ گئی رنگینی حسن بیاں اپنی
نگاہوں میں لگا پھرنے کئی سو سال کا منظر — کچھ ایسا گم ہوا ماضی میں بھولا حال کا منظر
ہوا بیدار دل میں جذبۂ اعمال کا منظر — ثبات وعزم صادق شان استقلال کا منظر
لہو میں جوش آیا دل پہ کیف ایسا ہوا طاری — خدا جانے کہاں سے شعر کا چشمہ ہوا جاری
طبیعت مسکرا اٹھی تخیل سازگار آیا — لیے خورشید ماضی کے فسانے جلوہ بار آیا

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

شہیدان وفا کا نام لب پر بار بار آیا　　نظر اسلاف کے جذبات کا دور وقار آیا
سنبھالا دامن قرطاس بہر خامہ فرسائی　　شب تاریک میں کی تابشوں نے جلوہ آرائی

بیان کا تسلسل، الفاظ کا آہنگ، جذبوں کی صداقت قلب کی گہرائیوں میں اترتی چلی جاتی ہے اور ملت بیضا کے عروج وزوال کا منظر نگاہوں کے سامنے رقص کرنے لگتا ہے، جو مولانا کی بھرپور شعری صلاحیت تاریخ اسلام کے تجزیاتی مطالعہ اوران کے دردمند دل کی صداقتوں کا اثر ہے، یہی اخلاص اوراثر آفرینی ان کی دوسری نظموں میں بھی نمایاں ہے۔

۱۷/ بندوں پر مشتمل یہ نظم جس جذباتی ماحول میں لکھی گئی، اس کا اثر قاری کوملت بیضا کے عروج وارتقا کی سنہری دور سے نکبت وپستی کے تاریک دورتک پہنچادیتا ہے اور ملت اسلامی کے روشن وتاریک دوروں کوقاری کے سامنے پیش کرکے اسے اسباب زوال ترک کرنے اوراسلاف کے اعلیٰ اقدار اخلاقی وروحانی زندگیوں کی شاہراہ پر گامزن ہونے کا درس دیتا ہے۔

حضرت مولانا کی دوسری اسلامی نظموں کا محور بھی یہی نقطۂ نظر ہے وہ چاہتے ہیں کہ قوم مسلم اپنی ترقی وعروج کی داستانوں کومشعل راہ بنا کر مستقبل کی سمت قدم بڑھائے اور کھوئے ہوئے اقدار واعتبار کو حاصل کرے۔

۱۹۷۷ء سے میرے مضامین کا سلسلۂ اشاعت ماہنامہ فیض الرسول براؤں شریف میں شروع ہوا، کچھ ہی دنوں بعد حضرت مولانا نے رسالہ کی ادارت کا کام دوبارہ اپنے ہاتھوں میں لے لیا تھا، اس تعلق سے ناچیز سے برابر مراسلت جاری رہی، وہ ایک مخلص کرم فرما کی طرح مجھ نوآموز کی حوصلہ افزائی فرماتے رہے، مجھے یادنہیں، کہ میری بھیجی ہوئی کسی تحریر کوانھوں نے رد کیا ہو اور فیض الرسول کے صفحات میں اسے جگہ نہ دی ہو، براؤں شریف سے علاحدہ ہونے کے بعد بھی ازراہ عنایت تعلق باقی رکھا اوران کی ہمت افزائی میرے علمی کاموں کے لیے مہمیز کا کام دیتی رہی۔

۱۹۹۴/۹۵ء کی بات ہے، سلطان الواعظین حضرت علامہ عبدالمصطفٰے اعظمی علیہ الرحمۃ والرضوان کے عرس میں شرکت کے لیے گھوسی تشریف لائے، عرس کے دوسرے دن ناچیز کو اعظمی منزل طلب کیا، چند احباب کی موجودگی میں لکھنے پڑھنے کی باتیں ہوتی رہیں، اپنے سفر زندگی کے احوال بڑی دلچسپی کے ساتھ بیان کرتے رہے، گجرات کی شاندار تدریسی زندگی اور قبول عام کا تذکرہ فرماتے ہوئے کہا، مولانا! حضرت شاہ صاحب قبلہ نے ارشاد فرمایا (مولانا) نسیم صاحب! آپ کو دارالعلوم فیض الرسول براؤں میں رہنا ہے، اس حکم کے بعد میں گجرات کی ملازمت جو آمدنی اور مقبولیت کے اعتبار سے بدرجہا بہتر تھی اور مستقبل میں دنیاوی کامیابیوں کی مزید توقع تھی، چھوڑ کر براؤں شریف آگیا اور شاہ صاحب کے سایۂ عاطفت میں تدریسی وتحریری کام انجام دینے لگا، ملازمت کی تبدیلی سے بظاہر خسارہ محسوس ہوا، مگر براؤں شریف کی روحانی وعلمی فضاؤں میں جو علمی ترقی اور فکری نمو مجھے نصیب

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ہوا، شاید وہ گجرات کی فضاؤں میں میسر نہ آتا، یہ فیض الرسول کے معارف پرور ماحول کا ہی اثر ہے، کہ میں جس موضوع پر چاہتا ہوں، نثر یا نظم میں قلم برداشتہ لکھ لیا کرتا ہوں، مجھے کسی دقت ودشواری کا احساس نہیں ہوتا۔

حضرت مولانا کی ایثار پسندی اور دینی وملی خدمات کے جذبات سے دل پر خاصا اثر ہوا، اثنائے گفتگو ارشاد فرمایا، مولانا! ہماری جماعت میں سلطان الہند خواجہ غریب نواز رضی اللہ عنہ کے حالات پر کوئی مستند کتاب موجود نہیں، آپ حضرت خواجہ صاحب پر ایک کتاب معتبر حوالوں کی روشنی میں تیار کردیں، طباعت واشاعت کی فکر نہ کریں، یہ کام کسی بھی معقول ناشر کتب کے ذریعہ ہوجائے گا، یہ حکم ناچیز کے لیے بڑا اہم تھا، ایک طرف علمی بے مائیگی کا احساس دوسری جانب حکم کی اہمیت اور تیسری جانب حضرت خواجہ غریب نواز علیہ الرحمہ کی روحانیت کا وہ فیضان جس نے مجھے معذور ہونے سے بچالیا، میرے بچپن کا زمانہ تھا، والد گرامی حضرت مولانا محمد سالم صاحب امجدی علیہ الرحمہ جنھوں نے اپنی پوری تدریسی زندگی کے تقریباً ۴۵ سال دارالخیر اجمیر شریف کے قریب شہر پالی میں بسر کیے اور ۱۹۵۲ء تا ۱۹۵۵ء ہم لوگوں کو بھی ساتھ رکھا، پالی ہی میں میری داہنی ران کے بالائی سرے پر ایک موذی پھوڑا نکلا، جس کا مقامی سرجنوں نے کئی بار آپریشن بھی کیا، مگر زخم مندمل نہ ہوتا، ناسور کی طرح رستا رہتا، اس مہلک آزار میں تقریباً ایک سال مبتلا رہا، علاج بے سود تدبیریں رائگاں ہوتی رہیں، اطبا بھی اسے مرض لا علاج سمجھ کر رسمی التفات کرتے، ان کا اندازہ تھا، کہ انفکشن ہڈیوں تک پہنچ چکا ہے، ایسا ہی رہا تو زندگی بچانے کے لیے داہنی ٹانگ کاٹنی پڑے گی، والدین کے لیے اس دن کا تصور کتنا دلدوز اور اندوہناک ہوتا، مایوسیوں کی اس تاریکی میں کچھ خواتین نے والدہ محترمہ کو رائے دی، کہ اب تم غریب نواز کی بارگاہ میں بچے کی شفا کے لیے دعا کی درخواست کرو اور نذر مانو، والدہ محترمہ نے بادیدۂ نم پالی ہی میں بیٹھے بیٹھے حضور قلب کے ساتھ حضرت خواجہ صاحب کو یاد کیا اور غموں سے نڈھال ونزار ماں نے ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں اپنی بپتا سنائی، دعا کی درخواست پیش کی، درخواست سنی گئی۔

ع بعد منزل نبود در سفر روحانی

ناسور رسنا بند ہوگیا، زخم رفتہ رفتہ مندمل ہوگیا اور چند ماہ کے اندر میں بآسانی کسی سہارے کے بغیر چلنے لگا، حضرت خواجہ غریب نواز کا یہ کرم اور ان کا یہ روحانی فیض جو مجھ ناچیز کی ذات پر ہوا، اس کا تقاضا تو یہی تھا، کہ خراج عقیدت وارادت کے لیے بلا تاخیر اقرار کرلیا جائے۔

۱۹۸۷ء میں پی، ایچ، ڈی کی ڈگری مل جانے کے بعد یونیورسٹی کے مخلص اساتذہ نے مجھے حکم دیا تھا، کہ اب آپ ادبی اور تنقیدی موضوع پر مضامین لکھیں، تاکہ مستقبل کے امکانات روشن ہوں، میں نے بھی اس کا فیصلہ کرلیا تھا اور کچھ مضامین تحریر بھی کیے تھے، مگر اس حکم کو قبول کرلینے کے بعد میری قلمی کاوشوں کا دھارا، ایک نیا رخ اختیار کرنے والا تھا، میں نے حضرت مولانا سے دبی زبان میں کہا، مجھے تمام اولیائے کرام بالخصوص ہندوستان میں حضرت

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

خواجہ غریب نواز علیہ الرحمہ سے گہری عقیدت وارادت ہے، اس لیے ان کے حالات وواقعات کو ترتیب دینا میرا اخلاقی فرض ہے، مگر ناچیز کے پاس نہ اولیائے کرام کے تذکرے ہیں اور نہ ہی مآخذ ومصادر کی کتب گھوسی میں دستیاب ہیں، حضور والا مآخذ کی فراہمی میں اعانت فرمائیں، تو یہ کام شروع کردوں، حضرت مولانا نے بڑے اعتماد ووثوق کے لہجہ میں تبسم ریز ہوتے ہوئے فرمایا، آپ کام شروع کردیں، دشواریاں آسان ہوں گی اور میں بھی مدد کروں گا۔

تقریباً چھ ماہ کے بعد فرصت کے کچھ لمحات میسر آئے اور میں نے مواد کی فراہمی کا کام شروع کردیا، حضرت مولانا کو متعدد خطوط لکھے، مگر ان دنوں براؤں شریف میں مقیم نہ تھے، کبھی بمبئی کبھی کان پور کبھی کہیں کبھی کہیں، کس وقت کہاں ہیں؟ اس بات کا پتہ لگانا بھی میرے لیے ازبس دشوار تھا، مگر کام شروع ہو چکا تھا، افتاں وخیزاں آگے بڑھتا رہا، اپنا کام خود کرنے کا حوصلہ پیدا ہوا، حضرت خواجہ کی روحانیت معاونت کرتی رہی اور تقریباً دو سال کے عرصہ میں ۱۷۶ صفحات پر مشتمل کتاب ''خواجہ غریب نواز'' مکمل ہوگئی۔

حضرت مولانا کے حکم پر میں نے تاریخ تصوف کے اس کوچہ میں قدم رکھا، جس سے پہلے مجھے کوئی خاص دلچسپی نہ تھی، بظاہر حضرت مولانا کا تعاون بھی حاصل نہ ہوسکا، مگر ان کی دعاؤں نے میرے لیے صرف ''غریب نواز'' کی ترتیب ہی کو آسان نہیں بنایا، بلکہ ''تاریخ تصوف'' کا کوچہ گرد بنادیا اور دوسرے موضوعات پر خامہ فرسائی چھوڑ کر میں اسی رخ پر چلنے لگا، حضرت مولانا کا ایک پرخلوص حکم تھا، جس نے میرے کاروان فکر وتحریر کو ایک مبارک سمت سفر دے دی، ۱۹۹۷ء میں سلطان الہند خواجہ غریب نواز کا پہلا ایڈیشن فاروقیہ بکڈ پو دہلی سے شائع ہوا اور اب تک اس کتاب کے پانچ چھ ایڈیشن شائع ہوکر مقبول خاص وعام ہو چکے ہیں، ڈھائی سال بعد اس سلسلہ کی دوسری کتاب ''سلطان المشائخ محبوب الٰہی'' فروری ۲۰۰۰ء میں فضل حق اکیڈمی پرتاول، ضلع مہراج گنج سے محبّ گرامی حضرت علامہ عبدالحکیم صاحب نوری نے شائع کی، جس کی ضخامت ۳۱۳ صفحات ہے، اس کتاب کے بھی دو ایڈیشن اب تک منظر عام پر آچکے ہیں اور تیسری کتاب اہم بانیان سلاسل صوفیہ کے موضوع پر ''تذکرہ مشائخ عظام'' جو ۴۸۰ صفحات پر مشتمل ہے المجمع الاسلامی مبارکپور سے شائع ہو چکی ہے۔

میں پوری دیانت سے یہ بات عرض کررہا ہوں، کہ تاریخ تصوف سے متعلق یہ تینوں کتابیں اور مستقبل میں اس موضوع پر لکھی جانے والی دوسری کتابیں حضرت مولانا کے حکم کی مرہون منت رہیں گی، ان کے اس حکم نے میری عملی زندگی میں بھی دنیاوی جاہ ومنصب کے رجحان سے یکلخت بے نیاز کردیا، اس طرح میرے مربی اخلاق بھی بن گئے، اس بار احسان سے میری گردن ان کی بارگاہ میں بصد احترام وعقیدت جھکی رہے گی، خداوند تعالیٰ حضرت مولانا کو غریق رحمت فرمائے اور ان کے فیضان سے ہمیں نوازے، آمین۔

خلل پذیر بود ہر بنا کہ می بینی   مگر بنائے محبت کہ خالی از خلل است

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

حضور مفتیٔ اعظم راجستھان
ایک شخص ایک کارواں

یہ دنیا گزرگاہ حیات ہے، یہاں ہر روز انسانی قافلے اترتے اور پھر یہاں سے کوچ کرجاتے ہیں، سطح آب پر ابھرنے والے بلبلوں کی طرح اربوں انسان اس خاکدان گیتی پر اپنے وجود کی نمائش کرکے رخصت ہوگئے اور ان کا کوئی نشان صفحۂ ہستی پر باقی نہ رہا، مگر اسی زمین پر ایسے لوگ بھی آئے، جنھوں نے اپنی عظمت کردار اور فکر وعمل سے ایک جہان تازہ آباد کردیا، تنہا ان کی ذات سراپا تحریک اور ایک فعال انجمن بن کر علم وعرفان، صلاح وتقویٰ کا ایسا خوشگوار انقلاب برپا کرگئی، جس کو دنیا خراج عقیدت پیش کرنے پر مجبور ہے، ایسی ہی بلند کردار ہستیوں کے بارے میں ڈاکٹر سیموئل اسمائلز لکھتا ہے۔

''کردار موثر ترین طاقت ہے، اس کے شریف ترین مظاہرات اس کا ثبوت ہیں، کہ انسانی فطرت کی رسائی کتنے بلند مدارج تک ہوسکتی ہے، ہر شعبۂ زندگی میں جو لوگ بلند وبرتر کردار کے مالک ہوئے ہیں، خواہ وہ اہل حرفہ ہوں یا دوسرے اہل کمال بلند اصول کا اتباع ان کا مقصد رہا ہو یا معیاری صداقت، وہ سب جمہور کی نگاہ میں قابل احترام شمار کیے جاتے ہیں، خواہ مخواہ دل چاہتا ہے، کہ ایسی شخصیتوں کی بارگاہ میں سرنیاز خم کیا جائے، ان کے سامنے اعتماد کی نذریں پیش کی جائیں اور ان کے قدم بہ قدم چلا جائے، ایسے ہی لوگ دنیا میں نیکیوں کا ستون ہیں اور ان کے بغیر دنیا سنسان ہے''۔(کردار ص۱۳)

ایسی ہی ایک برگزیدہ شخصیت حضرت علامہ الحاج مفتی اشفاق حسین نعیمی مفتی اعظم راجستھان مدظلہ العالی کی ہے، وہ اپنے زمانہ کے متبحر عالم، بلند پایہ مدرس اور ملت کے عظیم قائد اور روحانی معمار ہیں، ان کی دل آویز شخصیت علم وتقویٰ، عزم واستقلال، سعی مسلسل سے عبارت ہے، جس کا بنیادی جوہر اخلاص وصداقت ہے، فکر وشعور کی پختگی اور جذبہ ایثار ان کے صفات حسنہ ہیں، قدرت نے ان کے دل کو ملت کے درد کا گہوارہ بنایا اور ان کے سینے کو اولوالعزمی اور حوصلہ کار سے مالا مال کیا۔

نگہ بلند سخن دلنواز جاں پر سوز یہی ہے رخت سفر میر کارواں کے لیے

ملت بیضا کے بطل جلیل نے جب علوم اسلامی کی تحصیل سے فراغت پائی اور اصح الکتب بعد

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کتاب اللہ صحیح بخاری شریف کا درس ختم کرنے کے بعد اپنے گھر لوٹے اور دادی جان کی خدمت میں حاضر ہوئے، تو مدتوں سے زائل ہوجانے والی جدہ محترمہ کی آنکھوں کی روشنی دوبارہ لوٹ آئی اور جدہ محترمہ نے ہونہار پوتے کے چہرہ کا دیدار کیا، سرور وانبساط کا پیکر بن کر دعائیں دیں، اس عالم نبیل کے دیدار کے لیے دادی جان کی بے نور آنکھوں میں روشنی اور چمک کا لوٹ آنا، اس بات کا اشارہ تھا، کہ سنبھل کے موضع شیونالی کے ایک زمیندار خاندان میں پیدا ہونے والا یہ عالم دین، اپنے علم وتقویٰ کی روشنی سے ہزاروں بے نور سینوں کو منور کرنے والا اور لاکھوں انسانوں کو شریعت محمدی کی نورانی تعلیمات سے روشناس کرکے جادۂ حق وصداقت پر گامزن کرنے والا ہے۔

فراغت کے بعد یہ آفتاب علم مارواڑ کے افق پر طلوع ہوا اور اس ریگ زار کو مطلع انوار بنادیا اور اس سنگلاخ زمین پر علم ومعرفت کا ایسا چشمہ جاری کیا، جس سے پورا راجستھان سرسبز وشاداب بن گیا۔

ملک کی آزادی سے پہلے راجپوتانہ کا علاقہ راجپوت راجاؤں کی علمداری میں تھا، مسلمانوں کی آبادیاں تو تھیں، لیکن دینی تعلیم کے لیے درسگاہوں کا فقدان تھا، وہاں کے مقامی حالات، دین سے بے رغبتی اور دینداروں کی تنگدستی کے ماحول میں کسی دینی ادارے کے پروان چڑھانے کا خیال دیوانے کے خواب سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتا تھا، مگر مفتی اعظم راجستھان نے دارالعلوم اسحاقیہ جودھ پور جو اس زمانہ میں ایک مکتب سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتا تھا اور جہاں صرف ناظرہ خواں اور اردو کی ابتدائی کتاب پڑھنے والے کچھ بچے ہوا کرتے تھے، مدرسہ کی نجی عمارت بھی نہ تھی، مسجد کے حجرے اور برآمدے تعلیم گاہ تھے، ایسے حالات میں ایک مرکزی دارالعلوم کا تخیل پیش کرنا اور اس خاکے کو خون جگر سے بھرنا ایک بڑے دوربیں مفکر، عظیم قائد اور بلند حوصلہ ہستی ہی کا کام تھا اور بلاشبہ مفتی اعظم راجستھان کی مساعئ جمیلہ اور ان کے اخلاص وایثار اور اعلیٰ کردار سے نامساعد حالات کے باوجود دارالعلوم اسحاقیہ کا تخیل ایک حقیقت بن کر عالم وجود میں آیا، اس راستہ میں دشواریاں چٹانوں کی طرح سد راہ ہوئیں، سخت مشکلات سے دوچار ہونا پڑا، مگر عزم وہمت کے اس پیکر نے مصیبتوں اور مخالفتوں کے طوفانوں کا مردانہ وار مقابلہ کیا، جرأت مندی اور ثبات قدمی سے کام لیتے ہوئے مشکلات کو دور کیا، رکاوٹوں کو راستہ سے ہٹایا اور پھر اپنے کاروان فکر وعمل کو آگے بڑھایا، راستے کی پیچیدگی کبھی پیروں کی زنجیر نہ بن سکی، حالات کی نامساعدت قوائے فکر وعمل کو مضمحل اور تنہائی کا کرب انگیز احساس منزل کی طرف پیش رفت سے نہ روک سکا، جبکہ پریشانیاں کالی گھٹاؤں کی طرح چھائیں اور مصائب ہر قدم پر راستہ روکتے رہے، جن سے ہر قائد دوچار ہوتا ہے، بقول

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

سموئل

''انسانی تاریخ میں ترقی کا ہر قدم مخالفتوں اور مشکلات کو برداشت کر کے اٹھایا گیا ہے اور شیر دل اور بے جگر لوگوں نے ہی کامیابی حاصل کی ہے، خواہ وہ نظریات کے موجد ہوں یا اکتشافات کرنے والے، وہ وطن دوست ہوں یا زندگی کے دوسرے شعبوں میں کام کرنے والے مشکل ہی سے کوئی حقیقت اور کوئی نظریہ ایسا ہوگا، جس کو قبول عام سے پہلے نفرت، الزام اور مصائب سے واسطہ نہ پڑا ہو، بقول ہین ''کلمہ حق کے ساتھ ہی ساتھ دار و رسن ہے''۔ (کردار ص ۵۹)

حضرت مفتی اعظم راجستھان بھی اپنی عملی اور تحریکی زندگی میں اس قانون فطرت سے دوچار رہے، انھوں نے آنے والے چیلنج اور درپیش مصائب و مشکلات کا خندہ پیشانی سے مقابلہ کیا، دین کی راہ میں سامنے آنے والی رکاوٹیں اور صبر آزما لمحات انھیں ہراساں نہ کر سکے، ہر مشکل کو خندہ پیشانی سے جھیل لینا اور ہر مخالفت کا کام سے جواب دینا ان کا محبوب شیوہ رہا، بڑی سے بڑی مشکل اور سخت سے سخت حادثے کے وقت مستحکم چٹان کی طرح اپنی جگہ پر قائم رہے، قنوطیت اور مایوسی ان کے پائے استقلال کو کبھی جنبش نہ دے سکی، کسی عظیم حادثہ کے وقت اپنے حواس کو مجتمع رکھنا اور اپنے رفقائے کار کو حوصلہ دینا آپ کا مجاہدانہ شیوہ ہے۔

۱۹۶۸ء کی بات ہے، دارالعلوم اسحاقیہ کے دو بڑے ہال جو نیچے اوپر تعمیر ہوئے تھے، جن میں ایک سکنڈری اسکول کا لیبریٹی روم اور دوسرا لکچر ہال تھا، اس عمارت کی تعمیر میں مسلمانان جودھپور نے بڑی فراخدلی سے تعاون کیا تھا اور خطیر رقم کے صرفہ سے دونوں ہال پایہ تکمیل کو پہنچے تھے، امیدوں کا نشیمن تیار ہو چکا تھا، مگر مشیت ایزدی کو امتحان صبر و ضبط مقصود تھا، ۲۶ر ستمبر کو بالائی ہال کی چھت اچانک بیٹھ گئی، ملبہ کے بوجھ سے پہلی منزل کی چھت بھی زمیں بوس ہوگئی، لیبریٹی کے فرنیچر اور ساز و سامان چور چور ہو گئے، یہ عمارت کیا گری چند لمحوں میں آرزوؤں کا نشیمن اجڑ گیا، دارالعلوم اسحاقیہ سے تعلق رکھنے والا ہر شخص سوگوار ہو گیا، لوگوں پر سکتہ کی کیفیت طاری ہوگئی، نگاہوں کے سامنے اندھیرا چھانے لگا، مگر مفتی اعظم راجستھان اور ان کے چند دیدہ ور رفقا اس ناقابل برداشت حادثہ پر بھی صبر و ضبط کا پیکر بنے رہے، ۲۸ر ستمبر کو ایک ہنگامی اجلاس الحاج محمد جی صاحب ٹھیکیدار کی صدارت میں منعقد ہوا، خان وحید اللہ خاں صاحب نے افتتاحی تقریر کی، پھر حضور مفتی اعظم راجستھان نے انتہائی ولولہ انگیز تقریر فرمائی، عمارت کی تعمیر اور اس کے لیے مسلمانان جودھپور کی پرخلوص اعانت کا تذکرہ کرتے ہوئے، موجودہ صورت حال کے پس منظر میں غزوۂ تبوک کے وقت اخراجات جہاد کے لیے حوصلہ مند صحابہ کے پرخلوص تعاون اور

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

جذبۂ ایثار کا واقعہ بڑی رقت کے ساتھ بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

کہ دربار رسالت سے حکم صادر ہوتا ہے، اے شمع نبوت کے پروانو! اسلام کے تحفظ و بقا کے لیے اپنی جانی و مالی خدمات پیش کرو، شمع نبوت کے پروانوں نے ایثار و قربانی کا وہ بے مثل نقش قائم کیا، جسے مٹایا نہیں جا سکتا، جس وقت یہ اعلان ہوا، تو فارق نور و ظلمت حضرت عمر فاروق بن خطاب رضی اللہ عنہ گھر تشریف لائے، گھر کے ساز و سامان کا جائزہ لیا، تو بہت خوش ہوئے، اس لیے کہ مال بہت تھا، سوچا آج میں ابوبکر سے بازی لے جاؤں گا اور ابوبکر سے زیادہ راہ حق میں خرچ کروں گا، حضرت عمر نے گھر کے ساز و سامان کو دو حصوں میں تقسیم کیا، ایک حصہ گھر رکھا اور دوسرا بارگاہ رسول میں لے کر حاضر ہوئے، سرکار نے فرمایا، عمر کتنا سامان لائے؟ کہا، یا رسول اللہ! گھر کا نصف ساز و سامان حاضر خدمت ہے، بعد ازاں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ عجیب شان سے حاضر ہوئے، بدن پر ایک بوسیدہ کملی ہے، جو کانٹوں سے سلی گئی ہے، گھر کا کل سامان ہمراہ ہے، سرکار بطحا نے فرمایا، صدیق تم کیا لے کر آئے ہو، جواب میں فرمایا، فداک ابی و امی یا رسول اللّٰہ یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، گھر کا جملہ ساز و سامان خدمت اقدس میں حاضر ہے، سرکار نے شفقت بھرے انداز میں فرمایا، اے ابوبکر! کیا اہل و عیال کے لیے کچھ نہیں چھوڑا؟ جواب دیا۔ ؎

پروانہ کو چراغ ہے بلبل کو پھول بس
صدیق کے لیے ہے خدا کا رسول بس

اس تقریر کا ایک ایک لفظ درد و اثر میں ڈوبا ہوا تھا، جو دل کی گہرائیوں سے نکل کر صوت و آہنگ کی وساطت سے سامعین کے دلوں میں اترتا چلا گیا، مایوسیوں کے سائے دور ہو گئے، امیدوں کا اجالا پھیل گیا، روح میں تازگی ایمان میں قوت پیدا ہوئی، لوگ فرط جوش میں ایثار و قربانی کا پیکر بن گئے، صدر مجلس پیکر ایثار بن کر اٹھے اور درد بھرے لہجہ میں فرمایا، کہ حضرت ابوبکر صدیق اور عمر فاروق رضوان اللہ علیہم اجمعین ہمارے اسلاف ہیں، اگر ہمارے اسلاف نے راہ حق میں بے مثال قربانیاں پیش کر کے دنیا کو سبق دیا ہے، تو کیا ہم ان کے نام لیوا ایک عمارت نہیں بنوا سکتے، اسی ایمانی جوش و خروش کے ساتھ آپ نے فرمایا، میں اپنی، ٹھیکیدار شوکت علی صاحب اور ٹھیکیدار عبدالرشید صاحب کی جانب سے اعلان کرتا ہوں، کہ منہدم عمارت ہم تینوں بنوائیں گے۔

اس اعلان کے بعد مجمع سے یکے بعد دیگرے لوگ پروانہ وار اٹھتے رہے اور ادارے کے تعاون کے لیے اپنے چندوں کا اعلان کرتے رہے، دیکھتے ہی دیکھتے غم و اندوہ کی تاریک فضا کافور ہو گئی اور

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

امید و یقین کی روشنی پھیل گئی۔

قوموں کی ترقی وعروج میں قائدانہ صلاحیت رکھنے والی برگزیدہ ہستیوں کے کردار اور ان کے ذوق عمل رہنما طریقہ کار کو بنیادی اہمیت حاصل ہوتی ہے، تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے، کہ کسی زوال آمادہ قوم کی ترقی یا نشاۃ ثانیہ ایک باحوصلہ فرد کی کوششوں کی مرہون منت ہوتی ہے اور اس کے کردار وعمل اور مثبت تحریکی شعور سے عظیم انقلاب رونما ہوجاتا ہے، کبھی ایسا بھی ہوتا ہے، کہ پوری ایک جماعت اپنی کوششوں سے حیرت انگیز کارنامے انجام دیتی ہے، مگر وہاں بھی کسی فرد کی قائدانہ صلاحیتیں اور اس کے رہنما اصولوں کو اولیت حاصل ہوتی ہے، قوموں کی کایا پلٹ اس قائد کے ذاتی اخلاص وایثار اور صداقت عمل پر موقوف ہوتی ہے، خلوص نیت اور جذبہ ایثار کی بدولت تائید غیبی شامل حال ہوتی ہے، جس سے پر پیچ اور نشیب وفراز سے بھرے ہوئے راستے آسان اور ہموار ہوجاتے ہیں اور کاروان ترقی تیزی کے ساتھ منزل کی طرف گامزن ہوجاتا ہے، یہی فطری عمل اداروں کی ترقی و عروج ان کی بقاو سالمیت کے سلسلے میں بھی بروئے عمل آتا ہے اور اسی نہج پر کسی سرپرست اور مربی یا محرک کی پرخلوص مساعی اس کی بے لوث خدمات ادارے کی تاسیس سے لے کر اس کے بام عروج پر فائز ہونے تک اپنا مثبت کردار پیش کرتی ہیں۔

مفتی اعظم راجستھان جب جودھپور تشریف لائے، تو دارالعلوم اسحاقیہ ایک کمزور مکتب سے زیادہ اہمیت نہ رکھتا تھا، جس کی ترقی کی بظاہر توقع نہ کی جاسکتی تھی، قوم کے افراد میں بھی ایسا جذبۂ عمل موجود نہ تھا، جو کسی قائد کی تحریک پر موثر رول ادا کرتا، پورے راجستھان میں کوئی ایسا دینی و تعلیمی ادارہ بھی نہ تھا، جس کو سامنے رکھتے ہوئے دارالعلوم اسحاقیہ کی ترقی کا کوئی خاکہ مرتب کیا جاتا، ایسے حالات میں مفتی اعظم راجستھان نے سب سے پہلے اپنی تدریسی ذمہ داریاں انجام دینی شروع کیں اور قوم کے نونہالوں میں حصول علم کی خوابیدہ صلاحیتوں کو بیدار کیا، انھیں عالم دین بنایا، ان میں عالم دین بن کر تعلیمی شعور و تبلیغی اسپرٹ پیدا کی، وعظ ونصیحت کے ذریعہ عوام کی اصلاح اور ان کی ایمانی قوت بیدار کی اور لوگوں کے ذہن ودماغ کو تعمیر ملت کے لیے آمادہ کیا، بڑی خاموشی کے ساتھ گردوپیش کے حالات کا جائزہ لیتے رہے اور ادارے کی فطری نشوونما کے خطوط وضع کرتے رہے، اپنی عظمت کردار اور بے لوث علمی ودینی لگن سے قوم کے اندر اعتماد پیدا کیا اور ایسے حساس درد مند افراد کی ایک جماعت پیدا کرلی، جو اپنے منصبی فرائض کی ادائیگی کا شعور رکھتے تھے اور جن کی مدد سے دارالعلوم اسحاقیہ کی تعمیر وترقی کے مجوزہ خاکے میں رنگ بھرا جاسکے اور ادارے کی ترقی کے

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

خواب کو شرمندۂ تعبیر بنایا جاسکے، پھر دنیا نے دیکھا، کہ رفتہ رفتہ ترقی کرتا ہوا دارالعلوم اسحاقیہ پورے راجستھان کا واحد مرکزی ادارہ بن گیا اور ہندوستان کے منتخب اسلامی جامعات میں اس کا شمار ہونے لگا۔

نامساعد حالات، بے حسی اور جمود کے دور میں مفتی اعظم راجستھان نے قوم میں فطری انقلاب پیدا کر کے دارالعلوم اسحاقیہ کی تعمیری ترقی اوراس کے تعلیمی معیار کی بلندی اوراس کے زیر اثر جو ہمہ گیر تعلیمی بیداری پیدا کی، وہ ان کی قائدانہ عظمت اوران کی بے لوث دینی خدمات کا مظہر ہے، چراغ سے چراغ جلتے ہیں، ایک دارالعلوم اسحاقیہ ہی نہیں بلکہ پورے راجستھان میں دینی اداروں کے قیام کی لہر دوڑ گئی اور سارے ادارے مفتی اعظم راجستھان کی سرپرستی اور رہنمائی میں ترقی وعروج کے منازل طے کر رہے ہیں۔

مفتی اعظم راجستھان نے ملت بیضا کی خیر خواہی علوم اسلامی کی ترویج اور دین حق کی اشاعت کے لیے جو جدوجہد اور سعی پیہم کی، وہ محض اللہ کے لیے تھی، میدان عمل میں نیت کا خلوص اور مقصد کی صداقت اور منزل مقصود تک رسائی کا جذبہ سخت سے سخت حالات اور مشکل سے مشکل گھڑی میں بھی پھیکا نہیں پڑا، وہ تعمیر ملت، تبلیغ دین کی راہ میں آنے والی پر پیچ وادیوں، تاریک فضاؤں اور افراد قوم کی سرد مہریوں سے کبھی مایوس اور ہراساں نہ ہوئے، عزم وحوصلہ کے ساتھ آگے بڑھتے رہے، بالآخر منزل تک پہنچ گئے، وہ مصائب سے کبھی نہ گھبرائے، بلکہ جب بھی مصیبتیں سامنے آئیں، صبر وضبط سے کام لیا، جس سے ان کے حوصلوں کو مزید قوت حاصل ہوئی، بقول سموئل اسمائلز

''مصائب سے رگڑ کھا کر ہی طبیعت کے جوہر کھلتے ہیں، یہی کردار کی کسوٹی ہے، جس طرح جڑی بوٹیاں پتھر پر پس جانے کے بعد مہکتی ہیں، اسی طرح فطرت کی مہک اور تجربہ کا حسن مصیبتوں ہی میں ظاہر ہوتا ہے، یہی محاسن کی نقاب کشائی کرتی ہیں اور خفیہ صلاحیتوں کو ابھار کر سطح پر لاتی ہیں''۔ (کردار ص ۱۳۰)

مفتی اعظم راجستھان نے جہاں ایک پرخلوص قائد کی حیثیت سے دارالعلوم اسحاقیہ کی تعمیر وترقی کے لیے جدوجہد کی اوراس عظیم درسگاہ میں اپنے چشمۂ علم سے واردان بساط علم کو سیراب کیا، وہیں ایک بالغ نظر ماہر تعلیم کی حیثیت سے موجودہ زمانہ میں طلبہ کی افتاد طبع اوران کی ذہنی ساخت کا بڑی گہرائی سے مطالعہ کیا، درس نظامی کے نصاب کو موجودہ حالات کے تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے اوراس کے مشمولہ علوم وفنون کو طلبہ کے ذہن ودماغ سے قریب لانے کی تدبیریں بھی سوچتے رہے اوراپنے تجربات و

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

احساسات کی روشنی میں روایتی نصاب تعلیم اور طریقہ تدریس کی اصلاح بھی فرماتے رہے، وہ دینی درسگاہوں کے فارغین کو محض رسمی عالم دیکھنا نہیں چاہتے، بلکہ ان کے اندر بدلتے ہوئے حالات میں شعور حیات اور توانائی فکر وعمل پیدا کرنے کے لیے جدید علوم والسنہ کی تدریس کو ناگزیر خیال کرتے ہیں۔

آپ کے تعلیمی نظریات کا خلاصہ یہ ہے، کہ ملت کے نونہالوں کو علوم اسلامی کے زیور سے آراستہ کیا جائے اور انھیں زندگی کے جدید تقاضوں سے بھی آشنا کیا جائے، تاکہ ان کے ایک ہاتھ میں اگر قرآن حکیم ہو، تو دوسرے ہاتھ میں شعور حیات کی مشعل، تاکہ وہ بیک وقت دینی تقاضوں کو بھی پورا کرسکیں اور شاہراہ حیات میں پوری کامیابی کے ساتھ آگے بڑھ سکیں۔

مفتی اعظم راجستھان دینی نصاب تعلیم ہی میں علوم جدیدہ کی شمولیت پر زور نہیں دیتے، بلکہ وہ اس بات کے بھی قائل ہیں، کہ جو مسلمان بچے جدید تعلیمی رجحان رکھتے ہیں اور کالجوں اور یونیورسٹیوں کی تعلیم حاصل کرنا چاہتے ہیں، ان کے لیے ایسے مسلم کالج قائم کیے جائیں، جہاں تعلیمی نصاب کے ساتھ انھیں دینیات بھی پڑھائی جائے اور اسلامی ماحول میں تعلیم وتربیت کا نظام قائم کیا جائے، تاکہ مسلمان طلبہ اسلامی تہذیب وثقافت سے بیگانہ نہ رہیں، چنانچہ دارالعلوم اسحاقیہ کی عمارت ہی میں اسحاقیہ سکنڈری ہائی اسکول کا قیام عمل میں آیا، جو ان کے نظریۂ تعلیم وتربیت کا ایک نمونہ ہے، اس نہج پر ملک کے طول وعرض میں مسلم اسکول اور کالج قائم کیے جائیں اور حساس وفرض شناس تعلیم یافتہ نوجوانوں کی کھیپ تیار ہو، جو بیک وقت ملک وملت کی تعمیر وترقی میں اپنا نمایاں کردار پیش کرسکیں۔

کسی عظیم شخصیت کی حقیقی کامیابی اور اس کے کام کی افادیت واہمیت جانچنے کا معیار یہ ہے، کہ جس دور میں وہ میدان عمل میں اترا اس کا پس منظر کیا تھا، مقاصد کے حصول کے لیے کن مشکلات اور پریشانیوں سے اسے سابقہ پڑا، اس کے وسائل کیا تھے اور اس کے رفقائے کار کیسے تھے؟ اس کا دائرۂ کار کتنا وسیع اور اس کے مقاصد کتنے جلیل تھے؟ اس نے نامساعد حالات کا کتنی پامردی سے مقابلہ کیا اور میدان عمل میں کتنی قوت واعتماد کے ساتھ آگے بڑھا؟ جب ہم اس پیمانہ پر مفتی اعظم راجستھان کی شخصیت اور ہمہ گیر کارناموں کا جائزہ لیتے ہیں، تو یہ حقیقت کھل کر سامنے آتی ہے، کہ حالات انتہائی نامساعد تھے، فضا تاریک تھی، مگر اس مرد خدا نے پورے عزم وحوصلہ کے ساتھ قدم آگے بڑھایا اور اخلاص وایثار کے ساتھ آہستہ آہستہ آگے بڑھتے رہے، تاریکیاں چھٹتی گئیں، راستے ہموار ہوتے گئے اور رفقائے کار کا ایک حلقہ بن گیا، اس طرح ان سے اخلاص وایثار مقصد کی صداقت نے ان کے تمام تعمیری، تعلیمی اور تبلیغی منصوبوں کو کامیابیوں سے ہمکنار کردیا۔

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

شعروادب

http://t.me/Tehqiqat

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

اردو نثر کی ترقی میں احادیث نبوی کے تراجم و تشریحات کی اہمیت

لسانی و ادبی نشو و نما اور پھیلاؤ میں دوسری زبانوں کے علمی و ادبی شہ پاروں کے تراجم کو خاص اہمیت حاصل ہے، ترجموں کے ذریعہ ہی دنیا کی قدیم و جدید زبانوں میں فکری و نظری مماثلت پیدا ہوتی ہے اور ان کی وسعت مضامین اور تعمق فکر کے امکانات روشن ہوتے ہیں، یہ ایک نا قابل تردید حقیقت ہے، کہ دنیا کے مختلف خطوں اور انسانی طبقات میں جغرافیائی فرق، آب و ہوا کے اختلاف سے پروان چڑھنے والے مزاج و ماحول کے زیر اثر جوگونا گوں، نوع بہ نوع علم وفن ادب وانشا کے جواہر پارے وجود میں آتے ہیں، ان کا تبادلہ صرف ترجموں کے سہارے ہوسکتا ہے، اگر یہ تبادلہ نہ ہوتو دنیا کے تمام ادب اور ان کی فکری و نظری گہرائی و گیرائی اپنے جغرافیائی حدود اور صرف اسی خطۂ ارض کے عوامل و محرکات کی پیداوار بن کر رہ جائیں گے، ان کے اندر فکر و نظر کی بوقلمونی اور رنگا رنگی نیز اصناف ادب کے فروغ کے امکانات تقریباً ختم ہو جائیں گے، زبان و ادب کی ابتدائی نشو و نما سے لے کر عہد بہ عہد ارتقا تک فکر و نظر کی بالیدگی اور الفاظ و مصطلحات کی وسعت، اسالیب بیان کے تنوع، اصناف ادب کی ہمہ جہتی و ہمہ گیری میں ترجموں کا عمل کافی مفید و معاون ثابت ہوتا ہے اور یہ عمل لسانی و ادبی ترقی کے لیے ناگزیر ہوتا ہے۔

یہ بھی ایک امر واقع ہے، کہ دنیا کے کسی بھی ادبی سرمایہ کی قدر و قیمت کا تعین بین الاقوامی زبانوں کے ادبی سرمایہ کی مدد سے کیا جاسکتا ہے، جس کے لیے ترجمہ کی ضرورت مسلم ہے۔

زبان و ادب کے عروج و ارتقا میں ترجموں کی اہمیت و افادیت کے سلسلہ میں چند محققین کے خیالات پیش کیے جاتے ہیں، جن سے یہ حقیقت واضح ہو جائے گی، کہ زبان و ادب کی ترقی میں ترجمہ کتنا اہم رول ادا کرتا ہے۔

<u>ڈاکٹر قمر رئیس:۔</u> انسانوں کے درمیان باہمی ارتباط، اتحاد اور یگانگت کی راہ میں جو سب سے اہم فطری رکاوٹ حائل رہی ہے، شاید وہ زبانوں کا فرق ہے، اس فرق کو مٹانے اور انسان کے علم و عرفان اور ادب کو بنی نوع انسان کی مشترک میراث بنانے میں ترجمہ نے جو اہم اور نتیجہ خیز رول ادا کیا ہے، انسانی تہذیب کی تاریخ

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کا ہر ورق اس کا گواہ ہے، ترجمہ نے ہی ایک قوم کے ذخیرۂ علم وادب کو دوسری قوموں تک پہنچایا ہے، ایک انسانی گروہ کے تجربات سے دوسری جماعتوں کو فیض اٹھانے کا موقع دیا ہے، یہ کہنا زیادہ صحیح ہوگا، کہ انسانی علوم کو فروغ دینے میں جہاں اور بہت اسباب وعوامل رہے ہیں، وہاں ترجمہ بھی ایک طاقتور محرک کا رول ادا کرتا ہے، اس نے ہر عہد میں نئے نئے افکار ونظریات کو ایک قوم سے دوسری قوم تک پہنچایا ہے، ایک تہذیب کو دوسری تہذیب سے روشناس کرایا ہے، ترجمہ کے ذریعہ ہی ایک زبان دوسری زبان کے اظہارات اس کے مزاج اور اس کی نحوی ساخت سے متعارف ہوکر اپنا روپ رنگ بدلتی اور وسعت حاصل کرتی ہے، اکثر دوسری زبانوں کے شاہکاروں کا ترجمہ ہی ادیبوں کے نئے ادبی میلانوں اور فنی معیاروں کا احساس دلاکر نئے تجربات پر اکساتا اور نئے ادبی رجحان کا محرک ثابت ہوتا ہے۔(ترجمہ کا فن اور روایت صفحہ ۵تا۱۱)

ڈاکٹر ظ انصاری:۔ نئی زبانیں قدیم زبانوں کی انگلی تھام کر چلنا سیکھتی ہیں اور قدیم وجدید زبانیں اپنی ہم عصر زیادہ دولت مند زبانوں کا سہارا لیتی ہیں، یہ عمل تاریخ تمدن کے ایک باب کی طرح ہمیشہ سے جاری ہے اور ترجمہ ہمارا سب سے اہم ذریعہ ہے جس کی بدولت یہ عمل آج تک جاری ہے، چراغ سے چراغ جلتے ہیں اور کڑی سے کڑی ملتی جاتی ہے، ترجمہ ہی کے ذریعہ ایک مخصوص ملک ایک جغرافیائی علاقہ اور ایک خاص قوم کی تحقیقات اس کے علوم وفنون تمام انسانیت کی ملکیت بنتے ہیں۔(ترجمہ کا فن اور روایت صفحہ ۷،۸)

پروفیسر محمد حسن:۔ اس میں کوئی شک نہیں، کہ آج جب دنیا کی طنابیں کھنچ رہی ہیں اور علم عالمگیر سطح پر ایک اکائی بنتا جارہا ہے، کوئی زبان بھی ترجمہ کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی، بلکہ آج دنیا میں زبانوں کی مقبولیت پھیلاؤ اور اہمیت کا دارومدار بڑی حد تک ان کے مفید ہونے پر ہے اور افادیت کا پیمانہ یہ ہے، کہ کوئی زبان اپنے زمانہ کے علمی سرمایہ اور ادبی ذخیرہ کو کس حد تک اپنے پڑھنے والوں تک پہنچانے کی اہل ہے۔(ترجمہ کا فن ص ۷۰)

دنیا کی دوسری ترقی یافتہ وترقی پذیر زبان وادب کی طرح اردو زبان وادب کا دامن بھی ابتداء وآغاز کی منزل اولیں سے لے کر آج تک دنیا کی دوسری ترقی یافتہ علمی وادبی زبانوں کے سرمایہ کے ترجموں سے مالا مال نظر آتا ہے اور اس زبان نے الفاظ، اصطلاحات علمیہ، صرف ونحو، اسالیب بیان، اصناف ادب ہر شعبہ میں ترجموں کی مدد سے حظ وافر حاصل کیا ہے، اگر یہ کہا جائے، تو بے جانہ ہوگا، کہ اردو نے اپنے نقطۂ آغاز سے لے کر نشوونما کے مراحل اور علمی وادبی زبان بننے تک دوسری زبانوں کے تجربات وتحقیقات لفظی ومعنوی محاسن اور بدلتی ہوئی ادبی قدروں کا قدم قدم پر سہارا لیا ہے، اس طرح زبان کے تخلیقی عناصر اجزائے ترکیبی اور ادبی اسالیب، طرز ادا، اصناف شعر وادب ہر جگہ دوسری زبانوں کا اثر واضح طور پر نظر آتا ہے۔

ڈاکٹر ظ انصاری:۔ اردو تو ایک باقاعدہ زبان بنی ہی ترجموں کی بدولت، ورنہ جب تک وہ کھڑی بولی کے

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

روپ میں تھی، اسے کسی بڑے قلم کار نے ادبی تصنیف کے قابل نہ سمجھا، بولی سے زبان تک کا طویل فاصلہ ایک صدی کے اندر طے کر لینے میں ترجمہ کا بڑا ہاتھ ہے۔(ترجمہ کا فن ص ۸۱)

پروفیسر محمد حسن:۔ اردو کی خوش بختی ہے، کہ اس نے ترجموں کی روایت کو ابتدا ہی سے اپنایا، اپنے دریچے باہر سے آنے والی ہواؤں کے لیے کھولے اور بین الاقوامی کلچر کے نقوش سے اپنی محفل کو آباد کیا۔(ترجمہ کا فن ص ۷۰)

پروفیسر ظہیر احمد صدیقی:۔ اردو تراجم اردو زبان کی گزشتہ ترقی اور آئندہ امکانات کے آئینہ دار ہیں، وہ اردو بولنے والی سوسائٹی کی ذہنی نشو ونما کا پیمانہ ہیں۔(ترجمہ کا فن ص ۱۷۹)

متذکرہ بالا اقتباسات کی روشنی میں یہ حقیقت بالکل بے نقاب ہو جاتی ہے، کہ اردو زبان وادب کا سرمایہ غیر زبانوں کے علمی وادبی ذخیروں کے تراجم سے بیشتر مستفاد ہے، اس ذخیرہ میں مذہبی کتابوں کے ترجے اہم اور قابل قدر ہیں، زبان کی ابتدا سے لے کر آج تک مذہبی کتابوں کے تراجم کا سلسلہ برابر جاری ہے، علمائے اسلام عیسائی پادریوں اور ہندو دھرم کے نمائندوں نے اپنی مذہبی کتابوں کو اردو میں منتقل کرنے کی کامیاب کوشش ہمیشہ کی ہے، ان میں سب سے زیادہ وقیع اور گراں بہا خدمات علمائے اسلام نے کی ہیں، جنھوں نے تبلیغ واشاعت دین کے جذبات سے سرشار ہو کر قرآن، حدیث، سیرت، فقہ، تاریخ وسوانح، تصوف وکلام کے گنج شائگاں کو اردو کی ملکیت بنانے میں اہم رول ادا کیا ہے اور اردو کے خزانہ کو مالا مال کیا ہے۔

پروفیسر ظہیر احمد صدیقی اعتراف حقیقت ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

ترجمہ کے سلسلہ میں ہمارے علما وفقہا کا بڑا حصہ رہا ہے، جب ان کو دینی خیالات نئی نسلوں تک پہنچانے کی ضرورت محسوس ہوئی، جو ان کی علمی زبان (عربی وفارسی) اور ان کے طرز بیان سے نا آشنا تھے، تو انھوں نے ان خیالات کو عوام کی زبان میں منتقل کرنے کی کوشش کی، اس طرح عربی وفارسی الفاظ کا سادہ عوامی زبان میں ترجمہ ہوا۔(ترجمہ کا فن ص ۱۸۰)

مذہبی تراجم کے زمرہ میں کمیت وکیفیت اور اسلوب وادا کے لحاظ سے احادیث نبوی کے تراجم کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے، اردو میں حدیث کے ترجموں کا تنوع، کتب حدیث کی وسعت اور اردو کے تدریجی اسلوب نگارش کی تبدیلیوں کے سبب وجود میں آیا۔

ڈاکٹر عبدالحق اردو کے تراجم حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں۔

قرآن اسلام کا اصل الاصول ہے، احادیث اس کی تشریح وتوضیح اور جزئیات وتفصیلات کا سب سے بیش بہا ذخیرہ ہیں، دنیائے ادب میں یہ ایک لافانی ذخیرۂ ادب ہے، جس کی ضخامت تخیل وتصور سے بھی

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

بالاتر ہے، اب تقریباً ہر مجموعہ حدیث کا اردو ترجمہ موجود ہے اور عوام وخواص کی رسائی میں ہے۔ (ترجمہ کا فن ص ۲۵۳، ۲۵۴)

اردو کے دامن میں حدیث نبوی کے تراجم وتشریحات کا جو گراں قدر سرمایہ موجود ہے، اس کا مقابلہ علم وادب کا کوئی دوسرا موضوع نہیں کرسکتا، اردو میں زندگی کے ہر شعبہ کے بارے میں مواد موجود ہے، لیکن کمیت وکیفیت کے لحاظ سے سرمایۂ حدیث وقیع اور گراں بہا ہے۔

اردو کے سرمایہ نثر کی اہمیت کئی حیثیتوں سے متعین کی جاسکتی ہے، پہلی بات تو موضوع کی ہے، جو حیات وکائنات کے چھوٹے سے چھوٹے گوشے کو محیط ہے، حدیث سے ایک مکمل نظام حیات مرتب کیا جاسکتا ہے اور یہ نظام حیات جب سے اردو نثر وجود میں آئی، حدیث کے اردو ترجموں کے ذریعہ عام ہوا، اردو نثر ترقی پذیر ہوتی رہی اور امتداد زمانہ کے ساتھ اس کے اسالیب میں تبدیلی آتی گئی، حدیث کی کتابیں اردو میں اتنی مقبول ہوئیں، کہ اسالیب بیان کی تبدیلی کے ساتھ ترجمہ شدہ کتب حدیث کے باوجود ایک نئے ترجمہ کی ضرورت ہر دور میں محسوس ہوتی رہی اور اسے قوت سے فعل میں لایا گیا، اس کی ایک بدیہی مثال یہ ہے، کہ بخاری شریف کے ڈیڑھ سو سال میں ایک درجن سے زائد مکمل ترجمے کیے گئے اور ہر ترجمہ ایک دوسرے سے بلحاظ اسلوب منفرد ہے، حدیث کے موضوعات پر تفصیل سے بحث کرنے کی یہاں گنجائش نہیں ہے، لیکن ایک صحت مند معاشرہ کی بقا کے لیے بعض موضوعات کی قدم قدم پر ضرورت پڑتی ہے، یہ موضوعات آفاقی بھی ہیں اور غیر اختلافی بھی۔

اردو نے حدیث کے تراجم کے ذریعہ ان موضوعات کو عام کیا اور اس طرح ایک صحت مند معاشرہ کے تحفظ وبقا کی راہ میں مثبت کردار ادا کیا ہے، ان موضوعات کی تفصیل یہ ہے۔

<u>احسان اور حسن سلوک</u>:۔ انسانی سماج کی کشش اور اس کی دلآویزی کے لیے باہمی ہمدردی، احسان اور حسن سلوک کے عملی مظاہرے ناگزیر ہیں، باہمی یگانگت محبت اور خلوص کی تکمیل اسی کے ذریعہ ہوسکتی ہے، اگر یہ شریفانہ صفت اور اس کے عملی مظاہرے سوسائٹی میں مفقود ہوجائیں، تو ساری مسرتوں کا خاتمہ ہوجائے اور خودغرضی وبے تعلقی اور اجنبیت کا ایسا ماحول پیدا ہوجائے، جس سے دنیا بے حس پتھروں کا شہر بن کر رہ جائے، محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی احسان اور سلوک کا مثالی پیکر تھی، حسن سلوک کے باب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چند زریں اقوال ملاحظہ ہوں۔

☆ اللہ تعالیٰ کو اپنی ساری مخلوق میں زیادہ محبت ان بندوں سے ہے، جو اس کی عیال (یعنی اس کی مخلوق) کے ساتھ احسان کریں۔

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

☆ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ اللہ کا جو بندہ بے شوہر والی اور بے سہارا کسی عورت اور کسی مسکین حاجت مند آدمی کے کاموں میں دوڑ دھوپ کرتا ہے، وہ اجر وثواب میں اس مجاہد بندے کی طرح ہے، جو اللہ کی راہ میں دوڑ دھوپ کرتا ہے۔

☆ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم حسن سلوک کی کسی صورت اور قسم کو حقیر مت سمجھو اور اس کی ایک صورت (جس میں کچھ خرچ بھی نہیں ہوتا) یہ بھی ہے، کہ تم اپنے بھائی سے شگفتہ روئی کے ساتھ ملو اور یہ بھی (حسن سلوک میں سے ہے) کہ تم اپنے ڈول سے اپنے بھائی کے برتن میں پانی ڈال دو۔ (معارف الحدیث دوم ص ۱۹۲)

<u>عفو ودرگزر:۔</u> عفو وحلم انسانی زندگی کا وہ جوہر گراں مایہ ہے، جس سے انسانی کردار کی عظمت کو چار چاند لگ جاتے ہیں اور معاشرہ کے اندر ظلم و جبر کے انتقامی ردعمل سے فتنہ وفساد کے سیلاب کا امکان ختم ہو جاتا ہے، عفو وحلم سے ظالم اپنے ناروا عمل پر شرمندہ ہو کر جبر واستبداد سے تائب ہو جاتا ہے، جس سے معاشرہ کا ایک فاسد عضو اصلاح پذیری کے لیے آمادہ ہو کر ظلم وشقاوت کی مذموم صفت سے اپنے دامن حیات کو پاک کر لیتا ہے، یوں تو عدالتی نظام ہر جرم کی سزا کا حکم صادر کرتا ہے، تاکہ سماج میں عدل وتوازن باقی رہے، پھر بھی ذاتی طور پر مظلوم کو اس بات کا حق حاصل ہوتا ہے، کہ وہ اپنے مجرم کو بخش دے اور اسے معاف کر دے، انسان کی یہ صفت بے پناہ ضبط وتحمل اور بلند ہمتی کا ثبوت ہوتی ہے، انتقام کی طاقت و صلاحیت کے باوجود ظالم کو معاف کر دینے کی ہدایت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات میں موجود ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، کہ حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی جناب میں عرض کیا، پروردگار! تیرے بندوں میں کون تیری بارگاہ میں زیادہ عزت والا ہے؟ ارشاد فرمایا، وہ بندہ جو قصوروار پر قابو پانے کے بعد (اور سزا دینے کی قدرت کے باوجود) اسے معاف کر دے۔ (معارف الحدیث دوم ص ۱۸۵)

<u>سخاوت:۔</u> سخاوت و فیاضی کا مفہوم یہ ہے، کہ اپنے حق کو خوشی کے ساتھ کسی دوسرے کے حوالہ کر دیا جائے، دوسروں کے لیے اپنی جسمانی و دماغی قوت صرف کرنا، اپنی عزت وآبرو اور جان و مال کو خطرے میں ڈال کر کسی کی حفاظت کا سامان فراہم کرنا، سخاوت انسانی کردار کا بڑا درخشاں پہلو ہے اور خوشگوار سماج کی تشکیل کا لازمی عنصر ہے، سخاوت کا بنیادی مقصد یہ ہوتا ہے، کہ اپنی ذات سے دوسروں کو فائدہ پہنچایا جائے اور دوسروں کے لیے آسائش وطمانیت کے مواقع فراہم کیے جائیں، رسول گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات میں سخاوت کی اہمیت وافادیت پر کافی زور دیا گیا ہے۔

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ سخی اللہ تعالیٰ سے قریب ہے، جنت سے قریب ہے اور دوزخ سے دور، اور بخیل اللہ تعالیٰ سے دور، جنت سے دور ہے، لوگوں سے دور ہے اور جہنم سے قریب ہے اور جاہل سخی خدا کے نزدیک عبادت گزار بخیل سے کہیں بہتر ہے۔ (انوار الحدیث ص ۱۹۹)

خاکساری و تواضع:۔ انسانی سوسائٹی میں جہاں دوسرے محمود اخلاق وصفات ضروری ہیں، وہیں خود سری اور کبر کی مذموم صفت سے اپنے دامن کو بچا کر اعتدال و توازن کی راہ میں فروتنی و عجز کے ساتھ چلنا بھی ناگزیر ہے، یہ وہ وصف ہے، جس سے معاشرہ کے اندر کبر ونخوت، خودستائی اور خودسری سے پیدا ہونے والے فتنہ وفسادات کے زہریلے جراثیم کو زندہ رہنے اور پروان چڑھنے کی مہلت نہیں ملتی۔

جنگ وجدال کی وہ فضا جو کبر وغرور کے نتیجہ میں پیدا ہوسکتی ہے، خاکساری و تواضع کی روش اپنانے سے اس کا خاتمہ ہوجاتا ہے، ارشادات نبوی میں تواضع کی واضح تعلیمات ملتی ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی فرمائی اور حکم بھیجا ہے، کہ تواضع اور خاکساری اختیار کرو، جس کا نتیجہ یہ ہونا چاہیے، کہ کوئی کسی پر ظلم وزیادتی نہ کرے اور کوئی کسی کے مقابلہ میں فخر نہ کرے۔ (معارف الحدیث دوم ص ۲۸۰)

صبر واستقامت:۔ انسانی زندگی خوشی وغم، کامیابی وناکامی سے عبارت ہے، مسرت وکامرانی کا ذکر ہی کیا؟ اسے تو انسان مقصد حیات سمجھتا ہے، مگر زندگی کا وہ پہلو جس سے انسان گھبراتا ہے اور جس کے تقرب سے اس کی روح کانپ جاتی ہے، وہ غم اور ناکامی ونامرادی ہے، انسان اشرف المخلوقات ہے، اس لیے غم کی کیفیت اور ناکامی کے جاں گسل ماحول میں اس کا ذہنی ودماغی توازن برقرار رہنا ضروری ہے، غم واندوہ کی شدت اسے اظہار اضطراب پر مجبور کرے، تو وہ صبر وضبط سے اس پر بند باندھ دے اور جذبات کے سیلاب میں اپنی متاع عقل وشعور کو بہنے سے روک دے، یہی صبر واستقامت ہے، صبر انسانی زندگی کا وہ جوہر ہے، جس میں ناساعدت روزگار اور ناخوشگواری حالات سے ٹکرانے کی قوت پیدا ہوتی ہے، صابر کبھی مصیبتوں اور ناکامیوں سے شکست نہیں کھاتا اور رنج وغم کے تسلسل سے اس کی جان نہیں گھلتی، مایوسی ودل شکستگی اس کے قوائے عمل کو مضمحل نہیں کرسکتی، رسول گرامی نے صبر کا مقام اور اس کی اہمیت اس طرح بیان فرمائی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، کہ جو بندہ کسی جانی یا مالی مصیبت میں مبتلا ہو اور کسی سے اس کا اظہار کرے اور نہ لوگوں سے شکوہ شکایت کرے، تو اللہ تعالیٰ کا ذمہ ہے، کہ وہ اس کو بخش دے۔ (معارف الحدیث ۲ ص ۲۳۰)

http://t.me/tehqiqat

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

اپنے بھائی کی مدد کرو، وہ ظالم ہو یا مظلوم، اگر وہ ظالم ہو تو اس کو ظلم سے روکو اور اگر وہ مظلوم تو اس کی مدد کرو (حدیث شریف از جامع صغیر)

اپنی حیثیت سے کم حیثیت کے لوگوں پر نظر ڈالا کرو، اونچی حیثیت والوں پر نظر مت دوڑاؤ، یہ عمل اس لیے مناسب اور مفید ہے، کہ تم اللہ کی عطا کردہ نعمتوں کو جو تم کو حاصل ہیں، حقیر نہ سمجھو۔ (ایضاً)

صداقت:۔ صداقت انسان کی معاشرتی زندگی میں روح کی حیثیت رکھتی ہے، اس کا اصل سرچشمہ انسانی قلب ہے، اگر وہ کجی اور کھوٹ سے منزہ ہو، یہ وہ خصلت ہے، جس سے سماج کے اندر اعتماد اور یگانگت کی خوشگوار فضا پیدا ہوتی ہے، اس پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہنے سے خودغرضی، مفاد پرستی، فریب دہی، خیانت وغیرہ مذموم صفات سے انسان الگ رہتا ہے، صداقت سے دلیری، جواں مردی اور حق گوئی و بیباکی کے جوہر نکھرتے ہیں، انسان کے قول وعمل میں درستگی کے لیے یہ امر ناگزیر ہے، کہ اس کا دل اور زبان یک رنگ ہوں، ان میں تضاد نہ ہو، یہی شے صداقت کی اصل کہی جاسکتی ہے، صداقت انفرادی زندگی سے لے کر اجتماعی زندگی کے ہر موڑ پر یکساں طور سے حاوی ہے، اس سے تنہا فرد کی زندگی ہی میں سدھار نہیں پیدا ہوتا، بلکہ معاشرہ اور جماعت پر بھی اس کا خوشگوار اثر مرتب ہوتا ہے، اس کے برخلاف کذب ایسی مذموم صفت ہے، کہ اس کے اثرات فقط انفرادی کردار کو مجروح نہیں کرتے، بلکہ پوری سوسائٹی اس سے متاثر ہوتی ہے، ہادی اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات صدق وصداقت کی فضیلت اور کذب کی مذمت میں وارد ہوئے ہیں۔

سچائی نیکی کی طرف رہنمائی کرتی ہے اور نیکی جنت میں لے جاتی ہے، انسان سچ بولتا ہے اور سچ بولنے کا قصد رکھتا ہے، تو وہ اللہ کے نزدیک صدیقوں یعنی سچوں میں لکھا جاتا ہے اور جھوٹ گناہوں کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور گناہ دوزخ میں لے جاتا ہے اور انسان جھوٹ بولتا ہے اور جھوٹ کہنے کا قصد رکھتا ہے، تو وہ خدا کے نزدیک جھوٹوں میں لکھا جاتا ہے۔ (انتخاب صحاح ستہ ص ۱۲۰)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، یہ بہت ہی بڑی خیانت ہے کہ تم اپنے بھائی سے کوئی بات کہو اور وہ تمہاری بات سچ سمجھے، حالانکہ جو بات تم نے اس سے کہی، وہ جھوٹی تھی۔ (راہ عمل ص ۱۶۱)

انسان دوستی اور مساوات:۔ انسان بحیثیت انسان تمام مخلوقات پر فضیلت رکھتا ہے اور اس کا حقیقی شرف یہ ہے، کہ خود انسانی سماج میں بھی اس کی قدر ومنزلت کو پہچانا جائے اور طبقاتی کشمکش کا شکار بنا کر ادنیٰ واعلیٰ پست وبلند، سیاہ وسفید، فرق حسب ونسب کے خانوں میں بانٹ کر اس کی فطری وجبلی شرافت وحریت کا خاتمہ نہ کیا جائے اور سارے انسانوں کو بلاتفریق رنگ ونسل برابر ویکساں تصور کیا جائے، بنی نوع

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

انسان آج بھی دور جاہلی کی طرح طبقاتی کشمکش اور تفریق سے دوچار ہے، دنیا کی متمدن ومہذب قومیں حقوق انسانی کے تحفظ کا دعویٰ کرتی ہیں، مگر ان کے قانون میں بھی انسانی برادری کے درمیان قومی ونسبی تفریق کی سخت ترین دفعات ہیں، جن سے انسانی طبقات کے درمیان نفرت و بیگانگی کی ناقابل تسخیر بلند دیواریں حائل ہیں۔

اسلام نے دنیا کے اندر تمام انسانوں کو جغرافیائی نسلی وقومی حدود سے الگ کر کے مساوات کا درس دیا اور ایک عالمگیر فطری قومیت کی بنیاد استوار کی، جس کے اندر ہر انسان کو زندگی بسر کرنے اور اپنے فطری جوہر و قابلیت کی نمائش نیز فکری و عملی قوت کے باعث مرتبۂ بلند تک پہنچنے کے لیے ہر بندش کو ختم کر دیا، اسلام کا فطری و عملی نظام مساوات اور اس کی جزئیات ذخیرۂ احادیث میں موجود ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبۂ حجۃ الوداع میں فرمایا، کہ تمام انسان آدم کی اولاد اور آدم مٹی سے بنے تھے، کسی عربی کو کسی عجمی پر کوئی فضیلت نہیں اور نہ کسی سفید کو کسی سیاہ پر مگر تقویٰ کے لحاظ سے۔(ترجمہ بخاری شریف ص ۲۵۰)

<u>حقوق العباد:۔</u> انسان کی سماجی زندگی کی رونق جہاں حسن اخلاق اور صداقت کی بنا پر دوبالا ہوتی ہے، وہیں گردوپیش میں پھیلے ہوئے افراد واشخاص کی اہمیت اور ان کے حقوق کی ادائیگی سے سماج میں کشش پیدا ہوتی ہے، حقوق انسانی کا علم اور اس پر عمل سے ہی معاشرہ میں کامل سکون، باہمی محبت وخلوص یگانگت و قرابت کی خوشگوار فضا پیدا ہوتی ہے، ماں باپ اولاد، زن وشوہر چھوٹے بڑے، اعزہ واقربا، دوست و احباب، ہمسایہ، مہمان، مسافر محتاج وقلاش ہر ایک کے حقوق کی تعیین ارشادات نبوی میں پوری وضاحت و صراحت کے ساتھ موجود ہے، ان ہدایات میں الفت ومحبت ہمدردی وغم گساری، حفظ مراتب سب کچھ موجود ہے، جو صرف مسلمانوں ہی کے لیے نہیں پوری انسانی برادری کے لیے گرانقدر لائحۂ عمل ہیں۔

<u>والدین:۔</u> رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ اس شخص کی ناک خاک آلود ہو، لوگوں نے پوچھا، یا رسول اللہ! کس کی ناک؟ فرمایا، وہ شخص جس کے والدین یا ان میں سے کوئی ایک بوڑھا ہو اور وہ (ان کی خدمت کر کے) اپنے آپ کو جنت کا مستحق نہ بنائے۔(انتخاب صحاح ستہ ص ۱۰۳)

اللہ تعالیٰ نے تم پر حرام کی ہے، ماں باپ کے ساتھ بدسلوکی۔(راہ عمل ص ۱۰۳)

<u>اولاد:۔</u> رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم لوگ اپنی اولاد کے ساتھ رحم وکرم کا برتاؤ کرو اور ان کو اچھی تعلیم وتربیت دو۔(زادراہ ص ۶۷)

<u>زوجین:۔</u> رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، عورت پسلی سے پیدا کی گئی ہے، اگر تم اسے بالکل

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

سیدھا کرنا چاہو تو توڑ ڈالو گے، پس اس کے ساتھ نرمی کا معاملہ کرو گے تو اچھی زندگی گزرے گی۔(زادراہ ص ٦٦)

حکیم بن معاویہ نے کہا، کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا، کسی شوہر کی بیوی کا اس پر کیا حق ہے؟ آپ نے فرمایا، اس کا حق یہ ہے، کہ جب وہ کھائے تو اسے کھلائے اور جب وہ پہنے تو اسے پہنائے اور اس کے چہرے پر نہ مارے اور اس کو بددعا کے الفاظ نہ کہے۔(راہ عمل ص ١٠٦)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا، کہ کون سی بیوی سب سے بہتر ہے، آپ نے فرمایا، وہ بیوی جو اپنے شوہر کو خوش کرے، جب کہ وہ اس کی طرف دیکھے، اطاعت کرے، جب وہ اسے حکم دے اور اپنے مال کے بارے میں کوئی ایسا رویہ اختیار نہ کرے جو شوہر کو ناپسند ہو۔(راہ عمل)

ہمسایہ:۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، خدا کی قسم وہ ایمان نہیں رکھتا، پوچھا گیا، اے اللہ کے رسول کون ایمان نہیں رکھتا؟ فرمایا، وہ شخص جس کا پڑوسی اس کی تکلیفوں سے محفوظ نہ رہے۔(راہ عمل ص ١٢٦)

یتیم:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، اے میرے اللہ! میں دو کمزور قسم کے لوگوں کے حق کو محترم قرار دیتا ہوں، یعنی یتیم اور بیوی کے حق کو۔(راہ عمل ص ١٢٢)

یہ تو حدیث کے موضوعات کی بات تھی، جو اردو تراجم کے ذریعہ عام ہوئے، اگر نثر کی توسیع و اشاعت اور اس کے اسالیب کو رنگارنگی اور بالیدگی عطا کرنے کی بات کی جائے، تو اس حقیقت کا اعادہ مبالغہ آرائی پر محمول نہیں کیا جائے گا، کہ تراجم حدیث نے اردو نثر کی گراں بہا خدمات انجام دی ہیں۔

اردو نثر کی تاریخ پر جو کتابیں اور مقالے لکھے گئے ہیں، ان سے یہ نتیجہ مستنبط ہوتا ہے، کہ شمالی ہند میں اردو نثر گھٹنوں کے بل چل رہی تھی، جب میر اور سودا جیسے شعرا اردو شاعری کو معراج کمال پر پہنچا رہے تھے، شمالی ہند میں باقاعدہ شاعری کا آغاز ١٨ویں صدی عیسوی میں محمد شاہ بادشاہ کے عہد میں ہوا، شاہ مبارک آبرو، شاہ حاتم، شاکر ناجی عہد محمد شاہی کے شعرا تھے، یہی نہیں بلکہ میر تقی میر اور سودا نے بھی اسی عہد میں اپنے شاندار مستقبل کا ثبوت پیش کیا، لیکن اس عہد میں نثر کے جو نمونے ملتے ہیں، انھیں شواذ میں شمار کرنا چاہیے، فضلی کی کربل کتھا کے علاوہ کوئی بلند قامت نمونہ نظر نہیں آتا، عہد محمد شاہی کے بعد فورٹ ولیم کالج کلکتہ کے قیام تک اردو میں چند نثری نمونے ملتے ہیں، ان نمونوں میں مذہبی تحریروں کا پلہ بھاری ہے، ان میں جہاں اسلامی مسائل اور موضوعات ملتے ہیں، وہاں عیسائیوں کا تبلیغی مواد بھی ملتا ہے، گویا نثر کی ترقی کا آغاز مذہبی تحریروں کے تراجم کے ذریعہ ہوا۔

١٨ویں صدی میں اردو شاعری کی زبان تو بن گئی تھی، لیکن ابھی تک نثر کی کسوٹی پر وہ نہیں پرکھی گئی

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

تھی، کیا ان موضوعات کا بار وہ اٹھا سکتی ہے، جن سے اسلام عبارت ہے؟

سب سے پہلے بعض علما نے کلام پاک کے ترجمہ کے ذریعہ اردو کے دامن کو وسیع کیا، اس سلسلہ میں شاہ رفیع الدین اور شاہ عبدالقادر کا نام لینا ہی کافی ہے، قرآن مجید کے تراجم میں علما نے ہمیشہ اس کا خیال کیا ہے، کہ کہیں نفس متن کی ترجمانی میں سہو نہ ہو جائے، اس لیے انھوں نے لفظی ترجمہ کو ترجیح دی اور لفظی ترجمہ میں کسی زبان کی ہمہ گیری پورے طور پر نہیں پرکھی جاسکتی۔

فورٹ ولیم کالج ۱۸۰۰ء میں قائم ہوا اور یہیں سے اردو نثر کی ترویج و اشاعت شروع ہوئی، لیکن اس کالج میں زیادہ تر داستانوں کا ترجمہ ہوا، جس طرح شاعری میں غزل اور قصیدہ کی لفظیات محدود و متعین ہو چکی تھیں، اسی طرح داستانوں کا بھی ایک محور تھا، جس سے یہ آگے نہیں جاسکتی تھیں، اردو نثر نے داستانوں کی لفظیات کا بہتر طور پر استعمال کیا ہے، لیکن اس کی وسعت کا اصل اندازہ اس وقت ہوا، جب حدیث نبوی کے ترجمے کیے گئے اور ان کی تشریحات پر زور قلم صرف کیا گیا۔

حدیث میں زندگی کا کون سا شعبہ ہے، جس کی نمائندگی نہ ملتی ہو، زندگی کے وہ مسائل بھی ان میں ملتے ہیں، جن کا رشتہ عبادات سے جوڑا جاتا ہے اور روزمرہ کی زندگی کے چھوٹے سے چھوٹے معمولات بھی اس میں زیر بحث آتے ہیں، جب حدیث کا اردو میں ترجمہ ہو گیا، تو گویا یہ ثابت ہو گیا، کہ اردو ہر طرح کی لفظیات کا بار اٹھا سکتی ہے۔

اس طرح یہ کہا جاسکتا ہے، کہ حدیث کے تراجم سے اردو کو ایک کھلی ہوئی آزاد فضا میں سانس لینے کا موقع ملا کون سا منظر ہے؟ جس کی عکاسی اس میں نہ کی گئی ہو اور کون سا ایسا گوشہ ہے جہاں اس کی روشنی نہ پہنچی ہو؟۔

اردو نثر دلی کالج کے ذریعہ سائنسی علوم کی ترویج کا ذریعہ بنی اور پھر بعد میں چل کر علی گڑھ تحریک کے ذریعہ یہ ہر طرح کے متداول مضامین کی ترجمانی کا ذریعہ بنی، اس کی بنیاد تراجم حدیث نے ڈالی، حدیث میں اکثر ایسے مقامات آتے ہیں، جنھیں کسی دوسری زبان میں منتقل کرنا آسان نہیں، لیکن مترجمین حدیث نے اس مشکل کو آسان کر دیا اور یہ ثابت کر دیا کہ اردو میں اتنی صلاحیت موجود ہے، کہ وہ بدلتی ہوئی دنیا کا ساتھ دے سکتی ہے، تراجم حدیث نے اردو لفظیات کے خزانے کو اتنا وسیع کیا ہے، کہ اس میں اس طرح کی عبارتیں اور جملے بھی ملتے ہیں۔

(ا) بائع (بیچنے والے) اور خریدار کو اس وقت تک سودے پر اختیار ہے، جب تک کہ وہ جدا نہ ہو جائیں، پس اگر دونوں نے سچ کہا اور مال متعلق کی بابت سب کچھ بیان کر دیا، تو دونوں کے لیے برکت کا

http://t.me/tehqiqat

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

موجب ہے اور جھوٹ کہا اور مال کے عیب چھپا رکھے، ممکن ہے، کہ سر دست کچھ نفع ہو، مگر اس سودے میں برکت نہ ہوگی۔ (انتخاب صحاح ستہ ص ۴۱)

(۲) ناپنے اور تولنے والوں سے حضور نے فرمایا، تمہارے سپرد وہ کام ہے، جسے ٹھیک طور پر نہ کرنے سے تم سے پہلے بعض لوگ ہلاک ہو چکے ہیں۔ (ایضاً ص ۴۶)

(۳) امین اور راستباز تاجر نبیوں، صدیقوں، شہیدوں اور صالحین کی صف میں ہوگا۔ (ایضاً)

(۴) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ تعالیٰ نے کوئی ایسی بیماری نہیں اتاری، کہ اس کے لیے کوئی دوا نہ رکھا ہو، مگر موت اور بڑھاپا، (کہ ان کی کوئی دوا نہیں) گائے کا دودھ ضرور پیا کرو، کیوں کہ اس میں سب نباتی اجزا موجود ہیں۔ (مسند امام اعظم ص ۳۷۸)

(۵) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، لازم جانو اپنے اوپر اثمد سرمہ کہ وہ تمہارے بہتر سرموں میں سے ہے، کہ آنکھ کو روشن کرتا ہے اور بالوں کو اگاتا ہے۔ (تلخیص المصباح ص ۱۲۲)

(۶) لازم جانو اپنے اوپر عود ہندی کو کہ اس میں سات بیماریوں سے شفا ہے، ان سات میں سے ایک ذات الجنب ہے، حلق کے درد کے لیے منہ کی ایک جانب میں ڈالا جاتا ہے۔ (ایضاً ص ۱۲۱)

(۷) سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ کسی چیز کو رہن رکھ دینے سے رہن کرنے والے کی ملکیت ختم نہیں ہوجاتی، اس کے منافع کا حقدار راہن ہے اور (چیز ضائع ہوجائے تو) مرتہن تاوان کا ذمہ دار ہے۔ (انوار الحدیث ص ۲۵۷)

(۸) جب کوئی آدمی تم سے بات کرے اور ادھر ادھر مڑ کر دیکھے تو اس کی یہ بات تمہارے پاس امانت ہے۔ (زادراہ ص ۹۲)

(۹) سادہ زندگی گزارنا ایمان ہے۔ (راہ عمل ص ۱۷۸)

حدیث صرف مسئلہ مسائل کے مجموعہ کو نہیں کہتے، وہ عربی ادب کے امتیازی اسالیب کی ترجمان بھی ہے، حدیث میں جو زبان اور لہجہ استعمال ہوا ہے، وہ بڑے بڑے ادیبوں کو بھی نصیب نہیں، اردو میں صرف نوطرز مرصع باغ و بہار اور فسانہ عجائب لہجہ اور اسلوب نہیں، بلکہ ایسے اسالیب اور لہجے ہیں، جن کی خوشہ چینی سے اردو نثر متنوع اور رنگا رنگ ہوگئی ہے۔

ابھی تک حدیث کے اردو تراجم کا مطالعہ اس نقطۂ نظر سے نہیں کیا گیا تھا، کہ اس نے اردو نثر کو کیا دیا؟ اب زیر نظر مقالہ سے اہل قلم کو مزید غور و فکر کا موقع ملے گا اور وہ جب اردو نثر کی تاریخ مرتب کریں گے، تو تراجم حدیث کو بھی پیش نظر رکھیں گے۔

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

نعت رسول اور ہندو شعرا

تاریک ماحول:۔ آج سے چودہ صدی پیشتر انسانی دنیا میں ہر طرف تاریکیوں کا راج تھا، ظلمتیں اجالوں پر مسلط ہو چکی تھیں، رشد و ہدایت کے تابناک مینار فضائے تیرہ و تار میں روپوش ہو چکے تھے، اخلاق و روحانیت سماج و معاشرت کے زوال و پستی کی بھیانک تصویریں نگاہوں کے سامنے تھیں، تہذیب و تمدن کے چراغ گل ہو چکے تھے، اتحاد و مساوات کے نقوش صفحۂ دہر سے مٹ چکے تھے، محبت و اخوت کا نام و نشان محو ہو چکا تھا، انسانی زندگی کی کتاب اقدار، شائستگی، رحم و مروت، اخلاق و کردار سے خالی ہو چکی تھی۔

دنیائے آدمیت تشدد و بربریت کے جہاں سوز واقعات سے معمور تھی، انسان انسانیت کی شاہراہ سے بھٹک کر حیوانیت و سفاکیت کے راستہ پر گامزن ہو چکا تھا، احترام انسانیت نام کی دنیا میں کوئی چیز باقی نہ تھی، خون انسانی کی قدر و قیمت چند جرعۂ آب سے بھی کم تھی، قبائل و اقوام نے عصبی نفرتوں کی وجہ سے ہر طرف قتال و جدال اور کشت و خون کے معرکے گرم کر رکھے تھے۔

مظلوم انسانیت تڑپ رہی تھی، کراہ رہی تھی، مگر اس کا غمگسار کوئی نہ تھا، اس کے ناسور الم کا مداوا کسی کے بس کی بات نہ تھی۔

بیکسوں، یتیموں، بیواؤں کی آنکھیں مفلسی و بے مائیگی پر سیلاب اشک بہا رہی تھیں، مگر کوئی ایسا مشفق و مہربان آدمی نہ تھا، جو ان کے گرم آنسوؤں کو اپنے دامن شفقت و کرم میں جذب کرتا اور ان کے دکھ درد کا درماں تلاش کرتا۔

ایسی بات نہ تھی، کہ اس دور میں مذہبی قدروں کے دعویدار نہ رہے ہوں، انسانیت کو اخوت و مساوات کا کھوکھلا درس دینے والے بھی موجود تھے، مظلوموں کی دادرسی اور بیکسوں کی چارہ سازی کی ڈینگیں مارنے والوں سے انسانوں کی بستی خالی نہ تھی، مگر دنیا کو اخلاق و کردار، تہذیب و شائستگی کا سبق پڑھانے والے مظلوموں کی غمگساری کا دم بھرنے والے بھٹکی ہوئی انسانی دنیا کو شاہراہ ہدایت کی تبلیغ کرنے والے خود ہی بلند کردار، رحم و مروت کے دیدہ زیب لباسوں میں خونخوار درندے تھے، جن سے چہرۂ انسانیت لہولہان اور پیراہن آدمیت تار تار تھا۔

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

خورشید ہدایت:۔ ایسے پر آشوب و بھیانک ظلمت فگن ماحول میں رشد و ہدایت کا خورشید درخشاں افق عرب پر طلوع ہوا، یکا یک تاریکی شب کا ہوشربا طلسم ٹوٹ گیا، تہذیب و تمدن کی شاہراہوں سے ظلمت و جہالت کے دھند لکے چھٹنے لگے۔

کردار و عمل کی دنیا آباد ہونے لگی انسانوں نے درندوں کا لبادہ اتار پھینکا، انسانوں نے صحرائی حیوانوں کی غیر شائستہ غیر مرتب زندگی ترک کر کے اصول و ضابطہ اور تہذیب و شائستگی کی زندگی اپنا لی۔

آفتاب رسالت کی نورانی کرنوں میں مدتوں کے بچھڑے انسانوں نے اپنے ابنائے جنس کے چہروں کو پہچانا، متخاصم و متحارب قبائل شیر و شکر ہوئے، مظلوموں کا فریاد رس آ گیا، یتیموں، بیواؤں اور مفلسوں سے ہمدردی کرنے والا انسان کامل آ گیا۔

انسانیت نے ایک رہبر کامل پایا، جس نے اسے زندگی کا شعور عطا کیا، جینے کا سلیقہ بتایا اور دوسروں کے حق زندگی سے روشناس کرایا۔

وہ ہادی برحق ایک ایسی روشن کتاب لایا، جس نے عالم انسانیت کو دین و دنیا کی فلاح و بہبود اور نجات و برأت کے رموز کا محرم بنا دیا۔

اس نقلاب آفریں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے اثرات صرف جزیرہ نمائے عرب تک محدود نہ رہے، بلکہ تمام انسانی دنیا پر مرتب ہوئے۔

نبی آخر الزماں اور ان کی لائی ہوئی شریعت اور قانون حیات کا تعارف قرآن اس طرح پیش کرتا ہے ”هو الذی ارسل رسوله بالهدیٰ و دین الحق لیظهره علی الدین کله“

یہ شریعت دنیا کے تمام مذاہب کے لیے ناسخ تھی اور ہادی برحق ساری کائنات کے لیے پیغمبر و ہادی تھے، خود ارشاد فرماتے ہیں ”بعثت الی الخلق کافة“

پیغام اخوت و مساوات:۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کے سامنے جو پیغام پیش فرمایا، وہ ساری انسانی برادری کے لیے فلاح و نجات کا ضامن ہے، خواہ انسانوں کا کوئی طبقہ یا گروہ ان کے دین کو پورے طور پر قبول کر کے دائرہ اسلام میں داخل ہو یا جزوی طور پر اسلام کے ان قوانین کو اپنائے جو انسان کی دنیاوی معاشرتی زندگی سے تعلق رکھتے ہیں، بہر حال محسن انسانیت کا احسان عظیم تمام اقوام عالم پر ہے، جس نے انسانوں کو اخوت و مساوات کا وہ آفاقی پیغام دیا، جس سے دنیا کی مذہبی تحریکیں خالی تھیں، اسلام نے انسانوں کو باہمی رشتہ یگانگت کا پیغام دیتے ہوئے بتایا۔

خلقکم من نفس واحدة و خلق منها زوجها وبث منهما رجالا کثیرا ونساء

http://t.me/Tehqiqat

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

(النساء)

خدا نے تمہیں ایک ہی جان سے پیدا کیا ہے، پھر اس سے اس کا جوڑا پیدا کیا اور ان دونوں سے بہت سے مردوں اور عورتوں کو (دنیا میں) پھیلا دیا۔

قرآن نے ساری آدمیت کو اس کی حقیقت مبدا سے روشناس کر کے انسانی برادری کے رشتہ کو جس طرح مضبوط کیا ہے، اس کی مثال کہیں نظر نہیں آتی۔

دور جہالت میں بھی اور آج کے متمدن ومہذب عہد میں بھی پوری انسانیت کے لیے جو سب سے زبردست خطرہ تھا یا ہے، وہ ملک ووطن کا امتیاز، رنگ ونسل کی تمیز ہی ہے، جس نے پوری انسانی برادری کو باہم خونریزی اور قتل وغارت گری پر آمادہ کیا تھا، یا آج دنیا اس طرف مائل ہے۔

محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جانفزا دلنواز پیغاموں میں انسانوں کی عصبیت اور ابنائے جنس کے ساتھ نفرت وحقارت کے جذبات کو ختم کرنے کی کوشش فرمائی اور رسالت کے حکیمانہ لب و لہجے میں خطاب فرمایا۔

ایھا الناس کلکم من آدم و آدم من تراب ولا فخر للانساب ولا فخر للعربی علی العجمی ولا للعجمی علی العربی ان اکرمکم عند اللّٰہ اتقاکم لا فضل للعربی علی عجمی ولا لعجمی علی عربی ولا لابیض علی اسود ولا لاسود علی ابیض الا بالتقویٰ

اے لوگو! تم سب آدم سے ہو اور آدم مٹی سے بنے تھے، نسب کے لیے کوئی فخر نہیں، عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر کوئی فخر نہیں ہے، تم میں سب سے زیادہ معزز وہی ہے، جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔ کسی عربی کو عجمی پر اور کسی عجمی کو عربی پر اور کسی گورے کو کالے پر اور کسی کالے کو گورے پر کوئی فضیلت نہیں ہے، معیار فضیلت صرف تقویٰ ہے۔

پیغام عزت نفس واحترام خون:۔ آج کے ترقی یافتہ دور میں انسانی تمدن کی بنیاد جس قانون پر قائم ہے، اس کی سب سے پہلی دفعہ یہ ہے "انسان اور اس کا خون محترم ہے" لیکن احترام آدمیت کا سبق اس بگڑے ہوئے معاشرہ میں کس نے پڑھایا، جبکہ دوسروں کا خون کیا خود اپنے جگر کے ٹکڑوں کا خون بہانا اور درندگی کے ساتھ موت کے گھاٹ اتار دینا فخر کی بات تھی، جب کہ عورتوں اور غلاموں کو بے زبان جانوروں کی طرح ذبح کر دینا شوہروں اور آقاؤں کا بنیادی حق تصور کیا جاتا تھا، انسانیت اور خون آدمیت کا احترام پیغمبر اسلام ہی نے دنیا کو سکھایا اور دنیا کے کانوں میں آپ کی زبان سے خدا کا یہ پیغام

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

پہنچا۔

من اجل ذالک کتبنا علی بنی اسرائیل انه من قتل نفسا بغیر نفس او فساد فی الارض فکانما قتل الناس جمیعا و من احیاھا فکانما احیأ الناس جمیعا (مائدة)

اسی بنا پر ہم نے بنی اسرائیل کو یہ لکھ کر دے دیا، کہ جو کسی کی جان لے بغیر اس کے کہ اس نے کسی کی جان لی ہو، یا زمین میں فساد کیا ہو تو گویا اس نے تمام انسانوں کا خون کیا اور جس نے کسی کی جان بچالی تو گویا اس نے تمام انسانوں کو بچایا۔

اسلام نے قتل نفس سے احتراز کو اپنے نیک بندوں کی صفات حسنہ میں شمار کیا ہے۔

لا یقتلون النفس اللتی حرم اللّٰہ الا بالحق ولا یزنون ومن یفعل ذلک یلق اثاما (الفرقان)

وہ اس جان کو جسے اللہ نے حرام قرار دیا ہے بغیر حق کے ہلاک نہیں کرتے ہیں اور نہ زنا کرتے ہیں اور جو کوئی ایسا کرے گا وہ ویسی ہی سزا پائے گا۔

محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے قتل نفس بغیر حق کی مذمت اور اس پر سخت ترین مواخذہ و عذاب کا ذکر فرمایا۔

اکبر الکبائر الاشراک باللّٰہ وقتل النفس وعقوق الوالدین وقول الزوراول ما یحاسب به العباد الصلوۃ واول ما یقضیٰ بین الناس یوم القیامة فی الدماء (نسائی)

بڑے گناہوں میں سب سے بڑا گناہ اللہ کے ساتھ شرک کرنا ہے اور قتل نفس، والدین کی نافرمانی اور کذب بیانی۔ روز قیامت بندے سے اولاً نماز کا حساب لیا جائے گا اور پہلی چیز جس کا فیصلہ لوگوں کے درمیان کیا جائے گا وہ خون کے دعوے ہیں۔

نفس انسانی کے احترام کی یہ تعلیم جس نے درندہ صفت عربوں کے اندر سلامت روی اور قتل نفس سے احتراز کا جو خوشگوار ماحول پیدا کر دیا تھا، اس کے اثرات سارے عالم انسانیت پر پڑے اور دنیا نے انسانیت کے خون کا احترام اسلام ہی سے سیکھا اور تہذیب و شائستگی کی دعویدار قوموں نے مساوات و اخوت اور خون انسانیت کا احترام جیسے قوانین اسلام کے ضابطۂ حیات ہی کی روشنی میں بنائے۔

<u>ہندو ارباب فکر و دانش</u>:۔ سابقہ سطور سے یہ بات واضح ہو چکی ہے، کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے اثرات صرف مسلمانوں ہی تک محدود نہ رہے، بلکہ دنیا کی ساری قوموں نے ان سے تہذیب و تمدن کا سبق لیا۔

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

یہی وجہ ہے کہ آج کی ترقی یافتہ دنیا میں مفکرین شعرا، دانشور اور انسانی سماج کی گتھیاں سلجھانے والے ارباب علم پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں عقیدت ومحبت کے پھول نچھاور کرتے ہیں اور آپ کی سیرت مبارکہ کو ساری کائنات کے لیے مشعل ہدایت تصور کرتے ہیں۔

ذیل میں ہندوستان کے دانشور اور اعلیٰ ترین سیاستدانوں کے خیالات پر اس لیے اکتفا کیا جاتا ہے، کہ مقالہ کا موضوع صرف اہل ہنود کی حق شناسی ہی تک محدود ہے۔

(۱) سروجنی نائیڈو سابق صدر انڈین نیشنل کانگریس:۔ ''عرب جہاں خدا نے ایک اونٹ والے کو پیغام بھیجا اور وہ تعلیمات دین جو جمہوریت کا سرچشمہ کہی جاسکتی ہیں، ان کے متعلق صحیح طور پر کہا جاسکتا ہے، کہ انھوں نے لوگوں کو مساوات اور اخوت کے ایک رشتہ میں جکڑ دیا اور وہ واقعی طور پر بہترین تعلیمات تھیں''۔ (پیغمبر اسلام نمبر نئی راہ بمبئی ص ۸۱)

(۲) مسٹر ہمنت راؤ وزیر مال حیدر آباد دکن (سابق):۔ ''امن وسکون کی متلاشی اس دنیا میں پیغمبر اسلام کا پیغام ایک مینارہ نور ہے، اس کی حیات بخش ضوفشانیوں سے صحیح طریقہ پر استفادہ اس جہنم کو جنت ارضی میں تبدیل کرسکتا ہے''۔ (پیغمبر اسلام نمبر ص ۴۲)

(۳) کے، ایم منشی سابق گورنر اتر پردیش:۔ ''نسل ورنگ، قومیت اور مذہب کے ہاتھوں مختلف ٹکڑوں میں بٹی ہوئی دنیا کو آج بھی رسول کریم کی اس تعلیم کی ضرورت ہے، ہمارا برتاؤ ایک دوسرے کے ساتھ برادرانہ اور مساویانہ ہونا چاہیے''۔ (پیغمبر اسلام نمبر ص ۳۶)

(۴) پروفیسر رگھوپتی سہائے فراق گورکھپوری:۔ میرا اٹل ایمان ہے، کہ حضرت محمد پیغمبر اسلام کی ہستی بنی نوع انسان کے لیے ایک رحمت تھی، پیغمبر اسلام نے تاریخ وتمدن، تہذیب واخلاق کو وہ کچھ دیا ہے، جو شاید ہی کوئی اور بڑی ہستی دے سکی ہو۔

انوار بے شمار معدود نہیں — رحمت کی شاہراہ مسدود نہیں
معلوم ہے کچھ تمہیں محمد کا مقام — وہ امت اسلام میں محدود نہیں

(پیغمبر اسلام نمبر ص ۱۱)

شعرائے ہنود کا نذرانہ عقیدت:۔ شاعر چونکہ انسانی قدروں کا علم بردار اور انسانی تہذیب وتمدن کا پیامی ہوتا ہے، اس لیے وہ ہر اس بڑی شخصیت اور ہر اس عظیم پیغام سے متاثر ہوتا ہے، جس میں انسانی ہمدردی، اخوت، مساوات کے جلوے نظر آتے ہیں۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی آپ کی سیرت مقدسہ اور تعلیمات اس حیثیت سے

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

بلاشبہ سب میں افضل و برتر ہیں، اس لیے شعرائے ہنود کا محسن انسانیت سے متاثر ہونا اور آپ کی بارگاہ میں حسن عقیدت کے نذرانے پیش کرنا بدیہی چیز ہے۔

ذیل میں چند شعرائے ہنود کی حق شناسی اور ان کے پرخلوص جذبات محبت وعقیدت پیش کیے جاتے ہیں۔

درگا سہائے سرور جہاں آبادی:۔ اردو شاعری میں جدید نظم نگاری کے موجد و معمار، آزاد، حالی ہیں، مگر اردو کے جن باکمال شعرا نے اس تحریک سے وابستہ ہو کر اس صنف سخن کو عروج وارتقا کی منزلوں تک پہنچایا، ان میں سرور جہان آبادی کا نام سرفہرست ہے۔

مسٹر رام بابو سکسینہ نے اپنی کتاب ''تاریخ ادب اردو'' میں تحریر کیا۔

''منشی درگا سہائے سرور کو بھی اردو شاعری کے طرز جدید کا ایک رکن رکین سمجھنا چاہیے، یہ ان لوگوں میں تھے، جنھوں نے رنگ جدید کی طرف سب سے پہلے رہنمائی کی، انھوں نے اپنی جدت طرازی اور معجز بیانی سے اردو شاعری کے قالب مردہ میں ایک نئی روح پھونکنے میں بہت بڑا حصہ لیا''۔

قدرت نے ان کی سرشت میں شعر و شاعری کا ملکہ ودیعت کیا تھا، انھوں نے اس عطیہ الٰہی کی پوری عمر قدر کرتے ہوئے شعر و سخن کو اپنی زندگی بنالیا تھا، ۴۷ رسال کی قلیل مدت حیات میں انھوں نے شعر وادب کی جو قابل قدر اور نمایاں خدمات انجام دی ہیں، وہ جام سرور، خم خانہ سرور میں مرقوم ہیں۔

انھوں نے غزل، قصیدہ، مثنوی، مخمس، مسدس، رباعی تقریباً ہر صنف شاعری پر طبع آزمائی کی ہے اور کلام حسن زبان اور لطافت بیان سے معمور ہے۔

رام بابو سکسینہ نے سرور کے کلام کی داخلی خصوصیات کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے۔

''ان کی شاعری کی سب سے بڑی خصوصیت جذبات نگاری اور درد واثر ہے، اس رنگ میں وہ اپنے زمانہ میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے، مثل استاذ الشعرا میر تقی میر کے سرور کے مزاج میں حزن و یاس اور رنج والم کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا، اس لیے مثل میر کے ان کا کلام جذبات نگاری کا مرقع ہوتا تھا''۔ (تاریخ ادب اردو ص ۵۰۲)

سرور کا دل و دماغ مذہبی تعصب و تنگ نظری سے پاک تھا، وہ حقیقی محبّ وطن اور وطن کی ہر چیز ہر شخص ہر تہذیب اور مذہب سے محبت کرتے تھے، پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں نذرانہ عقیدت پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

نہیں خورشید کو ملتا ترے سائے کا پتا | کہ بنا نور ازل سے ہے سرتا پا ترا

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

اللہ اللہ ترے چاند سے مکھڑے کی ضیا کون ہے ماہ عرب کون ہے محبوب خدا
اے دو عالم کے حسینوں سے نرالے آجا
دل ہی دل میں مرے ارمان کھلے جاتے ہیں خاک پر گر کے دراشک بہے جاتے ہیں
میری رسوائی پہ کمبخت تلے جاتے ہیں ہوں سیہ کار مرے عیب کھلے جاتے ہیں
کملی والے مجھے کملی میں چھپالے آجا
ہائے واماندگی وسعت دامان صراط المدد المدد اے فخر بیابان حیات
ہر قدم پر نگہ یاس ہے باران صراط دیکھتے ہیں تجھے پھر پھر کے ضعیفان حیات
ڈگمگاتے ہیں قدم کون سنبھالے آجا
کان میں کچھ جوادھر عذر نزاکت نے کہا مرحبا بڑھ کے ادھر شاہد و حدت نے کہا
آبلائیں تری لوں جوش محبت نے کہا پہنچا محبوب تو مشاطہ قدرت نے کہا
خلوت ناز میں اے ناز کے پالے آجا

لالہ نا نک چند نا نک لکھنوی:۔ آپ نے لکھنؤ کی سرزمین شعروسخن میں آنکھیں کھولیں، ابتدا میں اردو فارسی کی تعلیم حاصل کی، مگر ماحول کے مقناطیسی اثر نے جوہر قابل کو اپنی طرف کھینچ لیا اور نا نک نے شعور کی منزل اولیں پر قدم رکھتے ہی اردو میں شاعری کا آغاز کر دیا، ساز گار ماحول نے اپنی آغوش تربیت میں لے کر خوب خوب سنوارا اور نکھارا، زبان و بیان پر کامل قدرت حاصل ہوئی، رجحان طبع مرثیہ نگاری کی طرف تھا، انیس و دبیر کے شہر سخن کی رونق قائم رکھنے کے لیے کوشش کرتے رہے۔

زبان کی سادگی و صفائی اور واقعہ کی عکاسی پر کمال کا اندازہ ذیل کے بند سے کیا جا سکتا ہے۔

ناگہاں خیمہ عصمت سے اٹھا شور بکا گوش سرور میں گئی ہائے سکینہ کی سدا
پردہ خیمہ کا اٹھا تب یہ پکاری فضہ لیجیے آ کے سکینہ کی خبر جلد آقا
کہتے عباس علی سے کہ سفر کرتی ہے
تم بہت چاہتے ہو جس کو وہ اب مرتی ہے

اہل بیت اطہار وشہدائے کربلا کی عقیدت ومحبت کے ساتھ نا نک کو سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی قلبی عشق اور جذباتی لگاؤ تھا، وہ اپنے جذبات عشق وارادت کا اظہار اس انداز والہانہ کے ساتھ کرتے ہیں۔

کامل ہوا جو عشق رسالت مآب میں مقبول ہوگیا وہ خدا کی جناب میں

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

نانک لحد میں آ کے نکیرین پھر گئے　　نام رسول پاک جو ورد زباں ہوا
اپنی رحمت سے کیا تھا تو نے مجھ کو سرفراز　　کیا حقیقت تھی میری میں ایک مشت خاک تھا
تھی یہی بخشش کی صورت تیری نانک بعد مرگ
صدق دل سے تو جو مداح شہ لولاک تھا

عرش ملسیانی:۔ بال مکند عرشؔ ملسیانی اردو کے مشہور و معروف شاعر استاذ الشعرا ابوالفصاحت جوش ملسیانی تلمیذ داغ دہلوی کے فرزند تھے، باکمال باپ کے باکمال بیٹے نے شعر و سخن کی دنیا میں جو شہرت اور قبول عام حاصل کیا تھا، اسے مدنظر رکھتے ہوئے بجا طور پر کہا جا سکتا ہے، کہ عرشؔ حقیقی معنوں میں جوشؔ کے جانشین تھے، بیٹے کے خلف الصدق ہونے پر خود باپ کو بھی فخر تھا۔

عرشؔ نے جس گھر میں آنکھ کھولی تھی، وہ علم و فن سے معمور تھا، فضائے شعر و سخن میں پروان چڑھنے والے عرشؔ نے واقعتاً فن شعر کو عرشؔ کی رفعتوں تک پہنچانے میں اپنی کوششیں صرف کیں ہفت رنگ اور چنگ و آہنگ وغیرہ آپ کے کلام کے مجموعے ہیں۔

کلام میں صفائی سادگی پائی جاتی ہے، عشق و محبت، حیات و کائنات کے تجربات بکثرت ملتے ہیں، وہ اردو ادب میں جدید تحریک سے بھی متاثر ہیں۔

ہم کو راہ زندگی میں اس قدر رہزن ملے　　رہنما پر بھی گمان رہنما ہوتا نہیں
ان کی پیہم نوازشوں کا اثر　　میرے حال تباہ سے پوچھو
بے سعی عمل خاک ہے انسان کا جینا　　یہ رزم گہ زیست ہے مدفن تو نہیں ہے
عجب نہ تھا کہ غم دل شکست کھا جاتا　　ہزار شکر ترے لطف میں کمی آئی
یوں مطمئن سے آئے ہیں کھا کر جگر پہ چوٹ
جیسے وہاں گئے تھے اسی مدعا سے ہم

عرشؔ نے بارگاہ رسالت میں اپنے جذبات محبت و عقیدت کو پورے شاعرانہ کمال کے ساتھ سلک شعر میں پرو کر پیش کیا ہے۔

حامل جلوۂ ازل پیکر نور ذات تو　　شان پیمبری سے ہے سرور کائنات تو
فیض عمیم سے ترے قلب و نظر کی وسعتیں　　مومن حق پرست کا حوصلۂ نجات تو
تیرے عمل کے درس سے گرم ہے خون ہر بشر　　حسن نمود زندگی رنگ رخ حیات تو
شان بشر کا منتہا خالق دہر کا حبیب　　مرد خدا پرست کا آئینۂ حیات تو

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

رخ مصطفےٰ کا جمال اللہ اللہ
زباں کا وہ حسن مقال اللہ اللہ

نگاہوں پہ جادو دلوں پہ تسلط
جمال اللہ اللہ جلال اللہ اللہ

نہ قول و عمل میں کوئی فرق مطلق
پیامی سراسر پیام اللہ اللہ

یہ ملت کی شیرازہ بندی کا آئیں
یہ تنظیم دیں کا نظام اللہ اللہ

زمانہ بھر میں مسلم پیمبری ہے تری
جو نقش قلب جہاں ہے وہ برتری ہے تری

مقام منزل مقصود مل ہی جائے گا
شریک حال سفر میں جو رہبری ہے تری

پروفیسر جگن ناتھ آزاد:۔ آزاد اردو کے نامور اور مستند شاعر تلوک چند محرومؔ کے قابل فخر فرزند ہیں ،آزاد نے اپنے آبائی وطن تحصیل عیسیٰ خیل علاقہ پنجاب میں جب آنکھ کھولی،تو خاندان کو شعر وسخن کا دلدادہ پایا،گھریلو ماحول میں اردو فارسی کا چلن تھا،ابتدا سے لے کر آخر تک اسی ماحول اور روش سے ہمکنار رہے، سنجیدہ،وسیع القلب،صاحب بصیرت باپ کی آغوش تربیت میں آزاد پروان چڑھے اور آگے چل کر باپ کے جانشین ہی نہیں، بلکہ دنیائے علم وادب میں باپ کے لیے تاج افتخار ثابت ہوئے۔

آزاد ڈاکٹر اقبال سے بیحد متاثر ہیں اور آج کل ہندوستان میں اقبالیات کے زبردست ماہر خیال کیے جاتے ہیں،دسمبر ۷۷ء میں ڈاکٹر اقبال کے صد سالہ جشن ولادت کے موقع پر جو بین الاقوامی کانگریس پاکستان میں منعقد کی گئی تھی،اس میں ہندوستانی وفد کے ایک معزز رکن آزاد بھی تھے، پاکستان کے حلقۂ علم وادب میں ان کی خوب پذیرائی ہوئی۔

آزاد کے کلام میں پختگی،سلاست وروانی،شگفتگی،اثر آفرینی زندگی کے تجربات ومشاہدات بدرجۂ اتم موجود ہیں، ان کی شعری تصانیف بیکراں، ستاروں سے ذروں تک، وطن میں اجنبی اردو، ابوالکلام وغیرہ منظر عام پر آ کر مقبول ہو چکی ہیں۔

آزاد نے اردو شاعری کی قدیم روایات کے محاسن کے ساتھ ساتھ جدید اسلوب وآہنگ اور فکر ونظر کی وسعتوں کو اپنایا ہے،شاعری کی نئی راہ پر وہ اعتدال پسند شعرا کے ہمقدم ہیں۔

پروفیسر اعجاز حسین نے آزاد کی صفات شاعری کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے۔

''آزاد کے بے پایاں جذبات ومسلسل خیالات نے غزل کے میدان کو تنگ پایا،آزاد نے زیادہ توجہ نظموں کی طرف کی،عہد حاضر کے دوسرے شاعروں کی طرح آزاد کے کلام پر بھی حالات و واقعات کی پرچھائیاں نظر آتی ہیں،نظموں کے علاوہ غزلوں میں بھی یہ خصوصیت نمایاں ہے،جو خیالات وہ

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

قلمبند کرتے ہیں، سب میں اعتدال اور ضبط غالب رہتا ہے، جس سے ان کے شعور کی پختگی اور نگاہوں کی دوررسی کا اندازہ ہوتا ہے، اسی ضبط واعتدال پسندی کا نتیجہ ہے، کہ ان کی نظمیں بے اثر نہیں ہوئیں، بلکہ ان میں فن وجذبات کا ایک حسین امتزاج نظر آتا ہے۔ (تاریخ ادب اردو ص ۲۶۰)

انداز کلام یہ ہے ؎

تجھے اے طائر شاخ نشیمن کیا خبر اس کی　　کبھی صیاد کو بھی باغباں کہنا ہی پڑتا ہے
زبانوں پر دلوں کی بات جب ہم لا نہیں سکتے　　جفا کو پھر وفا کی داستاں کہنا ہی پڑتا ہے
ابھی تو دل میں ہے خوابیدہ حسرت پرواز
یہی ہوس جو کبھی بال و پر تک پہنچی

ذیل میں مطلع انوار کے عنوان سے آزاد کی ایک نظم نقل کی جاتی ہے، جس میں ان کی نظم نگاری کی جملہ خصوصیات کے ساتھ محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت رسالت کا اعتراف اور انوار رسالت نے عالم انسانیت میں جو انقلاب عظیم پیدا کیا، اس کا ذکر ملتا ہے، نظم کے آخر میں عرفی شیرازی کا ایک شعر ہے، جو درحقیقت آزاد کے والہانہ جذبات عشق وعقیدت کا آئینہ دار ہے، جو انھیں انسانیت کے رہبر کامل کے ساتھ ہے۔ ؎

آج کا دن تھا کہ اس نور معانی کے طفیل　　تیرہ و تار زمیں مطلع انوار ہوئی
آج کا دن تھا کہ ظلمات سے ہو کر بیزار　　زندگی جلوۂ پنہاں کی طلبگار ہوئی
آج کا دن تھا کہ جب باد بہاری کے سبب　　خس و خاشاک کی دنیا گل وگلزار ہوئی
آج کا دن تھا کہ آگاہ حقیقت ہوکر　　عقل ہر شعبدۂ وہم سے بیزار ہوئی
آج کا دن تھا کہ توحید کا نغمہ سن کر　　زندگی چونک اٹھی خواب سے بیدار ہوئی
آج کا دن تھا کہ خورشید رسالت چمکا
دور عالم سے توہم کی شب تار ہوئی
روئے گیتی سے مٹی کہتر و مہتر کی تمیز　　ایک پیغام مساوات ملا آج کے دن
اور صحراؤں کی دنیا میں بھٹکنے نہ دیا　　کارواں تجھ کو ملا راہ نما آج کے دن
عالم قدس سے مہکی ہوئی آئی جو نسیم　　غنچۂ انساں کے مقدر کا کھلا آج کے دن
آب وگل ایک زمانے سے تھے مصروف دعا　　ذرۂ خاک تھا تاروں سے سوا آج کے دن
دیکھتی رہ گئی گردوں کی بلندی تجھ کو

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

خاک بطحا تجھے رتبہ وہ ملا آج کے دن

تیرہ و تار فضاؤں میں تجلی چمکی — کس کا اعجاز تھا یہ ایک بشر کا اعجاز
ہاں یہ اعجاز اسی صاحب اعجاز کا تھا — آج بھی محفل گیتی کا جو ہے چہرا طراز
زندگانی کی ہر اک رمز سمجھنے والا — زندگانی کے ہر اک درد کا دانندۂ راز
ہر زمانہ میں وہ انساں کو جگاتی ہی گئی — کبھی گونجی تھی جو صحرائے عرب میں آواز
تو نے انسان کو انسان سے آگاہ کیا — اے ترے نام سے پیدا مرے سینے میں گداز

جو ہر طبع من از وصف کمالت روشن
گوہر نظم من از نسبت ذاتت ممتاز

(عرفی)

سلام اس ذات اقدس پر سلام اس فخر دوراں پر — ہزاروں جس کے احسانات ہیں دنیائے امکاں پر
سلام اس پر جو حامی بن کے آیا غم نصیبوں کا — رہا جو بیکسوں کا آسرا مشفق غریبوں کا

مددگار و معاون بیکسوں کا زیر دستوں کا
ضعیفوں کا سہارا اور محسن حق پرستوں کا

سلام اس پر جو آیا رحمۃ للعالمین بن کر — پیام دوست لے کر صادق الوعدہ امیں بن کر
سلام اس پر کہ جس کے نور سے پرنور ہے دنیا — سلام اس پر کہ جس کے نطق سے مسحور ہے دنیا
سلام اس پر جلائی شمع عرفاں جس نے سینوں میں — کیا حق کے لیے بیتاب سجدوں کو جبینوں میں

سلام اس پر بنایا جس نے دیوانوں کو فرزانہ
مئے حکمت کا چھکا یا جہاں میں جس نے پیمانہ

بڑے چھوٹے میں جس نے اک اخوت کی بنا ڈالی — زمانہ سے تمیز بندہ و آقا مٹا ڈالی
سلام اس پر فقیری میں نہاں تھی جس کی سلطانی — رہی زیر قدم جس کے شکوہ و شان خاقانی
سلام اس پر جو ہے آسودہ زیر گنبد خضرا — زمانہ آج بھی ہے جس کے در پر ناصیہ فرسا
سلام اس پر کہ جس نے ظلم سہ سہ کر دعائیں دیں — وہ جس نے کھائے پتھر گالیاں اس پر دعائیں دیں

سلام اس ذات اقدس پر حیات جاو دانی کا
سلام آزاد کا آزاد کی رنگیں بیانی کا

دیگر شعرا:۔ اس مختصر مقالہ میں اتنی گنجائش کہاں کہ ہر ایک شاعر کا مختصر تعارف اور اس کی نعت کے چند

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

اشعار پیش کیے جائیں، اختصار کو مدنظر رکھتے ہوئے، ہم مندرجہ ذیل سطور میں صرف شعرا کے نعتیہ اشعار کے انتخاب کو پیش کریں گے، اگر حالات کی مساعدت رہی تو کبھی ان شعرا کا تعارف اور ان کے کلام پر تبصرہ کا اضافہ بھی کر دیا جائے گا۔

گوپی ناتھ امن:۔

شفیع امم رحمت عالمیں ہے ۔۔۔ فقط وہ متاع مسلماں نہیں ہے
مصائب میں بھی پر شکن جو نہیں ہے ۔۔۔ ذرا دیکھنا تو یہ کس کی جبیں ہے
منور کناں جان و دل نور دیں ہے ۔۔۔ مہ و مہر میں یہ تجلی نہیں ہے
نظام کہن کو کیا پارہ پارہ ۔۔۔ تری ذات والا نمو آفریں ہے
تھا آدم سے خلاق عالم کا کہنا ۔۔۔ تو تھا نقش اول یہ نقش آخریں ہے
یہ لڑتے قبیلوں کو کس نے بتایا ۔۔۔ محبت نہیں ہے تو کچھ بھی نہیں ہے
جہاں سے سدا نور پھیلا جہاں میں ۔۔۔ مرے ایشیا کی عجب سرزمیں ہے
ترے میکدے کی رہے خیر ساقی
یہ کاسہ مرا ہے یہ میری جبیں ہے

ہری چند اختر:۔

کس نے ذروں کو اٹھایا اور صحرا کر دیا ۔۔۔ کس نے قطروں کو ملایا اور دریا کر دیا
کس کی حکمت نے یتیموں کو کیا در یتیم ۔۔۔ اور غلاموں کو زمانے بھر کا مولا کر دیا
زندہ ہو جاتے ہیں جو مرتے ہیں حق کے نام پر ۔۔۔ اللہ اللہ موت کو کس نے مسیحا کر دیا
سات پردوں میں چھپا بیٹھا ہے حسن کائنات ۔۔۔ اب کسی نے اس کو عالم آشکارا کر دیا
کہہ دیا ''لا تقنطوا'' اختر کسی نے کان میں
اور دل کو سر بسر محو تمنا کر دیا

لالہ دھرم پال گپتا وفا:۔

سکھایا اہل عرب کو برابری کا درس ۔۔۔ کہ امتیاز کا قصہ تمام ہو جائے
سیاسیات سے مذہب ملا دیا تو نے ۔۔۔ کہ دین و دنیا کا سب انتظام ہو جائے
عرب کو تو نے جہالت سے پاک کر ڈالا ۔۔۔ تو کیوں نہ دل میں ترا احترام ہو جائے
ترے خیال میں یہ سخت نامناسب تھا ۔۔۔ بشر کوئی بھی بشر کا غلام ہو جائے

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

رفاہ عام ہی تیرا تھا جبکہ نصب العین
لقب نہ کیوں ترا خیرالانام ہوجائے

لالہ لال چند فلکؔ:۔

نغمۂ وحدت حق دہر میں گایا تونے
کملی والے یہ عجب گیت سنایا تونے
رب بے مثل کا دنیا میں بٹھایا سکہ
نقش اوہام پرستی کو مٹایا تونے
خواب غفلت میں پڑے سوتے تھے مکی مدنی
لب اعجاز سے قم کہہ کے اٹھایا تونے
کیوں نہ قربان مسلمان ترے نام پہ ہوں
حق پرستی کا جنھیں طور سکھایا تونے
باہمی نفرت و کینہ تھا وطیرہ جن کا
انس والفت کا سبق ان کو پڑھایا تونے
جوشراب اور نشے کے تھے ازل سے مشتاق
مئے وحدت کا انھیں جام پلایا تونے
ریت کے ذروں کو بارود کی طاقت بخشی
خاک ناچیز کو اکسیر بنایا تونے
کردیا ایک شہنشاہ و گدا کا رتبہ
اونچ اور نیچ کا سب فرق مٹایا تونے

رانا بھگوان داس بھگوانؔ:۔

السلام اے شمع انوار جہاں
السلام اے آئینہ دار کن فکاں
السلام اے خواجہ پیغمبراں
السلام اے مظہر رب جہاں
السلام اے ہادیٔ گم گشتگاں
السلام اے شافع بے چارگاں
السلام اے تاجدار مرسلاں
السلام اے رازدار کن فکاں
السلام اے محسن نوع بشر
السلام اے نکتہ حسن جہاں
السلام اے جان بھگواںؔ السلام
السلام اے عیدگاہ عاشقاں

امر چند قیسؔ جالندھری:۔

وہ ابر فیض نعیم بھی ہے نسیم رحمت شمیم بھی ہے
شفیق بھی ہے خلیق بھی ہے رحیم بھی ہے کریم بھی ہے
وہ حسن سیرت کا ہے مرقع جمال حق ہے جمال اس کا
وہ فطرت پیکر معلّٰی شبیہ خلق عظیم بھی ہے

http://t.me/Tehqiqat

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

وہ معنی حسن آفرینش نظر نواز ہر اہل بینش
حبیب رب جلیل بھی ہے جمیل بھی ہے سلیم بھی ہے

وہ علم و عرفاں کا ہے مدینہ خزینۂ راز اس کا سینہ
وہ پیکر نور سرمدی ہے وہ حسن خلق عظیم بھی ہے

وہ حامل و صاحب شریعت وہ مرشد و ہادی طریقت
معلم معرفت بھی ہے رموز حق کا علیم بھی ہے

اٹھائیں جن سے اذیتیں پھر انھیں کے حق میں دعائیں مانگیں
کسی میں یہ شان حلم بھی ہے اور ایسا کوئی حلیم بھی ہے

ہوا جو طیبہ سے آرہی ہے کلی کلی کو کھلارہی ہے
یہی ہوا ہے نسیم رحمت یہی لطافت شمیم بھی ہے

یہ آپ کے قیس کا ہے ایماں حضور ہیں رہنمائے انساں
حضور کا جو نہیں ہے قائل شقی بھی ہے وہ لئیم بھی ہے

پنڈت برج موہن تاتریہ کیفی دہلوی:۔

ہو شوق نہ کیوں نعت رسول دوسرا کا
مضموں ہو عیاں دل میں جو لولاک لما کا

پہنچایا ہے کس اوج سعادت پہ جہاں کو
پھر رتبہ ہو کم عرش سے کیوں غار حرا کا

معراج ہو مومن کی نہ کیوں اس کی زیارت
ہے خلد بریں روضۂ پرنور کا خاکہ

دے علم و یقیں کو مرے رفعت شہ عالم
نام اونچا ہے جس طرح مرا اور صفا کا

یوں روشنی ایماں کی دے دل میں کہ جس سے
بطحا سے ہوا جلوہ فگن نور خدا کا

ہے حامی و ناصر مرا شافع عالم
کیفیؔ مجھے اب خوف ہے کیا روز جزا کا

منشی سکھدیو پرساد بسملؔ الہ آبادی:۔

در اقدس پہ حسرت کھینچ لائی ہے محمد کی
کہ مشہور جہاں حاجت روائی ہے محمد کی

فرشتے بھی بشر بھی دونوں ان پر فخر کرتے ہیں
زمیں سے عرش اعظم تک رسائی ہے محمد کی

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

جو یہ پیدا نہ ہوتے تو نہ ہوتا کوئی بھی پیدا
خدا کی شان ہے گویا خدائی ہے محمد کی

ہوئے اک چاند کے دو ٹکڑے انگلی کے اشارے سے
منور کتنی یہ معجز نمائی ہے محمد کی

ہوائے شوق اڑکر جلد پہنچا دے مدینے میں
بڑی تکلیف وہ مجھ کو جدائی ہے محمد کی

اٹھائے حشر بھی مجھ کو تو اب میں اٹھ نہیں سکتا
بہت مشکل سے ڈیوڑھی ہاتھ آئی ہے محمد کی

یہی مصرع پڑھے گا بسمؔل عاصی قیامت میں
دہائی ہے محمد کی دہائی ہے محمد کی

سالک رام سالکؔ گرداری:۔

لے لے گی مری جان تمنائے مدینہ — مدت سے ہے اب ورد زباں ہائے مدینہ
ہر داغ جگر میں ہے گل خلد کی خوشبو — جب سے ہے مرے دل میں تمنائے مدینہ
کونین کی چیزوں میں مجھے کچھ نہیں بھاتا — جس دن سے مرے دل میں ہے سودائے مدینہ
جنت کی ہوس خلد کی خواہش نہ رہے پھر — اک بار جو قسمت مجھے دکھلائے مدینہ

سرمہ کی طرح آنکھوں میں سالکؔ میں لگالوں
ہاتھ آئے جو خاک در مولائے مدینہ

شیو پرساد دہیؔ لکھنوی:۔

بے خبر ہوں دونوں عالم سے سوائے مصطفےٰ — یا الٰہی دل ہوا اب مبتلائے مصطفےٰ
بوریائے فقر تخت سلطنت سے ہے سوا — بادشاہ ہفت کشور ہے گدائے مصطفےٰ
ذرے اس در کے ہیں کیا سیارے کیا شمس وقمر — جلوہ آراشش جہت میں ہے ضیائے مصطفےٰ
شافع محشر ملا ہے کس پیمبر کو خطاب — کون محبوب الٰہی ہے سوائے مصطفےٰ

ہوتی ہے حسرت یہی کیوں دل نہ میرا یہ ہوا
دیکھتا ہوں جب میں دہیؔ نقش پائے مصطفےٰ

لالہ چندی پرشاد شیدا:۔

http://t.me/Tehqiqat

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

وہ لطف رنگ سحاب بھی ہے نسیم رحمت مآب بھی ہے
رسولوں میں انتخاب بھی ہے زمیں پہ گردوں رکاب بھی ہے
وہ پیکر نور ہے مجسم وہ راز عرفان حق کا محرم
وہ عاجزوں بیکسوں کا ہمدم وہ اک جلالت مآب بھی ہے
رحیم بھی ہے کریم بھی ہے نعیم بھی ہے حکیم بھی ہے
جہاں میں فضل عظیم بھی ہے علیم راہ ثواب بھی ہے
شفیع بھی ہے رفیع بھی ہے سمیع بھی ہے خبیر بھی ہے
بصیر بھی ہے نصیر بھی ہے مگر وہ امی خطاب بھی ہے
ہے روح فردوس کا خزانہ کہ نعت گوئی کا ہے ترانہ
کہ جس کا شیدا ہے اک زمانہ وہ باغ رضواں کا باب بھی ہے

سری کرشن پرساد:۔

بلوائیں مجھے شاد جو سلطان مدینہ جاتے ہی میں ہوجاؤں گا قربان مدینہ
لے جاؤں گا میں ساتھ فقط عشق محمد تحفہ ہے میرے پاس یہ شاہان مدینہ
دیکھے جو تحیر میں مرے عشق نبی کو سکتہ میں رہے نرگس بستان مدینہ
کھولے در جنت کو یہی کہتا ہے رضواں بے خوف چلے جائیں غلامان مدینہ
نشہ ہے جو ان کو وہ اترتا ہی نہیں ہے توحید کی مئے پیتے ہیں مستان مدینہ
کیوں میری شفاعت میں بھلا دیر لگے گی کیا مجھ کو نہیں جانتے سلطان مدینہ
مومن جو نہیں ہوں تو میں کافر بھی نہیں شاد
اس راز سے آگاہ ہیں سلطان مدینہ

راجندر:۔

نور ہی نور ہے تاعرش بریں آج کی رات
راستہ تکتے ہیں جبریل امیں آج کی رات
ہیں وہی پھول و ہی روز کے ماہ و انجم
جانے کیوں لگتی ہے ہر چیز حسیں آج کی رات

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

دیکھ کر عرش پر محبوب خدا کی آمد
رک گئی گردش افلاک و زمیں آج کی رات

ایک لمحہ میں سفر اور زمیں سے تا عرش
ایک انسان ہوا سدرہ نشیں آج کی رات

قابل فخر ہے یہ رات کہ اک ابن بشر
بن گیا راز الٰہی کا امیں آج کی رات

مذہب و قوم سے محدود نہیں فیض رسول
جھک گئی سارے زمانے کی جبیں آج کی رات

موج طوفان عقیدت کا کرشمہ یہ ہے
کشتی دل بھی ہے ساحل کے قریں آج کی رات

http://t.me/Tehqiqat

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ہندو شعرا کے کلام میں
اسلامی افکار وعقائد کی جھلکیاں

تاریخ ہمیں بتاتی ہے، کہ دنیا کے جس حصہ میں بھی فاتح قوم اپنے عسکری جاہ وجلال اور شان و شوکت کے ساتھ داخل ہوئی اور اس نے اپنے بلند عزائم وحوصلہ، جوانمردی وشجاعت سے اس سرزمین کی قدیم باشندہ قوم کو زیر کیا، ان پر اپنی حکومت قائم کی اور اس خطۂ ارض کو اپنا مسکن بنایا اور اپنی تہذیب و معاشرت زبان وادب کے چرچے عام کیے، تو مفتوح قوم نے فاتح قوم کی صرف سیاسی اطاعت پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ اس کے قومی و مذہبی رسم ورواج، افکار وعقائد، نظریات وخیالات، علم وفن اور زبان وادب سے بھی استفادہ کیا اور انھیں اپنے تہذیب وتمدن افکار ونظریات، علم وادب میں جذب کرنے کی کوشش کی، آگے چل کر یہی خوشگوار ومعتدل امتزاج ایک نئی تہذیب، نئے تمدن اور نئے افکار وخیالات کی صورت اختیار کر جاتا ہے۔

اور کبھی کبھی ایسا بھی ہوا، کہ اگر فاتح قوم اپنے ساتھ مکمل دین، مستقل تہذیب اور پائیدار عقائد وخیالات زندہ زبان وادب لے کر مفتوحہ علاقوں میں اقامت گزیں ہوئی ہے، تو اس نے مفتوح قوم کی تہذیب وثقافت، رسوم ورواج، اخلاق وعادات کے نشانات مٹا کر ان کے کچھ محاسن کو اپنی تہذیب و معاشرت میں سمو دیا ہے۔

مگر کبھی اس کے برعکس بھی ہوا ہے، یعنی فاتح قوم اپنی عظمت وجلال اور سطوت واقتدار کے باوصف تہذیبی واخلاقی میدان میں مفتوح قوم سے زیر ہوگئی اور اپنی تہذیب اور اصول معاشرت واخلاق کو فراموش کر کے اپنی زیرنگیں قوم کے سماجی واخلاقی سانچے میں ڈھل کر رہ گئی۔

لیکن دنیا کی تاریخ میں فاتح ومفتوح قوموں کے تہذیبی واخلاقی اصولوں کا لین دین پھر اس سے رنگا رنگ تہذیب وتمدن کا ظہور عام رہا ہے اور دو مختلف تہذیبوں کے ارتقا واتحاد نے نئی تہذیب کو جنم دیا ہے، ہندوستان کی سرزمین عہد عتیق سے مختلف اقوام کی آمد کا مرکز رہی ہے۔

جہاں ہر فاتح قوم نے اپنی تہذیب کی رنگارنگی نوع بنوع رسم ورواج کے ساتھ اس خطۂ ارض کو

http://t.me/tehqiqat

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

اپنا مسکن بنایا۔

یہی وجہ ہے، کہ ہندوستان عہد قدیم سے مختلف رنگا رنگ تہذیبوں کا مرکز رہا ہے، تقریباً ہر صدی میں فاتح قومیں ہند کے سرسبز وشاداب علاقوں میں فتح ونصرت کے پرچم لہراتی ہوئی داخل ہوئیں اور مقامی تہذیب ومعاشرت پر اپنی تہذیبی زندگی کی چھاپ ڈالی اور خود بھی مقامی رسم ورواج کا اثر قبول کیا۔

مسلم قوم نے جب فاتحانہ شان وشوکت کے ساتھ ہندوستان کی شمالی مغربی کو عبور کر کے حدوں سے اس سرزمین پر قدم رکھا، یہ قوم آنے والی تمام سابقہ قوموں سے زیادہ جاندار تہذیب وکلچر، وقار، اخلاق و اطوار مکمل ضابطۂ حیات اور مستقل دین اپنے ساتھ لائی تھی، جس تہذیب اور جس دین وثقافت نے انسانی دنیا میں ایک عظیم انقلاب پیدا کر دیا تھا۔

یہ حقیقت بھی ناقابل انکار ہے، کہ فاتحین اسلام کے جو گروہ محمود غزنوی سے لے کر سلطان شہاب الدین غوری تک ہندوستان آتے رہے، ان کی تہذیب ومعاشرت پر عجمی تہذیب ومعاشرت کے اثرات ضرور مرتب ہوئے تھے، تاہم اس میں اسلامیت کے نقوش اپنی جلوہ سامانیوں کے ساتھ موجود تھے۔

ہندوستان کی اثر پذیر تہذیب نے مسلمانوں کے کلچر کے اخلاق وعادات اور مذہبی افکار وعقائد سے متاثر ہو کر انھیں اپنے اندر بڑی خوش اسلوبی سے جذب کیا۔

اثر پذیری کا یہ عمل عوامی زندگی ہی تک محدود نہ رہا، بلکہ ہندوؤں کے مذہبی ذمہ داروں اور علمی شخصیتوں نے بھی اسلامی افکار وعقائد کے بہت سے جزئیات کو اپنے مذہبی اصولوں میں جگہ دی۔

چنانچہ انیسویں صدی عیسوی میں جب ہندو مذہب کی نشاۃ ثانیہ کا آغاز ہوا اور اس دھرم میں مختلف اصلاحی تحریکیں عالم وجود میں آئیں، تو انھوں نے جہاں ویدک اصول ونظریات کو مدنظر رکھا، وہیں اسلامی اصول ونظریات سے بھرپور استفادہ کیا، جس کا اندازہ برہموسماج، آریہ سماج، رام کرشن مشن کے پیش کردہ اصولوں سے کیا جا سکتا ہے۔

برہموسماج کے بانی راجہ رام موہن رائے نے تو خود عربی وفارسی کی زبردست تعلیم حاصل کر کے براہ راست قرآن وحدیث سے اسلامی عقائد وافکار کا مطالعہ کیا اور اپنی تحریک کے بنیادی اصولوں میں انھیں جگہ دی۔

مذکورہ بالا سطور سے یہ اندازہ ہو چکا ہوگا، کہ اسلامی معاشرت اور افکار وخیالات کے اثرات ہندوؤں کی سماجی واخلاقی، دینی ومذہبی زندگی پر مرتب ہوئے، یہ خوشگوار اثرات زبان وادب کی دنیا میں

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

بھی نظر آتے ہیں، مسلم فاتحین نے ہندوستان میں بولی جانے والی زبانوں کے الفاظ اور جملوں کو اپنی زبان میں سمونے کی کوشش کی، تو دوسری جانب ہندوستانی اقوام نے اپنی بولیوں میں عربی، فارسی، ترکی زبانوں کے الفاظ شامل کیے اور اپنے شعری و ادبی شاہکاروں میں ان زبانوں کے الفاظ کو سجایا، نیز فاتح قوم کے ادبی نظریات اور افکار و خیالات کو فراخدلی کے ساتھ قبول کیا، اس اختلاط و ارتباط اور لین دین کے نتیجے میں جو زبانیں وجود میں آئیں، یہاں ان کا ذکر مقصود نہیں، صرف اتنا بتانا ہے، کہ شعرائے ہنود نے اپنے شعری و نثری شہپاروں میں اسلام کے زندہ و جاوید افکار و عقائد، اخلاقی و روحانی نظریات کو بڑی خوش اسلوبی سے برتنے کی کوشش کی، چنانچہ جو ہندو شعرا ہندوستان میں فارسی و اردو تاریخ ادب کی زینت بنے ہوئے ہیں ان کے کلام سے اس کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

تصوف و توحید کے مسائل اور دیگر اسلامی معتقدات اکثر ہندو شعرا کے کلام میں پائے جاتے ہیں۔

ذیل میں ہم ایسے ہی چند ہندو شعرا کا مختصر تعارف اور ان کا اسلامیات سے متاثر کلام پیش کریں گے۔

رائے پنڈت چندر بھان برہمنؔ:۔ فارسی زبان کا قادرالکلام باکمال شاعر برہمنؔ ۱۵۷۵ء مغلیہ سلطنت کے عہد شباب میں بمقام لاہور یا آگرہ پیدا ہوا، اس کا خاندان عرصۂ دراز سے سنسکرت زبان و ادب کی خدمات انجام دیتا رہا، لیکن برہمنؔ کے والد پنڈت دھرم داس نے شہنشاہ اکبر کے زمانۂ حکومت میں سنسکرت زبان کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد فارسی زبان و ادب کی تحصیل کی اور کامل دستگاہ حاصل کر کے سرکاری ملازمت میں داخل ہوکر فارسی زبان و ادب کے زبردست عالموں کی صف میں بلند مقام حاصل کیا، آگے چل کر منصب دار سلطنت بنے۔

چونکہ برہمنؔ نے اپنے فارسی زبان و ادب کے رمز شناس باپ کی آغوش تربیت میں آنکھ کھولی تھی، اس لیے فارسی زبان و ادب سے اثر پذیر ہونا لازمی امر تھا، ابتدا میں شاہی ناظم تعمیرات مولوی عبدالکریم کے روبرو زانوے تلمذ تہہ کیا، انھیں کے ذریعہ شاہجہانی دربار میں رسائی حاصل کی، ولی عہد سلطنت داراشکوہ برہمن کی شاعری، حاضر جوابی اور بذلہ سنجی کا گرویدہ ہوا اور برہمنؔ کو اپنے دامن عنایت سے وابستہ کر کے اپنا میر منشی مقرر کیا، ۱۶۴۹ء میں جب سعد اللہ خاں وزیر سلطنت کا انتقال ہوا، تو شاہجہاں کی مردم شناس نظر نے چندر بھان کا انتخاب کیا اور خطاب رائے رایاں سے مفخر فرما کر دفتر شاہی کا میر منشی مقرر کرلیا، بعد میں قلمدان وزارت بھی ان کے سپرد کیا۔ (شعرائے ہنود ص ۵۰)

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

اورنگ زیب کے عہدِ حکومت میں برہمن نے شاہی منصب سے استعفاد ے دیا اور باقی زندگی بنارس جا کر گزاری، جہاں ۱۰۷۳ھ ۱۶۶۲ء میں موت پائی۔

برہمن کی شاعری کے بارے میں ڈاکٹر سید عبداللہ نے اپنی کتاب ''ادبیات فارسی میں ہندوؤں کا حصہ'' میں لکھا ہے، یہ ہندوستان کے بہترین ہندو شعرا میں سے تھا، اس کے اشعار کی شیرینی اور لطافت عہد شاہجہانی کے اچھے شعرا کے لگ بھگ ہے، سادگی اس قدر ہے، کہ اس زمانہ میں کسی کے ہاں نہیں ملتی، یہی وجہ ہے، کہ عام لوگوں نے برہمن کو پسند نہیں کیا، لیکن یہی وہ وصف ہے، جس کی بنا پر ہم برہمن کو عہد شاہجہانی کا پسندیدہ شاعر مانتے ہیں، صائب نے اس کے اشعار کو اپنی بیاض میں درج کیا ہے اور یہ سب سے بڑا اعتراف ہے، جو ایک شاعر کی جانب سے دوسرے شاعر کے حق میں ہوسکتا ہے۔ (ص ۸۲)

برہمن نے فارسی میں دیگر کتابوں کے علاوہ ایک دیوان غزلیات، قصائد و رباعیات کا اور مثنوی ہفت بحر یادگار چھوڑی، برہمن شاید پہلا ہندو شاعر ہے، جس نے فارسی خزانۂ ادب کو اپنا فارسی دیوان بخشا۔

دیوان کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے، کہ برہمن کا کلام اسلامی تخیل میں ڈوبا ہوا تھا، عشق کی کیفیات، محبت کی صعوبتیں، تصوف کی منزلیں، وحدۃ الوجود کے مسائل برہمن کے کلام میں اسی طرح پائے جاتے ہیں، جس طرح مسلمان شعرا کے کلام میں ہیں۔ (کتاب مذکور ص ۸۲)

در جہاں باش ولیکن ز جہاں فارغ باش
ہر کہ فارغ ز جہانست جہانے با اوست

بنائے قصر جہاں را ثبات ممکن نیست
بجز اساس محبت کہ دیر بنیاد ست

گل یکے خار یکے شاخ یکے تاک یکے ست
نزد ارباب نظر ہر خس و خاشاک یکے ست

دل درختے ست عشق پرورده
از محبت ہمیشہ بار ورست

برہمن نے اردو زبان میں بھی شاعری کی ہے، مگر چند اشعار کے سوا اب کچھ دستیاب نہیں۔

سوامی بھوپت رائے بیغم بیراگی متوفی ۱۱۳۲ھ:۔ بیراگی کھتری قوم کے ایک علمی خاندان سے تعلق رکھتے تھے، جو علاقہ پنجاب میں عہدۂ قانون گو پر فائز رہا کرتا تھا، بیراگی بھی اسی عہدہ پر فائز تھے، مگر

http://t.me/Tehqiqat

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

بعد میں دہلی چلے گئے، شاعری میں افضل سرخوش کے شاگرد تھے، کلیات الشعرا میں ہے۔

''بھوپت رائے بیغم آزادمشرب بمذاق فقر آشنائی دار دبیش فقیر مشن می گذارد'' ترک وطن کے بعد بیراگی دہلی آئے، تو انھوں نے شیخ الشیوخ محمد صادق کی خدمت میں حاضر ہوکر شیخ کی تعلیمات تصوف واخلاق سے خاصا اثر قبول کیا اور بالآخر اس نے دنیا ترک کردی اور گوشۂ خلوت میں بیٹھ گیا۔

''اس کی نظمیات کا بیشتر حصہ فقر وعرفان کے جذبات سے لبریز معلوم ہوتا ہے، تصوف کا اس کے دماغ پر بہت اقتدار تھا، اسی مذہبی اور صوفیانہ ذہنیت کا اثر تھا، کہ اس کا کلام زیادہ تر تصوف کے متعلق ہے''۔(ادبیات فارسی میں ہندوؤں کا حصہ ص ۲۹۲)

بیغم اگرچہ فارسی کا جلیل القدر اور عظیم شاعر تھا، مگر اس کا دیوان اور دیگر تصانیف دست بردزمانہ سے محفوظ نہ رہ سکیں، مگر صوفیانہ رنگ میں رنگی ہوئی اس کی ایک مثنوی ہے، جس پر مثنوی معنوی کے گہرے اثرات ہیں، جس سے اندازہ ہوتا ہے، کہ بیغم کا اصل سرچشمۂ فیض اور سب سے بڑا منبع عرفان رومی ہی تھے، چنانچہ رومی نے اپنی مثنوی کا آغاز جس مفہوم سے اور جس انداز سے کیا ہے، بیغم نے بھی اسے مستعار لیا ہے۔

رومی:۔

بشنو از نے چوں حکایت می کند　　وز جدا ایہا شکایت می کند
کز نیستاں تا مرا ببریدہ اند　　از نفیرم مرد و زن نالیدہ اند
سینہ خواہم شرحہ شرحہ از فراق
تا بگویم شرح درد اشتیاق

بیغم:۔

دل طپیدنہا نہا حکایت می کند　　چشم خونباراں روایت می کند
تاز اصل خود جدا افتادہ ام　　داد بے تابی چوں بسمل دادہ ام
گاہ چوں بسمل طپم درخاک و خوں
گر چوبوئے گل روم از خود بروں

بے ثباتی عالم:۔

این جہاں مانند ایں افسانہ است　　ہر کہ بندد دل دریں دیوانہ است

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

غافلاں طفل اند و ایں عالم چوں خواب
یا خیال و یا حباب و یا سراب

اصل وجود:۔

ذات اللہ ست اصل ہر علوم نیست صرف ونحو و نے طب و نجوم
اصل جملہ علمہا ذات خداست
کز فروغش روشن ایں ارض و سماست

دیبی پرشاد سحؔر بدایونی:۔ سحؔر ۲۴؍دسمبر ۱۸۴۰ء میں بمقام بدایوں تولد ہوئے، جہاں ان کے والد منشی لال جینی اخگر محکمۂ عدالت میں ملازم تھے اور انھوں نے یہیں مستقل سکونت اختیار کرلی تھی، باپ کی آغوش تربیت میں رہ کر سحؔر نے خاصا علمی وادبی ذوق پروان چڑھایا، تعلیم سے فراغت کے بعد محکمۂ تعلیمات میں ملازم ہوگئے اور جب ۱۸۹۳ء میں پنشن پائی، تو بدایوں ہی میں رہ کر شعروسخن کی محفلوں کو رونق بخشی، اردو سے بڑی گہری محبت رکھتے تھے، شاعری کے ساتھ خطاطی کے بھی زبردست ماہر تھے، سحؔر کے علمی وادبی ذوق اور ان کی خدمات کے بارے میں سید رفیق مارہروی رقمطراز ہیں۔

''حضرت سحؔر کا مذاق شعر فطری تھا، آپ کے والد والدہ دونوں کا مذاق شاعرانہ تھا، ان کی والدہ بھی بڑی صاحب علم تھیں، شعر بھی کہتی تھیں، سحؔر نے ایسے تعلیم یافتہ والدین کی آغوش میں پرورش پائی، سحؔر ہندوستان کے مشہور خطاط تھے نظم پروین، ارژنگ چین آپ کی مشہور تصانیف ہیں، حضرت سحؔر مجموعۂ علوم و فنون تھے اور معاصرین میں بہت بلند مرتبہ ومقام کے حامل تھے۔ (ہندوؤں میں اردو ص ۳۲۰)

سحؔر نے ''معیار البلاغت، معیار الاملا، خلاصۃ المنطق، محیط المساحت، مرأۃ العلوم'' وغیرہ رسائل تحریر کیے۔

سحؔر فن شاعری کے مسلم الثبوت استاذ تھے، جملہ اصناف سخن پر قدرت رکھتے تھے، ان کے کلام میں اسلامی افکار وخیالات کی جھلکیاں کہیں کہیں نظر آتی ہیں۔ ؎

زاہدا عشق مجازی ہے حقیقی کی دلیل دیکھ کر روئے صنم مجھ کو خدا یاد آیا
خود فراموش رہا عشق بت کافر میں کبھی بھولے سے نہ بندے کو خدا یا د آیا
تم بھی نہ ملے کچھ نہ ہوئی طاعت حق بھی رکھا مجھے تم نے نہ یہاں کا نہ وہاں کا
فانی ہے جہاں کی شادمانی اے سحؔر ہے نقش سراب زندگانی اے سحؔر
ذات باری کو ہے فقط ایک بقا

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

باقی جو کچھ ہے سب ہے فانی اے سحؔر

سورج نرائن مہؔر دہلوی:۔ مہر باشندۂ دہلی اور قوم کائستھ کے فرد تھے، فارسی، انگریزی، سنسکرت کی تعلیم حاصل کی اور محکمۂ تعلیم صوبۂ پنجاب میں انسپکٹر مدارس مقرر ہوئے، پنشن حاصل کرنے کے بعد خالص علمی وادبی خدمات میں مشغول ہوئے،فن شاعری سے بڑا گہرا لگاؤ تھا۔

مہؔر نواب مرزا داؔغ دہلوی کے شاگرد تھے، دو دیوان کلام مہر اول، کلام مہر ثانی یادگار چھوڑا، جن میں ہر طرح کا کلام موجود ہے، غزلیات ودیگر اصناف ادب کے علاوہ انگریزی نظموں کے ترجمے بھی ہیں، مہؔر نے ۱۹۳۳ء میں انتقال کیا، گنپت رائے سریواستو (ایم، اے) نے مہؔر کے کلام کی خصوصیات کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے۔

''منشی سورج نرائن مہؔر اردو کے مایۂ ناز شاعر ہیں، ان کا کلام ایک گنجینۂ معرفت ہے، مہؔر کا پاکیزہ اور روحانی کلام ان کی بے لوث صوفیانہ زندگی کا آئینہ دار ہے، وہ مسئلہ وحدت وجود کے معتقد تھے، ان کے تمام کلام میں ان کے صوفیانہ تخیلات اور عارفانہ محسوسات کی جھلک بخوبی نمایاں ہے۔ (اردو شاعری کے ارتقا میں ہندوؤں کا حصہ ص ۳۲۸)

مہؔر کی عارفانہ نظموں میں توحید واجب الوجود، آرزوئے دیدار، تو ہی تو ہے، ہمہ اوست، حمد الٰہی وغیرہ خاص اہمیت کی حامل ہیں۔

آئینہ خانہ ہے عالم تو ہے وہ زیبا نگار تو ہی تو ہے ہر طرف کوئی نہیں ہے دوسرا
تو ہے وہ مہر منور اور یہ عالم ہے آب ہر طرف جلوہ ترا ہے ہر طرف جلوہ ترا
ہر اک گل میں بو ہو کے تو ہی بسا ہے صداہائے بلبل میں تیری نوا ہے
چمن فیض قدرت سے تیری ہرا ہے بہار گلستاں میں جلوہ ترا ہے
جدھر دیکھتا ہوں ادھر تو ہی تو ہے
مہ و خور میں تیری ضیا ہے درخشاں ستاروں میں تیری جھلک ہے نمایاں
حرارت سے تیری ہے آتش فروزاں ترے نور سے ذرہ ذرہ ہے تاباں
جدھر دیکھتا ہوں ادھر تو ہی تو ہے
تو نے زمیں بنائی تو نے زماں بنایا خود لامکان ہوکر تو نے مکاں بنایا
تو نے ہی چاند سورج اور آسماں بنایا ان پر ہی حصر کیا ہے سارا جہاں بنایا
سب میں ہے نور تیرا سب میں ضیا ہے تیری

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

سب کی زباں پہ یا رب حمد و ثنا ہے تیری

زبان خامہ پر مضمون ہے توحید یزداں کا　　ہمارا مطلع دیواں ہے مطلع نور عرفاں کا
فلک جس طرح تر ہوتا نہیں ہے ابر باراں سے　　دل صافی پہ آسکتا نہیں ہے داغ عصیاں کا
نظر میں عارفوں کے ماسوا آئینہ خانہ ہے　　ملا کثرت میں مجھ کو راستہ توحید یزداں کا

طاعت پہ اپنی شیخ عبث تجھ کو ناز ہے
غرہ نہ کر کہ ذات خدا بے نیاز ہے

پنڈت برج نرائن چکبست لکھنوی:۔ چکبست اردو شاعری میں جدید نظم نگاری کے علمبردار تھے، آزاؔد و حاؔلی نے جس صنف نظم کی اساس استوار کی چکبسؔت نے اسی پر اپنی شاعرانہ قادرالکلامی اور حسن بیان اور تخیلات کی مدد سے شاعری کا کاخ بلند تعمیر کرنے کی بھرپور کوشش کی۔

چکبسؔت ۱۸۸۲ء میں بمقام فیض آباد پیدا ہوئے، آپ کا خاندان کشمیری برہمنوں کی ایک شاخ سے تعلق رکھتا تھا، جس نے لکھنو کی سرزمین پر بود و باش اختیار کر لی تھی، چکبسؔت ابتدائی تعلیم کے بعد کنگ کالج لکھنو میں داخل ہوئے، ۱۹۰۵ء میں بی، اے اور ۱۹۰۸ء میں قانون کی ڈگری لے کر لکھنو ہی میں وکالت کا آغاز کیا، اپنی بے پناہ صلاحیتوں اور خوش اخلاقی سے اس پیشہ میں بہت جلد مقبولیت و شہرت حاصل کر لی، مگر حباب آسا زندگی نے ساتھ نہ دیا اور ۱۹۳۶ء میں اچانک فالج کے شدید حملہ نے اس محبّ قوم و وطن شاعر کا خاتمہ کر ڈالا۔

لکھنو کی مترنم فضاؤں میں چکبسؔت اوائل عمر ہی سے شاعری کرنے لگے، اس سلسلہ میں انھوں نے کسی سے اصلاح نہ لی، بلکہ اپنے بالغ شعور اور فطری صلاحیتوں کو راہنما بنایا، وسعت علم اور فکر و بصیرت کی گہرائی و گیرائی نے چکبسؔت کی شاعری کو صرف غزل گوئی کی فضا تک محدود نہ رہنے دیا، بلکہ انھیں نظم نگاری کا ایک وسیع میدان عطا کیا، جس میں انھوں نے اپنے خون جگر سے اردو شاعری کے گونا گوں چمن کھلائے۔

وہ قدرت کی جانب سے ایک وسیع ذہن اور دردمند دل لے کر آئے تھے، اس لیے انھیں ملک و وطن کے ہر واقعہ نے متاثر کیا اور وہ وطن کی ہر شی سے گہری محبت رکھتے تھے اور یہی امور ان کی شاعری کے محرک بنے۔

چکبسؔت کی شاعری کے زبردست محرکات میں چند چیزیں قابل ذکر ہیں، حب وطن اور قوم کی محبت، تاریخی واقعات، مناظر اور مذہبی عقائد، کائنات کے حقائق وغیرہ۔ (پروفیسر عبدالقادر سروری)

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

انھیں محرکات نے انھیں شاعری کے نئے مسلک وآہنگ کی طرف مائل کیا۔ ؎

نیا مسلک نیا رنگ و سخن ایجاد کرتے ہیں
عروس شعر کو ہم قید سے آزاد کرتے ہیں

عوامی جذبات کی ترجمانی اور شاعری میں حب قوم ووطن کے جلووں نے ان کی شاعری کو عظمت اور قبولیت بخشی اور شستہ شگفتہ شیریں زبان نے ان کی شاعری کو صفحۂ دل پر مرتسم کردیا۔

نظموں کے علاوہ غزلوں میں بھی انھوں نے عام روش سے تقریباً الگ ہٹ کر زندگی کے حقائق کو پیش کیا ہے۔ ؎

فنا کا ہوش آنا زندگی کا درد سر جانا　　اجل کیا ہے خمار بادۂ ہستی اتر جانا
زندگی کیا ہے عناصر میں ظہور ترکیب　　موت کیا ہے انھیں اجزا کا پریشاں ہونا
مصیبت میں بشر کے جوہر مردانہ کھلتے ہیں　　مبارک بزدلوں کو گردش قسمت سے ڈر جانا

سفر میں زندگی کے سو گیا ہوں تھک کے منزل پر
اجل کے نام سے بد نام ہے خواب گراں میرا

چکبستؔ کی ایک مشہور نظم ''رامائن کا سین'' ہے، یہ تاریخی واقعہ اگرچہ خالص ہندو تاریخ سے ماخوذ ہے، لیکن چکبستؔ نے اسے اسلامی معاشرت اور افکار وخیالات کے اسلوب میں پیش کیا ہے۔

جہاں مصائب وآلام پر صبر وثبات قدمی کا درس دیا گیا ہے اور انسانی زندگی کے رنج ومحن نیز مسرت وشادمانی کو منجانب اللہ بتایا گیا ہے۔ ؎

پھر عرض کی یہ مادر ناشاد کے حضور　　مایوس کیوں ہیں آپ الم کا ہے کیوں وفور
صدمہ یہ شاق عالم پیری میں ہے ضرور　　لیکن نہ دل سے کیجیے صبر و قرار دور
شاید خزاں سے شکل عیاں ہو بہار کی
کچھ مصلحت اسی میں ہو پروردگار کی

پھر عرض کی یہ مادر ناشاد کے حضور　　ہونا جو ہے سب اس کے بہانے ہیں سر بسر
اسباب ظاہری ہیں نہ ان پہ کرو نظر　　کیا جانے کیا ہے پردۂ قدرت میں جلوہ گر
خاص اس کی مصلحت کوئی پہچانتا نہیں
منظور کیا اسے ہے کوئی جانتا نہیں

پڑتا ہے جس غریب پہ رنج ومحن کا بار　　کرتا ہے اس کو صبر عطا آپ کردگار

http://t.me/Tehqiqat

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

مایوس ہوکے ہوتے ہیں انساں گناہگار یہ جانتے نہیں وہ ہے دانائے روزگار
انسان اس کی راہ میں ثابت قدم رہے
گردن وہی ہے امر خدا میں جو خم رہے
اپنی نگاہ ہے کرم کار ساز پر صحرا چمن بنے گا وہ ہے مہرباں اگر
جنگل ہو یا پہاڑ سفر ہو کہ ہو حضر رہتا نہیں وہ حال سے بندہ کے بے خبر
اس کا کرم شریک اگر ہے تو غم نہیں
داماں دشت دامن مادر سے کم نہیں

تلوک چند محرومؔ:۔ منشی تلوک چند محرومؔ اردو کے باکمال شاعر علاقۂ پنجاب تحصیل عیسیٰ خیل کے ایک گاؤں میں ۱۸۸۵ء میں پیدا ہوئے، آپ ایک زمیندار خاندان سے تعلق رکھتے تھے، بی، اے تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد مدرسی اختیار کی ۱۹۴۴ء میں ریٹائرڈ ہونے کے بعد گارڈن کالج میں اردو فارسی کے لکچرر مقرر ہوئے، تقسیم کے بعد دہلی میں اقامت گزیں ہوئے اور اخبار تیج میں ملازمت کر لی، اردو شعروادب کی خدمت کرتے کرتے ۱۹۶۶ء میں انتقال کیا۔

محرومؔ فطری شاعر تھے، اس لیے بچپن ہی سے مقامی زبان میں مصرعے اور شعر موزوں کرنے لگے تھے، جوں جوں عمر اور شعور بالیدگی کی منزلیں طے کرتا گیا، یہ فطری صلاحیت بھی نکھرتی اور سنورتی گئی، علمی مذاق وماحول اور علمی پیشہ نے انھیں اردو کا زبردست شاعر بنا دیا۔

محرومؔ کے شاعرانہ کمالات کا اعتراف اردو کی بہت سی ادب شناس اور ادبی شخصیتوں نے کیا ہے، سر شیخ عبدالقادر جج ہائیکورٹ پنجاب ''گنج معانی'' (مجموعۂ کلام محروم) کے دیباچہ میں رقمطراز ہیں۔

خداداد سخن اور موزونی طبع سے انھیں حصۂ وافر ملا ہے اور ان کا کلام خلعت قبول عام سے محروم نہیں رہا، بڑے بڑے سخنوروں نے ان کی شاعری کو سراہا ہے اور ان کے حسن بیان کی تعریف کی ہے، الفاظ کی برجستگی بندش کی چستی خیالات کی پاکیزگی حضرت محروم کے اشعار کی خصوصیات ہیں۔

بہار ہو یا خزاں قدرت کے ہر منظر کو دیکھ کر ان کے دل کا کوئی نہ کوئی زخم تازہ ہو جاتا ہے، معلوم ہوتا ہے، قدرت نے دردو گداز طبیعت میں حد سے زیادہ رکھا تھا، لسان العصر اکبرالہ آبادی نے اپنی ایک رباعی میں کلام محروم پر داد تحسین دی ہے۔

ہے داد کا مستحق کلام محرومؔ لفظوں کا جمال اور معانی کا ہجوم
ہے ان کا سخن مفید دانش آموز ان کی نظموں کی ہے بجا ملک میں دھوم

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ان کی نگاہیں قدرت کے مناظر پر بڑی گہری ہیں، بچپن دریائے سندھ کے کنارے ایک ایسے ماحول میں گزرا کہ منظر نگاری اور فطرت شناسی آپ کے مذاق میں پیوست ہوکر رہ گئی اور انھوں نے بڑی فنکاری سے جذبات دل کو صفحۂ کاغذ پر بکھیر دیا، جنھیں پڑھنے سے مناظر کی ہو بہو تصویر نگاہوں کے سامنے پھر جاتی ہیں، محرؔوم کی منظر نگاری یا غم کی تصویر کشی میں اکثر اسلامیت کا رنگ نمایاں ہوجاتا ہے، دنیا کی بے ثباتی کی تصویریں بھی ان کے کلام میں تصوف کی دین ہیں۔ ؎

اے خالق افلاک مہ و مہر و ثریا ۔۔۔ اے مالک دشت و جبل قلزم و صحرا
ہر نقش میں اے نقش طرازندۂ دنیا ۔۔۔ دیکھا ہے بہ حیرت تری قدرت کا تماشہ
بے جاں تری مخلوق ہے یا صاحب جاں ہے
ہر نوع سے پیدا تری قدرت کا نشاں ہے

دریائے فراواں تری قدرت سے رواں ہے ۔۔۔ استادہ ترے حکم سے ہر کوہ گراں ہے
ایما سے ترے محو سفر باد و زاں ہے ۔۔۔ پتھر میں شرارہ تری حکمت سے نہاں ہے
جامد ہے کوئی یا متحرک ہے کہ سیال
پابند ترے حکم کی ہر شی ہے بہر حال

تنویر تری پر تو خورشید و قمر میں ۔۔۔ توقیر تری سیم و زر ولعل و گہر میں
تاثیر تری نغمۂ مرغان سحر میں ۔۔۔ تصویر چشم جہاں بین بشر میں
اترائے بشر اس پہ اگر بھول ہے اس کی
یہ بات نا معقول نہ مقبول ہے اس کی

بتا یہ مہر منور میں نور کس کا ہے ۔۔۔ میان انجم تاباں ظہور کس کا ہے
یہ تجھ میں اے دل شاعر سرور کس کا ہے ۔۔۔ دماغ فلسفی تجھ میں شعور کس کا ہے
یہ سارے جلوے ہیں کس کے خدا کے جلوے ہیں

تنکا ہے بشر موج فنا کے آگے ۔۔۔ چلتی نہیں کچھ اس کی قضا کے آگے
کیا چیز ہے موت آبتاؤں تجھ کو ۔۔۔ انساں کی شکست ہے خدا کے آگے
کیوں دار فنا کو جائے راحت سمجھے ۔۔۔ اور ملک بقا کو دار آفت سمجھے
محرؔوم سمجھ ہے کچھ تمہاری الٹی ۔۔۔ غربت کو وطن وطن کو غربت سمجھے
ہے ہے کیا دلنشیں ادائے گل ہے ۔۔۔ زینت بخش چمن بقائے گل ہے

http://t.me/Tehqiqat

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کیا حسن ہے کیا لطافت اللہ اللہ
اے وائے کہ مختصر بقائے گل ہے

جگن ناتھ سہائے خوشتر لکھنوی:۔ کائستھ قوم کے فرد تھے، آبائی وطن اناؤ تھا، مگر تلاش معاش میں لکھنو آئے اور نواب واجد علی اختر کی ملازمت سے وابستہ ہو کر لکھنو میں اقامت گزیں ہو گئے، اردو، فارسی دونوں زبانوں میں شاعری کرتے تھے، پختہ مشق اور قادر الکلام شاعر تھے۔ خوشتر نے ۱۸۶۲ء میں وفات پائی۔

مناجات کے چند اشعار پیش ہیں ۔

مناسب ہے بشر کو وقت حاجات — کرے درگاہ باری میں مناجات
وہی حاجت روائے دو جہاں ہے — کرم فرمائے عالم بے گماں ہے
وہی آمرزگار ہر خطا ہے — وہی روزی دہ شاہ و گدا ہے
اسی کی ذات ہے غفار و ستار — اسی کا نام ہے قہار و جبار
وہی دوزخ وہی دیتا ہے جنت — وہی ذلت وہی دیتا ہے عزت
بوقت رنج گر فریاد وزاری — کرے کوئی سوئے درگاہ باری
شتابی رفع سب ہوں اس کے حاجات
زروئے علم منقول ہے یہ بات

راجہ نول رائے وفا:۔ شہر دہلی کے رہنے والے کائستھ قوم کے صاحب علم وبصیرت فرد تھے، آپ نے میدان جنگ میں جہاں اپنی تیغ آبدار کے جوہر دکھائے ہیں اور بحیثیت سپہ سالار فن حرب کی صلاحیتوں کا اظہار کیا ہے، وہیں بزم ادب میں اپنے زبان وقلم سے ایسے گلہائے شگفتہ اور درشاہوار بکھیرے ہیں، جن کی خوشبو اور چمک دمک آج تک گلشن اردو میں پوری تازگی کے ساتھ محسوس کی جاتی ہے، ۱۷۶۲ء میں رزمگاہ میں داد شجاعت دیتے ہوئے قتل کیے گئے۔

وفا کے بارے میں میر حسن اپنے تذکرہ میں تحریر فرماتے ہیں۔

''مقبول خاطر ارباب صفا لالہ نوال رائے وفا جوانیست نوخاستہ جمیع صفات آراستہ و پیراستہ جدت ذہن وجودت فہم، اصابت رائے، لطافت مزاج بہ مرتبہ اتم دارد''۔ (تذکرہ شعرائے اردو ص۲۷)

وفا کے کلام میں عاشقانہ جذبات کی عکاسی سوز وگداز کا اظہار پایا جاتا ہے، اسلامی ماحول میں

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

زندگی گزارنے کی وجہ سے اس دور کی عام شاعرانہ خصوصیت تصوف و پند و نصائح سے بھی آوفا نے اعتنا کیا ہے اور یہ تخیلات ان کی شاعری پر خاصا اثر رکھتے ہیں۔ذیل میں ملاحظہ فرمایئے۔

تصوف:۔

اپنے ہی چشم کے تئیں تاب نظر نہیں　　ورنہ وہ آفتاب کہاں جلوہ گر نہیں
ہے جلوہ گر وہ ہم میں پر آلودگی سے دور　　جس طرح عکس آب میں ہو آفتاب کا
یاں تک از خویش رفتہ ہوں کہ مدام
آپ کرتا ہوں میں سراغ انبیا

پند و نصیحت:۔

حسن عمل پہ اپنے نہ بھول شیخ اس قدر　　واں کے معاملہ سے کسی کو خبر نہیں
حباب آسا نہ پھول ہستی پہ اپنی　　کہ غافل کیا بھروسہ زندگی کا
کیوں تو کرتا ہے گور سے نفرت
آخر اک دن وہی ٹھکانا ہے

لالہ خوب چند ذکاؔ:۔ ذکاؔ باشندہ دہلی تھا،معزز کائستھ خاندان سے تعلق تھا، ملازمت پیشہ تھا،فن شاعری اور ادب سے خاص لگاؤ تھا،فارسی زبان دانی میں کامل دستگاہ حاصل تھی۔

''عیار الشعرا''نامی تذکرہ (جواب نایاب ہے) جس میں چار پانچ ہزار اردو گو شعرا کے حالات زندگی مرقوم تھے،مولوی کریم الدین کا خیال ہے،کہ ڈاکٹر اسپرنگر پرنسپل دلی کالج اس کی نقل ہمراہ جرمنی لے گئے،اسے ذکاؔ ہی نے اپنے گوہر ریز قلم سے تحریر کیا تھا۔

ذکاؔ قادر الکلام شاعر تھا،مگر اب اس کی شعری یادگاریں قلیل تعداد میں دستیاب ہیں،۱۸۴۲ء میں موت پائی۔

ذکاؔ نے مغلیہ اقتدار کا دم واپسیں پایا تھا،تاہم دہلی اسلامی تہذیب وثقافت کا مرکز تھا،جس کے اثرات ذکاؔ کی زندگی اور شاعری دونوں پر مرتب ہوئے۔

تصوف کی جھلکیوں کے ساتھ ساتھ اسلامی عقائد کے اصطلاحی الفاظ اس کے کلام میں کثرت سے موجود ہیں۔

ذکا قسمت پہ شاکر رہ نصیحت تجھ کو کرتا ہوں　　کسی کے جاہ وحشمت پر ارے ناداں حسد مت کر
کر بنائے زندگی پر اپنی اے منعم نظر　　فکر کیا کرتا ہے ناداں ہر گھڑی تعمیر کا

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کسی کا دل کوئی بیدرد گرستائے گا ۔۔۔ تو عاقبت میں بھی آرام وہ نہ پائے گا
نقش پا خالق گیتی نے بنایا ہم کو ۔۔۔ جس کے قدموں میں لگے اس نے مٹایا ہم کو
جو توبہ کی ہے تو مجلس میں میکشوں کی نہ جا ۔۔۔ کہ خوامخواہ پیالہ کوئی پلائے گا
غافلو ڈھونڈھتے پھرتے ہو جسے عالم میں ۔۔۔ غور سے دیکھو وہ ہے دل میں تمہارے بیٹھا

عمر رفتہ نے پھر گزر نہ کیا
گئی ایسی کہ منہ ادھر نہ کیا

مہاراجہ چندر لال شاداں:۔ راجہ ٹوڈرمل آپ کے جداعلیٰ لاہور سے دہلی آکر اکبر شاہی دور میں ملازم ہوئے اور اکبر کا خصوصی تقرب حاصل کیا، جس کی وجہ سے خاندان کو شہرت حاصل ہوئی اور یہ خاندان ہمیشہ مغلیہ سلاطین کی ملازمت کرتا رہا، نواب دکن آصف جاہ نے اسی خاندان کے ایک مدبر اور دانشور فرد کو دکن لاکر معزز عہدہ پر مامور کیا، ان کے بعد بھی یہ خاندان اپنی تعلیم اور قابلیت کی بنا پر نوابان آصفیہ کا مقرب رہا، ۱۷۶۲ء میں بمقام برہان پور آپ پیدا ہوئے، گھر کے علمی ماحول نے آپ کو علمی وادبی پیرائے میں ڈھال دیا، موروثی دستور کے مطابق نواب ارسطو جاہ کے عہد میں ریاست کے کارپرداز مقرر ہوئے، اپنی صلاحیت اور فرض شناسی کی بنا پر ترقی کرتے کرتے ریاست کے اعلیٰ عہدہ تک پہنچے اور وقتاً فوقتاً انعامات وخطابات آصفیہ سے نوازے گئے۔

۱۸۲۳ء میں ملازمت سے مستعفی ہو کر خالص علمی وادبی خدمات کی طرف مائل ہوئے اور ۱۸۴۶ء میں انتقال کیا۔

''مہاراجہ چندر لال بہت بڑے منتظم اور فیاض مشہور تھے، آپ کی دریادلی اور فیاضی کے متعلق صدہا حکایتیں زبان زد خاص وعام ہیں، مدبری سخن پروری اور عدل گستری اور مہمان نوازی میں آپ بے مثال تھے، نظام سلطنت میں منہمک ہونے کے باوجود ارباب کمال کے عموماً اور شعرا کے خصوصاً قدرداں تھے، ایران وہندوستان کے اکثر شعرا آپ کے دربار میں جمع تھے، ان کی تعداد تین سو سے زائد تھی، تمام شعرا ماہوار وظیفہ پاتے تھے''۔ (اردو شاعری کے ارتقا میں ہندو شعرا کا حصہ ص ۱۸۳)

مذکورہ بالا اقتباس سے شاداںؔ کی شعرانوازی کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے، شاہ نصیر وشاہ حفیظ جیسے بلند پایہ شعرا شاداںؔ ہی کی قدردانی شعروسخن کے زیر سایہ دکن آئے، استاذ ذوقؔ کو بھی انھوں نے حیدر آباد آنے کی دعوت دی تھی۔

شاداںؔ خود بڑے زودگو اور اعلیٰ درجہ کے شاعر تھے، وہ اردو وفارسی دونوں زبانوں پر قدرت کا

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ملہ رکھتے تھے اور شاعری کرتے تھے، انھوں نے جملہ اصناف سخن پر طبع آزمائی کی ہے، نثر میں ان کی کتاب ''عشرت کدۂ آفاق'' کافی مشہور ہے۔

شاداںؔ کے کلام میں سنجیدگی و متانت ہے، اکثر اشعار تصوف و معرفت کے رنگ میں رنگے ہوئے ہیں۔

یاد اللہ کی کرتا ہے جہاں میں شاداںؔ
صوفیوں میں وہ اسی واسطے محبوب ہوا

اے دوستو! میں کیا کہوں کس کی تلاش ہے
میں ڈھونڈھتا ہوں یار ملے یاں کہیں مرا

جدھر دیکھو ادھر جلوہ ہے تیرا
نہیں خالی ہر اک شئی میں بھرا ہے

شاداںؔ طلب یار کچھ آسان نہیں ہے
ہم ڈھونڈھیں کہاں اس کو پتہ نہیں معلوم

بھروسہ کا ہے تیرا ہی اور ہے تیرے سوا کس کا
نہ دیوے آسرا جب تو مجھے ہو آسرا کس کا

شکل ہستی سراب کی سی ہے
بے ثباتی حباب کی سی ہے

<u>منشی شیر پرساد وہبیؔ</u>:۔ سرزمین سخن لکھنؤ کے ساختہ پرداختہ باکمال شاعر وہبیؔ جن کے والد بھی شاعر تھے، سوبھا رام نام اور صفیؔ تخلص رکھتے تھے، وہبیؔ نے خاصا علمی و ادبی ذوق پایا تھا، قوم کا کائستھ ہونے کی وجہ سے اردو و فارسی میں یکساں مہارت رکھتے تھے، نولکشور پریس کے منیجر تھے، آپ کا کلیات <u>۱۸۸۰ء</u> میں طبع ہوا۔

صاحب ''آثار شعرائے ہنود'' وہبیؔ کے کلام کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

''کلام ان کا بہت شستہ اور صاف ہے، مضامین سے آمد کا جوش پیدا ہے''۔

زبان وہ شیریں کہ سنتے جایئے اور سیری نہ ہو، حسن بیان کا یہ عالم کہ مطلب تصور بن کر سامنے آجائے، ان کے ہر کلام میں نیا لطف اور نیا رنگ ہے، اسی وجہ سے ان کے کلیات کا نام ''مرقع ارژنگ'' ہے۔ (ص ۱۴۱)

''کلیات وہبی'' کے شروع میں ایک نظم مناجات بدرگاہ قاضی الحاجات جل جلالہٗ ہے، جو انتہائی پرزور اور دل آویز ہے، جو اسلامی عقیدۂ توحید سے اثر پذیر ہے۔

تو قادر و غیور و غنی و کریم ہے
تو مالک و سمیع و بصیر و علیم ہے

تو وارث و حلیم و غفور و رحیم ہے
تو حافظ و حفیظ و عزیز و حکیم ہے

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

واحد ہے تو قدیر ہے تو کبریا تو ہے

چاہے تو گدا کو ابھی بادشاہ کرے ذرہ کو اوج نیرِاعظم عطا کرے

در کو خذف خذف کو درِ بے بہا کرے قطرے کو دم میں قلزمِ بے انتہا کرے

بحرِ عطا و بخشش وجود و عطا ہے تو

لالہ جنگ بہادر جنگؔ میرٹھی:۔ کائستھ خاندان سے تعلق رکھتے تھے، آپ کا خاندان پشتہا پشت سے شاعری کا گہوارہ رہا ہے، آپ کے باپ رائے بہنت نرائن خیاؔل دادا رائے مہانرائن ہوشؔ اور پردادا رائے بلاس رائے رمزؔ اور ان کے باپ رائے صاحب رام ماتھرؔ یاد فارسی کے قادرالکلام شاعر گزرے ہیں، جن کے کلام خزانۂ ادب کی متاع گراں بہا ہیں۔

جنگؔ نے تقریباً پچاس سال کی عمر پائی، تعلیم سے فراغت کے بعد سرکاری ملازمت اختیار کی، مگر طبع آزاد نے قید ملازمت برداشت نہ کی، استعفا دے کر شعر و شاعری اور اخبار نویسی کا مشغلہ اختیار کیا، انیس ہند، اخبار عالم، پھر اودھ اخبار میں مسلسل لکھتے رہے، اپنا ذاتی ہفتہ وار اخبار ''انیس ہند'' بھی میرٹھ سے جاری کیا تھا، آخری عمر میں اخبار عام لاہور کی ملازمت اختیار کی اور وہیں ۱۶/اپریل ۱۹۳۷ء میں انتقال کیا۔

جنگؔ کی شعری وصحافتی زندگی کا عرصہ کافی طویل نہیں، تاہم انھوں نے تین دیوان یادگار چھوڑے، جو غیر مطبوعہ تھے، جن کا انتخاب ان کے لائق فرزند تربنی پرساد رنگ میرٹھی نے معرکۂ جنگ کے نام سے ۱۹۴۳ء میں شائع کیا۔

منشی بشیشور پرساد منورؔ لکھنوی رقم طراز ہیں۔

حضرت جنگ کا مطالعہ نہایت وسیع تھا، اردو فارسی زبان کے تو وہ ماہر تھے ہی ان کو عربی سے بھی واقفیت تھی، فارسی میں شعر بھی کہتے تھے، تحقیق الفاظ سے بہت دلچسپی تھی، شعر گوئی کا شوق اوائل عمر سے تھا، مگر کبھی کسی سے مشورہ نہ کیا، کثرت مطالعہ اور کثرت مشق نے اپنے دور کے ممتاز شعرا کی صف میں جگہ دی۔

(معرکۂ جنگ ص ۵۰)

جنگؔ نے غزلیں کہی ہیں اور اپنے عہد کی تمام تر خصوصیات کو ملحوظ رکھا ہے، وہ دور مرزا داغؔ و امیرؔ مینائی کا تھا، جو بھی غزل گوئی کی طرف مائل ہوتا مروجہ رنگ کی تقلید کرتا تھا، جنگ نے چونکہ اسی روش کو اپنایا تھا، جنگؔ کی غزلوں میں زبان کی صفائی روزمرہ و محاورات کا استعمال پایا جاتا تھا، وصل ہجر شکوہ و شکایت لب و رخسار قد و گیسو کے تذکرے پائے جاتے ہیں۔

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

جنگؔ کا گھرانہ کئی پشتوں سے عربی و فارسی کی تعلیم اور مسلم کلچر کا حامل رہا ہے، جناب جنگؔ تو وضع قطع کے اعتبار سے بالکل مولوی صورت تھے، چہرے پر ریش دراز سر پر ٹوپی، گلے میں لمبا رومال، جنگ کو بایں وضع دیکھ کر کون تھا؟ جو یقین کر لیتا کہ وہ کائستھ خاندان کے ایک ہندو فرد ہیں۔

بہرحال جنگؔ کی ذاتی زندگی جس طرح مسلم تہذیب کے سانچے میں بظاہر ڈھلی ہوئی تھی، ان کے کلام میں بھی اسلامی افکار و عقائد کی جھلکیاں بہت صاف نظر آتی ہیں۔

معرکۂ جنگ کا آغاز تحمیدی اشعار سے ہوتا ہے، جس کے چند اشعار پیش خدمت ہیں۔

وصف قدرت کر سکے کیا خاک پتلا خاک کا　　اس کی قدرت سے تنا ہے سائباں افلاک کا
ہے دم گریہ تصور جلوۂ بے باک کا　　موجزن ہو کیوں نہ دریا دیدۂ نمناک کا
الفت وحدانیت میں جوش پر آیا جنوں　　مخزن قدرت ہے دروازہ جگر کے چاک کا
جوش وحشت میں ہے ہر ذرہ مثال کوہِ طور　　میری آنکھوں میں ہے جلوہ کس کے حسنِ پاک کا
تیری بخشش کی ہے خواہش تیری رحمت کی ہوس
آرزو زر کی مجھے خواہاں نہ میں املاک کا

بشیشور پرساد منورؔ لکھنوی:۔ سرزمین علم و دانش و شعر و سخن لکھنؤ میں منورؔ لکھنوی کی ولادت ۷؍جولائی ۱۸۹۷ء میں ہوئی، پڑھے لکھے خاندان میں آنکھ کھولی، ۱۹۱۳ء میں مڈل کا امتحان پاس کیا، گھر کے معاشی حالات خراب ہونے کی وجہ سے کسب معاش میں لگ گئے اور مزید تعلیم کا سلسلہ جاری نہ رکھ سکے، اودھ اخبار میں رپورٹر کی حیثیت سے تقرر ہوا، چند ہی ماہ کے بعد ۲۶؍ستمبر ۱۹۱۳ء کو ریلوے کے دفتر میں ۱۸؍روپیہ ماہانہ پر ملازم ہو گئے، دوران ملازمت مطبع منشی نول کشور کے لیے انگریزی ناولوں کا اردو میں ترجمہ کرتے، جس سے ساٹھ ستر روپیہ ماہوار کی یافت ہو جاتی ۱۹۱۹ء میں Private intrance بھی پاس کر لیا، ریلوے کی اسی ملازمت کے دوران ۱۹۲۶ء میں لاہور تبادلہ ہوا۔

شاعری:۔ منورؔ لکھنوی کو شعر و ادب کا ذوق ورثہ میں ملا تھا، انھوں نے نوعمری ہی سے شعر و شاعری شروع کر دی، وہ ریلوے کے دفتر میں بھی خالی اوقات میں شعر کہتے، اس دور کا نمونہ کلام یہ ہے۔

یہ ستارے یہ غبارے یہ شرارے یہ حباب　　اور ہی ہستی فانی کا پتہ دیتے ہیں
ہو فن شعر سے پھر نام افق کا روشن　　یہی احباب منورؔ کو دعا دیتے ہیں
ذرا سی ٹھیس آئینۂ دل ٹوٹ جاتا ہے　　ہمیشہ دل بشر کا وقت مشکل ٹوٹ جاتا ہے
حباب بحر چاہے جوشش طوفاں سے بچ جائے　　مگر ٹکرا کے فوراً زیر ساحل ٹوٹ جاتا ہے

http://t.me/Tehqiqat

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

لاہور میں اصغؔر گونڈوی، مرزا یگانہ یاسؔ چنگیزی، مولانا تاجور نجیب آبادی، عبدالمجید سالکؔ، غلام رسول مہؔر، راجیشورناتھ زیبؔا بریلوی، گوری شنکر اخترؔ، پنڈت برج موہن دتاتریہ جیسے ارباب شعروادب سے تعلقات اور ملاقاتیں رہیں، جن کی حوصلہ افزائیوں نے منوؔر کے شعری ذوق اور شاعرانہ محاسن کو جلا بخشی۔ ؎

احباب کہہ رہے ہیں منوؔر کو دیکھ کر
ان کا بھی مشرب آج سے رندانہ ہوگیا

منوؔر نے اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں شاعری، کی اصناف غزل اور نظم میں فنکاری کا ثبوت دیا، منوؔر ایک باصلاحیت مترجم تھے، چنانچہ انھوں نے نثر اور نظم دونوں میں کامیاب ترجمے کیے، محمود نقوی آپ کے منظوم تراجم کے بارے میں لکھتے ہیں۔

''اردو نظم کی آبیاری میں آپ کی خدمات نصف صدی سے زیادہ عرصہ پر مشتمل ہیں، بحیثیت ایک مترجم آپ نے کافی گراں قدر کارنامے انجام دیے ہیں''۔

انھوں نے مختلف زبانوں کے کچھ شاہکاروں کو اردو نظم میں پیش کیا ہے۔ بھگوت گیتا، گیت گوند، چاردوت، گیتا انجلی، مثنوی اسرار خودی، رباعیات عمر خیام، غزلیات حافظ وغیرہ ان کے منظوم تراجم میں شامل ہیں، اس کے علاوہ قرآن مجید کی کچھ سورتوں اور انجیل مقدس کے کچھ حصوں کے تراجم کو بھی منظوم صورت میں پیش کیا۔

منوؔر نے اسلام اور اسلامی تاریخ کا بڑی گہرائی سے مطالعہ کیا تھا، چنانچہ ان کی شاعری پر اسلامی افکار وعقائد کے اثرات بہت واضح طریقے سے نظر آتے ہیں۔ ؎

بانئ اسلام خوں اسلام کا ہوتا ہے آج — خندہ زن حالت پہ دین پاک کی دنیا ہے آج
پھر دلوں میں گمرہی کی کیفیت پیدا ہے آج — رازداں اسلام کا اسلام میں عنقا ہے آج
بے خبر قرآن کے معنی سے کچھ میں ہی نہیں
عظمت اسلام سے واقف مسلماں بھی نہیں

جانتے ہیں راز مردان خدا اسلام کا — ہیں سمجھتے مرتبہ اہل صفا اسلام کا
ہے فقط عشق الٰہی مدعا اسلام کا — اور کچھ مقصد نہیں اس کے سوا اسلام کا
ہو بنا نفرت پہ جس کی یہ وہ مذہب ہی نہیں
دوسروں سے ترک الفت اس کا مطلب ہی نہیں

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

حضرت امام حسین کی شان میں کچھ اشعار ملاحظہ ہوں، جن سے منوّر کی حسن عقیدت اور جذبۂ ارادت کی عکاسی ہوتی ہے۔

کاش ہر امت مظلوم پکارے ان کو — کاش ہر دین مبیں کے ہوں نگہبان حسین
کاش دیتے رہیں ایمان کی قوت کا ثبوت — کاش دنیا پہ یہ کرتے رہیں احسان حسین
آگاہ قلب مصلحت ایزدی سے ہے — مرنا قبول راہ خدا میں خوشی سے ہے
تکمیل دیں شہادت ابن علی سے ہے — یہ شور کربلا کی زمیں پر ابھی سے ہے
ہیں سیر کام جرعۂ جام فنا حسین
ہیں باریاب چشمۂ آب بقا حسین

نعت:۔

بیدار ہوا نصیب میرا ہے ختم رسل حبیب میرا
مسجد مرے گھر کے سامنے ہے قرآن نظر کے سامنے ہے
تکمیل مراد کر رہا ہوں اللہ کو یاد کر رہا ہوں
مجھ پہ لطف رسول ہوگا
ہدیہ میرا قبول ہوگا

قرآن:۔

قرآن ہے جو نام خدا کی کتاب کا — چہرہ ہے انبیائے فضیلت مآب کا
قرآں کی سطر سطر پر قربان جایئے — کیا جائزہ لیا ہے گناہ و ثواب کا
اس کی حقیقتیں ہیں دوامی حقیقتیں
اس بار گہ میں دخل نہیں انقلاب کا

منشی نوبت رائے نظر:۔ آپ لکھنو کے ایک علمی وادبی کائستھ گھرانے سے تعلق رکھتے تھے، ولادت ۱۸۶۶ء میں ہوئی، خاندانی روایت کے مطابق علوم وفنون کی تحصیل میں مصروف ہوئے، آغاز جوانی ہی سے مشق سخن کرنے لگے اور آغا مظہر کی شاگردی اختیار کی جلد ہی پختہ مشق شاعر بن گئے اور اپنی پوری زندگی شعروادب کی خدمت کرتے ہوئے گزاردی اور مختلف ادبی جرائد کی ادارت کی، ۱۸۹۷ء میں لکھنو سے ایک رسالہ بنام ''خدنگ نظر'' جاری کیا، ۱۹۰۴ء میں رسالہ ''زمانہ'' نے آپ کی قلمی خدمات حاصل کیں، ۱۹۱۰ء میں الہ آباد انڈین پریس سے رسالہ ''ادیب'' نکالا، نول کشور لکھنو کے

http://t.me/Tehqiqat

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

یہاں بھی کچھ روز ملازم رہ کر اودھ اخبار کی ایڈیٹری کی، ۱۹۲۳ء میں عارضہ ضیق النفس سے انتقال کیا۔

نوبت رائے نظر اردو کے قادر الکلام شاعر تھے، انھوں نے غزل، قصیدہ، قطعہ اور صنف نظم میں طبع آزمائی کی، ان کی شاعری میں ندرت بیان، محاکات، حسن زبان، حسن تکرار، شوخی وظرافت، گل و بلبل، گریہ وزاری، منظر نگاری، حب وطن، خمریات، تعلیات سب کچھ پایا جاتا ہے۔

انھوں نے لکھنو کے مسلم معاشرے میں زندگی بسر کی، اس لیے وہ اسلامی افکار وعقائد سے متاثر ہوئے خاص طور پر تصوف وسلوک کا اثر ان کی شاعری میں نمایاں ہے۔

تصوف ومعرفت:۔

اس صاحب حیا پہ میں عاشق ہوں اے نظر
میں نے بھی آج تک جسے دیکھا نہ خواب میں

پھر یہ آنکھیں تو نے مجھ کو کس لیے دیں اے خدا
عمر بھر محروم ہی رکھنا تھا جب دیدار سے

گردش دہر بھی اک گردش پیمانہ ہے
ذرہ ذرہ میں ترا جلوہ جانانہ ہے

پر تو مہر کجا ذرہ ناچیز کجا
کیوں یہ دل حسرتی جلوہ جانانہ ہے

یہی محشر ہے یہی وعدہ فردا کا ہے دن
آپ کیا بھول گئے اور مجھے یاد نہیں

پردہ اٹھادے اک تو اے حجاب ہستی
پاتا ہوں اس کو دل میں دیکھا مگر نہیں ہے

کیا گومگو ہیں اے دل اسرار بیخودی بھی
سب کی خبر ہے مجھ کو اپنی خبر نہیں ہے

بے ثباتی عالم:۔

ہوائے عالم فانی ہے خوشگوار بہت
نظر فریب ہے اس باغ کی بہار بہت

کھلے ہیں تختہ نسرین ولالہ زار بہت
ثمرفشاں ہیں درختان سایہ دار بہت

مگر سرائے جہاں قابل قیام نہیں
یہاں کی صبح مقدر میں ہے تو شام نہیں

مہر لال سونی ضیا فتح آبادی:۔ ضیا کا خاندان امرتسر کے قریب فتح آباد میں صدیوں سے آباد تھا، جو بہت خوشحال تھا، اسی گھرانے میں ۹ رفروری ۱۹۱۳ء کو ضیا کی ولادت ہوئی، ضیا کے والد لالہ منشی رام سرکاری ملازمت میں تھے، جب ضیا پڑھنے لکھنے کے قابل ہوئے تو ان کے والد پشاور میں مقیم تھے، چنانچہ وہیں پرائمری کی تعلیم حاصل کی، ۱۹۲۴ء میں والد کا تبادلہ جے پور ہوا تو یہاں مہاراجا ہائی اسکول میں داخلہ لیا ۱۹۲۹ء میں ہائی اسکول پاس کیا، امرتسر سے ۱۹۳۱ء میں انٹر پاس کیا، ۱۹۳۳ء میں لاہور سے بی۔اے (فارسی آنرز) اور ۱۹۳۵ء میں ایم۔اے (انگریزی) کی اسناد حاصل کیں۔

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

تعلیم کے اختتام کے بعد ۱۹۳۶ء سے ۱۹۵۲ء تک ریزرو بنک دہلی میں ملازمت کی، بنک کی اسی ملازمت کے سلسلے میں ۱۹۵۲ء تا ۱۹۵۹ء مدراس میں قیام رہا، ۱۹۵۹ء میں پھر دہلی آئے اور ۱۹۶۶ء میں اسسٹنٹ چیف افسر کی حیثیت سے بنک کے مرکزی دفتر بمبئی بھیج دیے گئے، بالآخر ۱۹۷۱ء میں ملازمت سے سبکدوش ہوگئے۔

ضیا اسکول میں زیر تعلیم تھے کہ ان میں شاعری کا ذوق پیدا ہوا اور مولوی اصغر علی سے اصلاح لینے لگے انھوں نے آپ کا تخلص عؔطا رکھا پھر کپورتھلہ آئے تو وہاں غلام قادر فرخ کی شاگردی اختیار کی انھوں نے عؔطا کے بجائے ضؔیا تخلص عطا فرمایا، ضیا کی پہلی غزل ''چمن امرتسر'' میں شائع ہوئی جس کا مطلع یہ تھا۔

کیا ٹھہر سکتا فروغ روئے جاناں دیکھ کر　　ہو گیا روپوش آخر مہرتاباں دیکھ کر

۱۹۳۰ء میں ضیا نے سیماب اکبرآبادی کی شاگردی اختیار کی اور اصلاح کا سلسلہ ۱۹۴۰ء تک جاری رہا، ضیا اگرچہ کلاسیکی شاعر تھے مگر روایت کی پابندی کے ساتھ جدید تجربات سے بھی تغافل نہیں برتا، انھوں نے غزلیں، نظمیں، رباعیاں، گیت اور سانیٹ سب کچھ کہا اور وہ ہر صنف شاعری میں کامیاب رہے، ان کے کلام کے مجموعے۔

(۱) طلوع (۲) نور مشرق (۳) ضیا کے سو شعر (۴) نئی صبح (۵) گرد راہ (۶) حسن غزل (۷) شعر اور شاعر، ارباب شعر و ادب سے داد و تحسین وصول کر رہے ہیں، ضیا کے یہاں اسلامی افکار و عقائد کی جھلکیاں بھی پائی جاتی ہیں۔

ہے انسان مجسم کمال الٰہی　　امین صفات و جلال الٰہی
نگاہ بصیرت سے کر غور، غافل　　تجھی میں چھپا ہے جمال الٰہی
سر سبز ہے گلزار جہاں ابر کرم سے　　ہر پھول یہاں کا ہے حسین باغ ارم سے
بے جسم بھی با جسم بھی ہے تیری تجلی　　یہ راز کھلا سیر کلیسا و حرم سے
دیکھ کر بے نقاب جلوہ نور　　ہوگیا تھا سیاہ دامن طور
اس سے ثابت ہوا کہ دنیا میں　　ظلمتیں بھی ہیں نور میں مستور

شام موہن لال جگر بریلوی:۔ جگر بریلوی کی ولادت یکم جنوری ۱۸۹۰ء میں ہوئی، آپ کے خاندان میں علم و ادب، شعر و سخن کی روایت قدیم ہے، دادا رائے بہادر درگا پرشاد عربی، فارسی اور سنسکرت کے جید عالم تھے، والد رائے کنہیا لال دؔل بریلوی انگریزی و فارسی کے فاضل اور بلند پایہ شاعر تھے، نانا

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

منشی گنگا پرشاد اوج بریلوی آتش لکھنوی کے شاگرد تھے۔

جگر نے خاندانی روایت کے مطابق عربی فارسی کی تعلیم بریلی کے ایک مکتب میں حاصل کی، پھر بریلوی کالج میں داخل ہوکر ۱۹۱۶ء میں انگریزی فارسی اور فلسفہ میں بی۔اے پاس کیا، جولائی ۱۹۱۷ء میں بریلی کے ایک مقامی مشن اسکول میں ٹیچر ہوگئے، ۱۱رمئی ۱۹۱۸ء کو نائب تحصیلدار کے عہدے پر مامور ہوئے، پچیس سال گزرنے کے بعد ملازمت سے قبل از وقت پنشن لے لی ۱۹۵۲ء میں میرٹھ آکر بیٹے کے یہاں مقیم ہوگئے اور وہیں ۴رمارچ ۱۹۷۶ء کو انتقال کیا۔

جگر کو ملکہ شعر گوئی وراثت میں ملا تھا تاہم انھوں نے شاعری کا باقاعدہ آغاز بہت دیر سے کیا، ابتدا میں مختلف ارباب سخن کو اپنا کلام دکھاتے رہے، آخر میں عزیز لکھنوی سے مسلسل چھ سات سال تک اصلاح لی، جگر نے غزل، رباعی اور صنف نظم میں طبع آزمائی کی نظموں میں قومی و سیاسی شعور، مناظر قدرت کا رنگ اور اصلاح معاشرہ کا عنصر غالب ہے۔

جگر کی ابتدائی تعلیم اسلامی مکتب میں ہوئی، ابتدا ہی سے اسلامی نظریات اور اخلاقی قدروں سے متعارف ہوئے، جس کے مظاہر ان کی شاعری میں بھی کہیں کہیں جلوہ گر ہیں۔

پڑے ان کی گھٹی میں تعلیم غیرت ہے غیرت سے قائم بنائے شرافت
بھروان کی رگ رگ میں جوش حمیت محبت اخوت صداقت شجاعت
جو سچی محبت سے پالوگی ان کو
تو ذرے سے سورج بنالوگی ان کو

بادل کی گھٹاؤں میں شفق کا ہے ظہور پھیلا ہواہے سنہری کرنوں کا نور
یہ سبزہ و گل یہ رنگ و بو کا عالم قدرت کی پرستشوں پر دل ہے مجبور

مسعود بزرگوں کا قدم ہوتاہے سایہ میں سلف ہی کا ارم ہوتاہے
برحق ہے انھیں قبلہ و کعبہ کہنا سجدے کے لیے ناصیہ خم ہوتاہے

شدت غم پہ اگر ضبط کا امکاں ہوجائے دل میں جوداغ ہوخاک روح ایماں ہوجائے

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

مرزا صائبؔ اصفہانی اور اس کی اخلاقی شاعری

فارسی زبان کا عظیم شاعر مرزا محمد علی صائبؔ تبریزی جس کے غلغلہ شاعری سے ایران و ہند کے ادبی وشعری میخانے گونج رہے تھے، جس کی شاعری کا طائر اقبال ایران و ہند کے کاخ بلند پر نغمہ سنجی کرتے ہوئے دیکھا گیا، وہ باکمال شاعر جس کی فکر تازہ اور طرز ادا کی ندرت نے فارسی شاعری کی قلمرو میں انقلاب برپا کر دیا، وہ خوش نصیب شاعر جسے وقت کے سلاطین و امرا اپنے دامن دولت سے وابستہ کرنا فخر کی بات سمجھتے تھے۔

عہد تیموری وصفوی کا شاعر اعظم ۱۰۹۰ھ میں بمقام اصفہان پیدا ہوا، اسی وجہ سے وہ اصفہانی بھی کہا جاتا ہے، لیکن درحقیقت اس کا خاندانی تعلق خاک تبریز سے ہے، رضا زادہ شفق لکھتا ہے۔

صائبؔ کے والد شاہ عباس کے زمانہ میں ہجرت کر کے اصفہان چلے آئے اور یہیں صائبؔ کی پیدائش ہوئی۔ (تاریخ ادبیات ایران ص ۴۶۵)

شبلی نعمانی نے آتشکدہ کے حوالہ سے شعر العجم جلد سوم میں تحریر کیا ہے۔

''صائبؔ ایک معزز خاندان کا آدمی تھا، اس کا باپ مشہور تاجر تھا، اس کی ولادت تبریز میں ہوئی، لیکن نشو و نما اور تربیت اصفہان میں حاصل کی، اسی بنا پر اسے تبریزی اور اصفہانی دونوں کہتے ہیں''۔ (شعر العجم ص ۱۷۰)

صائبؔ اپنی نسبت تبریز کی جانب کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

صائب از خاک پاک تبریز است
ہست سعدی کہ از گل شیراز

صائبؔ نے اصفہان میں جو اس دور کا عظیم علمی و ادبی مرکز تھا، مروجہ علوم و فنون اور شعر و ادب کی تعلیم حاصل کی، چونکہ وہ فطری ذوق شعر سے متصف تھا، اس لیے اس فن کی تحصیل میں خاص دلچسپی دکھائی اور پھر اس عہد کے استاذانِ فن حکیم رکنا، کاشی مسیح اور حکیم شفائی نے اس کے جوہر طبع کو نکھارنے میں اہم رول ادا کیا۔

صائبؔ ایک معزز گھرانے کا چشم و چراغ تھا، ناز و نعم میں پرورش پانے اور سامان عیش کی فراوانی کے باوجود ابتدا ہی سے اس کے ذہن و فکر اور اعمال و کردار میں جوانوں جیسی شوخی اور کجروی نہ تھی، اس کا

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

دامن حیات اخلاقی برائیوں کے داغ سے پاک تھا، وہ عبادت وریاضت کا عادی تھا، وہ خالص مذہبی زندگی کو پسند کرتا تھا، چنانچہ اس نے آغاز جوانی ہی میں حج وزیارت کی سعادت حاصل کی تھی۔

صائب جب تک وطن میں رہا، اس کے شعروفن کی جانب سلاطین وامرایا اہل کمال نے کوئی توجہ نہ کی، باوجودیکہ وہ ایک پختہ مشق اور بلند فکر شاعر تھا، ایران میں کہنہ مشق استاذوں کے سامنے اس کے چراغ سخن کی روشنی دورتک نہ پھیل سکی، چنانچہ اس بات کا شکوہ وہ مختلف انداز میں کرتا ہے۔

به سیم قلب نه گیرند صائب از اخواں　　دریں زمانہ عزیزے اگر شود پیدا
از قماش پیرہن غافل زیوسف گشتہ اند　　شکوہ ہا از مردم کو تہ نظر دارد بہار

گزشت آنکہ صدف اعتبار گوہر داشت
بہ نرخ خاک بود درشاہوار امروز

جب ایران میں اپنے نقد سخن کی ناقدری سے تنگ آگیا، تو خوداعتمادی کے لہجہ میں کہتا ہے۔

بلند نام نہ گردو کسے کہ در وطن است　　زنقش سادہ بود تا عقیق دریمن است
چشم اقبال سکندر تشنۂ دیدار تست　　در سیاہی ماندۂ اے چشمۂ حیواں چرا

چشم بر راہ تو دارد تاج زرین شہا
بر صدف چسپیدۂ اے گوہر رخشاں چرا

چونکہ ہندوستان کی تیموری حکومت ارباب فضل وکمال کی قدرداں تھی اوراس کا پایہ تخت دہلی خصوصیت کے ساتھ انتخاب روزگار علما ومشائخ، شعرا وادبا کا مرکز بنا ہوا تھا، علم وفن، شعروادب کے چرچے بغداد، شیراز اور غزنی کی یاد تازہ کرتے تھے۔

صائب نے بھی قسمت آزمائی کے لیے ۱۰۳۶ھ میں ہندوستان کا رخ کیا، شبلی نعمانی لکھتے ہیں۔

''تجارت کے ذریعہ سے دلی میں آیا، شاہجہاں کے دربار میں رسائی حاصل کی، ہزاری منصب اور مستعد خاں خطاب عطا ہوا، یہیں ظفر خاں سے ملاقات ہوئی اوراس قدر تعلقات بڑھے، کہ صائب اور ظفر خاں کا نام ساتھ ساتھ لیا جاتا ہے''۔ (شعرالعجم ج۳ص۱۷۱)

شبلی نعمانی کے تذکرہ سے ظاہر ہوتا ہے، کہ صائب براہ راست دلی آیا، شاہی دربار میں ملازمت کے دوران ظفر خاں سے اس کے تعلقات استوار ہوئے، حالانکہ دیگر تاریخی شواہد اور قرائن سے معلوم ہوتا ہے، کہ صائب اصفہان سے پہلے کابل آیا اور وہاں والئی کابل ظفر خاں احسن سے خوشگوار تعلقات قائم ہوئے اوراسی کی وساطت سے دربار شاہی میں رسائی ہوئی، شفق زادہ قم طراز ہے۔

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

''کابل میں مقیم ہوگئے، کابل کا والی ظفر خاں شاعرانہ مذاق رکھتا تھا، اس نے صائبؔ کی سرپرستی کی، پھر ظفر خاں کے ذریعہ وہ شاہجہاں کے دربار میں پہنچا اور اسے بڑا تقرب حاصل ہوا''۔ (تاریخ ادبیات ایران ص ۴۶۵)

ڈاکٹر بنارسی پرساد سکسینہ تحریر کرتے ہیں ''اس دور کا سب سے عظیم شاعر اور ایک جدید طرز کا موجد مرزا محمد علی متخلص بہ صائبؔ تھا، عرصہ دراز تک وہ کابل میں رہا، وہاں اس کو ظفر خاں کی سرپرستی حاصل رہی، شاہجہاں نے بھی خوش آمدید کہا اور اس کو مستعد خاں کے خطاب سے سرفراز فرمایا، مگر وہ دربار میں نہ ٹھہرا، بلکہ اپنے ابتدائی مربی ظفر خاں کے ناظم کشمیر ہونے پر اس کے ساتھ کشمیر چلا گیا''۔ (تاریخ شاہجہاں ص ۲۲۵)

صائبؔ اصفہان سے یہ سوچ کر ہندوستان وارد ہوا تھا، کہ وہ مغل دربار کے شعرا کی صف اول میں بیٹھے گا، لیکن منزل مقصود تک پہنچنے کے مراحل بڑے جاں گسل ہوتے ہیں، کسی مقرب بارگاہ سلطانی کی تقریب کے بغیر دہلیز شاہی تک پہنچنا بھی ممکن نہیں، ظاہر ہے، صائبؔ جیسا عبقری ذہن و دماغ رکھنے والا شاعران حقیقتوں سے بے خبر نہ رہا ہوگا، اس لیے وہ کابل آیا ہوگا اور ظفر خاں سے رسم و راہ پیدا کرنے کے بعد اس کی وساطت سے شاہجہانی دربار میں حاضر ہوا ہوگا، وہ شاہی دربار میں بڑی آسانی سے نہیں پہنچا، وہ خود کہتا ہے۔

در بوتہ گداز چومہ آب گشتہ ایم کز خوان آفتاب لب ناں گرفتہ ایم
افتادہ ایم درتہ پاسالہا چو مور تاجابروئے دست سلیماں گرفتہ ایم

ظفر خاں احسن کے ساتھ جب صائب دہلی آیا، تو شاہجہاں کی جوہر شناس نگاہوں نے اس باکمال شاعر کی عزت افزائی کی، منصب و خطاب سے نوازا، ۱۰۳۹ھ میں جب احمد نگر اور دکن کے امرا نے بغاوتیں شروع کیں، تو شاہجہاں خود دکن کے لیے روانہ ہوا، ظفر خاں اس مہم میں بادشاہ کے ساتھ تھا، صائبؔ بھی اس کا ہمرکاب رہا، ۱۰۴۳ھ میں جب ظفر خاں کا باپ خواجہ ابوالحسن وفات پا گیا، تو شاہجہاں نے ظفر خاں کو کشمیر کا صوبیدار مقرر کیا، شاہی دربار میں تقرب و اعزاز کے باوصف صائبؔ نے اپنے دوست و مربی ظفر خاں کی جدائی پسند نہ کی، چنانچہ وہ بھی ظفر خاں کے ساتھ کشمیر چلا گیا۔

صائبؔ ظفر خاں احسن کے اخلاق کریمانہ اور سلیم الطبعی سے متاثر تھا، دوسری جانب ظفر خاں بھی صائبؔ کے پاکیزہ مذاق اور دقیق حکیمانہ فکر و نظر کا حد درجہ گرویدہ بن گیا تھا، صائب نے اپنے محسن کی شان میں متعدد قصیدے لکھے ہیں، اس نے قصائد کے علاوہ بعض غزلوں میں بھی ظفر خاں کی فیاضی، علم دوستی اور اس کے فضل و کمال کا اعتراف کیا ہے۔

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

بحر طبعم در سخن چوں گوہر افشانی کند　　در صدف گوہر زخجلت چہرہ مرجانی کند
ہر کہ چوں من از ظفر خاں یافت فیض تربیت　　می رسد گر در سخن دعوائے حسانی کند
قبلۂ ارباب معنی خوان فطرت دستگاہ　　آنکہ نظم عقل را در سخندانی کند
چاں شکر و ظفر خاں را نسازم ودر خود صائبؔ　　کہ حق عرش پر دازی ببال شہرتم دارد

کرادا ریم ماغیر از ظفرخاں درجہاں صائبؔ
خیال آرزوئے ما دریجا پر بروں آرد

صائبؔ ظفر خاں کے ساتھ کشمیر کی پرفضا وادیوں میں مناظر فطرت سے لطف اندوز ہو رہا تھا، کہ اس کا بوڑھا باپ ایران سے ہندوستان آیا اور اسے مراجعت وطن پر مجبور کیا، باپ کا حکم اور وطن عزیز کی محبت ظفر خاں کی دوستی پر غالب آئے اور وہ ظفر خاں سے اجازت لے کر ایران چلا گیا، صائبؔ کو فی الواقع ہندوستان کی آب و ہوا ساز گار آئی اور یہیں اس کے شعر و سخن کی قدر افزائی کی گئی، اس کے مقاصد دیرینہ کی تکمیل بھی ہند ہی میں ہوئی، مگر وطن کی مہجوری اس کے لیے سوہان روح تھی۔ ؎

صائبؔ از ہند مجو عشرت اصفہاں را　　فیض صبح وطن از شام غریباں مطلب
بنگر چہ رغبت ست بسا حل غریق را　　صائبؔ عیار شوق من اصفہاں مپرس

شفق زادہ مراجعت وطن کے بعد اس کی ملک الشعرائی کا ذکر کرتا ہے۔

''چونکہ صائبؔ کے کلام کی شہرت ہندوستان اور ایران میں خوب پھیل چکی تھی، اس لیے شاہ عباس ثانی نے اپنے دربار میں طلب کیا اور اپنے دربار کا ملک الشعرا مقرر کیا''۔ (تاریخ ادبیات ایران ص ۴۶۶)

بہر حال یہ امر بالکل بدیہی ہے، کہ صائبؔ کو ایران کے اقلیم سخن کی تاجوری سفر ہند کی بدولت میسر آئی، ہندوستان کی قدر شناس فضاؤں نے اس کے مذاق شعر و سخن میں وہ بالیدگی عطا کی، کہ شاہ ایران نے اسے خود طلب کر کے ملک الشعرا بنایا۔

شاہ عباس ثانی کے انتقال کے بعد جب اس کا بیٹا سلیمان تخت نشیں ہوا، تو صائبؔ نے ایک قصیدہ پیش کیا، جس سے ان کا مزاج مکدر ہو گیا اور صائبؔ عتاب شاہی میں مبتلا ہو گیا، اس کے بعد صائبؔ نے پوری عمر عزلت میں بسر کر دی، مگر اس کی خود دار طبیعت نے تملق اور معذرت کی راہ چلنے سے باز رکھا، شاید اس نے انہیں ایام میں یہ اشعار لکھے۔ ؎

نیست غمگیں روزگارم از تنگی جادر صدف　　می کند از آب داری سیر دریا در صدف
گوہر مارا از غربت نیست برخاطر غبار　　دارد از پیشانی واکردہ صحرا صدف

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

شاعری:۔

چناں از فکر صائبؔ شور افتادہ است در عالم   کہ مرغاں ایں سخن دارند باہم در گلستانہا

صائبؔ کا یہ شعر اس کی شاعرانہ تعلی نہیں، بلکہ تحدیث نعمت ہے، ارباب کمال نے ہر دور میں اس کی فکر بلند اور فن کی پختگی کا اعتراف کیا ہے۔

صائبؔ از شعرائے عالی مقدار و فصحائے بلاغت شعار روزگار بودہ، در طرز خود امام فن، دو روش خویش مقتدائے زمن است، وصیت سخنوری او از کاف تا قاف جہاں رسیدہ، خوان نعیم کلامش از شرق تا غرب کشیدہ، متاخرین را باوے خیال ہمسری محال۔ (مرأۃ الخیال بحوالہ بزم تیموریہ ج۲ ص۱۹۷)

طرز ادا، مضمون آفرینی کے لحاظ سے فارسی شاعری کو تین مخصوص لہجوں میں تقسیم کیا جاتا ہے، سبک خرامی، سبک عراقی، سبک ہندی، یہ تیسرا سبک ہندوستان کی پیداوار ہے، صائبؔ سبک ہندی کا نمائندہ شاعر سمجھا جاتا ہے، لیکن اس کے ہاں سبک ہندی کی وہ خصوصیات جو کلام کو ثقیل و بے معنیٰ بناتی ہیں، ان سے اس نے پرہیز کیا ہے، البتہ مضمون آفرینی، نازک خیالی اور باریک اندیشی جو ہندی سبک کی جان ہیں، صائبؔ کے ہاں بدرجۂ اتم پائی جاتی ہیں۔

نہ شبنم ست چمن را بروئے آتش خاک   عرق زروئے تو کردہ ست گل بدامن پاک
عیار حسن ز صاحب نظر شود پیدا   کہ قیمت گہر از دیدہ ورشود پیدا
دہد ثمر ز رگ وریشۂ درخت خبر   نہفتہا دے پدر از پسر شود پیدا
مستی غفلت حجاب تشنۂ بیگانگی ست   ورنہ پیش از بادہ درد لہا اثر دارد بہار
چہ داند آں ستمگر قدر دلہائے پریشاں را   کہ سازد طفل بازی کوش کاغذ بعد قرآں را

مدتے چوں غنچہ در خون جگر پیچیدہ ام
تادریں گلزار چوں گل یک زباں خندیدہ ام

اخلاقی شاعری:۔ فارسی شاعری میں اخلاقی عناصر ابتدا ہی سے پائے جاتے ہیں، جس کی بنیادی وجہ یہ ہے، کہ موجودہ فارسی شاعری کا آغاز وارتقا ایران کے مسلم سماج میں ان اسلامی قدروں کے زیر سایہ ہوا، جس میں فرد اور جماعت دونوں کے تزکیۂ باطن اور تطہیر نفس کو خاص اہمیت دی گئی اور پاکیزہ سماج کی تشکیل جن کا اساسی مقصد ہے، چونکہ فلسفہ اخلاق وتصوف کا اہم رکن ہے، اس لیے جب فارسی میں صوفیانہ شاعری نے ترقی کی جانب قدم بڑھایا، تو اخلاقی مسائل کی نظم کا بھی مزاج پیدا ہوا، چنانچہ حکیم سنائی، شیخ عطار، مولانا روم، شیخ سعدی، عراقی نظامی، خسرو صوفیانہ شاعری کے اساطین کی حیثیت سے متعارف

http://t.me/Tehqiqat

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ہوئے اور انھوں نے اپنی عارفانہ مثنویوں، قصیدوں نیز غزلیات ور باعیات میں اخلاق وتصوف کے مباحث ومسائل کونہایت خوبی کے ساتھ پیش کیا۔

قدماومتوسطین نے اخلاقی مسائل میں مثنوی وقصیدہ اوررباعی جیسے اصناف سخن کوبطور خاص استعمال کیا،مگر بعد کے شعرا بالخصوص مرزا صائبؔ نے غزل کی زمین حسن وعشق میں اخلاقی مسائل وفکر کی کاشت کے قابل بنایا اوردامنِ غزل کومبتذل خیالات ومضامین کی آلائشوں سے پاک کرنے کی کامیاب کوشش کی۔

صائبؔ کی غزلوں میں اخلاق وتصوف کے اساسی مسائل متفرق اشعار میں اس خوبی اور کامیابی کے ساتھ نظم ہوئے ہیں، کہ ایک ایک شعراپنے اندر پوری طویل نظم کی معنویت رکھتا ہے، ذیل میں چند اخلاقی عنوانات کے تحت صائبؔ کے حکیمانہ افکاروخیالات پیش کیے جاتے ہیں۔

قناعت:۔ قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم من سعادۃ ابن آدم رضاہ بما قضی اللّٰہ لہ ومن شقاوۃ ابن آدم ترکہ استخارۃ اللّٰہ ومن شقاوۃ ابن آدم سخطہ بما قضی اللّٰہ (ترمذی ج۲ص۳۷)

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ آدمی کی خوش نصیبی یہ ہے کہ جو کچھ اللہ اس کے لیے فیصلہ کرے، اس سے راضی ہو، اس پر قناعت کرے اور آدمی کی بدبختی یہ ہے، کہ اللہ سے خیر اور بھلائی کی دعا نہ کرے اور آدمی کی بدنصیبی یہ ہے، کہ اللہ کے حکم اور فیصلے پر ناراض ہو"

قناعت سے انسان کے اندر خودداری اورعزت نفس کا جوہر صیقل پاتا ہے، جو اس کی آزادفکر و کردار اورحق گوئی وبے باکی کا سرچشمہ ہے، صفت قناعت سے متصف انسان دریوزہ گری اور کاسہ لیسی کی مذموم قباحت سے ہمیشہ محفوظ ومامون رہتا ہے، صائبؔ نے مختلف پیرایہ بیان میں قناعت کا درس دیا ہے۔

نانِ جو خوردی بہشت جاودانی سیرکن — می خوری خون از برائے نعمت الوان چرا
زبے برگی قناعت بادل بیدار کن صائبؔ — کہ اسباب فراغت پردہ ہائے خواب می گردد

صائبؔ کی قناعت بے نیازی کی شان پیدا کرتی ہے۔

فرش ما افتادگی اسباب ما آزردگی
خانۂ مارا نگہباں گر نباشد گو مباش

تواضع وانکساری:۔ (۱) فرمانِ رسالت ہے، اللہ تعالیٰ عفو ودرگزر کے ذریعہ بندے کی عزت بڑھاتا ہے اور جو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی خاطر تواضع کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے بلند فرماتا ہے۔ (۲) ارشاد نبوی ہے۔کوئی آدمی ایسا نہیں، مگراس کے ساتھ فرشتے ہیں اور انسان پرفہم وفراست کا نور ہوتا ہے،

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

جس سے وہ فرشتے اس کے ساتھ رہتے ہیں، پس اگر وہ انسان تکبر کرتا ہے، تو وہ اس سے حکمت چھین لیتے ہیں اور کہتے ہیں، اے اللہ! اسے سرنگوں کر اور اگر وہ تواضع وانکساری کرتا ہے، تو فرشتہ کہتا ہے، اے اللہ! اسے سربلند کر۔ (مکاشفۃ القلوب ص ۴۴۱)

عجب وکبر انسان کی باعزت زندگی اور اس کے فضائل شخصی کے لیے بدترین روگ ہیں، اگر انسان برتری، فضل وکمال اور علم ودانش، دولت وسطوت کے باوصف تواضع کی راہ اختیار کرتا ہے، تو اس کا یہ طرزِ عمل اور اس کے فضیلت علم کی ضمانت بن جاتا ہے، اس باب میں صائبؔ کی فکر نے واقعات وحالات کے مشاہدوں سے جو نتائج اخذ کیے ہیں اور انھیں پیکر شعر میں ڈھالا ہے، ملاحظہ فرمائیں۔

از راہِ تواضع بفلک رفت مسیحا　　پادررہ منزل کن و خورشید مکاں باش
نیست اکسیرے بعالم بہتر از افتادگی　　قطرۂ ناچیز گردد گوہر از افتادگی
از تواضع افسر خورشید رنگیں گشتہ است　　کم نمی گردد فروغ گوہر از افتادگی
آئینہ دار سرو و گل و یاسمن بود　　پہلو زند کسے کہ چو آب رواں بخاک
از تواضع کم نہ گردد رتبۂ گردن کشاں
نیست طیبے گر بود شمشیر جوہر دار کج

خاموشی:۔ قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم من صمت نجا

ترجمہ:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، جو شخص خاموش رہا، اس نے نجات پائی۔

سکوت، کم گوئی سے انسان کے وقار وعظمت میں اضافہ ہوتا ہے، اس کے مقابل بسیار گوئی عزت نفس کو گھٹاتی ہے، خاموشی کی ستائش حضرت علی رضی اللہ عنہ ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

''احمق کا قلب اس کے منہ میں ہے اور عاقل کی زبان اس کے قلب میں ہے، جب عقل کامل ہوتی ہے تو کلام کم ہوجاتا ہے''۔

در حقۂ سر بستہ گذار ند سخن را　　خاموش نشیں محرم اسرار نہاں باش
قدم بروں مگذار از حصار خاموشی　　کہ خواب امن بود در دیار خاموشی
زخاموشی دہن غنچہ مشک بو گردد　　خوشا لبے کہ بود مہردار خاموشی
سفینہ ایست کہ ازدست داد لنگر راہ　　سبک سرے کہ ندارد وقار خاموشی
شہید زخم ندامت نمی شود ہرگز
ہر آں کسے کہ بود پردہ دار خاموشی

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ناپائیداریٔ حیات وکائنات:۔ ارشادخداوندی ہے۔ قُلْ مَتَاعُ الدُّنیَا قَلِیْلٌ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا۔

(۱)واللہ ما الدنیا فی الآخرۃ الا مثل ما یجعل احدکم اصبعہ ھذہ فی الیم فینظر بما ترجع

ترجمہ:۔ اللہ کی قسم دنیا آخرت کے مقابلہ میں ایسی ہے، جیسے کوئی شخص سمندر میں انگلی ڈالے اور پھر نکال کر دیکھے کہ اسے کتنا پانی لگا۔

(۲)اللّٰھم لا عیش الا عیش الآخرۃ.

ترجمہ:۔ خدایا زندگی صرف آخرت کی زندگی ہے۔

انسان قدم قدم پر ناپائیداریٔ حیات وکائنات کا کھلی آنکھوں سے مشاہدہ کرنے کے باوجود دنیاوی عیش وعشرت میں اس درجہ محو ہوجاتا ہے، کہ اس کی چشم بصیرت پر پردے پڑجاتے ہیں اور وہ دنیا اور اس کی نشاط انگیزیوں ہی کو سب کچھ سمجھ لیتا ہے، تصورآخرت کی گرفت ڈھیلی پڑجاتی ہے، پھر مفاسد کے راستے کھل جاتے ہیں، جن کا انسداد مشکل ہوجاتا ہے، نشۂ ہستی میں انسان کی کیفیت یہ ہوتی ہے۔ ؎

بہ فکر نیستی ہرگز نمی افتند مغروراں
اگر چہ صورت مقراض لا دارد گریبانہا

صائبؔ بڑے موثر لب ولہجہ میں بے ثباتی عالم کی تصویر کشی کرتا ہے۔ ؎

چیست اسباب جہاں تا دل برو بندد کسے   می کنی زنار را شیرازۂ قرآں چرا
داغ دل ست عیش گلستان روزگار   درد دل ست سنبل و ریحان روزگار
در نوش خند برق خطر ست زینہار   بازی مخور ز چہرۂ خندان روزگار
بہر یک دم زندگانی چوں حباب شوخ چشم
می کنی پہلو تہی از بحر بے پایاں چرا

سامانِ آخرت کی فراہمی کی ترغیب اس طرح دیتا ہے۔

در بیابانِ عدم بے توشہ رفتن مشکل ست
نیستی در فکر تخم افشانی اے دہقاں چرا

حرص:۔ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادگرامی ہے۔

لعن عبدالدینار و لعن عبدالدراھم

ترجمہ:۔ بندۂ دینارودرم ملعون ہے۔(ترمذی)

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا، علم حاصل کر لینے کے بعد کون سی چیز علما کے دلوں سے علم نکال لیتی ہے؟ حضرت کعب نے جواب دیا، لالچ، حرص اور لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلانا۔ (مکاشفۃ القلوب ص ۲۵۹)

علم سب سے بڑی دولت ہے، جسے نہ پانی ڈبو سکتا ہے، نہ آگ جلا سکتی ہے، نہ راہزن لوٹ سکتا ہے، مگر حرص اس دولت کو زائل کر دیتی ہے، علم انسانی اخلاق و کردار کی عظمت کا ضامن اور اس کی برتری کی سند ہے، جب یہی جوہر چھن جائے اور جس دولت کو محنت وانہماک اور عرق ریزی و جانفشانی سے حاصل کیا ہے، حرص و آز کی آگ میں یک لخت جل جائے، تو ایسا شخص کس درجہ قابل رحم ہے اور علم کی برکت سے محروم ہونے کے بعد انسانی اقدار کی تعمیر بھلا کیسے کر سکتا ہے، صائبؔ اپنے انداز میں کہتا ہے۔

قاروں زروئے حرص بروئے زمیں نہ ماند　　دام از گرسنہ چشمی خود شد نہاں بخاک
حرص ہر ذرۂ مارا بجہانے انداخت　　مورخودرا چو کند جمع کم از خرمن نیست
در ہوائے کار دنیا می فشانی جاں چرا　　می کنی در راہ بت صید حرم قرباں چرا
دل بدنیائے دنی دادن نہ کار عاقل ست　　می دہی یوسف بہ سیم قلب اے ناداں چرا
از بصیرت نیست را گوہر بدل کردن بخاک　　آبروئے خویش می ریزی برائے ناں چرا
ساحل بحر تمنا نیست جز کام نہنگ　　می روی صائبؔ دریں دریائے بے پایاں چرا
سرنوشت برگ برگ ایں چمن را خواندہ ایم　　حاصل نخل تمنا میوۂ خام ست وبس

خلاف نفس کلید در بہشت بود
بہر چہ نفس تو لا کند تبراکن

صبر:۔ ارشاد خداوندی ہے۔ ان اللّٰہ مع الصابرین

رسول گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

ان عظیم الجزاء ماعظیم بلاء وعند اللّٰہ اذا احب قوما ابتلاھم فمن رضی اللّٰہ رضا ومن سخط فلہ السخط . (ترمذی)

ترجمہ:۔ آزمائش جتنی سخت ہوگی، اتنا ہی بڑا انعام ملے گا (بشرطیکہ بندہ مصیبت سے گھبرا کر راہ حق نہ چھوڑے) اور اللہ تعالیٰ جب کسی قوم سے محبت کرتا ہے، تو اس کو مزید نکھارنے کے لیے آزمائش میں ڈالتا ہے، تو جو قوم خدا کے فیصلے پر راضی رہے اور صبر کرے، اللہ اس سے خوش ہوتا ہے اور جو اس آزمائش میں اللہ سے ناراض ہوا، تو اللہ بھی اس سے ناراض ہوتا ہے۔

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

انسانی زندگی خوشی وغم، کامیابی وناکامی سے عبارت ہے، غم والم جن کے تصور سے انسان لرزہ براندام ہوتا ہے، حالانکہ یہی آزمائش اس کے درجات کی بلندی کی ضمانت ہے، مصیبتوں پر صبر واستقامت کا مظاہرہ انسانی قوت فکر وعمل کی علامت ہے، صائبؔ صبر کی اہمیت اس طرح واضح کرتا ہے۔

اگر نام بلند از چرخ خواہی صبر کن صائب — بہ پستی می تواں رفتن بہ بام آہستہ آہستہ
بکوہ صبر تواں جاں زموج حادثہ برو — برائے کشتی خود لنگرے مہیا کن

سفلہ گاں نہ زند چرخ چوں نیکاں برسنگ
محک سیم و زراز بہرمس وآہن نیست

صائبؔ کی اخلاقی شاعری کو مختلف ذیلی عنوانات کے تحت زیر بحث لانے کی اس مختصر مضمون میں گنجائش نہیں، اس لیے ذیل میں چند عنوانات پر اس کے ایک ایک دو دو اشعار تحریر کیے جاتے ہیں۔

علم ودانش:۔
بروشنائی فہم از چراغ قانع شو
کہ ایں دو شمع نہ گردد بیک شبستاں جمع

یگانگت:۔
دیدۂ شوخ ترا آئینہ در زنگار ست
ورنہ یک سبزۂ بیگانہ دریں گلشن نیست

صحبت عاقلاں:۔
صحبت روشن ضمیراں پردہ سوز غفلت است
خواب می سوزد بچشم از دیدۂ باز چراغ

آہ نیم شبی:۔
ہیچ قفلے نیست نکشاید بآہ نیم شبی
ماندۂ در عقدۂ دل ایں قدر حیراں چرا
فریب کار کشایان روزگار مخور
ببرز آہ چراغ بآستانۂ دل

بحث وتکرار:۔
بر سنگ فارہ زد گہر آبدار خویش
ہر کاملے کہ کرد بناقص عیار بحث
یک عقدہ وانہ شد زدل ارباب عقل را
چنداں کہ برد ناخن دقت بکار بحث

صفائی قلب:۔
آنانکہ دل زکینہ سکبار کردہ اند
بالیں و بستر از گل بے خار کردہ اند

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

آزادیٔ ہند میں مسلم صحافت کا کردار

عام طور پر خیال کیا جاتا ہے، کہ تحریک آزادیٔ ہند کا آغاز ۱۸۵۷ء میں ہوا اور آزادی کی یہ پہلی جنگ ہے، جو انگریزوں کے خلاف لڑی گئی، جبکہ تاریخی حقائق ثابت کرتے ہیں، کہ ۱۸۵۷ء سے سو سال پہلے ہی برطانوی سامراج کے خلاف آزادی کی جنگ محبّ وطن نواب سراج الدولہ نے ۱۷۵۷ء میں پلاسی کے میدان میں لڑی تھی، پھر انگریزوں کے وجود سے سرزمین وطن کو پاک کرنے کے لیے ۱۷۶۴ء میں بکسر میں جنگ کی گئی، اس کے بعد حیدر علی اور سلطان ٹیپو انگریزوں کے خلاف سرفروشانہ جنگیں لڑتے رہے، بالآخر ۱۷۹۹ء میں انگریزی فوج اور اس کے حلیف نظام نے مل کر میسور پر حملہ کر دیا، ٹیپو ایک ایک انچ سرزمین ہند کی حفاظت کے لیے بہادری کے ساتھ لڑتا ہوا شہید ہو گیا۔

آزادی کی ان لڑائیوں میں شکست کے باوجود محبان وطن کا جذبۂ حریت ماند پڑنے کے بجائے بڑھتا ہی رہا، جس نے ۱۸۵۷ء سے پہلے ہی ایک تحریک کی صورت اختیار کر لی، ۱۸۵۷ء کی انقلابی کوشش آزادیٔ وطن کی اسی تحریک کا نتیجہ تھی، جس میں مسلم مجاہدین آزادی سر سے کفن باندھے ہوئے صف اول میں نظر آتے ہیں، بلکہ غالب اکثریت مسلمانوں ہی کی تھی، جنھوں نے مادر وطن کے تحفظ کے لیے اپنی ذات کی قربانیاں پیش کیں اور اس راہ میں لاکھوں مسلمانوں نے اپنی جانیں قربان کر دیں، جہاد آزادی میں جوش پیدا کرنے کے لیے علمائے کرام اور مسلمان صحافی بھی سر سے کفن باندھ کر میدان میں کود پڑے، افسوس کی بات یہ ہے، کہ آج مسلمانوں کی حب الوطنی شکوک وشبہات کے دائرے میں داخل ہو گئی ہے، جبکہ مسلمان ہی تحریک آزادی کے پہلے علمبردار اور اولین امام ہیں، یہی وجہ ہے، کہ ۱۸۵۷ء کے بعد جب انگریزی سامراج کے قدم ہندوستان میں جم گئے، تو جنگ آزادی کو غدر کا نام دے کر مسلمانوں ہی کو سب سے زیادہ تیغ وتفنگ کا نشانہ بنایا گیا، یہی زیادہ تر دار ورسن کی آزمائشوں میں ڈالے گئے، قید و بند کی صعوبتوں میں مبتلا کیے گئے اور انھیں جلاوطنی کی زندگی پر مجبور کیا گیا۔

تارا چند لکھتے ہیں۔

’’چونکہ بغاوت کے بعد انگریزوں کی نفرت کا اصل نشانہ مسلمان بن گئے تھے، اس لیے قدرتی طور سے بغاوت کے نتائج انھیں زیادہ برداشت کرنے پڑے، جن علاقوں میں بغاوت کا زیادہ

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

زور تھا وہاں کے سرکردہ خاندان برآمد ہوگئے اور بہت سوں کی زمینیں اور دوسری املاک چھن گئیں اور وہ غربت و افلاس کے شکار ہوگئے، نوجوانوں کا مستقبل تاریک ہوگیا، اس لیے کہ سرکاری سرپرستی کے دروازے ان پر بند ہوگئے تھے، پورا پورا مسلم فرقہ اندھیروں میں بھٹکنے لگا اور ایسا معلوم ہوتا تھا، کہ ان کی قسمت میں تباہی و بربادی کے علاوہ کچھ بھی نہیں تھا، سرانفرڈ لائل کے مطابق ۱۸۵۷ء کی بغاوت کے بعد انگریزوں نے مسلمانوں کے ساتھ حقیقی دشمنوں اور انتہائی خطرناک رقیبوں کا سلوک کیا، جس کی وجہ سے بغاوت کی ناکامی ہندوؤں کے مقابلہ میں ان کے لیے (مسلمانوں کے لیے) زیادہ تباہ کن ثابت ہوئی''۔(تاریخ تحریک آزادی ہند دوم ص ۲۹۵)

بغاوت کی پاداش میں تباہی و بربادی کا ہولناک طوفان مسلمانوں کو شکست نہ دے سکا، وہ ناکامی و نامرادی کے اندھیروں میں بھی عزم و ہمت کی شمع لے کر آگے بڑھتے رہے، آزادی وطن کی تحریک جب منظم ہونے لگی، تو برادران وطن کے ساتھ مسلم رہنماؤں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور تحریک آزادی کی رفتار کو تیز کرنے اور ہندوستانیوں میں آزادی کی برقی توانائی پیدا کرنے کے لیے جہاں ہندو اہل قلم اور صحافیوں نے اپنا رول ادا کیا، مسلمان صحافی ان سے کبھی بھی پیچھے نہ رہے، بلکہ اپنی بے باک تحریروں سے انگریزوں کی مخالفت، حریت پسندوں کی حمایت اور آزادی وطن کی جنگ میں ہر موڑ اور ہر محاذ پر اپنا بے مثال کردار پیش کرتے رہے۔

ذیل میں ہم تحریک آزادی میں مسلم صحافت کے کردار کی وضاحت حوالوں کے ذریعہ پیش کرنے کی کوشش کریں گے۔

دہلی اردو اخبار:۔ دہلی اردو اخبار درحقیقت اردو کا پہلا باقاعدہ اخبار تھا، جسے مولوی محمد باقر نے ۱۸۳۶ء میں دہلی سے جاری کیا، اس اخبار نے شروع سے ہی تعلیمی، تمدنی اور معاشرتی مسائل سے متعلق خبروں کے علاوہ سیاسی امور کو بھی پیش نظر رکھا، ۱۸۵۷ء کے انقلاب میں بڑی بے باکی کا مظاہرہ کیا، ہندوستانی فوجیوں کی چھوٹی چھوٹی کامیابیوں کو بیان کیا، تاکہ عوام کا حوصلہ بلند رہے، انگریزوں کے خلاف خبروں اور تبصروں کی اشاعت کی اور ان کے خلاف جنگ کے بارے میں علما کے فتوے شائع کرکے اس پہلی جنگ آزادی کی کامیابی یقینی بنانے کی کوشش کی، ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے پہلے دن کی جو مفصل رپورٹ مولوی محمد باقر نے اپنے خاص رپورٹر کے ذریعہ شائع کی تھی، ویسی جامع رپورٹ ہندوستان کے کسی دوسرے اخبار میں شائع نہیں ہوئی۔

جنگ آزادی ناکام ہوئی اور دہلی پر انگریزوں کا مکمل تسلط ہوگیا، تو انگریزوں نے حریت

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

پسندوں کی حمایت کے جرم میں مولوی باقر کو گرفتار کیا اور خونی دروازے کے باہر عمائدین شہر کے ساتھ گولی مار کر ہلاک کر دیا، اس طرح دہلی اردو اخبار کے مدیر کی موت کے ساتھ ہی اخبار بند ہو گیا۔

صادق الاخبار دہلی :۔ یہ مولوی جمیل الدین کا ہفت وار اخبار تھا، جو حب الوطنی اور انگریزوں کے خلاف جنگ آزادی کا پرجوش مبلغ تھا، جو لیتھو پریس پر چھپتا تھا، غیر معمولی خبریں فراہم ہونے پر اس کا ضمیمہ بھی شائع کیا جاتا تھا، اس کی مقبولیت عوام وخواص کی حدوں سے نکل کر قلعۂ معلیٰ تک تھی، بادشاہ اور شہزادے بھی اسے پڑھا کرتے تھے، اس اخبار نے صرف ملک کو انگریزوں کے تسلط سے آزاد کرانے کی حمایت ہی نہیں کی تھی، بلکہ انگریزوں کے قتل عام پر ہندوستانیوں کو ابھارا بھی تھا، بہادر شاہ کے مقدمہ کی سماعت کے دوران بھی اس اخبار کا ذکر آیا تھا، دہلی پر انگریزوں کے کامل تسلط کے بعد یہ اخبار بند ہو گیا، اس کے مدیر مولوی جمیل الدین کو تین سال کی قید ہوئی اور ان کی ساری جائداد ضبط کر لی گئی۔

اخبار گلشن نو بہار کلکتہ:۔ اس کے ایڈیٹر عبدالقادر تھے، اس اخبار نے کھل کر انگریزوں کی مخالفت کی اور واجد علی شاہ کی برطرفی اور لکھنو پر انگریزی اقتدار کی مذمت کی، یہ اخبار باغیانہ مضامین شائع کرنے کے جرم میں بند کر دیا گیا اور اس کا پریس بھی ضبط ہو گیا۔

طلسم لکھنو:۔ لکھنو کا پہلا اخبار ہے، جسے مولوی یعقوب انصاری فرنگی محلی نے ۲۵/جولائی ۱۸۵۶ء /۲۲/ذی قعدہ ۱۲۷۲ھ کو جاری کیا، اس کا آخری شمارہ نمبر ۴۲، ۸/مئی ۱۸۵۷ء کو نکلا۔

مولوی یعقوب انصاری مدیر اخبار نے غدر ۱۸۵۷ء سے قبل انگریزوں کے مظالم اور ان کی سفاکیوں کی داستان بڑی بے باکی کے ساتھ اخبار میں شائع کی، ہندوستانیوں کی غیرت کو جھنجھوڑا، آزادی کے جذبات کو برانگیختہ کیا، ہندوستانیوں میں حریت کے جذبات کو تقویت بخشی، نواب واجد علی کی گرفتاری کے بعد انگریز حکمرانوں نے شرفائے لکھنو پر جو ستم رانیاں کیں اور انھیں خانماں برباد کیا، اس پر مولوی یعقوب نے اپنے تاثرات ان الفاظ میں لکھے۔

’’غرض بیٹھے بٹھائے کیا پریشانی اٹھائی، زمانہ کی گردش نے عجب ویرانی دکھائی، تمام خلقت کو رقت تھی، یہ حیرانی دیکھ کر حیرت تھی، دیکھنے والوں کا دل کڑھتا تھا مگر کیا ہو سکتا تھا، ایک دوسرے کا منہ تکتا تھا، روتا تھا، بلکتا تھا‘‘

۱۶/جنوری ۱۸۵۷ء کے طلسم لکھنو میں مولوی یعقوب نے انگریزوں کے زیر اقتدار لکھنو میں امن وامان کی بگڑتی ہوئی صورت حال پر اظہار تاسف کرتے ہوئے سفید فام حکمرانوں پر کڑی تنقید کی تھی۔

’’جس دن سے سلطنت نہ رہی، شہر بگڑا، چوروں کی بن آئی، کسی میں حالت نہ رہی اس اندھیر

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

پر ایک مثل یاد آئی ہے، کہ ''اندھے کی جورو کا خدا رکھوالا ہے'' اس نابینائی پر حکومت اندھیر ہے، صاف اندھے کے ہاتھ میں بٹیر ہے، ورنہ باتیں عجائب ہوئی ہیں''

۱۸۵۷ء کے بعد:۔ غدر ۱۸۵۷ء کے خون آشام واقعات کے بعد اگرچہ پہلی جنگ آزادی میں حصہ لینے والے اخبارات بند ہوگئے اور ان کے مدیر قتل کر دیے گئے یا انھیں قید و بند کی سزائیں جھیلنی پڑیں، انگریزوں نے اپنے جبر و استبداد سے حب الوطنی کے جذبات اور آزادی کی تحریک کو دبانے کی پوری کوشش کی، انھوں نے ادنیٰ شبہے کی بنیاد پر بھی آزادی کے مجاہدین اور ان کے خیر خواہوں کو دار پر چڑھا دیا یا سر عام گولیوں کا نشانہ بنا کر اپنے اقتدار کی ہیبت ہندوستانیوں کے دلوں پر قائم کرنے کی کوشش کی، مگر جونہی دارو گیر کے ہنگامے فرو ہوئے، عام شہری زندگی معمول پر آئی، ذرا مطلع صاف ہوا، تو شمع آزادی کے پروانے آگے بڑھے اور حریت کے جذبات سر ابھارنے لگے اور ہندوستان کے طول و عرض میں اخبارات و جرائد نکلنے شروع ہوئے، جن میں شمع آزادی کی لو کو تیز کرنے اور آزادی کے پروانوں میں ہمت و حوصلہ بڑھانے وطن کی آزادی کے لیے قربان ہونے کی تحریک پیدا کی جانے لگی۔

آگرہ اخبار:۔ یہ اخبار ۱۸۶۸ء میں آگرہ سے جاری ہوا، جس کے مدیر خواجہ یوسف علی تھے، اس اخبار کے پہلے صفحہ پر یہ تحریر ہوتی ''ہمارا مقصد ہندوستان میں آزادی پھیلانا ہے'' خواجہ یوسف علی اپنے مضامین میں انگریزوں کی تنگ نظری اور تعصب کی نشاندہی کیا کرتے، جس کا بنیادی مقصد اہل وطن کے دلوں میں انگریزوں سے نفرت و بیزاری کے جذبات کو تقویت دینا تھا۔

منشور محمدی:۔ منشی محمد شریف نے ۱۸۷۲ء میں بنگلور سے یہ اخبار جاری کیا، یہ اخبار تحریک آزادی کا حامی تھا، مصر اور دوسرے ملکوں میں انگریزی سامراج کی غلط پالیسیوں کی نقاب کشائی کرتا، یکم جنوری ۱۸۸۶ء کے شمارے میں اس نے تفصیل سے لکھا، کہ حکومت برطانیہ ہندوستان کی دولت کس طرح لوٹ رہی ہے، اس مضمون میں لکھا تھا، کہ اگر چنگیز خاں، تیمور لنگ اور نادر شاہ کی حکومت ہوتی، تو بھی اس قدر لوٹ کھسوٹ نہ ہوتی۔

زمیندار، لاہور:۔ ہندوستان کی جدو جہد آزادی میں اخبار زمیندار نے طویل عرصے تک حریت پسندوں کی رہنمائی کی، اس کے اداریے، مضامین اور مبنی بر حقائق واقعات و حادثات کی رپورٹیں کچھ اس ترتیب سے شائع کی جاتیں کہ وطن کے جاں نثاروں کو ایک نیا حوصلہ ملتا تھا، جس سے آزادیٔ کامل کی دشوار گزار راہیں آسان نظر آنے لگتیں۔

۱۹۰۳ء میں مولوی سراج الدین نے زمیندار جاری کیا، جو سر سید کے فکری اسکول سے وابستہ

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

تھے، قومی وملکی معاملات میں برابر دلچسپی لیتے رہے، کبھی کبھی اپنے خیالات کا اظہار مضامین کی شکل میں بھی کرتے، جو تہذیب الاخلاق میں شائع بھی ہوتے، ۱۹۰۹ء تک اس اخبار کے مقاصد محدود تھے، مگر جب مولوی سراج الدین کے انتقال کے بعد ان کے بیٹے مولوی ظفر علی خاں اس کے مدیر ہوئے، تو یکم جنوری ۱۹۱۰ء کو ہفتہ وار اخبار کا پہلا ایڈیشن شائع ہوا، مولوی ظفر علی کی کوششوں سے اخبار نے نیا رنگ و آہنگ اختیار کیا اور اس کے مقاصد میں تنوع اور اشاعت میں وسعت پیدا ہوئی، وہ اخبار کا دفتر کرم آباد سے لاہور لائے۔

زمیندار کی انقلابی تحریروں نے پورے ملک کی فضا میں ایک گونج پیدا کردی، اس اخبار نے بڑی جرأت وہمت کے ساتھ حکومت وقت کے جبر وتشدد کا مقابلہ کیا، ملک وقوم کی ہنگامہ خیز بیداری، پریس کی آزادی، تحریک آزادی کی تقویت وتوثیق، ہندوستانیوں میں صحیح سیاسی نظریات کی نشو ونما کے لیے اس اخبار نے زبردست کوشش کی، یہی وجہ تھی کہ اس کی مقبولیت میں اضافہ ہوتا رہا، ہفتہ وار سے سہ روزہ اور سہ روزہ سے روزانہ اس کے صبح وشام ایڈیشن شائع ہونے لگے۔

یہ اخبار انگریزی حکومت کے سامراجی رویوں پر کڑی تنقید کرتا، جس سے ہندوستانیوں میں حکومت کی جارحیت اور سیاسی چالبازیوں کے خلاف زبردست جوش وخروش پیدا ہوا۔

پہلی جنگ عظیم کے بعد خلافت تحریک کے ساتھ ساتھ جدوجہد آزادی کی رفتار تیز ہوگئی، تو زمیندار کے صفحات اس جدوجہد آزادی کے پرجوش موید ہوگئے، انھوں نے حصول آزادی کے لیے ہندوستانی اقوام کے اتحاد کی جدوجہد کی، وہ لکھتے ہیں۔

''اب وقت ہے کہ ملک کے تمام کارکن اتحاد واتفاق کے ساتھ اس سادہ یسیر العمل اور وسیع الاثر نظام کار کو جلد سے جلد پایۂ تکمیل تک پہنچادیں، اس کے بعد آزادی کی منزل اسی طرح ہمارے سامنے آجائے گی، جس طرح کہ بردولی میں خلاف ورزی قانون کے التوا سے پیشتر ہمارے سامنے تھی، امید واثق ہے، کہ ملک مہاتما جی کی دعوت پر تہہ دل سے لبیک کی صدا بلند کرے گا''

چونکہ یہ اخبار ہندوستانیوں کے جذبات حریت کا بے باک ترجمان تھا، اس لیے اسے قبول عام حاصل ہوا، اس کی اشاعت تیس ہزار تک پہنچ گئی تھی، جو ۱۹۴۷ء تک کسی اردو اخبار کے نصیب میں نہ آئی۔

اردوئے معلیٰ علی گڑھ:۔ مولانا فضل الحسن حسرت موہانی نے جولائی ۱۹۰۳ء میں اردوئے معلیٰ جاری کیا، پھر سہ ماہی تذکرۃ الشعرا نکالا، جو ۱۹۲۰ء میں بند ہوگیا، اخبار مستقبل ۱۹۲۸ء میں جاری کیا، جنوری ۱۹۳۲ء سے یہ ماہانہ ہوگیا اور ۱۹۳۶ء سے یہ اردوئے معلیٰ کے ساتھ ضمیمے کے طور پر شائع ہونے لگا، مولانا

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

حسرت موہانی بیک وقت شاعر، صحافی اور مایہ ناز سیاست داں تھے، اردوئے معلیٰ اوران کے دوسرے جرائدادب اورسیاست کی اعلیٰ قدروں سے قارئین کو روشناس کراتے تھے،علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے ساختہ پرداختہ ہونے کے باوجود وہ علی گڑھ تحریک کے سیاسی نقطۂ نظر کی مخالفت کیا کرتے تھے، سرسید نے ۱۸۵۷ء کے غدر میں مسلم اقتدار اور مشرقی تہذیب وتمدن کی شکست کا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا، مسلمانوں کی معاشی اورسیاسی زبوں حالی تعلیمی پسماندگی ان کے لیے تشویش کا باعث تھی، ۱۸۶۹ء میں جب وہ لندن گئے اور انگریزوں کی معاشی خوشحالی، تعلیمی ترقی اور ایجادات واختراعات میں ان کی حیرت انگیز کامیابیوں کا مشاہدہ کیا، تو وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ انگریز دشمنی اور جدید تعلیم سے روگردانی ایک لا یعنی عمل ہے، جس سے انگریزوں کو شکست دے کر مسلمان برسر اقتدار نہیں آسکتے، بلکہ نکبت وزوال کی گہری کھائیوں میں گرتے چلے جائیں گے، اس لیے اپنی شناخت قائم کرنے اور پستی سے اٹھنے کی صرف یہی راہ ہے، کہ جدید تعلیم حاصل کی جائے، یورپی اقوام کے سائنسی اور صنعتی قافلے کے ساتھ چلنا سیکھا جائے اور انگریزوں کو اس کا یقین دلایا جائے، کہ مسلمان انگریزی اقتدار کے مخالف نہیں، بلکہ اس کے حامی اور معاون ہیں، علی گڑھ تحریک کے اس نقطہ نظر نے مسلم نوجوانوں کو بلاشبہ جدید تعلیم کے میدان میں آگے بڑھایا اور انہیں سائنسی وصنعتی شعور عطا کیا، مگر مغرب کی اندھی تقلید نے انھیں مشرقی تہذیب اور مذہبی اقتدار سے دور کردیا اور وہ انگریزوں کی غلامی ہی کو کامرانی سمجھنے لگے۔

مولانا حسرت موہانی نے علی گڑھ کی فضا میں اعلیٰ تعلیم حاصل کی، مگر ان کا ضمیر بیدار تھا، وہ انگریزی تعلیم سے متنفر نہ تھے، مگر سفید فام ظالم انگریزوں کے پنجۂ استبداد سے ملک کو آزاد کرانا تو ہر ہندوستانی کا فرض منصبی سمجھتے تھے، اس لیے انھوں نے علی گڑھ میں رہتے ہوئے علی گڑھ تحریک کے سیاسی نقطۂ نظر کی سخت مخالفت کی اور ایک بیدار مغز محبّ وطن اور مدبر سیاست داں، بلند فکر صحافی کی حیثیت سے حب الوطنی کے جذبات سے سرشار ہوکر تحریک آزادی کو آگے بڑھانے کی بھر پور جدوجہد کی۔

حسرت موہانی ایک راسخ العقیدہ مومن، بیدار مغز سیاست داں اور صحافی تھے، انھوں نے بی، اے کرنے کے بعد کسی ملازمت کی کوشش نہیں کی، جبکہ انھیں انگریزی حکومت میں بڑے سے بڑا عہدہ مل سکتا تھا، مگر وہ ملازمت کو اپنی حریت پسند ذات کے لیے گراں بار طوق وسلاسل سے کم نہ سمجھتے تھے، اس لیے ملازمت کے قیود سے آزاد رہ کر عملی سیاست میں قدم رکھا اور اپنی با مقصد صحافت سے اہل وطن کے دلوں میں حریت پسندی کی چنگاریوں کو شعلۂ جوالہ میں تبدیل کرنے کی کوشش کی۔

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

حسرت پکے نیشلسٹ تھے، ان کا سیاسی موقف بڑا واضح تھا، وہ اپنے نقطۂ نظر کے اظہار میں بے باک اور جری واقع ہوئے تھے، وہ اپنے مخصوص نظریات کا برملا اعلان کرتے تھے، کوئی اس سے اتفاق کرے یا اختلاف اردوئے معلیٰ میں ان کی بے باک تحریروں اور انگریزوں کی مخالفت کے نتیجہ میں ۱۹۰۹ء میں انھیں دوسال قید سخت اور پانچ سو روپیہ جرمانہ کی سزا ہوئی، قید خانے میں چکی پیسنے کی تکلیف بھی دی گئی، مگر اس مشقت میں بھی ان کی مشق سخن جاری رہی۔

ہے مشق سخن جاری چکی کی مشقت بھی
اک طرفہ تماشا ہے حسرت کی طبیعت بھی

قید سے آزادی کے بعد دوستوں نے انھیں انگریز دشمن پالیسی سے باز رہنے کا مشورہ دیا، مگر آزادیٔ وطن ان کا عقیدہ بن چکا تھا، اپنے نظریہ کا اظہار اردوئے معلیٰ نومبر ۱۹۱۹ء کے اداریے میں اس طرح کرتے ہیں۔

''مشکل یہ ہے، کہ ہمارے خیال میں یقین یا عقیدہ عام اس سے کہ وہ مذہبی ہو یا سیاسی کو محض موت یا مصلحت کے لحاظ سے ترک یا تبدیل کر دینا اخلاقی گناہوں میں بدترین گناہ ہے، جس کے ارتکاب کا کسی حریت پسند یا آزاد خیال اخبار نویس کے دل میں ارادہ بھی پیدا نہیں ہوسکتا، پالیٹکس میں ہم مقتدائے وطن پرستاں مسٹر تلک اور سرکردہ احرار بابو آر بندر گھوش کی پیروی اپنے اوپر لازم سمجھتے ہیں، چنانچہ اس حیثیت سے فیروز شاہی کانگریس سے ہم کو اتنی ہی بیزاری ہے، جتنی امیری مسلم لیگ یا نوزائیدہ امیر چندی کانفرنس سے اور ہمارے خیال میں یہ بیزاری بالکل حق بجانب ہے، اس لیے کہ دنیا کی رفتار اور اہل دنیا کے طبائع کا میلان صریحاً حریت کی جانب ہے، چنانچہ خوابیدہ براعظم ایشیا میں بھی ہندوستان کے علاوہ کوئی بڑا ملک آزادی کی نعمت سے محروم نہیں ہے، پس عقل سلیم کسی طرح باور نہیں کرسکتی، کہ تمام عالم میں صرف ہندوستان ہی ایک ایسا ملک ہے، جس کی قسمت میں محکومئی دوام کی ذلت لکھ دی گئی ہے''۔

یہ اداریہ حسرت کے بے لوث حب الوطنی کو ظاہر کرتا ہے، وہ تحریک آزادی کے ایسے علمبردار تھے، جن کے قدم کسی مشورے یا مصلحت کی وجہ سے نہ رکتے تھے، گاندھی جی ان کی اس خصوصیت کا اعتراف اس طرح کرتے ہیں۔

''مولانا حسرت موہانی اس جلسے میں موجود تھے، میں انھیں پہلے سے جانتا تھا، مگر یہ اس کانفرنس میں معلوم ہوا، کہ وہ کس غضب کے لڑنے والے ہیں، مجھ میں اور ان میں ابتدا سے اختلاف رائے تھا اور بعض

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

مسئلوں میں اب تک ہے''۔(تلاش حق ص ۳۱۰)

حسرت موہانی آزادی کامل کا نعرہ بلند کرنے والے ملک کے پہلے لیڈر ہیں، سب سے پہلے انھوں نے ہی کانگریس کے اجلاس ۱۹۲۱ء میں آزادی کامل کی تجویز پیش کی، جسے اس وقت منظور نہیں کیا گیا، ترک موالات کا راستہ بھی حسرت کا دکھایا ہوا ہے، جس کا اعتراف خود گاندھی جی نے اپنی خودنوشت سوانح حیات میں کیا ہے، اس کے علاوہ انھوں نے سودیشی تحریک کی حمایت اور رہبری اس وقت کی جب اس کا عام سیاسی تصور تک نہ تھا، وہ ۱۹۰۵ء سے اس تحریک سے عملاً وابستہ ہوئے اور پوری زندگی اپنے مسلک پر قائم رہے، تحریک کو فروغ دینے کے لیے انھوں نے علی گڑھ اور بعد میں کانپور میں سودیشی اسٹور قائم کیے۔

حسرت موہانی نے جس انقلابی نظریہ کو اختیار کیا تھا اور اس کے لیے فقر وغنا اور سخت زندگی کے جس راستہ کو وہ ضروری سمجھتے تھے، اس پر چلنا ہر ایک کے بس کی بات نہیں ہے، انھوں نے جس بات کو حق سمجھا اس کا برملا اظہار کر دیا، اس وجہ سے وہ لوگوں کی تحقیر وتضحیک کا نشانہ بنے اور انھیں اپنا راستہ زیادہ تر اکیلے طے کرنا پڑا، انھوں نے کانگریس چھوڑی، لیگ میں گئے، لیکن وہاں بھی ان کی کسی سے پٹی نہیں اور وہ تنہا ہی آزادی کی راہ میں بڑھتے چلے گئے۔ ؎

اپنا سا شوق اوروں میں لائیں کہاں سے ہم
گھبرا گئے ہیں بے دلی ہمرہاں سے ہم
کچھ ایسی دور بھی تو نہیں منزل مراد
لیکن یہ جب کہ چھوٹ چلیں کارواں سے ہم

حسرت موہانی پوری ہمت وجرأت کے ساتھ اردوئے معلّٰی کے ذریعہ اپنے ادبی مذاق اور سیاسی نقطۂ نظر کو برملا طشت از بام کرتے رہے، اردو رسائل میں مکمل آزادی کا اعلان کرنے والا یہی رسالہ تھا، جہادِ حریت سے سرشار اردوئے معلّٰی ایک شعلہ بار مجلّہ تھا، جس کی تحریروں سے فرنگی حکمرانوں کی نیندیں حرام ہوگئیں، یہ اپنے آغاز سے قریباً دس سال تک حکومت کے جبر واستبداد کا شکار رہا، جس سے اس کی اشاعت کئی بار بند ہوئی، نامساعد حالات کے باوجود مولانا حسرت موہانی کسی نہ کسی حالت میں اسے ۱۹۴۲ء تک نکالتے رہے۔

یہ وہ دور تھا، جب انگریزی سامراج آزادی کا لفظ بھی سننا گوارا نہیں کرتا تھا، یہی وجہ ہے، کہ حسرت کی بے باک صحافت اور کامل آزادی کی جدوجہد انگریزوں کے لیے ناقابل برداشت تھی، چنانچہ

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

۱۹۱۳ء میں اردوئے معلیٰ کا پریس ضمانت کا شکار ہو کر بند ہو گیا، پھر بھی اس مجاہد آزادی کے قدموں میں لغزش نہ آئی، رسالہ بند کرتے ہوئے تحریر کیا۔

''سر جیمس مسٹن (لفٹنٹ گورنر صوبہ یوپی) اور ان کے مانند جملہ احباب قہر و غرور کو معلوم ہونا چاہیے، کہ ان کی ناراضی اہل دولت و جاہ کے لیے خواہ کیسی ہی مہیب اور اہم کیوں نہ ہو، مگر ہم سے آزاد فقیروں کا اس سے مرعوب و مغلوب ہونا کسی صورت سے ممکن نہیں ہے''۔

حسرت کا یہ اعلان کسی بغاوت سے کم نہ تھا، وہ سرکاری حلقوں میں برطانیہ دشمن ہندوستانی قرار پائے، چنانچہ ۱۹۱۶ء میں آپ کو فرد جرم لگائے بغیر نظر بند کر دیا گیا، یوپی کونسل اور اخبارات میں مولانا کی نظر بندی کے خلاف سخت احتجاج ہوا، بعض لوگوں نے معاملہ کو رفع دفع کر کے کچھ شرائط پر نظر بندی اٹھائی جانے کی تدبیریں کیں، مگر مولانا حسرت نے کوئی شرط قبول نہ کی، کھرے سادات کے خاندان میں تھے، صاف صاف فرماتے ہیں۔ ؎

میں غلبۂ اعدا سے ڈرا ہوں نہ ڈروں گا
یہ حوصلہ بخشا ہے مجھے شیر خدا نے

وہ طاغوتی طاقتوں کے سامنے سر جھکانے کے بجائے سر کٹانا پسند کرتے تھے۔ آزمائشوں میں ہمت ہار جانا ان کا شیوہ نہ تھا، وہ خود یہ دعا کیا کرتے تھے۔ ؎

حسین ابن علی کے صبر نے جس کے مزے لوٹے
ہمیں بھی اس بلا کا حوصلہ دو یارسول اللہ!

پہلی جنگ عظیم کے دوران حسرت کی نظر بندی کو قید میں تبدیل کر دیا گیا، جھانسی الہ آباد، پرتاپ گڑھ، فیض آباد اور لکھنو وغیرہ کی جیلوں میں قید و بند کی مصیبتیں جھیلتے رہے، مگر ان کے پائے عزم و ثبات میں ذرا بھی لغزش نہ آئی اور حریت کامل کا یہ علمبردار بآواز بلند کہتا رہا۔ ؎

درس حق جاری ہے یاں بھی حسرت آزاد کا
قید خانہ مدرسہ گویا ہے فیض آباد کا

عالمی جنگ کے اختتام پر حسرت رہا کر دیے گئے، مگر انگریز دشمن سیاسی سرگرمیوں سے وہ اپنے کو آزاد نہ کر سکے، آزاد ہوتے ہی خلافت تحریک ۱۹۱۹ء میں حصہ لیا، یہ وہ مرد مجاہد تھا، جو زمانہ کی نامساعدت اور رفقا کی عدم حمایت کی مطلق پرواہ نہ کیا کرتا تھا، چنانچہ ۱۹۲۱ء میں مسلم لیگ کے اجلاس احمد آباد کی صدارت کرتے ہوئے اپنے اعلان کو ذرا وضاحت کے ساتھ پیش کیا۔

http://t.me/Tehqiqat

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

''مسلمانوں کے نقطۂ نظر سے یہی ضروری نہیں ہے، کہ آزادی کامل کا مطالبہ کیا جائے، بلکہ یہ بھی لازم ہے، کہ اس آزادی کی شکل بھی متعین کر دی جائے، جو میرے نزدیک صرف ایک ہوسکتی ہے، یعنی جمہوریہ ہندیا انڈین ری پبلک بشکل یونائیٹیڈ اسٹیٹ آف انڈیا''۔

یہ خطبۂ صدارت ضبط ہوا اور مولانا حسرت الزام بغاوت میں قید کر دیے گئے اور آپ پر تعزیرات ہند دفعہ ۱۲۱ کے تحت مقدمہ چلایا گیا، جس میں پھانسی اور قید دوام دونوں سزائیں تھیں، سشن جج نے حبس دوام کا حکم جاری کیا اور ہائی کورٹ سے بری ہوئے، حسرت اس دوران دو سال قید و بند میں رہے۔

ہمدرد:۔ مولانا محمد علی جوہر قد آور، متنوع، تہدار، علمی و سیاسی شخصیت کے مالک تھے، وہ بڑے ذہین دور اندیش، مدبر سیاست داں اور قائد حریت تھے، اردو کے علاوہ وہ انگریزی زبان بولنے لکھنے پر اتنی ہی قدرت رکھتے، تھے جتنی آکسفورڈ یا کیمبرج یونیورسٹیوں کا تعلیم یافتہ انگریز، وہ ایک اہم صحافی اور بے باک قلمکار کی حیثیت سے ہندوستان بلکہ دنیائے مغرب میں بھی قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے، انھوں نے اپنی صحافتی زندگی کا آغاز کلکتہ سے کیا، جو اس وقت ہندوستان کی راجدھانی تھا، پہلے انگریزی ہفتہ وار کامریڈ جاری کیا، جس کا پہلا شمارہ ۱۴/جنوری ۱۹۱۱ء کو بڑی آن بان کے ساتھ نکلا، اپنے معیاری مضامین اور گرانقدر اداریوں کی وجہ سے صرف پڑھے لکھے ہندوستانیوں ہی میں مقبول نہ ہوا، بلکہ اہل ذوق انگریز بھی اسے بڑے شوق سے پڑھتے اور قدر کی نگاہ سے دیکھتے، بہت جلد یہ جریدہ ہندوستانی صحافت میں امتیازی شان کا مالک بن گیا، اس کی ٹکسالی زبان، اس کے دلکش اسلوب نگارش اور کامیاب طنز و مزاح نے لوگوں کو گرویدہ کر لیا، جب راجدھانی دلی منتقل ہوئی تو کامریڈ کا دفتر بھی دلی آ گیا۔

بلاشبہ کامریڈ نے دنیا کے معیاری انگریزی جریدوں میں منفرد مقام حاصل کر لیا تھا، یورپ کے بہترین اخبارات سے ٹکر لیتا، زبان ہو یا طرز نگارش، مسائل حاضرہ پر تبصرہ ہو یا سیاسی احوال کی عکاسی یا طنز و مزاح ہر لحاظ سے سربرآوردہ انگریزی رسالوں کی صف اول میں شامل تھا، مولانا نے جب انگریزی اقتدار پر نکتہ چینیاں کیں اور مجاہدین آزادی کی قیادت سنبھالی، تو کامریڈ حریت پسندوں کا ارگن بن گیا اور انگریزی جبر و تشدد کی گردش میں آ گیا، ستمبر ۱۹۱۴ء میں اس کی ضمانت ضبط کر لی گئی اور اگلی اشاعت کے لیے ضمانت کا مطالبہ کیا گیا، تو کامریڈ بند ہو گیا۔

دس سال کے بعد ۳۱/اکتوبر ۱۹۲۴ء کو دلی سے دوبارہ جاری کیا گیا مگر صرف ایک سال تین ماہ

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کے بعد ہمیشہ کے لیے بند ہوگیا۔

کامریڈ کے ساتھ مولانا ایک اردو روزنامہ بھی جاری کرنا چاہتے تھے، یکم جون ۱۹۱۳ء میں اس کا پہلا شمارہ نکلا، اس کا آخری شمارہ اپریل ۱۹۲۹ء میں نکلا۔

ہمدرد جس زمانے میں جاری ہوا، انگریزی استبداد ساری دنیا میں اپنے پنجے گاڑنے میں مصروف تھا اور ہندوستانیوں پر انگریزی سامراج قہر وغضب بن کر چھا رہا تھا، مولانا جوہر انسانیت دوست اور سچے محبّ وطن تھے، انھوں نے ہمدرد کے صفحات پر انگریزی جور وستم کے خلاف بڑی جرأت مندی سے لکھا، اپنے مضامین میں حکومت ہند کی مخالفت کی اور ہندوستان کے مختلف صوبائی گورنروں کی پالیسی پر شدید اعتراضات کیے، ہندوستان کے قوم پرور اور حریت پسند اخبارات کے خلاف اگر حکومت ہند کوئی سخت کاروائی کرتی تھی، تو ہمدردان اخبارات کی حمایت اور حکومت پر اعتراض کرتا تھا، مولانا جوہر کا سیاسی پلیٹ فارم تحریک خلافت اور کانگریس پارٹی تھا، وہ ملک ووطن کی آزادی اور اس سلسلے میں اٹھنے والے ہر قدم میں زعمائے وطن کے دوش بدوش چلتے اور ہندوستانیوں کے مفاد انگریزوں کی مخالفت میں جو بھی تجویزیں آتیں، ان کا پرجوش خیر مقدم کرتے اور انگریزوں کی طرف سے ہونے والی ہر زیادتی پر سخت احتجاج کرتے اور اپنے استقلال وثبات قدمی کا احساس دلاتے، ۱۹۱۳ء میں حکومت ہند نے ''توحید'' ''زمیندار'' اور دیگر ہندوستانی اخباروں سے ضمانت طلب کرلی، تو مولانا نے ہمدرد میں لکھا۔

''گورنمنٹ کو اس غلطی میں نہ پڑنا چاہیے، کہ اخبارات سے ضمانت طلب کرنے یا ان کی ضمانتوں کو ضبط کرنے سے رعایا کے دلوں میں وہ احساسات ضائع ہوسکیں گے، جو حال کے واقعات سے بیدار ہوگئے ہیں۔ ؎

شورش بلبل کم نہ گردد گر رودگل از چمن
حسن بے بنیاد باشد عشق بے بنیاد نیست

جنوبی افریقہ میں جب ہندوستانیوں پر مظالم کے احتجاج میں گاندھی جی، کستوربا اور ان کے بچے گرفتار کرلیے گئے، تو مولانا جوہر نے ہمدرد کے ذریعہ حکومت برطانیہ سے سخت احتجاج کیا۔

''اگر یونین جیک کے جھنڈے کے نیچے گورنمنٹ ہند کی نظروں کے سامنے اور ہماری آنکھوں کے روبرو ہمارے بھائیوں کی تذلیل وتحقیر ہوگی، ہمارے بھائیوں کی بیویوں کی بے حرمتی ہوگی، ہمارے بھائیوں کے بچوں سے جیل خانوں میں چھل کی جائے گی اور صرف اس بنا پر کہ ہم کالے ہیں، وہ گورے ہیں، تو ہم کہہ سکتے ہیں، کہ وزارت کے اقتدار کو اس قدر صدمہ پہنچے گا، جس کی تلافی مشکل ہوگی اور اس کے

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

نتائج برے نکلنے کا اندیشہ ہے، جن کو کوئی بہی خواہ مستحسن قرار نہیں دے سکتا‘‘۔

پھر ۱۹؍نومبر ۱۹۱۳ء کے ہمدرد میں بڑی جرأت اور حوصلے کے ساتھ انگریزی سامراج کو چیلنج کرتے ہوئے لکھا۔

’’اگر گورنمنٹ اس وقت ہماری تذلیل اور ہماری حق تلفی کے درپے ہے، تو ہمارا بھی فرض ہے، کہ مردانہ واران سختیوں کا مقابلہ کریں اور جہاں تک ہو سکے، ہم اپنے دست و بازو کی قوت کے مطابق خدا پر بھروسہ کر کے اپنے مساعی ان مصیبتوں کے خلاف عمل میں لائیں‘‘۔

۱۰؍اگست ۱۹۱۵ء کو نامساعد حالات کی وجہ سے ہمدرد بند ہو گیا، پھر عملی سیاست اور بے باک قیادت کی وجہ سے مولانا بار بار گرفتار ہوئے، خلافت تحریک ذمہ داریوں نے انھیں ۱۹۲۴ء تک ہمدرد کے دور ثانی کی ابتدا کا موقع نہ دیا۔

۹؍نومبر ۱۹۲۴ء کو ہمدرد دوبارہ جاری کیا گیا، مگر قدردانوں کی کمی اور کمر توڑ خسارے کی وجہ سے وسط اپریل ۱۹۲۹ء کو ہمیشہ کے لیے بند ہو گیا۔

جب مدراس کانفرنس میں کانگریس کمیٹی کے اجلاس نے ملک کی مکمل آزادی کا اعلان کیا، تو مولانا محمد علی جوہر نے ۲؍جنوری ۱۹۲۸ء کے شمارہ ہمدرد میں ایک ولولہ انگیز اداریہ لکھا اور حریت وطن کے لیے اہل وطن کو عملی جدوجہد میں پرجوش شرکت کی دعوت دی۔

’’دنیا کے ان تمام ممالک میں جو بدقسمتی سے آج مغربی دول کے استعماری پنجۂ اثر میں گرفتار ہیں، اس اثر و غلامی سے نکلنے کے لیے ہر ممکن کوشش ہو رہی ہے، ان میں سے شاید ہی کوئی ملک ایسا ہو، جو اپنی مکمل آزادی کا دعویدار نہ ہو اور جہاں اس مقصد کے حصول کے لیے امکانی کوشش نہ کی جارہی ہو اور اس کے باشندے جانی و مالی ہر قسم کی قربانیاں نہ برداشت کر رہے ہوں، ہندوستان کے سب سے بڑے قومی اجتماع نے مدراس میں اس قرارداد (مکمل آزادی) کو منظور کر کے نہ صرف ہندوستان کے اس ارادے کا اظہار کر دیا ہے، بلکہ اس نے سلطنت برطانیہ کو اپنی آزادی کے لیے ایک ایسا کھلا چیلنج دیا ہے، جو اس تذلیل کا نہایت موزوں جواب ہے، جو ہندوستان کی قسمت کا فیصلہ کرنے کے لیے ایک اجنبی کمیشن مقرر کر کے کیا گیا ہے، اب ہندوستان کے برخوردار فرد کا یہ فرض ہے، کہ اس تجویز کو عملی جامہ پہنانے کی کسی کوشش سے دریغ نہ کرے اور برطانوی پارلیمنٹ، برطانوی مدبرین اور برطانوی قوم پر یہ ثابت کر دے، کہ اگر تم ہندوستان کی آزادی کو روندنے اور کچلنے پر تلے ہوئے ہو، تو ہم بھی اپنی آزادی کے حاصل کرنے پر تل گئے ہیں‘‘۔

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

مولانا محمد علی جوہر کامریڈ اور ہمدرد کے ذریعہ قومی بیداری، آزادی وطن اور انگریزوں کے ظلم وستم کے خلاف اپنی صحافتی ذمہ داریاں پورے خلوص، دیانت اور ایثار کے ساتھ انجام دیتے رہے، مگر مالی خسارے کی وجہ سے ۱۹۲۶ء میں کامریڈ ہمیشہ کے لیے بند ہوگیا تھا اور اب یہ شکستہ حال صحافی مزید مالی خساروں سے دوچار ہونے کے بعد ہمدرد کو بھی ہمیشہ کے لیے بند کردینے پر مجبور ہوا اور اپریل ۱۹۲۹ء میں بند ہوگیا، مگر وطن کا یہ حوصلہ مند مجاہد آزادی کامل وحریت وطن کی جدوجہد سے زندگی کے آخری لمحات تک جدا نہ ہوا، بلکہ کامل آزادی وطن کی کوششوں میں جان شیریں مادر وطن کے قدموں میں نثار کردی۔

وہ مومن کامل کی جرأت رندانہ اور راسخ العقیدگی کے ساتھ یہ اعلان کیا کرتے تھے، ''میں ایک مسلمان ہوں اور مسلمان کی اخوت میرے ایمان کا جزو ہے، لیکن آزادی میرے ایمان کا اسی طرح جزو ہے، جس طرح اخوت''۔

مولانا محمد علی جوہر نے حکومت برطانیہ کی دعوت پر گول میز کانفرنس لندن میں شرکت کی اور ۱۹/ نومبر ۱۹۳۰ء کو اپنی وہ معرکۃ الآرا تقریر کی، جو ان کا مشہور کارنامہ ہے، جس میں حکومت برطانیہ کے زعما کے روبرو انھیں کے ایوان میں کامل آزادی ہند کا مطالبہ پوری جرأت وہمت کے ساتھ پیش کیا گیا، یہ تقریر مولانا کی حب الوطنی، سیاسی نظریات، علمیت، شخصیت جذبۂ ایمانی اور قدرت بیان کی بھرپور غمازی کرتی ہے، تقریر کے صرف دو اقتباس پیش کیے جاتے ہیں۔

(۱) ''میں آپ سے درجہ نوآبادیات مانگنے نہیں آیا ہوں، درجہ نوآبادیات پر مجھے اعتبار نہیں ہے، میں سوائے مکمل آزادی کے کسی اور چیز کے لینے کے لیے تیار نہیں ہوں''۔

(۲) ''حقیقت یہ ہے، کہ آج تنہا مقصد جس کے لیے میں آیا ہوں یہ ہے، کہ میں اپنے ملک کو اسی صورت میں واپس جاؤں گا، جب ایسی آزادی جس پر آزادی کا اطلاق ہوسکے، میرے ہاتھ میں ہو، میں غلام ملک کو واپس نہیں جاؤں گا، میں ایک غیر ملک میں بشرطیکہ وہ ایک آزاد ملک ہو مرنے کو ترجیح دوں گا اور اگر آپ ہم کو ہندوستان میں آزادی نہیں دیں گے، تو آپ کو مجھے یہیں ایک قبر کی جگہ دینی پڑے گی''۔

مجاہد اعظم نے آزاد ملک میں مرنے کو ترجیح دی تھی، چنانچہ ہندوستان آنے سے پہلے ہی ۴/ جنوری ۱۹۳۱ء کو لندن میں وقت موعود آپہنچا اور قدرت نے ان کی آرزو کی تکمیل کردی، وہ آزادی لے کر تو نہیں لوٹے، لیکن ان کی درد واثر میں ڈوبی ہوئی تقریر کی صدائے بازگشت پورے ہندوستان میں اس طرح گونجی، کہ برطانوی ایوان اقتدار میں زلزلہ آگیا اور بالآخر ۱۵/ اگست ۱۹۴۷ء کو ملک

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

انگریزوں کی غلامی سے مکمل طور پر آزاد ہوگیا۔ ؎

ہے رشک ایک خلق کو جوہر کی موت پر
یہ اس کی دین ہے جسے پروردگار دے

الہلال:۔ ابوالکلام آزاد اردو کے ممتاز انشاء پرداز اور قومی تحریک کے عظیم علمبردار ہونے کے ساتھ ساتھ ایک بلند حوصلہ صحافی کا دل و دماغ رکھتے تھے، چنانچہ انھوں نے اپنی عملی زندگی کا آغاز صحافت ہی سے کیا، سب سے پہلے ۱۹۰۰ء میں ''المصباح'' کی ادارت کی، ''احسن الاخبار'' مرتب کیا، ''خدنگ نظر'' لکھنو کے حصہ نثر کو ترتیب دیا، پندرہ روزہ ''اخبار لسان الصدق'' جاری کیا، ''الندوہ'' لکھنو کی ادارت کی، ''وکیل'' امرتسر کے ادارہ تحریر سے وابستہ ہوئے، ''دارالسلطنت'' کلکتہ سے بھی وابستہ رہے، ان تمام اخبارات کی رنگ صحافت کا اثر ان کی پروقار صحافتی زندگی کی صاف غمازی کر رہے تھے، وہ قد آور علمی شخصیت کے مالک تھے، ان کا ادبی شعور اور سیاسی فکر متذکرہ بالا اخبارات و جرائد میں پوری آزادی کے ساتھ جلوہ آرا نہیں ہوسکتی تھی، اس لیے وہ اپنا ذاتی اخبار نکالنا چاہتے تھے، جو صوری اور معنوی ہر لحاظ سے اردو صحافت کے میدان میں سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہو اور آزاد سیاسی فکر کا بے باک ترجمان ہو، وہ سود و زیاں سے بے نیاز ہوکر اپنی آرزووں کی تکمیل کے لیے آگے بڑھے اور ۱۳/ جولائی ۱۹۱۲ء کو کلکتہ سے ''الہلال'' کا پہلا شمارہ پوری آب و تاب کے ساتھ نکالا اور اخبار کی پالیسی میں صحافت کے نقطۂ نظر کو پہلے ہی شمارہ میں اس طرح واضح کیا۔

''ہم اس بازار میں سودائے نفع کے لیے نہیں، بلکہ تلاش زیاں و نقصان میں آئے ہیں، صلہ و تحسین کے لیے نہیں، بلکہ نفرت و دشنام کے طلبگار ہیں، عیش کے پھول نہیں بلکہ خلش و اضطراب کے کانٹے ڈھونڈتے ہیں، دنیا کے سیم و زر کو قربان کرنے کے لیے نہیں، بلکہ خود اپنے تئیں قربان کرنے کے لیے آئے ہیں، رئیسوں کی اعانت کرکے آپ کا دل کیا خوش ہوگا اور پھر ایسے عقل فروشوں کی آپ کی اعانت فرمائیاں کیا نفع پہنچاسکیں گی؟ کہ ؎

مد بشارت طوبیٰ کہ مرغ ہمت ما
براں درخت نشیند کہ بے ثمر باشد

الہلال نے اردو صحافت کے معیار کو بام عروج تک پہنچایا، انگریزی جبر و استبداد سے تنگ آنے والی عوام کا ترجمان بن گیا، اس کے مضامین نے عوام میں آزادی کی روح پھونک دی، حب الوطنی کے جذبات کو فروغ دیا، اس اخبار کی صدائے انقلاب نے دلوں کو آزادی وطن کے لیے آمادہ کیا اور

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

لوگوں کے دلوں سے انگریزوں کا خوف وہراس نکلنے لگا۔

مولانا آزاد نے مسلمانوں کو ذہن دیا، کہ وہ آزادی وطن کے لیے مذہبی فریضہ سمجھ کر کوشش کریں، الہلال کے ذریعہ انھوں نے مسلمانوں کو برطانوی حکومت کی وفاداری کی راہ سے ہٹانے کی کوشش کی، مسلمانوں کو سیاسی اور اخلاقی خواب غفلت سے بیدار کیا اور ان میں سیاسی شعور پیدا کیا، انھوں نے ''الہلال'' میں لکھا، کہ

''ہندوؤں کے لیے آزادی کی جدوجہد جب وطن کا تقاضا ہے، لیکن مسلمانوں کا مذہبی فریضہ ہے''۔

انھوں نے مسلمانوں کو تلقین کی، کہ ''انگریزوں کے خلاف مشترکہ جدوجہد میں ہندوؤں کا ساتھ دیں''۔

انگریز دشمنی اور مسلمانوں کے اندر جذبہ حریت وطن پیدا کرنے کے جرم میں برطانوی ارباب اقتدار نے ''الہلال'' کی ضمانت ضبط کر لی اور مزید دس ہزار کی ضمانت طلب کی، آزاد اتنی بڑی رقم کے متحمل نہ ہو سکے اور ''الہلال'' بند کرنا پڑا، ۱۸ر دسمبر ۱۹۱۴ء کو اس کا آخری شمارہ نکلا۔

پھر مولانا نے ۱۲ر نومبر ۱۹۱۵ء کو ہفتہ وار ''البلاغ'' جاری کیا جو ۲۳ر مارچ ۱۹۱۶ء تک جاری رہا، حکومت نے آزاد کو کلکتہ سے شہر بدر کر کے رانچی میں نظر بند کر دیا، جس کی وجہ سے ''البلاغ'' بند ہو گیا، یہ اخبار بھی ''الہلال'' ہی کی طرح قومی مسائل کا ترجمان اور حریت کا داعی تھا، ۱۰ر جون ۱۹۲۷ء کو پھر ''الہلال'' کی تجدید ہوئی اور اسی سال ۹ر دسمبر ۱۹۲۷ء کو بند ہو گیا۔

دسمبر ۱۹۱۹ء میں جب وہ رہا ہوئے، تو اپنی پوری توجہ عملی سیاست کے لیے وقف کر دی اور ان کی محدود توانائی ہمہ گیر سیاسی مصروفیات کے ساتھ صحافتی امور کی متحمل نہ ہو سکی، جو بلا شبہ صحافت کا نقصان تھا، مگر صحافت کے ذریعہ آزادی وطن کا جو کام انھیں لینا تھا، آزادی کی عملی جدوجہد میں حصہ لے کر اس مقصد کو حاصل کیا اور جنگ آزادی کی پوری مدت میں سیاست کے میدان میں آزاد نے بیش بہا خدمات انجام دیں۔

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

مولانا محمد اسمٰعیل میرٹھی

اور

ان کی شعری وادبی خدمات

مسلم دور اقتدار میں میرٹھ اور اس کے اطراف کو محض سماجی، سیاسی اور فوجی اہمیت ہی حاصل نہ تھی، بلکہ علمی وروحانی لحاظ سے بھی اس خطے کو خاص مقام ومرتبہ میسر تھا، یہاں کے علمی وروحانی خانوادوں میں مولانا محمد اسماعیل صاحب میرٹھی علیہ الرحمہ کا علمی خاندان بھی بہت معروف ومشہور ہے، اس خاندان کے مورث اعلیٰ مولانا قاضی حمید الدین خجندی رحمۃ اللہ علیہ جن کا نسبی تعلق خلیفہ اول امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے، مولانا خجندی ۱۵۲۵ء میں بانی سلطنت مغلیہ سلطان ظہیر الدین محمد بابر کے ساتھ ہندوستان تشریف لائے اور منصب یک ہزاری پر فائز ہوئے، فتح ہند کے بعد مولانا نے قصبہ سکری ضلع مظفر نگر میں قیام کیا، ان کے بیٹے مولانا احمد بن مولانا حمید الدین خجندی نے قصبہ لاوڑ ضلع میرٹھ میں سکونت اختیار کی، مولانا حمید الدین خجندی کے اولا دو احفاد شاہان مغلیہ کی عنایات سے سرفراز ہوتے رہے، جلال الدین محمد اکبر نے اپنے فرمان ۷؍ ذی الحجہ ۹۳ ھ کے ذریعہ قصبہ لاوڑ پرگنہ میرٹھ میں ۵۶۰؍ بیگھ زمین عطا کی اور دوسرے فرمان کے بموجب ۴۴۰؍ بیگھ اراضی موضع شمس پور پٹہ لاوڑ میں دی تھی، مولانا اسماعیل صاحب کے والد بزرگوار شیخ پیر بخش جو صوفی منش عزلت نشیں انسان تھے، ان کے خالو حافظ شیخ مینڈھو جو لاولد تھے اور بہت بڑی جائداد کے مالک تھے، مولانا میرٹھی کے والد سے بے حد محبت رکھتے تھے، بہ اصرار ان کو میرٹھ میں مستقل قیام پر مجبور کیا، چنانچہ وہ قصبہ لاوڑ سے ترک سکونت کر کے ۱۸۳۸ھ میں شہر میرٹھ آ گئے اور یہیں مستقل بود وباش اختیار کر لی، شیخ پیر بخش کے دو فرزند (۱) شیخ غلام نبی۔ (۲) مولانا عبد الحکیم جوش (جو مبلغ اسلام مولانا عبد العلیم صاحب میرٹھی علیہ الرحمہ کے والد بزرگوار ہیں) اور ایک لڑکی، یہ تینوں قصبہ لاوڑ میں پیدا ہوئے۔

<u>ولادت اور تعلیم وتربیت:۔</u> شیخ پیر بخش نے جب میرٹھ میں قیام کیا، تو یہیں ۱۲؍ نومبر ۱۸۴۴ء کو مولانا محمد اسماعیل میرٹھی کی ولادت ہوئی، مولانا کی ولادت ایک خوشحال شریف ونجیب خاندان میں ہوئی تھی، ان

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کی پرورش و پرداخت پر خاص توجہ کی گئی اور خاندانی روایات کے مطابق بچپن ہی سے تعلیم و تربیت کا آغاز ہوا، پانچ ماہ کی قلیل مدت میں قرآن مجید ناظرہ ختم کیا اور ابتدائی کتابیں گھر پر پڑھیں، پھر فارسی کی اعلیٰ تعلیم کے لیے مرزا رحیم بیگ کی خدمت میں حاضر ہوئے، یہی وہ بزرگ ہیں، جنھوں نے مرزا غالب کی کتاب ''قاطع برہان'' کے جواب میں ''ساطع برہان'' تصنیف کی تھی، مولانا نے گلستاں، بوستاں، شاہنامہ فردوسی اور دیگر کتب فارسی مرزا رحیم بیگ سے پڑھیں اور رواج زمانہ کے مطابق فارسی زبان و ادب میں درک حاصل کیا، استاذ کی خدمت ہی میں ان کو شعر گوئی کا ذوق پیدا ہوا۔

فارسی کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد نارمل اسکول میرٹھ میں داخل ہوئے، جہاں دیگر مضامین کے ساتھ ماسٹر ایسری پرشاد سے ہندسہ، فزیکل سائنس، علم ہیئت کی تحصیل کی، نارمل اسکول کے بعد رڑکی کالج میں داخلہ لیا، مگر کچھ دنوں بعد وطن آ گئے اور کورس مکمل نہ کر سکے۔

ملازمت:۔ ۱۸۶۰ء میں محکمۂ تعلیم میرٹھ میں بحیثیت کلرک آپ کا تقرر ہوا، ۱۸۶۷ء میں ڈسٹرک اسکول سہارنپور میں فارسی کے استاذ مقرر ہوئے، جہاں ۱۸۷۰ء تک تدریسی خدمات انجام دیں، پھر ضلع انسپکٹر مدارس کے دفتر میں تبادلہ ہوا، جولائی ۱۸۸۸ء میں سینٹرل نارمل اسکول آگرہ میں استاذ فارسی کی حیثیت سے آئے، یکم دسمبر ۱۸۹۹ء کو ملازمت سے سبکدوش ہوئے اور باقی زندگی وطن میں شعر و سخن اور تصنیف و تالیف میں بسر کی۔

وفات:۔ مولانا میرٹھی کا وصال ۱۴ محرم الحرام ۱۳۳۶ھ مطابق یکم نومبر ۱۹۱۷ء بروز جمعرات میرٹھ میں ہوا اور وہیں سپرد خاک کیے گئے۔

اولاد:۔ مولانا میرٹھی کا نکاح ۱۸۶۲ء میں نعیم النساء بنت شیخ محبوب بخش سے ہوا، یہ نیک سیرت خاتون بھی مولانا حمید الدین خجندی کی اولاد میں تھیں، ان کے دادا شیخ محمد اعظم کا شمار اہل اللہ میں ہوتا تھا، ان کے بطن سے مولانا میرٹھی کے مندرجہ ذیل لڑکے اور لڑکیاں تولد ہوئے۔

(۱)	قیوم النساء	ولادت	۱۸۶۴ء	وفات	۱۹۳۵ء
(۲)	محمد محمود احمد	//	۱۸۶۶ء	//	۱۹۳۷ء
(۳)	محمد حامد	//	۱۸۷۰ء	//	۱۸۹۵ء
(۴)	امۃ الاعلیٰ	//	۱۸۷۶ء	//	۱۸۹۳ء
(۵)	محمد اسلم سیفی	//	۱۸۸۰ء	//	

تلامذہ:۔ مولانا اسماعیل میرٹھی نے زندگی کے بیشتر ایام درس و تدریس میں بسر کیے، ان کی درسگاہ سے

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

فیض یافتہ اصحاب کی تعداد ہزاروں تک پہنچتی ہے،ان میں چند اہم نام یہ ہیں۔

(۱)ڈاکٹر وزیر سنگھ میرٹھی۔(۲)ڈاکٹر رنجیت سنگھ میرٹھی۔(۳)مولوی عزیز الحسن صاحب ایم، اے بھرت پوری۔

اخلاق وکردار:۔ مولانا میرٹھی ایک سنجیدہ مزاج انسان اور علم وعمل،صبر وتحمل کا پیکر تھے،انھوں نے دنیائے فانی میں ایک معلم اور مفکر کی حیثیت سے زندگی کے لیل ونہار گزارے،ان کا مقصد حیات خلق خدا کی فلاح و بہبود اور ملک وملت کے نونہالوں کے ذہنی اور اخلاقی تربیت تھا،اس مقصد کے لیے انھوں نے اپنے علمی تجربات اور قوت تخیلیل کونثر ونظم کا پیکر عطا کیا،تاکہ آنے والی نسلیں ان سے فیض حاصل کریں،یہ کارنامے ان کے اخلاص وایثار،جذبۂ ہمدردی اور بے لوث خدمت خلق جیسی اعلیٰ صفات پر شاہد عدل ہیں۔

مولانا میرٹھی ایک سچے اور پکے مذہبی انسان تھے،خودغرضی،تملق اور حرص وطمع سے ان کا دامن پاک وصاف تھا،وہ دوسروں کی کامرانیوں پر خوش ہی نہیں ہوتے،بلکہ انھیں آگے بڑھانے کی پر خلوص جدوجہد بھی کرتے،ان کا ذریعۂ معاش ملازمت تھا،مگر اس قلیل آمدنی کے باوجود بڑی خوش سلیقہ زندگی بسر کی،انھوں نے دوسروں کی دولت وجاہ پر کبھی رشک وحسد نہ کیا اور خودداری کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا، ان کی وضع داری میں کبھی فرق نہ آیا۔

شاعری:۔ مولانا اسماعیل میرٹھی اردو کے قادرالکلام شاعر تھے،انھوں نے غزل،رباعی،قصیدہ،مثنوی،قطعہ، سلام اور نظم پر کامیاب طبع آزمائی کی،شاعری کی ابتدا،غزل گوئی سے کی اور اس سلسلے میں ذوقؔ،غالبؔ،مومنؔ اور دوسرے اساتذۂ سخن کے کلام کو مشعل راہ بنایا،ابتدا میں بڑی خاموشی کے ساتھ شاعری کرتے رہے،مگر ان کی شعر گوئی پوشیدہ نہ رہ سکی،چنانچہ اپنے برادر نسبتی رسالدار قمرالدین کے اصرار پر طرحی غزلیں لکھ کر انھیں دینے لگے،جو مشاعروں میں بہت مقبول ہوئیں،مولانا کی ۱۸۶۵ء میں لکھی ہوئی غزل کا ایک مطلع ہے۔

آخر یہ حسن چھپ نہ سکے گا نقاب میں
شرماؤ گے تمہیں نہ کرو ضد حجاب میں

اس غزل کا ایک شعر یہ بھی ہے۔

کس کس کے جوراٹھائیں گے آگے کو دیکھیے
دشمن ہے چرخ پیر زمان شباب میں

دوسری غزلوں کے چند اشعار ملاحظہ ہوں،جن سے مولانا کی قادرالکلامی،سخن سنجی اور انداز بیان کا اندازہ ہوتا ہے۔

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

تو اور عذر طعن رقیباں غضب ہوا
دل پارہ پارہ جب نہ ہوا تھا تو اب ہوا
ہے بے لب زبان بھی گل تیرے نام کا
محرم نہیں ہے گوش مگر اس پیام کا
رسوا ہوئے بغیر نہ ناز بتاں اٹھا
جب ہوگئے سبک تو یہ بار گراں اٹھا
نامہربانیوں سے یوں پائمال کرنا
ہیہات دوستوں کو دشمن خیال کرنا
ناقص بھی کاملوں سے کچھ کم نہیں کہ ان سے
سیکھاہے کاملوں نے کسب کمال کرنا
کیا مانگتے جس کا کبھی چسکا نہ لگاہو
دے راہ خدا ہم کو بھی ساقی کا بھلا ہو

وہی سائل وہی مسئول وہی حاجت مند
گرہوں مقرون اجابت تو سوال اچھاہے

مولانا میرٹھی نے اصلاح سخن کے لیے مرزا غالب دہلوی کی شاگردی اختیار کی، ان کی غزلوں میں تصوف اور رومان کے تصورات کا امتزاج پایا جاتا ہے، چونکہ مولانا فارسی زبان وادب کے استاذ اور خم خانہ عجم کی شعری روایتوں کے خوشہ چین تھے، اس لیے انھوں نے تصوف و رومان کا رنگ فارسی کے شعرا سے اخذ کیا تھا، وہ خود کہتے ہیں۔ ؎

نہیں ہے اب کے زمانے کی یہ روش ز نہار
میں یادگارہوں خاقانی و سنائی کی

غزل میں مولانا نے شوقیانہ خیالات اور عامیانہ جذبات سے ہمیشہ پرہیز کیا، وہ مولانا سید غوث علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے سلسلۂ ارادت سے وابستہ تھے، اس طرح انھیں تصوف کا ذوق اور عارفانہ مزاج میسر آیا تھا، عشق حقیقی اور اس کی صداقتوں کا اظہار اپنی غزلوں میں کیا کرتے تھے، انتہائی خلوص وریاضت کے ساتھ تربیت باطنی کی طرف مائل تھے، ان کی غزلوں میں نظریۂ ''ہمہ اوست'' کی ترجمانی ملتی ہے۔ ؎

ذرہ ذرہ حیرتی ہے مہر پر تنویر کا
بے خودی آئینہ ہے ہنگامۂ تکبیر کا
ہے مسلم نازیکتائی اسے ہر رنگ میں
جلوۂ نقش آفریں خاکہ ہو جس تصویر کا

مولانا نے مندرجہ ذیل غزل میں وحدت الوجود اور وحدت الشہود کے مسئلہ کو اس طرح پیش کیا ہے۔ ؎

ظاہر تو ہے تو میں نہاں ہوں
باطن تو ہے تو میں عیاں ہوں

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

تو ہی ظاہر ہے، تو ہی باطن　　تو ہی تو ہے تو میں کہاں ہوں
تیرے ہوتے کہیں نہیں میں　　اول، آخر، نہ درمیاں ہوں
توتو، میں، میں، نے مارڈالا　　دم بند ہے، کیجیے نہ ہاں ہوں
میں ہی لیلیٰ ہوں، میں ہی مجنوں　　ناقہ بھی ہوں، میں ہی ساربان ہوں
ہوں کنج قفس میں بند لیکن　　بیرون زمین و آسماں ہوں
دریا کی طرح رواں ہوں لیکن　　اب تک بھی وہیں ہوں، میں جہاں ہوں
جز نام نہیں نشان میرا
سچ مچ میں بحر بیکراں ہوں

رومانی خیالات کی عکاسی ذیل کے اشعار میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

اب تک بھی ہے نظر طرف بام ما ہوش　　میں گر چہ آفتاب لب بام ہوگیا
ہے تو اغیار سے خطاب مگر　　میری ہر بات کا جواب بھی ہے

مولانا کی غزلوں میں مشاہدے، فکر اور ذاتی تجربوں سے حاصل کی ہوئی ایک کیفیت ملتی ہے، جو اسلوب کی خوبصورتی میں گھل مل کر دلوں کو متاثر کرتی ہے، مولانا میرٹھی نے اپنے بلند شعری ذوق کی مناسبت سے غالب کی شاگردی اختیار کی اور اپنے استاذ کے رنگ تغزل کو اپنانے کے لیے ان کی زمین میں بھی چند غزلیں کہیں۔

اب اور ڈھونڈیے کوئی جولاں گہ جنوں　　صحرا بقدر وسعت یک گام ہوگیا
چارۂ جوش جنوں، خانہ خرابی نہ ہوئی　　گھر سمجھتے تھے جسے ہم سو بیاباں نکلا

غالب کے علاوہ مومن اور میر تقی میر کے انداز میں بھی شعر کہے ہیں، ان تقلیدی اشعار کے علاوہ غزل میں مولانا کا اپنا انفرادی رنگ و آہنگ بھی جھلکتا ہے۔

قدسیوں کے بھی ہوش اڑتے ہیں　　سن کے اس مشت خاک کی باتیں
اللہ رے بوسۂ لب میگوں کی آرزو　　میں خاک ہوکے درد تہ جام ہوگیا
تو ہی نہیں ہے رمز محبت سے آشنا　　ورنہ دیار حسن میں رسم ستم نہیں
اس انجمن میں جایئے اب کس امید پر　　ہم بیٹھنے نہ پائے کہ وہ بدگماں اٹھا
وہ قامت دلکش ہے عجب فتنۂ عالم
چھپتا ہی نہیں پیرہن نو کہن میں

http://t.me/tehqiqat

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

قصائد:۔ مولانا میرٹھی نے روش زمانہ کے مطابق شاعری کا آغاز صنف غزل سے کیا، مگر ان کی طبع رسا صرف غزل کی دنیا تک محدود ہو کر نہ رہی، بلکہ انھوں نے اپنے وسیع افکار و جذبات کے اظہار کے لیے متعدد قصیدے بھی لکھے، ان میں قدما کی پابندیوں سے گریز کرتے ہوئے اظہار مدعا اور مقصدیت پر زیادہ زور دیا گیا ہے، آپ کا مشہور قصیدہ ''جریدۂ عبرت'' ہے جس میں تشبیب ترک کر کے براہ راست قصیدے کا آغاز کیا گیا ہے۔

میں شاعرانہ روش پر نہیں قصیدہ نگار　　یہ ایک سادہ گزارش ہے یا اولوالابصار

اس قصیدہ میں ۲۵۵/اشعار ہیں، جن کے اندر مثبت انداز سے قصیدہ نگاری کے لایعنی لوازم پر تنقید کی گئی ہے، اس قصیدے میں انھوں نے اپنے دور کے چند اجمالی کرداروں کا نقشہ بڑی فنکاری سے کھینچا ہے، مولانا میرٹھی کا ایک قصیدہ ''نوائے زمستاں'' ہے، جس میں ۱۵۳/اشعار ہیں، اس قصیدے کا مقصد ذہنوں کو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی طرف مبذول کرنا ہے، اس قصیدے میں صنف قصیدہ گوئی کے لوازم بڑی فنکاری کے ساتھ برتے گئے ہیں، تشبیب بڑی معرکۃ الآرا ہے، مگر عام قصیدہ نگاروں کی طرح بہاریہ نہیں بلکہ تشبیب میں آفتاب کی گردش کا ذکر کر کے انفرادیت قائم کیا۔

سوار جہاں گرد خورشید رخشاں　　گیا تاجدی جب یہ تقدیر یزداں
تو ماہ دسمبر کی پچیسویں کو　　ہوا جانب استوا گرم جولاں
مگر استوا پر نہ ٹھہرے گا ہر گز　　کرے گا سفر تاگزر گاہ سرطاں
نہیں خط سرطاں بھی جائے توقف　　وہاں سے بھی پلٹے گا افتاں و خیزاں
رہے گی اسی طرح اس کی تگ و دو　　کہ ہے گردش گوئے محکوم چوگاں
کبھی بقعۂ نورارض جنو بی　　کبھی سرزمین شمالی درخشاں
اگر ایک جانب خزاں کا عمل ہے　　تو ہے دوسری سمت وصل بہاراں
اگر صبح دم شرق ہے اس کا منظر　　تو ہے شام کو غرب اس کا شبستاں
کہیں دن ہے مستور ظلمات شب میں　　کہیں رات دن کی تجلی میں پنہاں
کسی منطقے میں ہے گرمی کی شدت
کسی جا ہے آغاز فصل زمستاں

مولانا، سرسید احمد کی علمی تحریک سے متفق تھے، چنانچہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے مالی تعاون پر لوگوں کو ابھارتے ہوئے فرمایا۔

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کرو ورزش اپنی پہلے مکمل اسی پر ہے موقوف کل جبر نقصاں
بہم تربیت ہو دلی اور دماغی رہیں ہم قدم علم ادیان و ابدان
اگر قوم کی زندگی چاہتے ہو
تو ہے ورزش چشمۂ آب حیواں

اس کے علاوہ مولانا اسماعیل صاحب میرٹھی نے ''خدائی شکر'' ۱۹۱۱ء ''جاڑا اور گرمی'' ۱۸۸۸ء ''خشک سالی'' ۱۸۷۷ء ''اختلاف رائے'' ۱۸۸۰ء ''عالم شہود'' ۱۸۸۰ء ''اعتراف عنایت'' ۱۸۶۹ء اور ''خزینۂ علم'' ۱۸۷۰ء میں لکھ کر بڑے ہی حسن وخوبی کے ساتھ دنیا کے سامنے پیش کیا ہے اور صنف قصیدہ نگاری میں اپنی نمایاں انفرادیت قائم کی ہے، ساتھ ہی کچھ مدحیہ قصائد بھی ارقام کیے، جوان کی جودت طبع اور قدرت کلام پر شاہد ہیں۔

مثنویاں:۔ صنف مثنوی اصناف شاعری میں بہ لحاظ وسعت وتنوع خاص اہمیت رکھتی ہے، اس صنف سخن کا آغاز فارسی میں ہوا، اردو میں بھی یہ صنف فارسی سے مستعار لی گئی ہے، مثنوی ایسی بیانیہ صنف ہے، جس کے اندر ہر قسم کے موضوعات اور مسائل پوری آزادی کے ساتھ بیان کیے جاسکتے ہیں، رزمیہ، تصوف وسلوک، فلسفہ واخلاق، قصص وحکایات، موسم وماحول، داستان حسن عشق الغرض ہر قسم کے مضامین مثنوی میں بیان ہوسکتے ہیں۔

اردو زبان میں عام طور پر عشقیہ ورزمیہ داستانوں کو مثنوی میں جگہ دی گئی اور اسی انداز کی مثنویاں مقبول عام ہوئیں، مگر انقلاب ۱۸۵۷ء کے بعد مغربی ادب کے زیر اثر اردو شعر وادب میں جو تبدیلیاں رونما ہوئیں، ان کا اثر صنف مثنوی پر بھی پڑا، اب مثنویاں حسن وعشق رزمیہ داستانوں کے بیان تک محدود نہیں رہیں، بلکہ اس کے موضوعات میں بڑی وسعت اور تنوع پیدا ہوا، مولانا میرٹھی نے بھی اپنی مثنویوں کو اخلاقی، عرفانی، سماجی، معاشرتی، موسمیاتی عنوانوں کے تحت تحریر کیا۔

کلیات اسماعیل میں اصل مثنویوں کی تعداد ۲۳ رہے۔

نیچرل مثنویاں:۔

(۱) آب زلال (۲) داناؤں کی نصیحت دل سے سنو (۳) ترک تکبر (۴) بارش کا پہلا قطرہ (۵) بادمراد (۶) مناقشہ ہوا وآفتاب (۷) مکالمۂ سیف وقلم (۸) کوہ ہمالیہ (۹) کچھوا اور خرگوش (۱۰) دو مکھیاں (۱۱) عجیب چڑیا (۱۲) کوا (۱۳) دلال کی فریاد (۱۴) دال اور چپاتی۔

طریقت وشریعت سے متعلق مثنویاں:۔

(۱) صنائع الٰہی (۲) خدا کی صفت (۳) حمد باری تعالیٰ (۴) مناجات (۵) رحمۃ للعلمین (۶)

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

مثنوی فی العقائد (۷) شمع ہستی (۸) شمع ہدایت (۹) نذر عقیدت۔

یوں تو فنی نقطۂ نظر سے مولانا میرٹھی کی تمام مثنویاں معیاری ہیں، مگر ان میں ''آب زلال'' اپنے رنگ کی منفرد مثنوی ہے، جس کی مثال ان کے معاصرین میں کسی کے یہاں موجود نہیں، اس مثنوی میں فکر ومشاہدہ اور سائنسی نقطۂ نظر نے فن میں رچ بس کر ایک نادر روپ اختیار کر لیا ہے۔ ؎

خدانے دی ہے تم کو عقل و تمیز ذرا دیکھو تو یہ پانی ہے کیا چیز
دکھاؤ کچھ طبیعت کی روانی جو دانا ہو تو سمجھو کیا ہے پانی
یہ مل کردو ہواؤں سے بناہے
گرہ کھل جائے تو فوراً ہواہے

اس مثنوی میں مولانا میرٹھی نے پانی کو دس شکلوں میں اس طرح پیش کیا ہے، کہ تسلسل کلام پوری ہمواری کے ساتھ قائم ہے، مولانا نے ''پانی'' جیسی پیش پا افتادہ چیز کا بیان قدیم فلسفہ کو بنیاد بنا کر شروع کیا ہے، پانی عناصر اربعہ میں شامل ہے، مولانا نے فکر ومشاہدہ اور جدید سائنسی نقطۂ نظر کی مدد سے پانی کی لازوال عملی قدرت کو ثبوت میں پیش کر کے اس کو فلسفہ کی جدید اصطلاح ''جہد للبقاء'' سے ملا دیا ہے اور اسی طرح انسانی کردار کی روشنی کے لیے ذہنی بالیدگی کا سامان فراہم کیا ہے، مثلاً نرم مزاجی، طبیعت کی رسائی، ماحول سے مطابقت، صدمہ سے ریزہ ریزہ نہ ہونا، تواضع کے ساتھ عمل کی کارفرمائی، جفا سہنا مگر وار نہ کرنا، اس مصرع میں ایک نفسیاتی اشارہ بھی ہے، یعنی متوازن دل ودماغ ہی انسان کو محبوب اور مقبول بناتا ہے۔

مناجات:۔ اس مثنوی میں ۱۸۴/اشعار ہیں، جس میں مولانا نے ایک سالک راہ معرفت کی حیثیت سے تصوف وسلوک کے مختلف منازل بیان کیے ہیں، نظریات تصوف کا اظہار بڑی جدت آفرینی کے ساتھ کیا ہے، ایک مقام پر لکھتے ہیں۔ ؎

میرے دل سے رنگ دوئی دور کر میرے دل کو وحدت سے معمور کر
نہ لیلیٰ رہے نہ مجنوں رہے مگر عشق کا ایک مضموں رہے
رہے عشق میں رات دن سوز و ساز کروں شوق کی میں حکایت دراز
دیار محبت سے چل اے نسیم سنگھادے گل معرفت کی شمیم
گلستاں نہیں پنکھڑی ہی سہی ہمیشہ نہیں دو گھڑی ہی سہی
سنا دے طیور صفا کی چہک گل معرفت کی اڑا لا مہک
نکالوں کلیجے سے ہجراں کا خار

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

مَلوں منہ پہ گلگونۂ وصل یار

نذرِعقیدت:۔ مولانا میرٹھی نے یہ مثنوی اپنے مرشد برحق غوث علی شاہ پانی پتی علیہ الرحمۃ والرضوان کی شان میں تحریر کی ہے، جس میں مرشد سے عقیدت وارادت کا والہانہ اظہار ہوا ہے۔ ؎

لب پہ آیا نام شہہ غوث علی — بے تکلف کھل گئی دل کی کلی
پھر صبا سبزہ کو لہرانے لگی — باغ معنیٰ میں بہار آنے لگی

شیخ کی مدح میں فرماتے ہیں۔ ؎

اے تجلیٔ اخیر ذوالجلال — تھا کمال بندگی تیرا کمال
اس کے ہوتے ہستیٔ عالم کہاں — دن نکل آیا تو پھر شبنم کہاں

رحمۃ للعلمین:۔ یہ مولانا اسماعیل میرٹھی کی عمدہ نعتیہ مثنوی ہے، جس کے اندر فکری وفنی مہارتوں اور حسن ادا، قوت بیان، ندرت اسلوب سے قطع نظر مثنوی کے ابتدائی ۴۸؍اشعار میں وجود کائنات اس کی بو قلمونیوں، گلشن ہستی کی بہاروں، رعنائیوں اور دلفریبیوں کا بیان بڑے موثر اور دلکش پیرائے میں ہوا ہے، کائنات اور اس کی تمام تر جلوہ سامانیوں کا سبب وجود سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کو قرار دیا ہے، چند اشعار ملاحظہ ہوں۔ ؎

بنام خدا وند حیّ و قدیر — علیم و کلیم و سمیع و بصیر
قدیم الوجود و عدیم المثال — جلیل الصفات و کثیر الکمال
بنایاہے جس نے طلسم جہاں — یہ خاکی زمیں نیل گوں آسماں
یہ روشن ستارے ہزاروں ہزار — کہ جن سے فلک ہے جواہر نگار
یہ مہر درخشاں یہ ماہ منیر — یہ پھیلی ہوئی کہکشاں جوئے شیر
کہیں شام کی زلف بکھری ہوئی — کہیں طلعت صبح نکھری ہوئی
یہ سبزہ یہ کھیتی یہ جھاڑی یہ بن — یہ بیل اور بوٹے یہ باغ وچمن
یہ شاخیں یہ پتے یہ گل یہ ثمر — یہ چارہ یہ غلہ یہ قندو شکر
یہ اتنا سا تخم اور نخل بلند — عجب سحر ہے حکمت نخل بند
یہ تار شعاعی یہ گرمی یہ رنگ — روانی آب و گرانی سنگ
یہ تشریح و تفہیم، اجسام کی — یہ تحریک و تحویل ،اجرام کی
یہ ترکیب و تحلیل اور امتزاج — امالہ ازالہ مداوا علاج

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

مدار کشش محور و مستقر | زمان و مکاں و جہات و صور
مدار زمیں و مسیر قمر | ظہور و فصول و نزول مطر
شمار مہ سال، لیل و نہار | خریف و ربیع و خزان و بہار
سواحل مراحل جبال رفیع | عمیق و عریض و طویل و وسیع
چمن زار خوش قطع مینو سواد | گلستان سیراب و تحریک باد
کسی گنج پر ہے مگر یہ طلسم | کسی جان کے واسطے ہے یہ جسم
ہے اس بحر میں کوئی در یتیم | کہ ہے جس کی خاطر یہ ناز و نعیم
ہے اس جشن میں کوئی سلطان ضرور | کہ ہے دم قدم کا یہ جس کے ظہور

اس کے بعد مولانا نے مدحت پیمبر میں درج ذیل اشعار حسن عقیدت اور والہانہ جذبۂ محبت سے سرشار ہو کر لکھے ہیں۔ ؎

محمد ہے وہ تاج دار ہدیٰ | مدار نبوت رسول خدا
بشیر و نذیر و رؤوف و رحیم | امین و شفیع و حبیب و کریم
وہی ہے ثمر نخل اظہار کا | وہی ہے گہر بحر انوار کا
وہی مہمان گرامی ہے یہاں | اسی کے لیے ہے یہ بزم جہاں
جمال الٰہی کا مظہر ہے وہ | کمال خدا ئی کا منظر ہے وہ
اسی کی بدولت ہے یہ سب نمود
کہاں کا عدم اور کہاں کا وجود

نظم جدید

۱۸۵۷ء کی تحریک آزادی جو ہندوستانیوں کی شکست پر منتج ہوئی، اس کے ہمہ گیر اثرات سیاست وحکومت اور ادب وسماج پر پڑے، انگریزوں کی حکومت واقتدار کے زیر سایہ نئی فکر واقدار نے جنم لیا، قدیم رجحانات کی بساط سمٹنے لگی اور زندگی کے تمام شعبوں میں وقت اور حالات کے ابھرتے ہوئے تقاضوں کو مدنظر رکھ کر اصلاح کا عمل جاری ہوا، مغرب کے غلبہ نے شعروادب کی پرانی روایات کی جگہ فکرو نظر کے نئے سانچے تیار کیے، نقد ونظر کا نیا معیار قائم ہوا، اردو شعروادب نے بھی ان انقلابی رجحانوں کو قبول کیا اور قدیم اصناف سخن غزل، قصیدہ، مثنوی، رباعی، کے ساتھ جدید نظم نگاری کا منصوبہ بند آغاز ہوا،

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

جس کے نتیجے میں ہیئت اور معنیٰ دونوں میں انقلاب آفریں تبدیلیاں رونما ہوئیں۔

جدید شاعری کے بارے میں ڈاکٹر عبادت بریلوی رقم طراز ہیں۔

''درحقیقت جدید شاعری وہ شاعری ہے، جو کسی نقلابی انداز سے بدلتے ہوئے ماحول کی صحیح ترجمانی میں خود اپنے آپ کو بدل دے، اس کے لیے روایت سے تھوڑی سی بغاوت ضروری ہے، تجربے کے ہاتھ کا بھی اس میں ہونا یقینی ہے، جو شاعری روایت کی بنی ہوئی ڈگر سے تھوڑا سا ہٹ کر چلتی ہے اور جس کی رفتار میں تجربے کا آہنگ ہوتا ہے، اس کو ادبی اصطلاح میں جدید کہتے ہیں اور یہ صورت حال کسی دور کی شاعری میں اس وقت پیدا ہوتی ہے، جب احساس بدلتا ہے، زندگی کے نئے تقاضے جب نئے شعور کو پیدا کرتے ہیں، جب سوچنے کے انداز میں تبدیلی ہوتی ہے، جب غور کرنے کا آہنگ ایک نیا روپ اختیار کر لیتا ہے، جب نئے تصورات کے چراغ جلتے ہیں، نئے خیالات کی شمعیں فروزاں ہوتی ہیں، نئے نقطۂ نظر کا آفتاب طلوع ہوتا ہے، نئے معیار بنتے ہیں، نئی قدروں کی تشکیل ہوتی ہے اور ان خیالات کے سائے میں زندگی اور ادب کا قافلہ نئی راہوں پر گامزن ہو جاتا ہے، اس عالم میں شاعری ایک نیا روپ، ایک نیا انداز اور ایک نیا آہنگ اختیار کرتی ہے، اسی کو جدید شاعری سے تعبیر کیا جاتا ہے''۔(جدید شاعری ص ۱۱)

مغربی اقدار اور اس کی ادبی روایات کے اثر نے اردو شعر و ادب کو ہیئت و معانی دونوں حیثیتوں سے ایک نئی سمت عطا کی، جس کے نتیجہ میں اردو شاعری کے موضوعات میں وسعت اور تنوع پیدا ہوا اور تبدیلی کا اثر انجمن پنجاب کے زیر اہتمام منعقد ہونے والے مشاعروں میں نظر آتا ہے، حالی اور آزاد ان مشاعروں کے علمبردار تھے، انجمن پنجاب کا پہلا مشاعرہ ۸رمئی ۱۸۷۴ء کو لاہور میں منعقد ہوا اور نظم جدید کی یہ تحریک دیکھتے ہی دیکھتے ملک کے ادبی مراکز میں پھیل گئی۔

مولانا اسماعیل میرٹھی جدید نظم نگاروں کی صف اول میں بہت نمایاں مقام رکھتے ہیں، ان کا تعلق سررشتۂ تعلیم اور جدید مدارس سے رہا، جہاں انھوں نے انگریزی تعلیم اور مغربی شعر و ادب کے افادی پہلوؤں کا بڑی گہرائی سے جائزہ لیا اور اپنی شاعری کی عنان (لگام) اس جدید شعری قافلے کی طرف موڑ دی، جو مغرب کے شعری و فکری رجحانات کے زیر اثر آگے بڑھ رہا تھا۔

مولانا اسماعیل میرٹھی نے جدید نظم کو اپنے فکر انگیز تجربات و مشاہدات کے ذریعہ بڑی معنویت اور وسعت عطا کی، ان کی نظم نگاری ہفت رنگ کی شان رکھتی ہے، جو تاریخی، قومی، ملی، سماجی، اخلاقی، علمی، نیچرل، تصوف اور دیہی زندگی کے عناصر سے ترکیب پاتی ہے، ان میں جدید علمی مشاہدات، نیچرل تصورات اور دینی زندگی کے مسائل اور مناظر ایسے آئینے ہیں، جن کے جلوؤں کی تابانی ان کو اپنے ہم عصر شعرا سے ممتاز

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کرتی ہے اور وہ نظم جدید میں مخصوص رنگ کے موجد ہیں، جس کا اعتراف اس طرح کیا گیا ہے۔

☆ ماہنامہ برہان دہلی فروری ۱۹۴۰ء "وہ نثر سے زیادہ نظم میں ایک مخصوص طرز کے موجد تھے اور یہ کہنا صحیح ہوگا، کہ اردو نظم میں نیچرل شاعری کو جدید رنگ میں پیش کرنے کی ایجاد کا سہرا انہیں کے سر ہے"۔

☆ نیاز فتح پوری نے رسالہ نگار ستمبر ۱۹۳۹ء میں اظہار خیال کیا ہے "ان کی نظمیں دبستانی حیثیت رکھتی ہیں، یہ اور حالی پہلے شخص تھے، جو اردو کے قدیم رنگ کو بدل کر اسے مغربی انداز پر لے گئے"۔

☆ ڈاکٹر اعجاز حسین لکھتے ہیں "اسماعیل، اردو کا رجحان شاعری کی طرف پھیرنا چاہتے تھے، کئی عمدہ نظمیں اس سلسلے میں کہی ہیں، مثلاً برسات، گرمی کا موسم، صبح کی آمد"

مولانا کی طبع زاد اخلاقی نظمیں پند و موعظت کی غرض سے لکھی گئیں، لیکن وہ خشک نہیں، بلکہ پیرا یہ بیان کی ندرت نے ان کو خاص اہمیت عطا کر دی ہے، اس سلسلے کی نظمیں حیا، چھوٹے سے کام کا بڑا نتیجہ، قرض بہت مشہور ہیں۔

مولانا کی نیچرل نظموں میں مقامی رنگ خاص طور پر نمایاں ہے، علامات، تشبیہات، استعارات اور الفاظ کی فضا وہی ہے، جہاں کا ذکر کیا گیا ہے، ان کی مشہور نیچرل نظمیں ایک گنوار اور قوس و قزح، شفق، برسات، بہت اہم ہیں۔

شفق کا ایک بند ملاحظہ ہو۔

شفق پھولنے کی بھی دیکھو بہار ۔۔۔ ہوا میں کھلا ہے عجب لالہ زار
ہوئی شام بادل بدلتے ہیں رنگ ۔۔۔ جنھیں دیکھ کر عقل ہوتی ہے دنگ
نیا رنگ ہے اور نیا روپ ہے ۔۔۔ ہر اک روپ میں یہ وہی دھوپ ہے
طبیعت ہے بادل کی رنگت پہ لوٹ ۔۔۔ سنہری لگائی ہے قدرت نے گوٹ
ذرا دیر میں رنگ بدلے کئی ۔۔۔ بنفشئی و نارنجی و چمپئی
یہ کیا بھید ہے کیا کرامات ہے ۔۔۔ ہر اک رنگ میں اک نئی بات ہے
یہ مغرب میں جو بادلوں کی ہے باڑ ۔۔۔ بنے سونے، چاندی کے گویا پہاڑ
فلک نیل گوں اس میں سرخی کی لاگ ۔۔۔ ہرے بن میں گویا لگا دی ہے آگ
اب آثار ظاہر ہوئے رات کے
کہ پردے چھٹے لال بانات کے

نظم برسات کے دو شعروں میں مولانا نے آسمان پر گھٹا چھانے اور پھیلنے کا سماں اور فضا میں

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

بارش سے پہلے جو ایک خاص کیفیت پیدا ہوتی ہے، سب کو اس طرح پیش کیا ہے۔ ؎

وہ دیکھو اٹھی کالی کالی گھٹا ہے چاروں طرف چھانے والی گھٹا
گھٹا کے جو آنے کی آہٹ ہوئی ہوا میں بھی اک سنسنا ہٹ ہوئی

بارش کے بعد خوشگوار تبدیلیوں کا بیان ملاحظہ ہو۔ ؎

ہر اک پیڑ کا ایک نیا ڈھنگ ہے ہر اک پھول کا اک نیا رنگ ہے
یہ دو دن میں کیا ماجرا ہوگیا کہ جنگل کا جنگل ہر ا ہوگیا
جہاں کل تھا میدان چٹیل پڑا وہاں آج ہے گھاس کا بن کھڑا
ہزاروں پھدکنے لگے جانور
نکل آئے گویا کہ مٹی کے پر

مولانا میرٹھی دیہات، اس کے مناظر، ماحول اور دیہاتوں میں بسنے والے کسانوں، مزدوروں کی بےلوث سادہ متحرک فعال ہستیوں سے بہت متاثر تھے، چنانچہ انھوں نے ان سارے امور کو اپنی شاعری کا موضوع بنا کر موثر اور خوبصورت نظمیں تحریر کیں، ان کا دل خس پوش مکانوں اور جھونپڑوں میں رہنے والے محنت کش کاشتکاروں اور مزدوروں کی جفاکشی بےلوث خدمت سے بہت متاثر تھا، وہ ان کی محنت کش زندگیوں کو تہذیب وتمدن کی اساس اور شہروں کی رونق کا مدار خیال کرتے تھے، مولانا کے نزدیک کسانوں اور مزدوروں کی محنت ومشقت پر عمرانی تہذیب وتمدن کی بقا وارتقا کا دارومدار ہے، دیہاتی زندگی سے متعلق، کاشتکاری، برسات، ہماری گائے، گرمی کا موسم، خاص شہرت رکھتی ہیں۔

دیہاتی زندگی کا ایک پہلو ملاحظہ ہو۔ ؎

مئی کا آن پہنچا ہے مہینہ بہا چوٹی سے ایڑی تک پسینہ
بجے بارہ تو سورج سر پہ آیا ہوا پیروں تلے پوشیدہ سایا
چلی لو اور تڑاکے کی پڑی دھوپ لپٹ ہے آگ کی گویا کڑی ہے دھوپ
زمیں ہے یا کوئی جلتا توا ہے کوئی شعلہ ہے یا پچھوا ہوا ہے
در و دیوار ہیں گرمی سے تپتے بنی آدم ہیں مچھلی سے تڑپتے
پرندے اڑ کے ہیں پانی پہ گرتے چرندے بھی ہیں گھبرائے سے پھرتے
درندے چھپ گئے ہیں جھاڑیوں میں مگر ڈوبے پڑے ہیں کھاڑیوں میں
نہ پوچھو کچھ غریبوں کے مکاں کی زمیں کا فرش ہے چھت آسماں کی

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

نہ پنکھاہے نہ ٹٹی ہے نہ کمرہ   ذرا سی جھونپڑی محنت کا ثمرہ

امیروں کو مبارک ہو حویلی
غریبوں کا بھی ہے اللہ بیلی

مولانا میرٹھی کا تعلق ایک علمی و دینی گھرانے سے تھا، ان کی تعلیم و تربیت اسی ماحول میں ہوئی تھی، سرکاری ملازمت کے باوجود ان کے دینی و روحانی فکر و عمل میں فرق نہیں آیا، ۱۸۷۰ء میں مولانا میرٹھی سید غوث علی شاہ پانی پتی علیہ الرحمہ کے حلقہ ارادت میں شامل ہوئے، تو ان کا ذوق روحانیت و تصوف کافی ارتقا پذیر ہوا، مرشد کے فیضان تربیت سے تصوف کا رنگ گہرا ہوتا چلا گیا، ذکر و فکر اور صوفیانہ مشاغل میں مصروف رہنے لگے، مولانا نے اپنی ذات وصفات کی طرح اپنی شاعری کا ایک حصہ بیان معرفت و سلوک کے لیے مختص کر لیا اور افکار و مسائل پر بھی پر مغز نظمیں تحریر کیں، جو مثنوی اور نظم جدید دونوں فارموں میں ہیں، ہیئت نظم میں، صفت شیخ، میرا خدا میرے ساتھ ہے ہفت درود محمود، تماشائے خیالی، علیک السلام اے شفیع البرایا، تو ہی ظہور کون و مکاں، یاد الٰہی، السلام اے شاہ، ساقی خم خانہ، نہیں معلوم کیا واجب ہے، زمانہ تن پرستی میں گزارا، جیسی نظمیں تصوف و سلوک کے بیان میں ہیں۔

مولانا نے اپنی نظموں میں مثنوی کے فارم کے علاوہ مسدس، مثمن، مخمس کی ہیئت کو بھی بڑی خوبی سے بیان کیا ہے، آثار سلف مولانا کی ایک طویل نظم ہے، جو آگرہ کے قلعے سے متعلق لکھی گئی ہے، جو ہیئت کے لحاظ سے مثمن ہے، انھوں نے اس نظم میں ماضی، حال اور مستقبل کو ایک آئینے کی صورت میں پیش کر دیا ہے، ذیل کے بند میں نظم کی خوبیاں ملاحظہ ہوں۔

یا رب یہ کسی مشعل کشتہ کا دھواں ہے   یا گلشن برباد کی یہ فصل خزاں ہے
یا برہمی بزم کی فریاد و فغاں ہے   یا قافلہ رفتہ کا پس خیمہ رواں ہے
ہاں دور گزشتہ کی مہابت کا نشاں ہے   بانی عمارت کا جلال اس سے عیاں ہے

اڑتا تھا یہاں پرچم جم جاہی اکبر
بجتا تھا یہاں کوس شہنشاہی اکبر

اکبر سا کبھی مخزن تدبیر یہاں تھا   یا طنطنہ دور جہاں گیر یہاں تھا
یا شاہ جہاں مرجع توقیر یہاں تھا   یا مجمع ذی رتبہ مشاہیر یہاں تھا
القصہ کبھی عالم تصویر یہاں تھا   دنیا سے سوا جلوۂ تقدیر یہاں تھا

بہتا تھا اسی کاخ میں دولت کا سمندر

http://t.me/Tehqiqat

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

تھے جشن ملو کانہ اسی قصر کے اندر

یہ قصر معلیٰ کہ جہاں عام تھا دربار — آئینہ نمط صاف ہیں جس کے درو دیوار
اور سقف زر اندوز ہے مانند چمن زار — اور فرش ہے مرمر کا مگر چشمہ انوار
اب بانگ نقیب اس میں نہ چاؤس کی للکار — سر ہنگ کمر بستہ نہ وہ مجمع حضار

کہتا ہے کبھی مرکز اقبال تھا میں بھی
ہاں قبلہ گہہ عظمت و اجلال تھا میں بھی

نظموں میں ہیئت کے تجربے:۔ مولانا نے نظم جدید کے مروجہ سانچوں سے الگ ہٹ کر ہیئت کے کچھ نئے تجربے بھی کیے ہیں، جس میں وہ اپنے معاصرین سے منفرد ہیں، مولانا نے اردو ادب میں ابیات کا اضافہ کیا، فردیات کا رواج قدیم سے ہے، لیکن مطلع کی صورت میں ایک خیال کو صرف دو مصرعوں میں مرکوز کر دینا مولانا کا اختراع ہے، مولانا نے مکمل خاکہ کو قطعہ سے بھی چھوٹی ہیئت میں پیش کرنے کا کامیاب تجربہ کیا ہے، جو ان کی اختراع پسند طبیعت اور شاعرانہ کمال کا جیتا جاگتا ثبوت ہے، ان ابیات کا موضوع اخلاق اور درس وحکمت ہے۔

اچھی بات:۔

جو بات کہو صاف ہو، ستھری ہو، بھلی ہو — کڑوی نہ ہو، کھٹی نہ ہو مصری کی ڈلی ہو

وقت سے کام لو:۔

وقت میں تنگی فراخی دونوں ہیں جیسے ربڑ — کھینچنے سے بڑھتی ہے چھوڑے سے جاتی ہے سکڑ

بری صحبت سے بچو:۔

بد کی صحبت میں نہ بیٹھو اس کا ہے انجام برا — بد نہ بنے تو بد کہلائے بد اچھا بد نام برا
بگڑتی ہے جس وقت ظالم کی نیت — نہیں کام آتی دلیل اور حجت

نہ حلوہ بن کہ چٹ کر جائیں بھوکے
نہ کڑوا بن کہ جو چکھے سو تھوکے

مولانا نے اپنی دو نظموں میں ہیئت کا ایسا انفرادی اور امتیازی تجربہ کیا ہے، جس کی بنیاد پر ہم ان کو ترقی پسند آزاد معرا نظم نگاری کا بانی اور رہنما کہہ سکتے ہیں، تاروں بھری رات کا ایک بند ملاحظہ ہو۔

ارے چھوٹے چھوٹے تارو — کہ چمک دمک رہے ہو
تمہیں دیکھ کر نہ ہوئے — مجھے کس طرح تحیر

http://t.me/Tehqiqat

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کہ تم اونچے آسماں پر جو ہے کل جہاں سے اعلیٰ
ہوئے روشن اس روش سے
کہ کسی نے جڑ دیے ہیں

ادب اطفال:۔ بچے قوم کا مستقبل اور سرمایہ ہیں، لہذا ان کی بہتر تعلیم و تربیت ناگزیر ہے، تاکہ آگے چل کر وہ مہذب شہری اور سلیقہ مند انسان بن سکیں اور قومی و مذہبی ترقی میں اپنا مثبت کردار پیش کرسکیں، اس سلسلے میں بچوں کی نفسیات اور ان کی افتادِ طبع سے روشناس ہونا از بس ضروری ہے۔

بچوں کی تربیت اور ذہنی نشو ونما کا پہلا اسکول ماں کی آغوش کو قرار دیا گیا ہے، جہاں کسی کتاب کے بغیر بچوں کو ذہنی غذا میسر آتی ہے، اس کے بعد شفیق استاذ کے سایۂ تربیت میں پروان چڑھتا ہے، جہاں کان اور آنکھ کی صلاحیتوں کے استعمال کے لیے نئے ڈھنگ اور نئے ذرائع کا موقع ملتا ہے، خصوصا مشاہدے کے ساتھ مطالعہ کا عمل شروع ہوتا ہے، مطالعہ کا عمل اور اس کے لوازمات بچوں کی شخصیت کو نکھارنے اور بھرپور بنانے میں اہم رول ادا کرتے ہیں۔

اردو میں نصابی کتابوں کی تالیف کا کام دلی کالج اور سائینٹیفک سوسائٹی علی گڑھ کے ذریعے شروع ہوا، مگر بچوں کے لیے نصابی کتابوں کی تیاری کا سہرا محمد حسین آزاد کے سر ہے، جنھوں نے عربی قواعد، قصص، ہند، فارسی کی پہلی کتاب اور فارسی کی دوسری کتاب اور قواعد فارسی مرتب کی، کرنل ہالرائڈ کی سرپرستی میں اردو کی پہلی، دوسری، تیسری اور چوتھی کتاب مولانا آزاد کی کوششوں کا کامیاب ثمرہ ہیں۔

اس سلسلے کا دوسرا اور مفید کام میرٹھ میں مولانا محمد اسماعیل صاحب میرٹھی کے قلم سے انجام پذیر ہوا، انھوں نے اردو زبان کا قاعدہ اول دوم اردو کی پہلی، دوسری، تیسری، چوتھی اور پانچویں کتاب لکھ کر بچوں کے ادب میں بہت گراں قدر اضافہ کیا۔

مولانا نے اپنی اردو ریڈروں میں بچوں کی ذہنی سطح ان کی نفسیات اور قوت اخذ و تمیز کو سامنے رکھتے ہوئے آسان اور موثر اسلوب بیان اختیار کیا ہے، ان کتابوں میں اخلاقی، سماجی، معاشرتی، زراعتی، تاریخی، طبعی، طبی (حفظان صحت) جیسے مضامین شامل ہیں، جن سے بچوں کے اخلاق و کردار سنوارے جاسکیں اور ان کے دل و دماغ میں صالح فکر و عمل کا رجحان پیدا ہوسکے، جو تاریخی واقعات پیش کیے گئے ہیں، اس کا مقصد بچوں کے ذہن پر انصاف، فرض شناسی، ایفائے عہد، محنت کی روزی، حسن سلوک، رفاہ عام، ذہانت، شجاعت، مساوات، وفاداری، قومی یکجہتی، علم و فضل کی عظمت وغیرہ اوصاف کا نقش مرتسم ہوسکے۔

مولانا نے بچوں کے لیے جو خوبصورت نظمیں لکھیں، وہ فطری، مشاہداتی، صفاتی، تمثیلاتی

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

موضوعات پر مشتمل ہیں، ان نظموں میں تشبیہوں اور استعاروں کا حسن مقامی رنگ اور نرم و حسین الفاظ اور خوبصورت جملوں کا استعمال کیا ہے، بعض نظموں کے کچھ اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

ہونے کو آئی صبح تو ٹھنڈی چلی ہوا کیا دھیمی دھیمی چال سے یہ خوش ادا چلی
لہرادیا کھیت کو ہلتی ہیں بالیاں پودے بھی جھولتے ہیں لچکتی ہیں ڈالیاں
پڑجائے اس جہاں میں ہوا کی اگر کمی
چوپایہ کوئی زندہ بچے اور نہ آدمی
گھٹا کا تن گیا ہے شامیانہ بجایا رعد نے نقار خانہ
گھٹا کس سوچ میں چپکی کھڑی ہے برس آخر تو ساون کی جھڑی ہے
بھنبیری اڑ کہ ساون آگیا ہے
گھٹا اٹھی ہے بادل چھا گیا ہے

مولانا میرٹھی صاحب نے ۹۳/۱۸۹۲ء میں اردو زبان کا قاعدہ اور اردو کی پہلی، دوسری، تیسری، چوتھی کتاب تصنیف کی۔

۱۸۹۴ء میں ٹیکسٹ بک کمیٹی نے یہ سلسلہ منظور کیا اور ڈائریکٹر سررشتۂ تعلیم کے حکم سے یوپی کے تمام ابتدائی مدرسوں میں یہی سلسلہ داخل نصاب ہوا، یہ سلسلہ اتنا مقبول ہوا، کہ مدتوں تک داخل نصاب رہا اور اس کے ذریعے کروڑوں بچوں نے اردو زبان وادب کا ستھرا ذوق پیدا کیا۔

مولانا نے توزک اردو مڈل اور ہائی اسکول کلاسوں کے لیے مرتب کی جس میں عمدہ نثر و نظم کا انتخاب تھا، جو برسوں تک مڈل اور ہائی اسکول کلاسوں میں داخل نصاب رہی، نارمل اسکول کورس کے سال دوم کے لیے (اردو کورس برائے نارمل اسکول) مولانا کی کوششوں کا ثمرہ ہے۔

کمک اردو اور ادیب اردو، یہ کتابیں ۱۹۰۹ء میں مرتب کیں، جو بہت پسند کی گئیں اور اسکولوں اور مدرسوں کی پانچویں اور چھٹی جماعت میں داخل نصاب کی گئیں،

سفینۂ اردو، یہ کتاب اردو کا عمدہ انتخاب ہے، جو اسکولوں کی ساتویں اور آٹھویں جماعتوں میں داخل نصاب رہا۔

سواد اردو، یہ کتاب سررشتۂ تعلیم یوپی کی خواہش پر تالیف کی گئی، جو ۱۹۱۴ء سے ۱۹۳۰ء تک نصاب تعلیم میں شامل رہی۔

مولانا میرٹھی صاحب نے اردو کی ایک درسی لغت بھی لکھی تھی، جو ۱۹۱۰ء میں مکمل ہوئی، یہ

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

لغت کئی جلدوں پر پھیلی ہوئی ہے، افسوس کے زیورطبع سے آراستہ نہ ہوسکی۔

ترجمان فارسی، مولانا نے ۱۸۹۴ء میں مبتدی طلبہ کے لیے یہ کتاب تحریر کی، جس میں ترجمہ کے اصول اور مبادیات تحریر کیے اور مہارت کے لیے مشقیں بھی شامل کیں۔

مولانا اسماعیل صاحب میرٹھی کی بچوں کے ادب کے لیے وہ ناقابل فراموش دین ہے، جس کے احسان سے اردو دنیا کبھی بھی سبک دوش نہیں ہوسکتی۔

حاصل کلام:۔ مولانا اسماعیل میرٹھی شاعر، نثر نگار، معلم اور بچوں کی تعلیمی نفسیات کے زبردست ماہر تھے، ان کے کلیات میں غزلیں، قصیدے، قطعات، رباعیات، مرثیے، مثنویاں اور نظمیں تقریباً تمام اصناف سخن پر ان کی حاکمانہ قدرت اور نئی مہارت کا ثبوت ہیں، نثری نگارشات بالخصوص دوسری کتابیں ادب اطفال کا عمدہ نمونہ ہیں، انھوں نے وقت اور حالات کے بدلتے ہوئے تیور کو اچھی طرح سمجھ لیا تھا، اس لیے نظم ہو یا نثر مثبت تعمیر پسندی اور اخلاقی رویوں کی تبلیغ نیز گہری فکر وبصیرت اور تجربات ومشاہدات کی روشنی میں عوام بالخصوص بچوں کی ذہنی اصلاح وتربیت کا مہتم بالشان فرض انجام دیا ہے اور وہ اپنی شعری ونثری خدمات کے ذریعہ اردو نظم ونثر کے بلند پایہ ادیب اور شاعر بن گئے، پروفیسر نورالحسن نقوی مولانا کا جامع کمال ادبی شخصیت کا تعارف ان الفاظ میں پیش کرتے ہیں۔

''ان کے تصنیفی کارناموں کا جائزہ لیا جائے، تو معلوم ہوتا ہے، کہ وہ بیک وقت شاعر بھی ہیں اور نثر نگار بھی انھوں نے اسکولی بچوں کے لیے درسی کتابیں لکھیں، جو بہت مقبول ہوئیں اور آج بھی کچھ مدرسوں میں پڑھائی جاتی ہیں، ان کتابوں کی کامیابی کا راز یہ ہے، کہ انھیں بچوں کی نفسیات سے گہری واقفیت ہے، اس کے علاوہ مدرسی کا پیشہ اختیار کرنے کے سبب تعلیمی مسائل پر غور وفکر کا موقع ملا، اردو شاعری پر ان کا بڑا احسان ہے، انھوں نے پہلی بار چھوٹی چھوٹی انگریزی نظموں کے ترجمے کیے اور اس کامیابی کے ساتھ کیے، کہ ان کا حسن برقرار رہا، بے قافیہ نظمیں لکھ کر انھوں نے اردو شاعری پر ایک نئے باب کا اضافہ کیا، یہ نظمیں ایسی دلکش اور اتنی مترنم ہیں، کہ قافیے کی کمی کا احساس بھی نہیں ہوتا، یہ نظمیں بچوں کے لیے لکھی گئی ہیں، نثر ہو یا نظم بچوں کے لیے وہ جو کچھ لکھتے ہیں، وہ سبق آموز اور نصیحت آمیز ہوتا ہے، مولوی صاحب صرف بچوں کے شاعر نہیں، ان کا عاشقانہ اور صوفیانہ کلام بھی قابل توجہ ہے، سادگی اور نفاست ان کے کلام کا خاص وصف ہے، غزل میں انھوں نے غالب کا انداز اختیار کرنے کی کوشش کی ہے اور غالب کی غزلوں پر غزلیں بھی کہی ہیں''۔ (تاریخ ادب اردو ص ۱۵۴/۵۵)

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

تاریخ

http://t.me/Tehqiqat

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

اسلامی فتوحات

آفرینش عالم سے آج تک اس باغ گیتی میں ایک دو نہیں ہزاروں اور لاکھوں قومیں وجود پذیر ہوئیں، یہ قومیں اور مذہبی تحریکیں آغاز وارتقا کی منزلیں طے کر کے زوال پذیر ہوئیں، ان مذاہب اور اقوام کا آفتاب عروج واقبال افق عالم پر اپنی پوری آب وتاب کے ساتھ جگمگایا اور فنا کی وادی میں غروب ہو گیا۔

ان اقوام و مذاہب نے نقطۂ آغاز سے لے کر نقطۂ شباب تک اپنے اقتدار وسطوت کا پرچم خاکدان گیتی کے مختلف حصوں پر لہرایا، دنیا کی دوسری قومیں ان کے پرچم اقتدار کے سائے میں آئیں، ان مذاہب اور قوموں نے دنیا کے خطوں کو فتح بھی کیا اور اپنی حکمرانی کے سکے بھی چلائے، مگر اسلام کی تاریخ آغاز وارتقا مذاہب واقوام عالم کی تاریخ آغاز وارتقا سے یکسر مختلف ہے، جب ہم اسلام کے آغاز وارتقا کی تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں، تو نقطہ آغاز پر اسلام اور پیروان اسلام کی بے سروسامانی، غربت وافلاس کا الم انگیز باب سامنے آتا ہے، جس وقت سرکار بطحا علیہ التحیۃ والثنا نے صحرائے عرب میں ظہور فرمایا اور مکہ کی سرزمین پر اپنی رسالت کا اعلان کیا، تو سب سے پہلے جن لوگوں نے اس اعلان صداقت پر سر تسلیم خم کیا، ان کی تعداد بہت ہی کم تھی اور ان میں اکثر لوگوں کی بے مائگی اور غربت جاہلان عرب کا نشانہ تمسخر بنی ہوئی تھی، اعلان نبوت کو تقریباً دس گیارہ سال گزر چکے تھے، اس درمیانی مدت میں دن بدن دائرۂ اسلام میں وسعت ہی ہوتی جاری تھی، تاہم مسلمانوں کی اتنی کم تعداد تھی، کہ وہ کھلے بندوں خانہ کعبہ میں خالق کائنات کے حضور سربسجود نہ ہو سکتے تھے، کفار مکہ کی ستم رانیاں اور اسلام دشمنی اس حد تک پہنچ گئی تھی، کہ ان کے مظالم سے تنگ آکر پرستاران اسلام کو حبشہ کی طرف ہجرت کرنی پڑی۔

قلت تعداد اور سرمایہ کی کمی اور کفار مکہ کی بندشوں نے قدم قدم پر اشاعت اسلام کے لیے مشکلات پیدا کر دی تھیں۔

سرور کائنات نے انھیں سخت حالات کے پیش نظر عزیز وطن مکہ کو خیر باد کہا، اعوان وانصار کو ہجرت مدینہ کا حکم دیا، درحقیقت اسلامی فتوحات کا آغاز مدینہ ہی سے ہوا، اپنی زندگی کے ابتدائی ایام ہی اسلامی فروغ وارتقا کا سنگ بنیاد بنے، یہی وہ جگہ تھی، جہاں سے اسلام پروان چڑھا اور اشاعت اسلام

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کے سارے سامان فراہم ہوئے۔

۲ ؁ھ میں کفار قریش نے اسلام کے خلاف ایک منصوبہ بند پلان کے تحت حملہ کیا، اس وقت سرکار مدینہ نے بدر کے مقام پر ۳۱۳ جاں نثاروں کی مقدس جماعت کے ساتھ کفار کا مقابلہ کیا، اگرچہ کفار پورے ساز وسامان کے ساتھ اسلام کو فنا کردینے کے ناپاک عزم کے ساتھ آئے تھے، مگر حق و باطل کے اس اولین معرکے ہی میں اسلام کے شیدائیوں کو جو عظیم فتح حاصل ہوئی، وہ تاریخ کا حیرت انگیز باب بن گئی، کفار کی عزت وسطوت میدان بدر میں دفن ہوگئی، کفار اپنے مایہ ناز سورما بہادروں کی روندی ہوئی لاشیں چھوڑ کر فرار ہوگئے۔

کفار قریش کو اپنی سابقہ شکست کا انتقام لینا تھا، چنانچہ خواتین قریش نے نوجوانوں کو اپنی ناموس اور آبائی مذہب کی حفاظت کا واسطہ دے کر جنگی اسپرٹ پیدا کی اور انھیں پرجوش بنایا، چنانچہ ۳ ؁ھ میں دوبارہ کفار قریش سنگین عزائم کے ساتھ آگے بڑھے اور مدینہ پر چڑھائی کردی، اس جنگ میں سرکار مدینہ بھی سات سو پروانوں کو لے کر میدان احد میں آئے۔

یہ جنگ بڑی ہی سنگین جنگ تھی، شروع میں کفار کے پاؤں اکھڑ گئے تھے اور مسلمانوں کی کامرانی کے آثار بالکل واضح تھے، مگر ہارتے ہارتے کفار نے عقب سے اسامی لشکر پر شدید حملہ کردیا، جس کے باعث اسلامی فوج میں انتشار پیدا ہوگیا، کسی طرح اس افراتفری پر قابو پایا جاسکا۔

۵ ؁ھ میں پھر کفار قریش نے اپنے ایک بڑے ہی سنگین منصوبے کے ساتھ مدینہ پر چڑھائی کی اور مدینہ کا محاصرہ کرلیا، مگر اس میں بھی کفار کو سخت شکست کا سامنا کرنا پڑا۔

ابھی ہجرت کو سات برس ہوئے تھے، اسلام کی طاقت بڑھ کر عرب کی عظیم طاقت بن رہی تھی، کفار مکہ کے عزائم پست ہوتے جارہے تھے، مگر خیبر کے یہودی اسلام کی بڑھتی ہوئی قوت کو دیکھ کر خاموش نہ رہ سکے، انھوں نے دس ہزار کا عظیم لشکر ترتیب دیا اور مسلمانوں سے لڑنے کے لیے سامان حرب فراہم کرنے لگے۔

سرکار مدینہ صحابۂ کرام کی مقدس جماعت کے ساتھ خیبر کے یہودیوں کے ناپاک ارادوں کو خاک میں ملانے کے لیے آگے بڑھے اور ہر محاذ پر یہودی عظمت وسطوت کے قلع قمع کردیے اور ہمیشہ کے لیے صحرائے عرب سے یہودیوں کی ناپاک سازشوں کا خاتمہ کردیا۔

چند ہی سال بعد تاریخ کا پانسہ پلٹ جاتا ہے، شمع رسالت کے گرد جاں نثار پروانوں کا بیکراں ہجوم ہوجاتا ہے، یہاں تک کہ سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم دس ہزار فرزندان اسلام کے ساتھ فتح مکہ کے

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

لیے روانہ ہوئے اور وہی شہر مکہ جن کے درو دیوار کو مسلمانوں نے خیر باد کہا تھا، مسلمانوں کا پر جوش استقبال کرتے ہیں، اس شہر مکہ کے گلی کوچے جو آج سے چند سال قبل قید خانے کی صعوبتوں سے زیادہ کرب انگیز تھے، وہی مسلمانوں کے زیر اثر آ کر دارالامن بن گئے، وہی خانۂ کعبہ جہاں مسلمان خالق کائنات کی عبادت نہیں کر سکتے تھے، آج اسی خانۂ کعبہ سے مسلمان سیکڑوں سال پرانے اصنام کو نکال کر پھینک رہے تھے۔

فتح مکہ کے بعد اسلامی اقتدار کا سورج تقریباً تمام ریگزار عرب کو جگمگا رہا تھا اور خطہ عرب اسلامی حکومت کے زیر نگیں آ چکا تھا۔

وہی قوم جو آج سے چند سال پہلے قلت افراد کے باعث دوسروں کی پناہ ڈھونڈ رہی تھی، آج وہ خود دوسری قوموں کی محافظ بن چکی تھی، سرکار مدینہ نے ۱۰ھ میں جب عرفات کے مقام پر آخری خطبہ دیا تھا، اس وقت تقریباً ایک لاکھ چودہ ہزار فرزندان توحید نے لب ہائے رسالت سے تقریر سنی۔

فرزندانِ توحید کے عزائم اتنے بلند تھے، کہ جب سرکار مدینہ نے دنیا سے پردہ فرمایا، تو وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں دنیا کی دو عظیم طاقت قیصر و کسریٰ سے نبرد آزما ہونے کے لیے آمادہ تھے اور تاریخ گواہ ہے، کہ خلیفۂ اول کے دو سالہ دور خلافت میں سرفروشان اسلام نے صحرائے عرب سے نکل کر شام عراق ایران کے مختلف علاقوں پر بیک وقت اسلامی اقتدار کا پرچم لہرا دیا تھا، تاریخ فتوحات عالم کا غالباً سب سے عجیب واقعہ ہے، کہ ایک ہی وقت میں دنیا کی دو عظیم طاقتوں سے ٹکر لی۔

خلیفۂ اول کے بعد حضرت فاروق اعظم کا تقریباً دس سالہ دور خلافت اشاعت اسلام اور فتوحات کا زریں دور تھا، یہ وہ دور تھا، جس میں شام و عراق کے محاذ پر حضرت ابوعبیدہ بن الجراح اور خالد بن ولید کی قیادت میں اسلامی فوجیں قیصری لشکروں سے برسر پیکار تھیں، تو دوسری طرف حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی سپہ سالاری میں عساکر اسلام کسریٰ کی عظیم فوجوں سے مورچہ لے رہے تھے۔

خلیفۂ دوم کے زمانۂ خلافت میں اسلامی لشکروں نے قیصر و کسریٰ کی عظیم حکومتوں کا تختہ الٹ دیا اور اسلامی لشکر سیلاب کی طرح پورے شام، عراق، ایران اور دوسرے علاقوں میں پھیل گیا۔

خلیفۂ وقت کے دور خلافت میں صرف قیصر و کسریٰ کی دو عظیم سلطنتوں ہی سے اسلامی فوجیں نبرد آزما نہیں تھیں، بلکہ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی سپہ سالاری میں اسلامی فوج براعظم افریقہ پر بھی اسلامی پرچم لہرانے کے لیے پیش قدمی کر رہی تھی، عہد فاروقی ہی میں اسلامی حدود سلطنت میں عرب

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کے علاوہ شام، ایران، عراق، مصر اور دوسرے ملحقہ خطے آ چکے تھے۔

عہد عثمانی میں اگر چہ اسلامی فتوحات کی رفتار کچھ کم ہو چکی تھی، تاہم ایران و شام کے حدود سے پیش رفت کرتی ہوئی اسلامی فوجیں کابل (افغانستان) مکران اور ہندوستان کی شمالی مغربی سرحدوں تک پہنچ چکی تھیں اور ادھر افریقہ میں مصر، طرابلس، اسکندریہ کے علاوہ تمام شمالی افریقہ جزیرہ قبرص پر اسلامی حکومت قائم ہو چکی تھی اور نعرہائے تو حید و رسالت سے صحرائے افریقہ گونج چکا تھا، صفحۂ تاریخ پر یہ بات دائمی نقش بن کر چمک رہی ہے، کہ حضور نبی اکرم کے پردہ فرمانے کے تقریباً ۲۰ سال بعد ہی وہ مسلمان جنھیں نفرت و حقارت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا، قیصر و کسریٰ اور شاہان مصر کے زریں تاج و تخت ان کی ٹھوکروں میں تھے اور یہی مسلمان دنیا کی عظیم سلطنتوں کو پارہ پارہ کر چکے تھے۔

خلافت راشدہ کے بعد عہد بنوامیہ میں بھی اسلامی فتوحات میں حیرت انگیز اضافہ ہوا، ولید بن عبدالملک کا دور حکومت فتوحات اسلامی کے سلسلہ میں خاص طور سے قابل ذکر ہے، اس عظیم فرمانروا کے زمانہ میں اسلامی فوجیں مغرب میں ساحل افریقہ سے طارق بن زیاد اور موسیٰ بن نصیر کی قیادت میں یورپ کے جنوبی علاقوں اسپین و پرتگال، فرانس تک اسلامی پرچم لہراتے ہوئے عیسائی آمریت کے نقش و نگار کو تباہ کرتے ہوئے بڑھتی چلی گئیں۔

ٹھیک اسی وقت مجاہد اسلام محمد بن قاسم کی سپہ سالاری میں اسلامی فوجیں نعرہ ہائے تکبیر بلند کرتی ہوئی معبد ہند کے در و دیوار سے ٹکرائیں اور سندھ، پشاور اور ملتان تک پہنچ گئیں۔

اسی عہد بنوامیہ میں اسلامی فوجیں چین، ترکستان اور دوسرے مشرقی ممالک تک پہنچ گئی تھیں اور کئی بار قیصری عظمت رفتہ کے مستحکم دارالسطنت قسطنطنیہ پر بھی حملہ آور ہو چکی تھیں۔

فتح مکہ کے بعد پچاس ساٹھ برس کی قلیل مدت میں شجاعان عرب نے جو حیرت انگیز فتوحات حاصل کیں اور جتنی تیز رفتاری کے ساتھ دائرہ اسلام میں وسعت پیدا ہوئی، وہ تاریخ کا ایک اہم ترین اور ناقابل فراموش کارنامہ ہے، جس کی مثال اس سے پہلے اور اس کے بعد تاریخ فتوحات میں مفقود ہے۔

فخر موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کے پردہ فرمانے کے بعد فرزندان توحید نے فاتحانہ اسپرٹ، فن سپہ گری اور عدیم المثال بہادری کے جوہر دکھا کر ایشیا، یورپ اور افریقہ کے مختلف ممالک میں اپنی عظیم حکومت قائم کر لی جو بھی اس عظیم سیلاب سے ٹکرایا، خس و خاشاک کی طرح بہہ گیا، اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہوئے ایک برٹش میوزیم مورخ مینوئیل لکھتا ہے۔

''عربوں نے قرآن کی اخلاقی و روحانی طاقت کی بدولت جو فتوحات حاصل کیں اس کا دائرہ

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

سکندراعظم کے جنگی کارناموں اور سلطنت روما کی فتوحات سے بدرجہاوسیع تھا،مسلمانوں نے ایک صدی کے اندروہ کردکھایا،جوغیرمسلم طاقتیں سیکڑوں صدیوں میں بھی نہیں کرسکتیں''۔

اسلامی فتوحات اور اسلام کے عروج وارتقا کے بارے میں امریکہ کا ماہر سیاست داں ڈاکٹر لوتھر لکھتا ہے۔

''تاریخ انسانی کا غالباً سب سے تعجب انگیز واقعہ اسلام کا عروج ہے،اس کی ابتدا ایک ایسی سرزمین اور قوم سے ہوئی، جواولاً کسی شمار میں بھی نہ تھی،اسلام ایک ہی صدی میں نصف کرۂ ارض پر پھیل گیا،اس نے بڑی بڑی سلطنتوں اور قدیم مذہبوں کو تہ وبالا کردیا،اس کا آغاز ایک ریگستانی ملک میں ہوا،جس کے باشندے تاریخ عالم میں غیرمعروف تھے،لیکن جب وہ اسلامی جوش لے کرآگے بڑھے،توبڑی بڑی حکومتوں کوزیرکرتے چلے گئے جوسراسر اعجاز تھا،دوہی نسلوں میں اسلامی پرچم اسپین سے لے کرکوہ ہمالیہ تک اورصحرائے ایشیائے متوسط سے لے کرصحرائے متوسط افریقہ تک فتح حاصل کرلی''۔

مندرجہ بالا شہادتیں اپنی جگہ ٹھوس اور ناقابل انکارحقیقت ہیں،وہی عرب کے بدوقبائل جوصحرا اور بیابانوں میں خانہ بدوشی کی غیرمنظم زندگی بسرکرتے تھے،جن میں تہذیب وتمدن اورمعاشرت کا کوئی واضح دستورنہ تھا،وہی قبائل اسلام کی برکت سے ایسی طاقت بن گئے،ایسی منظم فوج بن کرابھرے،کہ کرۂ ارض پرجس سمت بھی رخ کیا،فتح ونصرت ان کے قدموں پرنثار ہوئی،بڑی بڑی حکومتیں خاک میں مل گئیں۔

غیرمتمدن قوم نے قلیل عرصہ میں ایسی عظیم اوروسیع حکومت قائم کرلی،جس کا قیام صدیوں کی کوششوں اورتدبیروں کے باوصف ناممکن اورمحال ہے۔

انھیں مجاہدین اسلام کے گھوڑوں کی ٹاپیں کبھی صحرائے عرب اوردشت افریقہ میں گونجیں،تو کبھی ان کی تکبیر کے بلندنعرے اسپین وپرتگال کے شاداب علاقوں میں سنائی دیے،ان کا عظیم سیلاب مضبوط سے مضبوط بندکوبھی ایک ہی ریلے میں پاش پاش کردیتا تھا اورانھیں مجاہدین کی یہ شان تھی،بقول ترجمان حقیقت ڈاکٹراقبال ؎

دیں اذانیں کبھی یورپ کے کلیساؤں میں
کبھی افریقہ کے تپتے ہوئے صحراؤں میں

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

اور ظالم کے خون سے
زمین لالہ زار انصاف بن گئی

رات حد درجہ تاریک تھی، ظلمت شب ہر سمت بکھر کر شہر کی پوری آبادی کو اپنی آغوش میں لے چکی تھی، رات کا ہوشربا سناٹا ہر طرف چھایا ہوا تھا، نیلگوں آسمان کی بیکراں جھیل میں ستاروں کے کنول مسکرا رہے تھے، سلسلۂ نجوم و کہکشاں وسط آسمان میں اپنی دلفریباں ضرور بکھیر رہا تھا، لیکن ان ستاروں کی مدھم روشنی تاریک شب کا طلسم توڑنے میں ناکام ہو رہی تھی۔

پورا شہر غزنی محو خواب تھا، اچانک سلطان محمود غزنوی خواب غفلت سے چونک کر بیدار ہو گیا، سلطان نے حیرانی کے عالم میں خوابگاہ کا سرسری جائزہ لے کر پھر سونا چاہا، لیکن کوشش کے باوجود اسے نیند نہ آسکی، آنکھوں سے نیند کوسوں دور جا چکی تھی، دل نامعلوم غم کی شدت سے بے چین ہو رہا تھا، بستر پر لیٹ کر اس نے ہزار کوشش کی، کہ اس کی گئی ہوئی نیند واپس آجائے، لیکن نیند نہ آسکی اور بیقراری لحمہ بہ لحمہ بڑھتی ہی گئی۔

انصاف پسند بادشاہ کے ضمیر بیدار نے سمجھ لیا، کہ اس کا قلبی اضطراب کسی مظلوم فریادی کی آواز بازگشت ہے، نیک طینت سلطان نے بلا تامل غلام کو آواز دی اور حکم دیا، کہ دیکھو قصر امارت کے باہر کوئی فریادی تو نہیں، غلام نے قصر امارت کے پھاٹک سے نکل کر آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر رات کی تاریکی میں ادھر ادھر دیکھا اور واپس آکر سلطان سے کہا، کوئی نہیں ہے۔

سلطان نے پھر سونے کی کوشش کی لیکن اضطراب دل بڑھتا رہا اور نیند دور بھاگتی رہی، محمود نے دوبارہ غلاموں کو دوڑایا، غلام جستجوئے بسیار کے بعد واپس ہوئے اور کہا حضور کوئی نہیں ہے، سلطان نے سوچا مبادا غلام تلاش میں تساہلی برت رہے ہوں، اس لیے خود ہی اٹھا اور ہاتھ میں تلوار لیے تن تنہا قصر امارت سے باہر نکل کر گرد و پیش کو بڑے غور سے دیکھنے لگا، لیکن اس کی متجسس نگاہیں دور دور تک کسی انسان کا سایہ بھی نہ دیکھ سکیں، قصر امارت سے قریب ہی مسجد تھی، سلطان نے مسجد کے دروازے پر جا کر اندر دیکھا، تاریکی میں اسے کچھ بھی نظر نہ آیا، لیکن اس کے کانوں میں کسی کے دردانگیز نالوں کی آواز آئی، بیقرار

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

دل پر ایک چوٹ لگی اور تیزی سے مسجد کے اندر داخل ہوا، دیکھا تو فرش پر ایک شخص چہرہ زمین پر رکھے ہوئے دلگداز آہیں بھر رہا ہے اور اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب جاری ہے اور انتہائی کرب کے ساتھ کہہ رہا تھا۔

اے کہ از غم نہ دیدہ خواری   از غم ما کجا خبر داری

خفتہ ماندی چو بخت ما ہمہ شب   تو چہ دانی زرنج بیداری

بعد ازاں اس کے لبوں سے یہ کلمات نکلے، سلطان کا دروازہ بند ہے، تو کیا ہوا سبحان کا دروازہ تو کھلا ہوا ہے، اگر محمود خواب گراں میں سو رہا ہے تو کیا ہوا، محمود تو جاگ رہا ہے، سلطان یہ دلخراش کلمات سن کر اور قریب ہوا اور کہا، اے شخص تو محمود کی شکایت کیوں کر رہا ہے، سلطان کی نیند تو تیری ہی جستجو میں برباد ہو چکی ہے، جلد بتا کس نے تجھے ستایا ہے، کس نے تجھے تکلیف دی ہے، تو کن مصائب و آلام سے دوچار ہے، وہ شخص سلطان کی ہمدردانہ گفتگو سن کر کھڑا ہو گیا، شفیق سلطان کو سامنے دیکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا، سیلاب اشک اور تیزی سے رواں ہو گیا۔

شدت گریہ کو ضبط کر کے سسکیاں لیتے ہوئے اس شخص نے سلطان کے حضور اپنی فریاد بیان کرنی شروع کی۔

حضور ایک درندہ صفت درباری کے پنجہ استبداد سے مجروح ہو کر آیا ہوں، لیکن میں اس بد بخت کے نام سے ناواقف ہوں، اس ظالم نے میری چادر غیرت کو تار تار کر دیا ہے، میری حمیت مردانہ کو چیلنج کیا ہے۔

اس نے میری شرافت و ناموس کو خاک میں ملا دیا ہے، رات کی تاریکی میں وہ سیاہ بخت ظالم میرے مکان پر آتا ہے اور میری رفیقہ حیات کی چادر عفت و عصمت کو داغدار کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

سلطان محترم! اگر آپ نے میرے دامن حرمت کے اس بدنما داغ کو نہ دھویا، تو یاد رکھیے، کل قیامت کے دن میرا ہاتھ ہوگا اور آپ کا گریبان ہوگا۔

سنتے ہی سلطان کی پیشانی عدل و انصاف پر غیظ و غضب کی لکیریں ابھر آئیں، غیرت و حمیت سے چہرہ سرخ ہو گیا، پورا جسم لرز اٹھا، بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا، کیا اب بھی وہ بد طینت وہیں ہوگا؟ اس نے جواب دیا، رات زیادہ گزر چکی ہے، وہ واپس ہو چکا ہوگا، لیکن مجھے خوف ہے، کہ ابھی وہ آئے گا سلطان نے کہا ٹھیک ہے، تم جاؤ اور جس وقت جس دن وہ آئے فوراً مجھے اطلاع دینا، بادشاہ نے اپنے پہریداروں سے کہا، یہ شخص جس وقت بھی آئے اسے میرے پاس پہنچا دینا۔

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

شب دیجور کا گھٹا ٹوپ اندھیرا چھایا ہوا تھا، ہر طرف گہرا سکوت اور خاموشی طاری تھی، اسی عالم میں وہی شخص قصر شاہی کے دروازے پر آیا، پہریداروں نے پہچان لیا اور خوابگاہ شاہی میں پہنچا دیا، سلطان بیدار ہی تھا، فوراً ساتھ ہولیا، مکان پر پہنچنے کے بعد سلطان نے ظالم کا نشان پوچھا، اس شخص نے وہ جگہ بتادی، جہاں وہ ظالم خزانے کا سانپ بنا ہوا سو رہا تھا، سلطان نے جوش وغضب کے جذبات سے سرشار ہوکر تلوار کا ایسا ہاتھ مارا، کہ ظالم کے خون سے زمین لالہ زار انصاف بن گئی، ظالم کا پاپی جسم خاک اور خون میں تڑپ تڑپ کر سرد ہوگیا۔

سلطان نے اطمینان کا سانس لیا اور دوگانہ شکر ادا کرنے کے بعد صاحب خانہ سے کہا، گھر میں کچھ کھانے کو ہو، تو لاؤ اس شخص نے انتہائی لجاجت سے کہا، حضور بندہ حقیر کی کیا بساط ہے، جو آپ کی خاطر کرسکے، تاہم ماحضر پیش کرتا ہوں، یہ کہنے کے بعد دسترخوان بچھایا اور روٹی کے سوکھے ہوئے چند ٹکڑے سلطان کے سامنے رکھ دیے، سلطان نے بڑی خواہش اور اشتیاق سے روٹی کے سوکھے ہوئے ٹکڑے کھائے اور خدا کا شکر ادا کرتے ہوئے کہا، میں نے تم کو کھانے کی زحمت دی، معاف کرنا، بات دراصل یہ ہے، کہ جس دن تم نے اپنی دلخراش فریاد سنائی، میں نے قسم کھائی تھی، کہ جب تک اس ظالم کا سر تن سے جدا نہ کردوں گا، کچھ بھی نہ کھاؤں گا، یہ تیسری شب ہے، کہ اب تک میری حلق سے کوئی شے نہ اتر سکی۔

سنو! شاید تم میری دو رکعت نماز شکرانہ پر حیران ہو رہے ہوگے بات یہ ہے، کہ میں اس خبیث کے بارے میں یہ خیال رکھتا تھا، کہ یہ میرے اپنوں ہی میں سے کوئی ہوگا، کیونکہ میرے درباریوں اور مصاحبوں میں کسی کو اتنی جسارت کیسے ہوسکتی ہے کہ وہ میرے مزاج سے واقف ہوتے ہوئے ایسی نازیبا حرکتوں کا ارتکاب کرسکیں، یہ کسی شہزادے ہی کی جرأت ہوسکتی ہے، کیونکہ وہ شاہی غرور کے نشہ میں بدمست رہتے ہیں اور انھیں کسی قسم کا خوف نہیں ہوتا، میں تمہارے ساتھ یہ سوچ کر چلا تھا، کہ اپنی شمشیر آبدار سے اپنے کسی لخت جگر ہی کو خون میں نہلانا ہے۔

لیکن جب تمہارے گھر آکر میں نے ظالم کا چہرہ غور سے دیکھا، تو مجھے حد درجہ مسرت ہوئی، کہ میرا فرزند نہیں بلکہ کوئی غیر ہے، اس لیے میں نے خدا کا شکر ادا کیا۔

مظلوم کا رواں رواں بادشاہ کی درازی حیات و بلندی اقبال کی دعائیں دینے لگا اور انصاف پسند سلطان حمایت مظلوم کے اس فرض سے فارغ ہونے کے بعد اتنا مسرور ہوا، گویا غزنی کے تخت شاہی کے علاوہ ہفت اقلیم کی ساری دولت وحکومت اس کے قدموں پر ڈال دی گئی ہو۔

http://t.me/Tehqiqat

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

شارح بخاری کے
قصبہ گھوسی کا ایک تاریخی جائزہ

قصبہ گھوسی ضلع مئو یوپی جو صدیوں سے علما ومشائخ، شعرا وادبا اور صاحب بصیرت سیاست دانوں اور ماہر فن صنعت کاروں کا گہوارہ رہا ہے، جس کی کوکھ سے ان گنت ارباب کمال پیدا ہوئے، جو اپنے اپنے میدانوں میں گوئے سبقت لے گئے اور انھوں نے علم وفن میں اپنی شناخت قائم کی، اس خاک سے اٹھنے والے ذرے علم وفن کے افق پر کہکشاں بن کر چمکے، مولد و وطن کی عظمت وشان میں چار چاند لگاتے رہے، انھیں ممتاز ہستیوں میں فقیہ عصر شارح بخاری حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق صاحب قبلہ امجدی مدظلہ العالی کی برگزیدہ علمی شخصیت بھی ہے اور گھوسی کے محلّہ کریم الدین پور کو آپ کے مولد و وطن ہونے کا شرف حاصل ہے۔

جغرافیہ:۔ گھوسی دریائے گھاگھرا اور دریائے ٹونس کے دوآبہ میں ایک ہموار اور سرسبز وشاداب زرخیز مقام ہے، جس کے شمال میں تقریباً اٹھارہ کلومیٹر کے فاصلے پر دریائے گھاگھرا بہتا ہے اور اس کے جنوبی کنارے پر قدیم تجارتی قصبہ ''دوہری گھاٹ'' آباد ہے، جہاں ساحل پر مغل دور کی ایک شاندار شاہی مسجد موجود ہے، جنوب میں تقریباً بیس کلومیٹر کی دوری پر ٹونس ندی بہتی ہے، جس کے کنارے ضلع کا صدر مقام قدیم شہر ''مئو ناتھ بھنجن'' آباد ہے، جسے کپڑوں کی صنعت اور تجارت میں ہندوستان گیر شہرت حاصل ہے، گھوسی کی حدود اربعہ شمال میں آٹھ کلومیٹر کے فاصلہ پر املا، جنوب میں دس کلومیٹر کے فاصلہ پر کوپا گنج، مغرب میں دس کلومیٹر کی دوری پر ندوہ سرائے اور مشرق میں آٹھ کلومیٹر کی دوری پر سیاہ، ابراہیم آباد، آباد ہے۔

قصبہ گھوسی کا طول البلد مشرقی ۸۳ درجہ ۳۵ دقیقہ عرض البلد شمالی ۲۶ درجہ ۷ دقیقہ ہے، گھوسی سے شیر شاہ سوری کی بنوائی ہوئی سڑک بھی گزرتی ہے، جو گورکھپور سے گھوسی، مئو، غازی پور ہوتے ہوئے بنارس میں گرانٹن روڈ (شیر شاہ سوری مارگ از سونار گاؤں کلکتہ تا پشاور) سے ملتی ہے، اس سڑک کے متوازی اندارا، دوہری گھاٹ ریلوے لائن بھی گھوسی سے گزرتی ہے، جس پر تقریباً ۱۹۰۳ء سے ریل گاڑی کی آمد ورفت جاری ہے، گھوسی ایک زرعی اور صنعتی خطہ ہے، کسی دریا کے ساحل پر آباد نہ ہونے کی وجہ سے قدامت

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کے باوجود اس شہر کو تجارتی مرکزیت حاصل نہ ہوسکی، پارچہ بافی، کاشت کاری اور تجارت یہاں کے باشندوں کا پیشہ ہے۔

گھوسی کی تاریخ:۔ ہندوؤں کی دھارمک کتابوں کے حوالہ سے کہا جاتا ہے، کہ ستیہ جگ میں اجودھیا کے سریہ ونشی راجاؤں کے خاندان کا ایک باعظمت راجہ نہش گزرا ہے، جس نے گھوسی آباد کیا اور یہاں کوٹ بنوایا اور اپنے نام پر اس شہر کا نام نہش نگری یا نہوشی رکھا، جو بعد میں گھوسی ہوگیا، راجہ بڑا بہادر اور سخی تھا، جس کی بنا پر اس کو اندر کا دیوندر پد حاصل ہوا، سری مد بھا گوت گیتا کے پانچویں باب میں ہے۔

''سریہ راجہ نہش کو شجاعت کی وجہ سے اندر کا پد ملا تھا، جب راجہ نہش اندرا وڑی شچی پر فریفتہ ہوگیا، تو محبت کی کشش نے شچی کو نہش کی طرف مائل کیا، اس نے راجہ سے کہا، کہ دیوراج اندر میرے پاس ایراوت ہاتھی اور دوسری سواریوں پر سوار ہو کر شان سے آتے تھے، جب آپ مہان رشیوں کے کندھوں پر ڈھوئی جانے والی پالکی پر سوار ہو کر آئیں گے، تو میں آپ کو خود بخود حاصل ہو جاؤں گی، راجہ نے رشیوں سے مشورہ لیا اور وہ راجہ کی مدد کو تیار ہوگئے، دیوندر نہش اس پالکی پر سوار ہوا، جسے رشیوں نے کاندھوں پر اٹھا رکھا تھا، رشی نہش کی پالکی کو اپنے کاندھے پر اٹھائے چلے جا رہے تھے، نہش کی آتش اشتیاق تیز سے تیز تر ہوتی جا رہی تھی، وہ جلد سے جلد اندرا وڑی تک پہنچ جانا چاہتا تھا، اس لیے وہ سرپ سرپ کی مالا جپنے لگا، تاکہ رشی اس کنایہ کو سمجھ کر تیز تیز چلیں، رشی چونکہ کمزور تھے، ان میں تیز رفتاری نہ آسکی، نہش کو جلال آگیا، اس نے رشی اگست کو ایک لات ماردیا، جس پر تمام رشی غصہ ہوئے اور انھوں نے راجہ کو سانپ بن جانے کی بددعا دی، اس سراپ کی وجہ سے نہش کو اندر کا منصب چھوڑنا پڑا اور وہ سانپ ہوگیا''۔

کہا جاتا ہے، کہ راجہ نہش سانپ بننے کے بعد اپنے کوٹ اور اس کے اطراف میں رہتا تھا، ہزاروں سال گزر جانے کے بعد دواپر یگ میں (جب پانڈو اپنی صحرانوردی کے زمانہ میں یہاں آئے، تو) یودھسٹر کی وجہ سے نہش کو سراپ سے نجات ملی۔

یہ دیومالائی کہانی ایک داستان پاستاں سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتی، جس پر کسی تاریخی حقیقت کی بنیاد قائم کرنا درست نہیں، ممکن ہے، کہ ستیہ یگ میں راجہ نہش نام کا کوئی راجہ گزرا ہو، اسے تسلیم کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں، مگر کوٹ اس راجہ کی تعمیر ہے، یہ درست نہیں، ہندو روایت کی رو سے ستیہ یگ کے ہزاروں سال گزر جانے کے بعد دواپر یگ شروع ہوا، جس میں پانڈو یہاں آئے تھے اور راجہ نہش کو سراپ سے چھٹکارا دلایا، ان کا زمانہ مورخین کے مطابق اب سے پانچ ہزار سال قبل کا ہے، جن کی حکومت ہستناپور میں قائم ہوئی، پھر انھوں نے اندر پرست (دہلی) کو اپنا دارالسطنت بنایا، اسی دور میں اجودھیا کے اندر کوشل

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

قوم کی حکمرانی تھی اور بنارس میں کاشی راج کر رہے تھے، مگر آج تک ہستناپور، اندر پرست، اجودھیا، بنارس میں ان راجاؤں کے قلعوں، محلوں اور ان کی شہر پناہوں کے آثار دریافت نہ ہو سکے، تو پھر دواپر یگ سے ہزاروں سال قبل ستیہ جگ کے راجہ نہش کے کوٹ کا ملبہ باقی رہ جائے، کسی طرح قرین قیاس نہیں۔

بڑی حیرت کی بات ہے، کہ راجہ نہش کے کوٹ اور اس کے سانپ بن جانے کے واقعہ کو عام طور سے لوگ ایک تاریخی حقیقت سمجھ بیٹھے ہیں اور بلاخوف تردید اس کو سچ سمجھ کر بیان کرتے ہیں۔

مذہبی کتاب کے حوالہ سے اس واقعہ کے بیان نے بحث و تحقیق کے تمام راستے بند کر دیے ہیں اور حقیقت کی دریافت کی راہیں مسدود ہو گئی ہیں، جس کی بنا پر مذکورہ بالا روایت کو حقائق کی کسوٹی پر پرکھنے کی اب تک کوشش نہیں کی گئی ہے، ایسے ہی مہمل تاریخی حالات کی طرف علامہ ابن خلدون نے اپنے مقدمہ میں اشارہ کیا ہے۔

''انسان کی فطرت ہے، کہ سادہ ذہنی میں جب کوئی خبر سنتا ہے، تو اس کو اپنی ناقدانہ کسوٹی پر کستا اور پرکھتا ہے، تا آں کہ سچ جھوٹ سے ممتاز ہو جائے، جب وہ کسی رائے یا عقیدہ کا پہلے سے پیرو ہوتا ہے، تو اپنی رائے اور عقیدہ کے موافق خبر کو ایک دم قبول کر لیتا ہے، گویا جانبداری اور پاس داری کی پٹی اس کی چشم بصیرت پر بندھ جاتی ہے اور وہ سنی سنائی باتوں کی چھان بین اور تحقیقات سے باز رہتا ہے، چنانچہ وہ جھوٹی خبر کو بلا تامل قبول کر لیتا ہے اور بے دھڑک اس کو نقل بھی کرتا ہے''۔ (مقدمہ علامہ ابن خلدون ص ۵۷)

موریہ سلطنت کے قیام ۳۲۱ ق م سے ہندوستان کا تاریخی دور شروع ہوتا ہے، جہاں سے ہندوستانی سلطنت اور تہذیب و تمدن کی مسلسل اور منضبط شیرازہ بندی کی جاتی ہے اور اس سے قبل کے عہد کو تاریک دور سے تعبیر کیا جاتا ہے، قبل تاریخ کے عمرانی آثار ۱۹۲۳ء میں موہن جوداڑو (سندھ) اور ہڑپا (پنجاب) میں زیر زمین دریافت ہوئے، جو تین سے ساڑھے تین ہزار قبل مسیح کے شہر تھے۔

سید سخی حسن نقوی لکھتے ہیں۔

''ہندوستان کی باقاعدہ تاریخ موریہ عہد سے شروع ہوتی ہے، جس کی تاریخی شہادتیں کچھ نہ کچھ کسی نہ کسی صورت میں ہمارے پاس موجود ہیں، اس لیے اس زمانہ کو ہندوستان کی تاریخ میں تاریک دور سے تعبیر کیا جاتا ہے، البتہ زمین کی کھدائی کے سلسلہ میں کچھ نشانیاں ایسی ضرور دستیاب ہو گئیں، جن کی مدد سے ہم بڑے اہم تاریخی نتائج تک پہنچ سکتے ہیں، ان میں ہڑپا اور موہن جوداڑو خاص طور سے اہم ہیں، ان دونوں مقامات کے کھنڈرات ایک ایسے تہذیب و تمدن کی نشاندہی کرتے ہیں، جو سندھ کی وادی میں حضرت عیسیٰ سے تقریباً ۳۵۰۰ برس پہلے جاری و ساری تھا۔

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

قدیم گھوسی کی تاریخ کے بارے میں اب تک کوئی مستند تاریخی ثبوت دستیاب نہ ہوسکا، جس کی روشنی میں کوئی قطعی رائے قائم کی جا سکے، ہاں منہدم کوٹ کے وسیع طول وعرض بلندی اور اس کے گرد گہری خندقوں کے آثار دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے، کہ گھوسی کی آبادی بڑی پرانی آبادی ہے، اور عہد قدیم میں اس کو سیاسی، فوجی اہمیت حاصل رہی ہوگی، مگر اس دور کا تعین معاصر کتب تاریخ کے حوالہ سے کرنا دشوار ہے، ہاں محکمۂ آثار قدیمہ کی توجہ سے اس کوٹ کی کھدائی کی جائے اور اس سے برآمد ہونے والے سکوں، اسلحوں، برتنوں، اینٹوں، تختیوں اور دوسری اشیا کی سائنٹفک طریقہ پر جانچ کی جائے، تو یقیناً موہن جوداڑو اور ہڑپا کے آثار کی طرح یہاں کے آثار بھی گھوسی کی عظمت رفتہ اور اس کے دور عروج کا پتہ دے سکتے ہیں۔

کوٹ کی اینٹوں اور اس کے گرد گہری خندقوں (جو کافی حد تک پٹ چکی ہیں) اور بیرون قلعہ خشت ریزوں سے پٹی ہوئی زمین اس امر کا پتہ ضرور دیتی ہے، کہ قلعہ اور اس کے قریب کے مکانات پختہ اینٹوں سے تعمیر کیے گئے تھے، جس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے، کہ کوٹ اور اس کے گرد و پیش کی آبادی زیادہ سے زیادہ آج سے دو ڈھائی ہزار سال قبل کی ہے، جب مشرقی ہند میں اسی انداز کے قلعے اور پختہ اینٹوں کے مکانات تعمیر کیے جاتے تھے۔

پروفیسر محمد مجیب نے بدھ متی ہند میں مشرقی ہندوستان کے مرکزی شہروں کے بارے میں تحریر کیا ہے۔

''جن بڑے شہروں کا اوپر ذکر کیا گیا ہے، وہ سب راجدھانیاں تھیں، ان کی حفاظت کے لیے چاروں طرف خندق اور فصیل ہوتی تھی''۔ (تاریخ تمدن ہند ص ۸۰)

قلعہ سہوان کے آثار جو گھوسی کوٹ کے مانند اونچے ٹیلوں کی شکل میں آج بھی موجود ہیں، اس کی تعمیر کا زمانہ تقریباً دو ہزار سال قبل بتایا جاتا ہے، جس کی تعمیر پختہ اینٹوں سے کی گئی تھی، جس کی اینٹوں کا سائز لمبائی ۱۸ انچ چوڑائی ۱۹ انچ اور موٹائی ساڑھے تین انچ ہے، جب کہ گھوسی کوٹ سے برآمد ہونے والی اینٹوں کا سائز یہ ہے۔

(۱) ۱۶×۸×۳ انچ۔ (۲) ۱۶×۱۲×۳ انچ۔ (۳) ۱۰×۸×۳ انچ۔

کوٹ کی تعمیر میں مختلف پیمانوں کی یہ اینٹیں غالباً اس لیے استعمال کی گئیں، تا کہ ضرورت کے وقت اینٹوں کو کاٹنا نہ پڑے، بعد کے زمانوں میں راجاؤں اور امیروں کے خشتی محلوں اور حویلیوں کے لیے بھی اسی غرض سے مختلف پیمائش کی اینٹیں استعمال کی جاتی تھیں، اس طرح گھوسی کوٹ کی بڑی اینٹ سے قلعہ سہوان کی اینٹوں کی قریبی مماثلت اس بات کو واضح کرتی ہے، کہ دونوں قلعوں کی تعمیر کا زمانہ قریب

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ہی قریب ہے،اس طرح اندازہ لگایا جاسکتا ہے،کہ گھوسی کوٹ تقریباً دو ہزار سال قبل تعمیر ہوا ہوگا۔

منہدم قلعہ کے شمالی دروازہ پر ایک پتھر صدیوں تک موجود رہا،جس پر قلعہ کی تعمیر سے متعلق سنسکرت زبان میں کچھ تحریریں تھیں،۱۸۳۴ء میں ضلع اعظم گڈھ کا کلکٹر اس پتھر کو لے گیا اور کلکتہ بھیج دیا،مگر اب وہ پتھر کلکتہ میں بھی نہیں ہے،یہ پتھر ہاتھ آجاتا،تو قلعہ کے بارے میں بہت سے حقائق پردۂ خفا سے روشنی میں آجاتے،ڈاکٹر ظفر احمد صدیقی اس سلسلہ میں تحقیقی کام کررہے ہیں اور انھوں نے اپنے ایک مکتوب میں ذکر کیا،کہ

۱۸۳۴ء میں کلکٹر اعظم گڈھ کو کوٹ سے متعلق سنسکرت زبان کا ایک کتبہ دستیاب ہوا تھا،جس سے معلوم ہوا،کہ اس کوٹ کی تعمیر کا تعلق راجہ "دھرنی واہا" سے ہے،اس کتبہ سے متعلق کسی انگریز نے ایک مضمون ۱۸۳۸ء میں شائع کیا تھا،میں اس کو حاصل کرنے کی فکر میں ہوں،لیکن یہ ابھی نہیں مل سکا ہے،مذکورہ بالا کتبہ کا جو زمانہ بتایا جاتا ہے،اس سے اندازہ ہوتا ہے،کہ غالباً "دھرنی واہا" کا زمانہ محمود غزنوی کے زمانہ کے آس پاس کا ہے۔(مکتوب ۲۱/جولائی ۱۹۹۹ء)

۸۴۷ھ بمطابق ۱۱۵۲ء سے قبل گھوسی اور اطراف گھوسی میں راج بھروں کی حکومت تھی،ممکن ہے،راجہ "دھرنی واہا" کوئی راج بھر راجہ گزرا ہو اور اس نے اس کوٹ کو تعمیر کرایا ہو،جو محمود غزنوی کے زمانہ سے قریب ہے۔

مسلم دور اقتدار سے آج تک گھوسی کن کن ریاستوں اور ضلعوں کے زیر انتظام رہا،اس کا اجمالی نقشہ درج ذیل ہے۔

صوبہ اودھ ۶۰۳ھ مطابق ۱۲۰۶ء تا ۷۷۲ھ مطابق ۱۳۷۰ء (غلام خلجی،تغلق بادشاہوں کے عہد میں)

جونپور کے ماتحت ۷۹۶ھ مطابق ۱۳۹۳ء تا ۱۱۳۰ھ مطابق ۱۷۱۷ء (شرقی،لودی،مغل سلاطین کے عہد میں)

اودھ کے ماتحت ۱۱۳۰ھ مطابق ۱۷۱۷ء تا ۱۲۱۶ھ مطابق ۱۸۰۱ء (نوابان اودھ کے دور میں)

ضلع گورکھپور کے ماتحت ۱۲۱۶ھ مطابق ۱۸۰۱ء تا ۱۲۳۶ھ ۱۸۲۰ء (برطانوی دور اقتدار میں)

ضلع غازی پور کے ماتحت ۱۲۳۶ھ مطابق ۱۸۲۰ء، تا ۱۲۴۸ھ مطابق ۱۸۳۲ء برطانوی دور اقتدار میں)

ضلع اعظم گڈھ کے ماتحت ۱۲۴۸ھ مطابق ۱۸۳۳ء تا ۱۳۶۷ھ مطابق ۱۹۴۷ء (برطانوی دور

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

اقتدار میں)

ضلع اعظم گڈھ کے ماتحت ۱۳۶۷ھ مطابق ۱۹۴۷ء تا ۱۴۰۹ھ ۱۹۸۸ء (آزاد ہندوستان میں)

ضلع مئو کے ماتحت ۱۴۰۹ھ مطابق ۱۹۸۸ء تا حال (آزاد ہندوستان میں)

گھوسی میں اسلام کی اشاعت اور فروغ علم:۔ قصبہ گھوسی محلّہ کریم الدین پور میں مسلمان بہت قدیم زمانے سے آباد ہیں، اس کے بہت سے شواہد ہیں۔

اول: کریم الدین پور کے قبرستان میں جس کو بگہی کہتے ہیں، ایک پختہ مزار ہے، اب تک یہ نہیں معلوم ہوسکا، کہ کس بزرگ کا مزار ہے، لیکن بہت بافیض بزرگ کا مزار ہے، اس کا بارہا تجربہ کیا گیا ہے، یہاں حاضر ہوکر جو دعائیں کی جاتی ہیں، قبول ہوتی ہیں، ظاہر ہے، کہ یہ مزار جب بنا ہوگا، اس کا چبوترہ سطح زمین پر بنا ہوگا اور اب مزار شریف کے تین طرف اتر، پورب، دکھن قد آدم سے بھی زیادہ گہرائی ہے، پچھّم طرف بھی گہرائی ہے، مگر اور اطراف کی بہ نسبت، یہ گہرائی اسی بنا پر ہے، کہ بارش سے زمین ڈھل ڈھل کر مٹی بہہ گئی، اب آپ اندازہ لگائیں، کہ بارش سے قد آدم مٹی بہنے میں کتنا زمانہ صرف ہوا ہوگا؟۔

نیز اسی قبرستان میں آج سے پچاس سال قبل بارش سے مٹی بہہ جانے کی وجہ سے کچھ مردوں کی ریڑھ کی ہڈیاں اور کھوپڑی کے ٹکڑے ظاہر ہوئے تھے، قبر کم از کم قد آدم گہری ہوتی ہے، اب اس سے اندازہ لگائیں، یہ مردے کتنی صدی پہلے دفن ہوئے ہوں گے۔

ثانی: کریم الدین پور سے پورب ڈیہہ کے باغ میں املی کے بہت بڑے بڑے درخت تھے، بارش سے مٹی ڈھل جانے کی وجہ سے ان کی جڑیں چار چار فٹ اوپر آگئی تھیں، مگر اندازہ ہے، کہ ۱۹۳۰ء کے لگ بھگ ایک زبردست آندھی آئی، جس کے اثر سے اس باغ کے سات یا نو بڑے بڑے املی کے پیڑ اکھڑ گئے، ان میں سے ایک درخت کی جڑ کے پینڈے میں ہڈیوں کا ڈھانچہ ملا، جو اس بات کی دلیل ہے، کہ اس جگہ درخت کے اگنے سے پہلے کوئی قبر تھی، جس پر یہ درخت اگا، جس سے ثابت ہوا، کہ اس درخت کے اگنے سے پہلے کریم الدین پور میں مسلم آبادی موجود تھی، ماہرین کا اندازہ یہ ہے، کہ املی کے یہ بڑے بڑے درخت کم از کم پانچ سو برس کے ضرور ہوں گے، جس کا حاصل یہ نکلا، کہ کریم الدین پور میں اس آندھی سے پانچ سو برس سے پہلے مسلمان آباد تھے، اس آندھی کو آئے ہوئے ستر سال ہوگئے، تو ثابت ہوگیا، کہ کریم الدین پور میں مسلم آبادی چھ سو سال پہلے موجود تھی۔

ثالث: مشہور ہے، کہ خواجہ خواجگاں خواجہ بہاء الدین نقشبند قدس سرہ کے خلیفہ حضرت مفتی

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

محمد حسین اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ گھوسی تشریف لائے اور گھوسی میں ان کا مزار پاک بھی ہے، اندازہ ہے، کہ ان کی آمد گھوسی میں آٹھویں صدی کے آخر میں ہوئی، اس کا مطلب یہ ہوا، کہ چھ سو سال قبل گھوسی میں مسلمانوں کی اچھی خاصی آبادی موجود تھی، ان بزرگ کا تذکرہ آگے آ رہا ہے۔

اس کے علاوہ اور بھی بہت سے شواہد ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ گھوسی اور کریم الدین پور کی آبادی بہت قدیم ہے اور یہاں مسلمان بہت قدیم زمانے سے آباد ہیں، ہم نے یہ جو کچھ لکھا ہے، علامت وآثار کے قرائن سے لکھا ہے، لیکن بعض تذکروں سے ظاہر ہوتا ہے، کہ حضرت سید سالار مسعود غازی رحمۃ اللہ علیہ کے رفقا میں ملک طاہر، ملک قاسم، ملک شدنی اور دیگر مجاہدین کو لے کر مئو آئے، اسی زمانے میں گھوسی میں بھی اسلام پھیلا اور مسلمان آباد ہوئے، اس تقدیر پر گھوسی میں تقریباً نو سو سال سے مسلمان آباد ہیں، اس لیے کہ حضرت غازی میاں کا زمانہ پانچویں صدی ہجری مطابق گیارہویں صدی عیسوی کا ہے۔

گھوسی میں مسلمان کب آئے اور یہاں انھوں نے کب بود و باش اختیار کی؟، اس علاقہ کے غیر مسلموں نے اول اول کس دور میں اسلام کے پیام رحمت کو سینے سے لگایا، تاریخ وسیر کی کتابیں خاموش ہیں، ہاں اس قدر ضرور کہہ سکتے ہیں، کہ حضرت سالار مسعود غازی رحمۃ اللہ علیہ کے ورود ہند کے زمانہ میں یہ علاقہ اسلام کی تجلیوں سے آشنا ہوا۔

حضرت سالار غازی میاں رحمۃ اللہ علیہ اپنے لشکر کے ساتھ غزنی سے دلی، میرٹھ، قنوج میں تبلیغ دین اور جہاد کرتے ہوئے سترکھ ضلع بارہ بنکی پہنچے اور اس کو اپنا صدر مقام بنا کر مختلف علاقوں میں رفقا کو روانہ کیا، دائرۂ معارف اسلامی میں مرقوم ہے۔

''سترکھ (بارہ بنکی) کو اپنا فوجی مرکز بنا کر انھوں نے اطراف میں اپنے ماتحتوں کو فتوحات اور اشاعت اسلام کے لیے بھیجا، سید یوسف الدین اور رجب میاں بہرائچ کی طرف گئے، لیکن انھیں کامیابی نصیب نہ ہوئی، اس پر سالار مسعود خود جنگ کے لیے نکلے''۔ (بحوالہ مسلمان اور ہندوستان ص ۲۰۵)

حضرت سالار مسعود کے انھیں باعظمت رفقا میں حضرت سالار ملک طاہر بھی تھے، جو ملک قاسم، ملک شدنی و دیگر مجاہدین کو لے کر مئو آئے، جہاں حاکم نٹ بھنجن سے آپ کا مقابلہ ہوا، اسے شکست فاش ہوئی اور وہ قتل کر دیا گیا، تاریخ المنوال میں مذکور ہے۔

''بزمانہ سید سالار مسعود غازی ملک افضل بغرض فتح بنارس ملک علوی نائب ان کے و ملک طاہر بمقام مئو ومردان بمقام شادی آباد و غازی پور آئے، مزارات ان کے ان مقامات پر ہیں، سترکھ (ملک اودھ) سے ملک حاجی بمقام ٹانڈہ متعین ہوئے تھے، ملک سالار مسعود سترکھ سے پورب نہیں آئے، ملک

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

طاہر کے ساتھ جتنے سپاہی تھے، سب عزنی واطراف تیراہ کے تھے''۔ (بحوالہ دیار پورب میں علم وعلما ص۲۳)

ملک طاہر اور ان کے ہمراہی مئو اور اس کے اطراف و جوانب میں اشاعت و تبلیغ کی کوشش کرتے رہے، قصبہ گھوسی بھی ان کے ورود سے محروم نہ رہا، گھوسی میں چند مزارات کے بارے میں کہا جاتا ہے، کہ وہ غازی میاں کے ہمراہیوں کے ہیں۔

سلطان شہاب الدین غوری:۔ سلطان شہاب الدین غوری ۵۸۹ھ مطابق ۱۱۹۳ء تا ۶۰۲ھ مطابق ۱۲۰۵ء جس نے بڑی اولوالعزی کے ساتھ ہندوستان میں فتوحات کا آغاز کیا، وہ ہمت شکن حالات اور شکستوں سے بھی دوچار ہوتا رہا، لیکن اس کے حوصلے پست نہ ہوئے، چنانچہ اس نے ترائن کی دوسری لڑائی میں ۵۸۸ھ مطابق ۱۱۹۲ء میں پرتھوی راج اور اس کے سیکڑوں حلیف راجاؤں کے فوجی متحدہ محاذ کو شکست فاش دے کر شمالی ومشرقی ہندوستان میں فتوحات کا راستہ صاف کرلیا، پھر غوری اور اس کے سپہ سالار قطب الدین ایبک نے علی گڑھ، قنوج، بدایوں، بنارس، بہار کو فتح کر کے نوزائیدہ دلی سلطنت میں شامل کرلیا، اس کے بعد ۵۹۲ھ مطابق ۱۱۹۵ء میں قطب الدین ایبک کے ایک فوجی افسر نے اودھ کا پورا علاقہ فتح کر کے دہلی سلطنت کے ماتحت کرلیا اور اس علاقہ سے راج بھر قوم کا اقتدار ختم ہو گیا، بنارس سے لے کر نیپال کی ترائی تک پورا علاقہ مسلم سلطنت کے زیر نگیں آ گیا، اس علاقہ میں بکثرت لوگوں نے اسلام قبول کیا، پھر عرب وایران کے مسلم خانوادے بھی یہاں آ آ کر آباد ہونے لگے۔

قطب الدین ایبک ۶۰۲ھ مطابق ۱۲۰۶ء سلطان فیروز شاہ تغلق ۷۵۱ھ ۱۳۵۱ء تک اودھ کے علاقہ میں اسلام کی اشاعت بڑے پیمانہ پر ہوئی، اور علوم وفنون کے فروغ کے لیے یہاں کی فضا سازگار ثابت ہوئی، سید غلام علی آزاد بلگرامی لکھتے ہیں۔

''سرزمین پورب قدیم زمانہ سے علم وعلما کا گہوارہ رہی ہے، سید محمد کرمانی مصنف سیر الاولیا اور مرید حضرت نظام الدین کا قول ہے، کہ مولانا فریدالدین شافعی اودھ کے شیخ الاسلام تھے، مولانا علاء الدین نیلی اودھی ان کے سامنے تفسیر کشاف پڑھتے تھے اور مولانا شمس الدین یحیٰی اور دوسرے علمائے اودھ سنتے تھے، اگرچہ ہندوستان کے تمام صوبے حاملین علم پر فخر کرتے ہیں، خاص طور سے دارالسلطنت دلی کہ یہاں ہر قسم کے اہل کمال جمع ہیں اور ہر زمانہ کے افکار وعقول انبوہ در انبوہ پائے جاتے ہیں اور علما علم نقلی وعقلی کا پایہ بلند کیے ہوئے ہیں، مگر صوبہ اودھ اور صوبہ الہ آباد اس بارے میں وہ خصوصیت رکھتے ہیں جو کسی اور صوبہ میں نہیں مل سکتی۔ (مآثر الکرام ص۲۲۱ ذکر ملا نظام الدین)

یہ عمومی تبصرہ علاقہ اودھ کے بارے میں ہے، مگر خاص کر اس وقت گھوسی میں کوئی علمی شخصیت

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

پیدا ہوئی یا نہیں، اس بارے میں تذکرے خاموش ہیں۔

جونپور:۔ سلطان فیروز شاہ تغلق نے ۷۷۲ھ میں اپنے مشرقی مقبوضات پر نگاہ رکھنے کے لیے شہر جونپور آباد کیا، جہاں ایک قلعہ تعمیر کرایا اور امرا و عمال کے ساتھ علما و فضلا کی ایک بڑی جماعت جونپور روانہ کی، اس طرح جونپور اور اس کے اطراف ابتدا ایام ہی سے علم و فضل کا گہوارہ بننے لگے۔

دہلی کی تغلق حکومت کے انتشار سے فائدہ اٹھاتے ہوئے سلطان الشرق خواجہ ملک سرور نے ۷۹۶ھ میں خودمختار شرقی سلطنت جون پور میں قائم کی، یہ حکومت ۷۹۶ھ تا ۸۸۳ھ تقریباً ستاسی برس قائم رہی، جس کے حدود سلطنت مغرب میں کول (علی گڑھ) مشرق میں بنگال شمال میں ترہت اور جنوب میں بندیل کھنڈ تک پھیلے ہوئے تھے، اس کے لائق فرمانرواؤں کی معارف پروری علما نوازی اور اشاعت اسلام سے گہری دلچسپی نے جونپور کو رشک شیراز بنا دیا، عرب و عجم سے آنے والے ہزاروں علما و صوفیا نے جونپور اور اس کے اطراف کو اپنے ورود مسعود سے مالا مال کیا اور ان کی علمی و روحانی سرگرمیوں سے سارا علاقہ علوم و فنون کی تجلیوں سے معمور ہو گیا، محمد قاسم فرشتہ سلطان ابراہیم شاہ شرقی کے تذکرہ میں رقم طراز ہے۔

''اس کے عہد حکومت میں ہندوستان کے عالموں فاضلوں کے علاوہ ایران و توران کے علما بھی جونپور آئے، ابراہیم شاہ نے ہر طرح ان کی دلجوئی کی اور انھیں اطمینان سے زندگی گزارنے کا سامان بہم پہنچایا، بادشاہ کے دربار میں علما و فضلا کی ایک ایسی جماعت جمع ہو گئی، کہ جونپور ایک اہم علمی مرکز بن گیا''۔ (تاریخ فرشتہ جلد دوم ص۸۷۴)

طبقات اکبری کا مولف لکھتا ہے۔

''جو علما و مشائخ آشوب جہاں سے پریشان خاطر تھے، جونپور آ گئے، جو اس وقت دار الامان تھا، دار السلطنت جونپور علما کی آمد سے دار العلوم بن گیا۔ (طبقات اکبری ص۵۲۹)

مفتی محمد حسین عثمانی اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ:۔ سلاطین شرقیہ کے ابتدائی عہد میں ایک مایہ ناز عالم و فقیہ حضرت مفتی محمد حسین اصفہانی علیہ الرحمہ اصفہان سے لاہور، دہلی، جونپور ہوتے ہوئے گھوسی تشریف لائے، یہ بزرگ حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند علیہ الرحمہ متوفی ۷۹۱ھ کے خلیفہ اور معاصر تھے، جنھوں نے گھوسی میں بساط علم بچھائی، جن کا مزار موجودہ مویشی اسپتال کے عقب میں جانب غرب بتایا جاتا ہے۔

مفتی صاحب کے خاندان نے مستقل گھوسی میں قیام کیا اور اسلام کی اشاعت اور علم دین کی ترویج میں ہمہ تن مصروف رہا، اسی خانوادہ کے ایک بزرگ مولانا احمد بن ضیاء الدین رحمۃ اللہ علیہ کی کوششوں سے گھوسی کے مضافات میں اسلام کی اشاعت خوب ہوئی اور اجتماعی طور پر اسنا بزرگ مانکپو راور

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

اسنا خرد کے باشندوں نے اپنا آبائی دھرم ترک کر کے حضرت مولانا احمد کے دست حق پرست پر اسلام قبول کیا، انھیں کے نام پر اسنا بزرگ کو احمد پور اسنا کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

خواجہ محمود بیرنگ رحمۃ اللہ علیہ:۔ لودیوں یا مغلوں کے ابتدائی دور اقتدار میں گھوسی میں ایک صاحب کرامت مجذوب حضرت خواجہ محمود بیرنگ رحمۃ اللہ علیہ گزرے ہیں، جن کی بہت سی کرامتیں آج بھی عوام میں مشہور ہیں، ایک کرامت اس طرح بیان کی جاتی ہے، کہ زمانہ قدیم سے خواجہ صاحب کے عہد تک چھوٹی سرجو (ندی) کوٹ کے قریب سے بہتی تھی، برسات کے ایام میں جس کی طغیانی سے گھوسی کا یہ حلقہ زیر آب رہتا، فصلیں تباہ ہوتیں، مکانات منہدم ہوتے، جانیں ضائع جاتیں، ایک سال جب سیلاب شباب پر تھا دریا نے اچانک اپنا رخ آبادی کی طرف موڑنا شروع کر دیا، قریب تھا، کہ ساری آبادی غرقاب ہو جائے، حضرت خواجہ صاحب کو جلال آیا، اپنا عصا لے کر ندی کے کنارے پہنچے اور پانی پر ضرب لگاتے ہوئے فرمایا "اے گنگیا تو ادھر کہاں آ رہی ہے، اب بھلائی اسی میں ہے، کہ اپنا رخ موڑ لے اور جوار گھوسی کو ترک کر دے"۔

بیان کیا جاتا ہے، کہ سیلاب ختم ہو گیا اور ندی نے اپنا رخ بدل دیا اور گھوسی سے تقریباً چار کلو میٹر دوری پر ایک نہر کی شکل میں بہنے لگی، ندی کے رخ موڑنے کے بعد سے آج تک گھوسی سیلاب سے محفوظ و مامون ہے۔

حضرت خواجہ صاحب موصوف کا مزار گھوسی کے ایک قدیم قبرستان میں آج بھی زیارت گاہ خلائق ہے، مقبرہ کی عمارت ایک بدخشی تاجر شیخ اسماعیل نے اپنے سرمایہ سے تعمیر کرائی، جس کی قبر بیرونی دروازہ کے پورب احاطہ کی دیوار سے متصل ہے۔

خواجہ صاحب کا یہ مقبرہ اس وقت گھوسی کی سب سے پرانی عمارت ہے، پختہ اینٹوں کا بنا ہوا روضہ جس کا بیرونی رقبہ ۲۲×۲۲ دیواروں کی موٹائی ۴ رفٹ ۳ رانچ ہے، جس کا شاندار گنبد دور سے نظر آتا ہے، مرور زمانہ سے روضہ کے کتبے ضائع ہو چکے ہیں، ورنہ اس کی مدد سے تعمیر کے ماہ و سال کا تعین آسان ہو جاتا۔

حضرت پرہیزی شاہ رحمۃ اللہ علیہ:۔ شرقی عہد میں عرب سے ایک بزرگ حضرت سید نور محمد علیہ الرحمہ معروف بہ پرہیزی شاہ اپنے معتقدین کی ایک جماعت کے ساتھ گھوسی سے تقریباً بیس کلو میٹر مشرق میں ضلع مئو کے سب سے بڑے تال رتوئے کے ساحل پر فروکش ہوئے اور اس علاقہ میں دین حق کی اشاعت و تبلیغ کرنے لگے، ان کے اثر سے گرد و نواح میں اسلام کی اشاعت ہوئی اور اسی مقام پر وصال

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

فرمایا، ان کا مزار مدھوبن سے بلتھرا روڈ جانے والی سڑک کے شمالی کنارے پر واقع ہے، جہاں بلاتفریق مذہب وملت لوگ زیارت کے لیے آتے اور اپنی مراد پاتے ہیں۔

حضرت سید احمد باد پا رحمۃ اللہ علیہ:۔ شرقی عہد حکومت میں گھوسی سے تقریباً دس کلومیٹر دور شمال مشرقی سمت کولھوابن (درگاہ) میں حضرت سید احمد باد پا رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے، آپ کے روحانی فیوض و برکات سے گھاگھرا کے جنوبی دیوارہ پر آباد لوگوں نے اسلام کی دولت کو سینے سے لگایا اور جو لوگ مشرف بہ اسلام نہ ہوسکے، وہ بھی آپ کے ارادت مندوں میں شامل ہوگئے، حضرت سید احمد کی زندگی میں موسم باراں میں مسلسل سات جمعرات کو آپ کی زیارت کے لیے مسلمان اور ہندو آستانہ عالیہ پر حاضری دیتے، جسے بار عام کہا جاتا تھا، میرا بابا کے پردہ فرمانے کے بعد آج بھی وہ روایت باقی ہے اور لوگ جوق در جوق بلاتفریق مذہب وملت حضرت کی چلہ گاہ کی زیارت کے لیے جاتے ہیں اور فیوض و برکات سے مالا مال ہوتے ہیں، ہاں بار عام کثرت استعمال سے ''برام'' ہوگیا۔

سید احمد باد پا حضرت شاہ مدار رحمۃ اللہ علیہ کے ہمراہ ہندوستان آئے، مشہور ہے، کہ بغداد شریف کے باشندے تھے، یہ حضرت مدار قدس سرہ کے معتمد علیہ مخصوص رفقا میں تھے، مدت العمر حضرت مدار کی خدمت میں حاضر رہے، ان کے وصال کے بعد ۸۴۴ھ میں حضرت مدار صاحب کی وصیت کے مطابق گھوسی کولھوابن درگاہ آئے۔

گھوسی واطراف میں میراں بابا اور میر بابا کے نام سے مشہور ہیں۔

شاہ مدار نے اپنی وفات سے قبل اپنے ستر مخصوص ہمراہیوں کو تنہا تنہا بلا کر وصیت ونصیحت کی اور ہر ایک کے لیے اس کے مقام ولایت کو متعین کر کے رشد وہدایت کی خدمت سپرد فرمائی، چنانچہ شاہ مدار کے وصال کے بعد ان کے تمام ہمراہی اپنے مقام ولایت پر جاکر مصروف رشد وہدایت ہوئے اور وہیں فوت ہوئے، حضرت سید احمد باد پا بھی حضرت مدار کی وفات ۸۴۴ھ کے بعد اپنے مقام ولایت کولھوابن میں وارد ہوئے اور اپنی جدوجہد سے اسلام کا اہم فریضہ انجام دیا، اسلام دشمن عناصر کو زیر کر کے اس دیار کو اسلام اور مسلمانوں کے لیے سازگار بنادیا۔

شیر شاہ سوری کو بشارت:۔ فرید خاں سوری اپنے زمانہ طالب علمی میں جونپور کے اندر حضرت سید احمد باد پا کی عظیم روحانی شخصیت کا ذکر سن چکا تھا، جب اس کے باپ حسن سور نے سہسرام کی جاگیر کے انتظام سے اس کو بے دخل کر دیا، تو وہ حیرانی و پریشانی کے عالم میں کولھوابن حاضر ہوا، حضرت نے حالات دریافت کیے اور فرمایا، ''آزردہ و پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہمت سے کام لو، جلد ہی تمہیں جاگیر مل

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

جائے گی اور ہندوستان کی بادشاہت بھی حاصل ہوگی، اس وقت رعایا کی بھلائی کے کام انجام دینا، عدل و انصاف پر قائم رہنا''، شیر شاہ سوری رخصت ہوکر سہسرام آ گیا، اس نے متعدد حاکموں اور امیروں کی ملازمت اختیار کی اور اپنی قوت مجتمع کرتا رہا، یہاں تک کہ بہار کا حاکم بن گیا۔

جب بادشاہ ہمایوں بنگال سے آگرہ جارہا تھا، چوسہ کے مقام پر شیر شاہ سوری نے اس پر حملہ کر دیا اور صفر ۹۴۶ھ مطابق ۱۵۳۹ء میں اس کو شکست فاش دے دی اور اسے ہندوستان سے نکال کر دوبارہ پٹھانوں کی حکومت قائم کر دی، اس طرح سید احمد بادپا کی پیشین گوئی سے وہ ہندوستان کا بادشاہ بن گیا، جس کا نام اپنی عدل گستری اور بے پناہ تنظیمی صلاحیتوں اور عوامی فلاح و بہبود کے کارناموں کی وجہ سے آج بھی تاریخ ہند کے صفحات پر زریں حروف میں لکھا جاتا ہے۔

شیر شاہ سوری نے اپنی حکومت کے زمانہ میں دوسری بار کوھوابن کا سفر کیا، حضرت سید احمد بادپا کی زیارت سے مشرف ہوا، ان کے لیے ایک وسیع قلعہ نما احاطہ تعمیر کرایا، جس کے وسط میں ایک چہار دیواری کے اندر ایک چبوترہ بنوایا، جسے حضرت سید احمد بادپا کی نشست گاہ چلہ گاہ بتایا جاتا ہے، شیر شاہ کی بڑی بیٹی شہزادی ''ماہ بانو'' کوھوابن میں مقیم ہوگئی تھی، روضہ اور ماہ بانو کے اخراجات کے لیے شیر شاہ نے بارہ گاؤں کی معافی کا پروانہ دے دیا اور ماہ بانو کے نام ایک گاؤں آباد کیا، جس کا نام چک بانو عرف درگاہ ہے، اسی نام پر کوھوابن کو اب درگاہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

ماہ بانو نے بہتر سال کی عمر میں وفات پائی اور اندرون احاطہ مدفون ہوئی، شیر شاہ کے بعد جتنے بادشاہ تخت نشین ہوئے، انھوں نے نہ صرف بارہ گاؤں کی معافی کو قائم رکھا، بلکہ اس میں مزید اضافہ کیا۔

حضرت سید احمد بادپا رحمۃ اللہ علیہ کے مدفن کے بارے میں تذکرہ نگار مختلف الرائے ہیں، مگر اکثر کا بیان ہے، کہ ان کا مزار کوھوابن ہی میں ہے، شیر شاہی احاطہ کے اندر آج بھی متعدد قبریں موجود ہیں، مگر ان میں حضرت کی قبر کونسی ہے؟ کسی کو معلوم نہیں، ممکن ہے، کہ حضرت سید احمد بادپا رحمۃ اللہ علیہ نے بوقت وصال اپنے اصحاب کو ہدایت فرما دی ہو، کہ وہ ان کے مدفن کا کسی کو نشان نہ بتائیں، یا پھر ان کی وفات اثنائے سفر کسی گمنام مقام پر ہوئی اور وہیں مدفون ہوئے ہوں۔

حضرت مولانا غلام نقشبند گھوسوی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ:۔ سلطان محی الدین اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کی معارف پروری اور علم دوستی کی وجہ سے سرزمین مشرق علم وعلما کا گہوارہ بنی ہوئی تھی، اس وقت کے اکابر علما وفضلا حافظ امان اللہ بنارسی، قاضی محبّ اللہ بہاری، ملا قطب الدین شمس آبادی، ملا جیون، سعد اللہ سلونی، شیخ غلام محمد لکھنوی اور شیخ غلام نقشبند گھوسوی ثم لکھنوی تھے، جن کی تدریسی کوششوں سے دیار

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

مشرق رشک بغداد بنا ہوا تھا، ان میں حضرت غلام نقشبند کی علمی وروحانی ذات منفرد وممتاز تھی۔

حضرت شیخ غلام نقشبند گھوسوی علیہ الرحمہ، حضرت مفتی محمد حسین اصفہانی کے علمی و روحانی خانوادے کے چشم و چراغ تھے، دادا قاضی حبیب اللہ گھوسی کے قاضی تھے، وہ عالم، فقیہ اور ادیب تھے، حضرت میر علی عاشقاں سرائمیری رحمۃ اللہ علیہ م ۹۵۰ھ سے بیعت وخلافت رکھتے تھے۔

والد قدوۃ العلما شیخ عطاء اللہ نے اپنے وقت کے مشہور عالم ملا محمود بھیروی جونپوری م ۱۰۶۲ھ اور دوسرے اکابر علما سے علم حاصل کیا اور شاہ عبدالقدوس جونپوری سے بیعت وخلافت حاصل کی، شیخ عطاء اللہ اپنے والد کی طرح علم ظاہر و باطن کے رمز شناس تھے، آپ کے ارشد تلامذہ میں میر محمد شفیع دہلوی م ۱۱۰۹ھ مشہور عالم گزرے ہیں، شیخ عطاء اللہ نے آخری عمر میں لکھنؤ جا کر قیام کیا، ۵؍ربیع الثانی ۱۰۶۳ھ میں وصال فرمایا۔ (نزہۃ الخواطر جلد پنجم ص ۲۷۴)

حضرت شیخ غلام نقشبند کی ولادت ۱۹؍ذی الحجہ ۱۰۵۲ھ میں بمقام گھوسی ہوئی، والد بزرگوار نے حضرت شیخ بہاء الدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ کے روحانی اشارہ سے آپ کا نام غلام نقشبند رکھا۔ آزاد بلگرامی لکھتے ہیں

علامہ ایست جامع عجائب و غرائب علوم و خدارسی است خازن اسرار معلوم و مکتوم آباء کرام آنجناب متوطن قصبہ گھوسی تابع بلدہ جونپور واز عظماء آں مکان اند، پدر بزرگوار او شیخ عطاء اللّٰہ باشارہ روحانیت شاہ نقشبند قدس سرہ غلام نقشبند نام گذاشت آنجناب از ابتدا تا انتہا در ظل تربیت میر محمد شفیع قدس سرہ کہ برخے نزد شیخ عطاء اللّٰہ والد شیخ غلام نقشبند تلمذ کردہ بود جا گرفت۔ (مآثر الکرام ص ۲۱۳)

شیخ غلام نقشبند عجیب وغریب قسم کے ظاہری و باطنی علوم وفنون کے منبع ومخزن ہیں، آپ کے آبا واجداد کا وطن مالوف قصبہ گھوسی ہے، جو توابع جونپور میں ہے، یہ حضرات یہاں باعزت اور عالی مقام لوگوں میں ہیں، آپ کے والد ماجد شیخ عطاء اللہ نے حضرت شاہ نقشبند قدس سرہ کے روحانی اشارہ پر آپ کا نام غلام نقشبند رکھا، آپ نے میر محمد شفیع قدس سرہ کے سایہ عاطفت میں رہ کر علوم متداولہ میں کمال حاصل کیا، میر محمد شفیع شیخ غلام نقشبند کے والد ماجد کے شاگرد رشید تھے۔

گیارہ سال کی عمر میں والد بزرگوار کا سایہ عاطفت سر سے اٹھ گیا اور وہ اپنے والد کے شاگرد رشید میر محمد شفیع کی خدمت میں رہ کر علوم وفنون کی تکمیل کرنے لگے، زمانہ طالب علمی کی ابتدا میں ایک رات خواب میں حضور پر نور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے، دیکھا، کہ حضور اپنے دست

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

مبارک سے میرے سینے کا بٹن کھول رہے ہیں اور خواب ہی میں اس کی تعبیر سمجھ میں آئی، کہ آنحضور شرح صدر فرما کر مجھ پر علم کا دروازہ کھول رہے ہیں۔(ایضاً ص ۲۱۳)

شیخ غلام نقشبند اٹھارہ سال کی عمر میں تمام مروجہ علوم عقلیہ ونقلیہ میں مہارت تامہ حاصل کر کے فراغ التحصیل ہوگئے اور اکیس سال کی عمر میں آپ نے اپنے استاذ کے پیر طریقت شیخ پیر محمد علیہ الرحمہ کی خدمت میں رہ کر علوم ظاہر و باطن کی تکمیل اور ان سے سند فراغت حاصل کی۔

<u>غلام نقشبند کی سجادہ نشینی</u>:۔ شیخ پیر محمد بن اولیا <u>۱۰۲۷</u>ھ میں بمقام منڈیا ہو ضلع جونپور پیدا ہوئے، مانک پور کٹرہ میں تعلیم پائی، وہیں شیخ عبداللہ سیاح دکنی سے ملاقات ہوئی اور طریقت و روحانیت کی تعلیم حاصل کر کے ان کے مرید ہوگئے، مرشد کے حکم سے لکھنو اور دہلی میں رہ کر کتب درسیہ کی تکمیل کی، دہلی میں شیخ عبداللہ سیاح سے پھر شرف نیاز حاصل ہوا اور مرشد طریقت نے تمام طرق و سلاسل اور عوارف و معارف اور جواہر خمسہ کی اجازت مرحمت فرمائی، علوم ظاہر و باطن سے بہرہ یاب ہونے کے بعد شیخ پیر محمد نے لکھنو میں قیام کیا اور تعلیم و تدریس اور ارشاد و تلقین کا مشغلہ اختیار کیا، اپنے وقت کے نامور علما و صوفیا میں شمار کیے جانے لگے، آپ نے حاشیہ ہدایہ، مجموعہ فتاوی، سراج الحکمت حاشیہ ہدایت الحکمت اور منازل اربعہ تصنیف کیں، آپ کی وفات <u>۱۰۸۵</u>ھ میں لکھنو میں ہوئی۔

شیخ پیر محمد کی وفات کے بعد ان کے تمام خلفا اور مریدوں نے باتفاق رائے میر محمد شفیع کو ان کا سجادہ نشیں منتخب کیا اور دلی سے ان کی آمد کا انتظار کرنے لگے، شیخ محمد شفیع جب لکھنو آئے اور ان کی رسم سجادگی کے لیے ایک مجلس منعقد کی گئی اور خانقاہ کے سارے متعلقین جمع ہوئے تو شیخ میر محمد شفیع نے اپنے مرشد پیر محمد کا سجادہ بچھایا اور اپنے ہونہار شاگرد شیخ غلام نقشبند کا ہاتھ پکڑ کر سجادہ پر بٹھا دیا اور خود مودب ہو کر ان کے روبرو بیٹھ گئے، تمام حاضرین نے ان کی تقلید کی۔ مولانا آزاد علی بلگرامی لکھتے ہیں۔

''حضرت شیخ غلام نقشبند کے بلند مرتبہ کا اندازہ اس واقعہ سے کیا جاسکتا ہے کہ حضرت میر محمد شفیع نے ان کو خلافت کے لائق دیکھ کر اپنے پیر کی گدی (سجادہ) پر بٹھا دیا اور خود مریدانہ آداب بجالا کر ان کی قدم بوسی کی، درحقیقت غلام نقشبند نے اس سجادہ کو ایک عجیب قسم کی رونق دی اور اس کی شان بڑھا دی، آپ کی ذات گرامی ظاہری و باطنی علوم کے طلب گاروں کی زیارت گاہ اور مرکز بن گئی، آپ نے اپنی توجہ اور فیوض و برکات سے ایک عالم کو ظاہری و باطنی کمالات سے مالا مال کر دیا، اس زمانہ کے اکثر علما و فضلا کا سلسلۂ تحصیل کمالات آپ ہی کی ذات گرامی پر جا کر ختم ہو جاتا ہے''۔(مآثر الکرام ص ۲۱۴)

میر محمد شفیع نے اپنے استاذ زادے کی تعلیم و تربیت اور جو عزت افزائی کی شاگرد نے استاذ کے

http://t.me/tehqiqat

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

عظیم احسانات کو ہمیشہ یاد رکھا اور جب بھی دلی جاتے نیاز مندانہ حاضری دیتے۔

شیخ غلام نقشبند نے اپنے معاصر علما میں تعلیمی خدمات طلبہ کی کثرت اور علمی سلاسل کی افادیت و وسعت میں امتیازی وانفرادی شان قائم کرلی تھی، آپ سے خلق کثیر نے علمی و روحانی فیض پایا۔ آزاد بلگرامی نے تحریر کیا۔

ونفع خلقا كثيرا بالتدريس والتلقين وسلسلة الاكثرين من علماء العصر تنتهي اليه۔ (سبحۃ المرجان ص ۲۰۱)

آپ نے تدریس وتلقین کے ذریعہ خلق کثیر کو نفع پہنچایا اور اکثر علمائے عصر کا سلسلہ آپ پر منتہی ہوتا ہے۔

مولانا شیخ رحمان علی لکھتے ہیں۔

وتمام عمر گرامی خود بافاده و تدریس طلبه علوم سر برده جمع کثیر از افاضل نامدار بسایه تربیتش به مراد خود رسیدند و سلسلهٔ تعلیم اکثر علمائے هند بدومی پیوندد۔ (تذکرہ علمائے ہند ص ۱۵۸)

شیخ صاحب نے اپنی پوری زندگی طالب علموں کے افادۂ تدریس میں بسر کی اور فضلا کی ایک بڑی جماعت ان کے زیر تربیت رہ کر بامراد ہوئی، ہندوستان کے اکثر علما کا سلسلۂ تعلیم ان پر منتہی ہوتا ہے۔

شیخ غلام نقشبند جامع کمالات عالم تھے، تفسیر، فقہ، حدیث، عربی ادب اور حکمت وفلسفہ میں ید طولیٰ رکھتے تھے، عربی زبان کے قادرالکلام شاعر بھی تھے، اس ہمہ گیر علمی شخصیت کی بارگاہ سے ہزاروں تشنگان علوم و معارف نے اپنے اپنے ظرف کے مطابق فیض پایا، ۱۰۸۵ھ سے ۱۱۲۶ھ تک تقریباً چالیس سال تک تعلیم و تربیت کی بزم آراستہ رہی، تلامذہ کا ہجوم دیکھ کر شیراز ہند کی علمی بہار کا زمانہ یاد آتا تھا، آپ سے ہزاروں نے فیض پایا اور سیکڑوں تلامذہ اپنے اپنے حلقوں میں امتیازی شان کے مالک بنے، مگر ان میں سب سے ممتاز بانی درس نظامی ملا نظام الدین سہالوی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۱۶۱ھ ہیں، جنھوں نے شیخ صاحب کے تعلیمی سلسلہ کو پورے ہندوستان میں پھیلا دیا، مولانا آزاد علی بلگرامی ملا صاحب کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں۔

"ابتدائے حال بطلب علم گرد قصبات پورب بر آمد واز علماء عصر فنون درسی اکتساب نمود، آخر بجانب شیخ غلام نقشبند لکھنوی قدس سره پیوست، وبقیه کتب تحصیل گذرانید وفاتح فراغ خواند وهم در لکھنو حل اقامت افگند و تمام عمر بتدریس اشتغال ورزید، اعتبار و اشتهار عظیم یافت"۔ (مآثر الکرام ص ۲۲۰)

http://t.me/Tehqiqat

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

(ملا نظام الدین) زندگی کے ابتدائی دور میں آپ نے علم کی تلاش میں مشرق کے بہت سے قصبات کا سفر کیا اور اس زمانہ کے اہل فن اور علمائے متبحرین سے درسی کتابیں پڑھیں، آخر میں شیخ غلام نقشبند لکھنوی قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، بقیہ تمام درسی کتابیں ان سے پڑھیں اور فارغ التحصیل ہو کر لکھنو ہی میں قیام پذیر ہو گئے، ساری زندگی درس و تدریس اور تصنیف و تالیف میں گزاری اور بڑی عزت و شہرت کے مالک ہو گئے۔

وہ آفتاب علم و فن جس نے بانی درس نظامی کے آئینۂ ذات و صفات کو رشک ماہتاب بنایا، اس کی نمود گھوسی ہی سے ہوئی تھی۔

شیخ غلام نقشبند کے چند اہم شاگرد یہ ہیں، میر عبدالجلیل بلگرامی، سید فریدالدین بلگرامی، شیخ محمد قاسم کاکوروی، سید قادری بلگرامی، شیخ نورالہدیٰ امیٹھوی، مفتی نقیب اشرف لکھنوی۔

تدریس و تلقین کے علاوہ شیخ صاحب نے تصنیف و تالیف کا شغل بھی جاری رکھا، اور علمی و دینی موضوعات پر گرانقدر مصنفات یادگار چھوڑیں۔

(۱) تفسیر انوار القرآن (ربع قرآن) (۲) تفسیر سورۂ اعراف (۳) تفسیر سورۂ مریم (۴) تفسیر سورۂ طٰہٰ (۵) تفسیر سورۂ محمد (۶) تفسیر سورۂ یوسف (۷) تفسیر سورۂ رحمٰن (۸) تفسیر سورۂ عم (۹) تفسیر سورۂ کوثر (۱۰) تفسیر سورۂ اخلاص (۱۱) کتاب الفرقان (۱۲) انوار لامعہ عرشیہ در مسئلہ وحدۃ الوجود (۱۳) شرح قصیدہ خزرجیہ۔

حضرت شیخ غلام نقشبند نے رجب ۱۱۲۶ھ میں بمقام لکھنو ۷۵ برس کی عمر میں وفات پائی اور اپنے استاذ مرشد حضرت پیر محمد لکھنوی کے مزار کے قریب ٹیلہ پیر محمد شاہ میں مدفون ہوئے۔

حضرت مولانا شاہ سلامت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ رام پوری:۔ یہ گھوسی کے مضافات میں واقع مشہور گاؤں عطر ساواں کے باشندے تھے، طلب علم کے شوق میں رام پور گئے، وہاں مولانا شاہ ارشاد حسین صاحب مجددی قدس سرہ کے حلقۂ درس میں شریک ہوئے اور جملہ علوم و فنون کی تکمیل کی اور انھیں سے مرید بھی ہوئے، اجازت و خلافت سے سرفراز ہوئے، حضرت مولانا خواجہ احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ کے مدرسے میں مدرس تھے، پندرہ روپے تنخواہ تھی، نہایت قانع، متورع، متوکل، برگزیدہ متواضع صاحب وقعت بزرگ تھے، ہمیشہ بے تکیہ بستر کے سوئے، بازار سے سودا خود لاتے، دوکاندار سامان اچھا دے یا خراب کبھی شکایت نہ کی، محلّہ کے غربا مساکین کی دستگیری فرماتے، غربا سے خاص تعلق و ربط رکھتے، رؤسا امرا سے دور رہتے، رام پور کے نواب حامد علی خاں نے بہت کوشش کی، کہ ان سے ملاقات کریں، مگر مولانا نے کبھی ملاقات نہ کی، ڈاڑھی منڈانے والوں سے مصافحہ اور سلام نہیں کرتے

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

تھے، وہابی دیوبندیوں کا ہمیشہ ردفرماتے، ان کے رد میں ان کے متعدد رسالے بھی ہیں ''اعلام الاذکیا'' مسئلہ ''علم غیب'' بلوغ المرام، غیر مقلدین کے رد میں، قرآن مجید کی ایک تفسیر بھی اردو زبان میں ہے، جس کا ایک نسخہ ماہفت لسان حضرت مولانا عاشق الرحمٰن شیخ الحدیث جامعہ حبیبیہ الہ آباد کے پاس ہے، گراموفون کے بارے میں بھی ایک رسالہ ہے، جس کی تقریظ میں مجدد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے الکشف شافیا تصنیف فرمائی ہے، آٹھ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۸ھ میں وصال فرمایا اور اپنے پیر و مرشد کے حظیرے میں دفن ہوئے۔ (تذکرہ کاملان رام پور)

مولانا نذیر احمد صاحب برکاتی:۔ گھوسی کی ایک قابل ذکر شخصیت مولانا نذیر احمد صاحب علیہ الرحمہ کی ہے، یہ تو نہیں معلوم ہوسکا، کہ انھوں نے تعلیم کہاں سے حاصل کی تھی البتہ اتنا معلوم ہے، کہ یہ وارث الاکابر سراج السالکین حضرت مولانا سید شاہ ابوالحسین احمد نوری قدس سرہ تاجدار مسند غوثیہ برکاتیہ مارہرہ کے مرید اور خلیفہ تھے، یہ بہار مدھوبنی میں رہتے تھے، اسی اطراف میں ان کے اچھے خاصے مرید تھے، وہیں ان کا انتقال ہوا ہے، وہیں ان کا مزار شریف ہے، تذکرہ نوری میں حضرت سیدنا نوری میاں صاحب کے خلف کی جو فہرست ان کے رجسٹر میں تھی، اسی سے نقل کر کے خلفا میں ان کا نام بھی درج ہے۔

بہت وجیہ بلند و بالا قد کے بزرگ تھے، آواز بہت بلند اور عمدہ تھی، شاعر بھی تھے، نوشہ ان کا تخلص تھا، جب گھوسی تشریف لاتے، تو اکثر بعد نماز مغرب وہ مزار شریف پر جا کر اوراد و وظائف پڑھتے اور کبھی کبھی نعت بھی بلند آواز سے پڑھتے، آواز اتنی بلند تھی، کہ کریم الدین پور محلے میں دور دور تک پہنچتی، ان کے والد بھی عالم تھے، جن کا نام مولانا محمد یعقوب تھا جو مدرسہ مصباح العلوم کوپاگنج کے بانی تھے، دلی تعلیم کے لیے گئے اور مشہور غیر مقلد میاں نذیر حسین سے دورحدیث پڑھا، جس کی وجہ سے غیر مقلدیت آ گئی، اپنے وطن گھوسی آ کر عوام کو رفع یدین اور بلند آواز سے آمین کہنے کا حکم دینے لگے اور غیر مقلدین کی مستند حدیثیں پڑھ پڑھ کر عوام کو سناتے، اس وقت کے لوگوں کا ایمان بہت مضبوط تھا، کسی پر ان کی باتوں کا اثر نہ ہوا، لیکن مولانا برابر لوگوں کو ٹوکتے رہتے، اس سے تنگ آ کر لوگ کوپاگنج گئے، کوپا میں اس وقت سب سے مشہور اور بڑے عالم مولانا خدا بخش تھے، ان سے جا کر لوگوں نے سارا قصہ بیان کیا، انھوں نے کہا، کہ میں جمعہ کو آؤں گا تو ان سے بات کروں گا۔

حسب وعدہ جمعہ کو مولانا تشریف لائے، جمعہ کے بعد مولانا خدا بخش صاحب نے مولانا یعقوب سے گفتگو کی، مولانا یعقوب صاحب نے حسب عادت غیر مقلدین کی مستند حدیثیں پڑھیں اور کہا، ان حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے، کہ آمین زور سے پڑھنی چاہیے، مولانا خدا بخش صاحب نے کہا، کہ آپ نے جو کچھ کہا، میں

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

نے سن لیا، آپ مجھے پہلے یہ بتایئے، کہ آہستہ آمین کہنے سے نماز ہوجاتی ہے یا نہیں؟ مولانا یعقوب صاحب چونکہ ابھی پکے غیر مقلد نہیں ہوئے تھے، ان کے منہ سے نکل گیا، کہ آہستہ آمین کہنے پر بھی نماز ہوجاتی ہے، اسی پر مولانا خدا بخش صاحب نے کہا، کہ جب آہستہ کہنے سے بھی نماز ہوجاتی ہے، تو پھر آپ لوگوں کو آمین بالجہر کا حکم کیوں دیتے ہیں، اس پر مولانا یعقوب صاحب خاموش ہوگئے، حضرت صدرالشریعہ رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے، کہ اس کے بعد انھوں نے غیر مقلدیت سے توبہ کرلی اور سچے پکے حنفی ہوگئے تھے، بلکہ ولی کامل ہوگئے تھے، انتقال کے بعد بہت سے لوگوں نے ان کو رات میں گلیوں میں چلتے پھرتے دیکھا ہے۔

ان چند بزرگوں کے حالات اس لیے درج کردیے گئے، کہ ان کے حالات سے خود گھوسی کے لوگ ناواقف ہیں، ماضی قریب کے علما سے سب لوگ واقف ہیں، اس لیے ان کے تذکرے کی ضرورت ہم نے محسوس نہیں کی۔

خانوادۂ مولانا خیر الدین علیہ الرحمہ:۔ گھوسی کی آبادی کے سروے سے معلوم ہوتا ہے، کہ یہاں کے اکثر مسلم خانوادے دوسرے مقامات سے آ آ کر آباد ہوئے اور قصبہ کی اجتماعی تمدنی علمی و صنعتی زندگی کا جز ولاینفک بن گئے، ان واردین میں متعدد علمی و روحانی خاندان بھی یہاں اقامت گزیں ہوئے، جن میں بڑے بڑے صاحب علم وفن بزرگ پیدا ہوئے اور ان کی ذات سے یہاں کی علمی و دینی سرگرمیوں میں اضافہ ہوتا رہا، ان علمی و دینی خانوادوں میں حضرت مولانا خیر الدین علیہ الرحمہ کا خاندان سب سے ممتاز ہے، یہ خاندان ''نواپار'' ضلع گورکھپور سے ترک وطن کرکے گھوسی میں مقیم ہوا، اس خاندان کے ترک وطن کی قطعی تاریخ تو معلوم نہیں، ہاں قرائن سے پتہ چلتا ہے، کہ مغلوں کے آخری دور میں برادران وطن کی چیرہ دستیوں سے تنگ آکر دریائے گھاگھرا کے شمالی ساحلی خطہ کو خیرباد کہہ کر گھوسی کا رخ کیا۔

اس خاندان میں علم وعلما کی روایت بہت پرانی ہے، حضور صدرالشریعہ مفتی امجد علی جن کے علم و فضل کی شہرت ہندوستان ہی نہیں بلکہ پوری دنیا میں پھیلی ہوئی ہے، انھوں نے اپنے بڑے صاحبزادے جناب مولانا حکیم شمس الہدیٰ مرحوم کی پیدائش کے موقع پر فرمایا تھا، اگر یہ میرا بیٹا عالم ہوجائے گا ہمارے آبا واجداد میں دس پشت سے مسلسل عالم ہوجائیں گے۔

ابن خلدون نے لکھا ہے، کہ ایک پشت قریب قریب پچاس سال کی ہوتی ہے، جناب مولانا حکیم شمس الہدیٰ کی ولادت چودہویں صدی کے شروع میں ہوئی تھی، جس کو ایک صدی گزر چکی ہے، اس کا حاصل یہ نکلا، کہ یہ خاندان چھ سو سال سے مسلسل علم وفضل کی دولت سے مالا مال ہے۔

بعض قرائن سے ثابت ہوتا ہے، کہ یہ خاندان کریم الدین پور میں دیگر خاندانوں سے پہلے آکر

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

آباد ہوا تھا، محلّہ کریم الدین پور کے پورب بہت پرانا ایک املی کا
باغ ہے، جو پہلے بہت بڑا تھا، یہ باغ بہت پرانا تھا، مٹی ڈھلتے ڈھلتے اس کی جڑیں چار چار فٹ اوپر آگئی تھیں، اس باغ کے مالک ہمیشہ سے اسی خاندان والے رہے اور اب بھی ہیں، اس باغ کے جو کاغذات ہیں، ان کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے، کہ حضرت مولانا خیر الدین صاحب کی بالائی پانچ پشتوں سے یہ باغ اسی خاندان کی ملکیت ہے، مگر ان کے حالات معلوم نہیں، البتہ حضرت مولانا خیر الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے کچھ حالات معلوم ہیں، جو تحریر کیے جاتے ہیں، یہ حالات خاندان میں تواتر کی حد تک مشہور ہیں، موصوف علم ظاہر علم باطن دونوں سے آراستہ تھے اور صاحب کشف وکرامت بزرگ تھے، خود حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ نے ان کے یہ حالات بارہا بیان فرمائے ہیں۔

جب قصبہ میں کوئی بلا نازل ہونے والی ہوتی، مثلاً طاعون، ہیضہ وغیرہ تو لوگوں سے کہتے بھیا لوگ گناہوں سے توبہ کرو، پابندی سے نمازیں پڑھو، اس کے بعد کوئی نہ کوئی وبا آجاتی اور جب یہ وبا چلی جاتی، تو لوگوں سے کہتے، بھیا لوگ گھبراؤ نہیں، اللہ کا فضل ہو گیا ہے، اس کے بعد وبا ختم ہو جاتی، لوگوں نے پوچھا، آپ کو کیسے معلوم ہو جاتا ہے، کہ کوئی وبا آنے والی ہے اور کیسے معلوم ہو جاتا ہے کہ چلی گئی؟ تو فرمایا میں دیکھتا ہوں، کہ گلیوں میں خنزیر آوارہ پھرتے ہیں، تو سمجھ جاتا ہوں، کہ کوئی وبا آگئی ہے اور جب دیکھتا ہوں، کہ خنزیر چلے گئے، تو جان لیتا ہوں، کہ وہ وبا چلی گئی، ان کا معمول یہ تھا، کہ روزانہ بلا ناغہ کوئی بھی موسم ہو گرمی ہو جاڑا ہو برسات ہو باغ والی مسجد میں جا کر تہجد پڑھتے ذکر ومراقبہ کرتے اور اشراق کی نماز پڑھ کر گھر واپس آتے۔

ان کے تین صاحبزادے تھے (۱) مولوی خدا بخش (۲) میاں جی بچپن (۳) لعل محمد۔

پہلے صاحبزادے مولوی خدابخش کے صاحبزادے حکیم جمال الدین صاحب مرحوم تھے، بہت پایہ کے طبیب تھے، عظمت گڑھ راجہ کے طبیب خاص تھے، انھیں کے صاحبزادے حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ ہیں۔

دوسرے صاحبزادے میاں جی بچپن کے بیٹے مولوی یار محمد صاحب تھے، جن کے فرزند حضرت مولانا محمد صدیق صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہیں، مولانا محمد صدیق صاحب مدرسہ حنفیہ جونپور سے فارغ تھے، استاذ الاساتذہ حضرت مولانا ہدایت اللہ خاں صاحب کے تلمیذ خاص تھے، ان کو یہ شرف بھی حاصل ہے، کہ حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ نے بھی ان سے کچھ کتابیں پڑھی ہیں، مدۃ العمر مبارکپور میں تدریسی خدمات انجام دیتے رہے، دیگر بستیوں کی طرح مبارکپور میں بھی پہلے دیوبندیت نام کو بھی نہیں تھی، پورہ قصبہ سنی تھا، پورہ معروف ضلع مئو کا ایک دیوبندی مولوی محمود نامی جو طبیب بھی تھا، یہاں تقیہ کر کے آیا اور مدرسہ میں مدرس

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ہوگیا، چپکے چپکے اس نے دیوبندیت کا بیج بویا اور قصبہ کے بااثر ذمہ داروں کو اپنے پھندے میں پھنسایا، جب اس کا حال کھلا اور مولانا محمد صدیق صاحب وغیرہ نے اس کا پردہ فاش کیا، تو جھگڑا اٹھ کھڑا ہوا، جس کے نتیجہ میں مدرسہ پر تالا چڑھ گیا، اہلسنت نے دوسرا مدرسہ قائم کرلیا، جو پہلے پورہ صوفی کی ایک مسجد میں تھا اور بعد میں وہی مدرسہ اشرفیہ مصباح العلوم کے نام سے پرانی بستی میں منتقل ہوا، جس میں حضور حافظ ملت قدس سرہ رہتے تھے اور اب عزیز ملت مولانا عبدالحفیظ صاحب سربراہ اعلیٰ کی قیام گاہ ہے، ان کے دو صاحبزادے تھے، شیخ العلما مولانا غلام جیلانی صاحب اور خیر الاذکیا جناب مولانا غلام یزدانی صاحب رحمۃ اللہ علیہما۔

مولانا خیر الدین صاحب کے تیسرے صاحبزادے لعل محمد صاحب حضرت شارح بخاری کے پردادا ہیں، ان کے بیٹے ثناء اللہ دلال اور ان کے فرزند جناب عبدالصمد دلال صاحب ہیں، جو شارح بخاری کے والد ماجد ہیں۔

اس شاخ میں شارح بخاری سے پہلے علم و فضل نہیں تھا، مگر دنیوی دولت تھی، شارح بخاری کے دادا ثناء اللہ دلال صاحب قصبہ کے بہت بڑے تاجر تھے، کپڑا بننے کے سیکڑوں کارخانے چلتے تھے، سوت کی سب سے بڑی دوکان تھی، ان کا مال بہار بنگال کے بڑے بڑے شہروں میں جاتا تھا، مثلاً گلاب باغ، پورنیہ، کھگڑا، کشن گنج، سلی گوڑی، جلپائی گوڑی، دیناج پور، ناگ پور وغیرہ۔

لیکن ۱۹۱۴ء کی جنگ عظیم کے بعد کاروبار پر ایسا زوال آیا، کہ سب تہس نہس ہوگیا، شارح بخاری کے والد ماجد انتہائی افلاس اور تنگ دستی میں گزر بسر کرتے تھے، اسی افلاس کی گود سے حضرت شارح بخاری جیسا نابغۂ روزگار فرد پیدا ہوا۔

حضرت شارح بخاری کے والد ماجد بہت بڑے متقی خدا ترس عبادت گزار شخص تھے، فجر کی نماز پڑھ کر ایک گھنٹہ دن نکلنے تک مستقل اوراد و وظائف میں مصروف رہتے، ایک سو چار سال کی عمر میں وصال فرمایا، مگر بینائی ایسی تھی، کہ قرآن مجید کی تلاوت ایک پارہ روزانہ ضرور کیا کرتے تھے، جمعہ کے دن ٹھیک نماز جمعہ کے وقت وصال فرمایا، جن کا مزار پاک حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ کے مزار پاک کے دکھن جانب ہے۔

مولانا خیر الدین کے خانوادے میں جو نابغۂ روزگار علمی شخصیتیں پیدا ہوئیں ان کے حالات اس مختصر مضمون میں پیش کرنا ممکن نہیں، اس لیے ان کے اسمائے گرامی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

(۱) صدر الشریعہ حضرت علامہ و مولانا مفتی محمد امجد علی اعظمی قادری مصنف بہار شریعت رحمۃ اللہ علیہ (۲) حضرت مولانا محمد صدیق علیہ الرحمہ تلمیذ رشید حضرت مولانا ہدایت اللہ رامپوری علیہ الرحمہ، سابق مدرس اول مصباح العلوم مبارکپور (۳) حضرت علامہ عبدالمصطفیٰ ازہری علیہ الرحمہ، سابق شیخ

https://ataunnabi.blogspot.com/

الحدیث دارالعلوم امجدیہ کراچی پاکستان (۴) شیخ العلما علامہ غلام جیلانی اعظمی علیہ الرحمہ، سابق شیخ الحدیث دارالعلوم فیض الرسول براؤں شریف (۵) خیر الاذکیا علامہ غلام یزدانی علیہ الرحمہ، سابق شیخ الحدیث دارالعلوم مظہر اسلام بریلی شریف۔

اس خانوادے کے علاوہ محلّہ کریم الدین پور گھوسی میں ایک اور معزز علمی خاندان بھی ہے جس میں علم وحکمت کی روایت صدیوں سے چلی آرہی ہے اور ہر دور میں متبحر عالم اور حاذق طبیب پیدا ہوتے رہے، ان میں مولانا حکیم یوسف رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا حکیم ہدایت اللہ علیہ الرحمہ بہت مشہور ہوئے۔

دور حاضر میں اس مختصر سے قصبہ کے اندر سیکڑوں علما، حفاظ، قرا، اطبا اور دانشور ماضی کی علمی و دینی درخشاں روایات کو آگے بڑھا رہے ہیں۔

چند اہم حادثات و واقعات:۔ قانون عروج زوال کی رو سے ہر شہر، قصبہ آسانی بلا و وبا اور انسانی یورش و یلغار کا ہدف بن کر تباہ و برباد ہوتا ہے، انھیں حادثات وواقعات کے نتیجہ میں پرانی قدریں مٹتی اور نئی قدریں جنم لیتی ہیں، زمانہ قدیم سے لے کر انیسویں صدی کی نویں دہائی تک اس قصبہ پر کتنی آفتیں آئیں اور یہاں کے باشندے کن کن حادثات سے دوچار ہوئے؟، ان کا سراغ لگانا ازبس دشوار ہے کیوں کہ امتداد زمانہ کے دھندلکوں نے انھیں اپنی گرفت میں لے لیا ہے، ہاں انیسویں صدی کی آخری دہائی تک کچھ ایسے حادثات پیش آئے، جن کی یادیں آج بھی ذہنوں میں محفوظ ہیں اور جن کے روح فرسا مناظر کی داستان اب بھی لوگوں کی زبانی سنی جاتی ہیں۔

طاعون:۔ مرض طاعون جس کی ابتدا ۱۸۹۷ء میں بمبئی سے ہوئی اور وہاں سے رفتہ رفتہ ہندوستان کے مختلف علاقوں میں پھیلتا رہا، ۱۸۹۷ء سے ۱۹۳۰ء تک ہندوستان کے مختلف امصار و بلاد و قصبات و قریات وقفہ وقفہ سے وبائے طاعون کا ہدف بنتے رہے، ہزاروں گھر بے چراغ سیکڑوں بستیاں ویران اور لاکھوں انسان لقمۂ اجل بن گئے، ۱۳۲۱ھ ۱۹۰۳ء میں پورے ضلع اعظم گڑھ پر طاعون کا شدید حملہ ہوا، سرکاری رپورٹ کے مطابق ضلع میں کل سترہ ہزار اموات ہوئیں، اس طاعون نے گھوسی میں بھی بڑی تباہی مچائی، کتنے مکانوں پر تالے پڑ گئے، صدہا خاندان سرپرستوں سے خالی ہو گئے، موت کی دہشت اور اعزہ واقربا کے غم مفارقت نے چہروں کو اداس اور پژمردہ کر دیا، لوگ ایسا محسوس کرتے کہ موت ان کے آگے پیچھے چل رہی ہے، جو اس مرض میں مبتلا ہوا جانبر نہ ہو سکا، کوئی تدبیر کوئی دوا کارگر نہ ہوتی۔

۱۹۰۳ء کے بعد بھی متعدد بار طاعون کی وبا نے گھوسی کا رخ کیا، آخری بار ۱۹۳۰ء میں یہ وبا بڑے زور وشور کے ساتھ قصبہ میں داخل ہوئی اور لوگوں کو لقمۂ اجل بنانے لگی، بہت سے لوگوں نے بستی

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

چھوڑ دی اور میدانی علاقوں میں بودوباش اختیار کرلی، سخت پریشانی اور مایوسی کا زمانہ تھا، اضمحلال کے اس دور میں گھوسی کے مجذوب چیتو شاہ علیہ الرحمہ ایک شب اپنا عصا لے کر نکلے کریم الدین پور کے کچھ نوجوانوں نے کہا، شاہ صاحب ہم تباہ ہورہے ہیں اور آپ کو ہماری پرواہ نہیں، یہ سنتے ہی چیتو شاہ جلال میں آئے اور کریم الدین پور کے قدیم قبرستان بارگہی (جسے کثرت استعمال سے اب بگہی کہا جاتا ہے) میں داخل ہوئے اور مشہور بزرگ سید شہید بابا علیہ الرحمہ کے مزار پر پہنچے، جلال میں اپنا عصا مزار کے چبوترہ پر پٹک پٹک کر کہنے لگے، تم قبر میں آرام سے سوئے ہو، بستی جل رہی ہے، لوگ مر رہے ہیں، جب یہ بستی ہی نہیں رہے گی، تو تمہارے پاس کون آئے گا؟ لوگوں کا بیان ہے، کہ اس کے بعد طاعون سے کوئی موت واقع نہ ہوئی اور نہ اس مہلک مرض میں کوئی مبتلا ہوا خدا کے فضل سے آج تک یہ قصبہ طاعون کی وبا سے محفوظ ہے۔

قحط:۔ قصبہ گھوسی دوسری آسمانی بلاؤں کی طرح قحط وگرانی کی ہوشربا مصیبتوں سے بھی دوچار ہوتا رہا، ۱۸۷۸ء کے قحط عام میں جب کہ پورا ضلع اعظم گڑھ بھوک مری وفاقہ کشی کی شدتوں میں مبتلا تھا، باشندگان گھوسی بھی اس بلائے عظیم سے دوچار ہوئے، پھر ۹۷/۱۸۹۶ء میں شدید قحط پڑا ۱۹۰۴ء میں بھی گھوسی اعظم گڑھ کے دوسرے علاقوں کی طرح قحط وگرانی کا ہدف بنا، خشک سالی اور قحط کے زمانہ میں اشیا کی قیمتیں آسمان چھو رہی تھیں اور عام طور پر استعمال کی چیزیں دستیاب نہ ہوتیں، لوگ پیٹ کی آگ بجھانے کے لیے درختوں کے پھل پتوں اور خودرو پودوں کی پھلیاں چباتے املی کے بیج کا آٹا گھول کر پیتے نامعقول غذاؤں کے استعمال اور فاقہ کشی سے لوگ شدید امراض سے دوچار ہوجاتے، ان کی بے قراری واضطرابی کا خاتمہ اس وقت ہوتا، جب موت انھیں اپنی آغوش میں لے کر میٹھی نیند سلا دیتی۔

قحط وخشک سالی کے صدمات سے تنگ آکر قصبہ کے بہت سے لوگوں نے وطن ترک کردیا، بمبئی، بھیونڈی، ناگ پور، کامٹی، مالیگاؤں، کلکتہ، رنگ پور یا دوسرے شہروں میں اقامت اختیار کرلی اور صدہا جوانوں نے تلاش معاش میں دور دراز شہروں میں ملازمت اختیار کرلی۔

چیچک:۔ یہ مرض وبا کی شکل میں چند برسوں کے وقفہ وقفہ سے گھوسی میں داخل ہوتا رہا، اور عام طور پر بچے اس کا شکار بنتے، بکثرت لقمۂ اجل بنتے، اگر اس مرض سے جاں بر بھی ہوجاتے، تو ان کے گلاب سے چہرے داغوں سے بھر جاتے اور کچھ بچے بینائی کی دولت سے بھی محروم ہوجاتے ۱۹۶۲ء میں چیچک کی وبا بڑی شدت کے ساتھ گھوسی پر حملہ آور ہوئی، قصبہ کے تقریباً تمام بچے اس مرض میں مبتلا ہوئے، ماہ ڈیڑھ ماہ تک روزانہ موتیں واقع ہوتی رہیں، قصبہ میں بچوں والا شاید ہی کوئی گھر ایسا ہو، جس میں موت واقع نہ ہوئی ہو، بعض بعض گھرانے تو بچوں سے بالکل خالی ہوگئے، گھر آنگن اور گلی کوچوں کی رونقیں ماند پڑ گئیں،

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

سرِشام ہی ہر طرف سناٹا چھاجاتا اور وحشت برسنے لگتی۔

خوف و ہراس اور رنج وغم کی کیفیت حد سے بڑھ گئی، تو مسلم محلوں میں لوگوں نے جماعت بنا کر بعد مغرب گلی کوچوں میں گھوم گھوم کر اذانیں دینا شروع کر دیں، خدا کا فضل عظیم ہوا، اذان کی برکت سے وبا دور ہوئی، بفضلہٖ تعالیٰ اب تک قصبہ چیچک کی اجتماعی وبا سے محفوظ ہے۔

طوفان:۔ یکم دسمبر ۱۹۹۷ء بعد نماز فجر گھنگھور گھٹا چھائی برق و باد کا سلسلہ شروع ہوا اور دیکھتے ہی دیکھتے شدید آندھی آئی اور اس کی شدت نے گھوسی کو اپنی زد میں لے لیا، سرکاری ریکارڈ کے مطابق آندھی کی رفتار ایک سو تیس کلومیٹر تھی، شدید طوفان کے جھٹکوں نے ہزاروں درختوں کو اکھاڑ دیا، سیکڑوں مکانات پست ہو گئے، جان تو ایک ہی ضائع ہوئی، لیکن ان گنت لوگ زخمی ہوئے، چند ساعت کے چکرواد نے ہر طرف کہرام مچا دیا، آندھی کا زور ختم ہوا، تو سخت برف باری ہوئی، جس سے مکانات چھت صحن گلی کوچے میدان وکشت زار برف سے ڈھک گئے اور پورا علاقہ وادی کشمیر کا حصہ نظر آنے لگا، نشیبی زمین میں کئی روز تک یہ برف جمی رہی۔

گئورکھشنی:۔ ۱۸۹۳ء تا ۱۹۰۴ء گئورکھشنی تحریک بنگال سے لے کر مغرب میں دہلی تک بڑی شدت کے ساتھ جاری رہی، یہ ہنگامہ خیز نیم عسکری تحریک انگریزوں کی لڑاؤ اور حکومت کرو پالیسی کا شاخسانہ تھی، جس نے بنگال، بہار، یوپی کے مسلمانوں کو حرب وضرب کی کشمکش میں مبتلا کر رکھا تھا، قصبہ گھوسی پر بھی گئورکھشنی کے پرجوش حامیوں نے بڑی قوت و طاقت کے ساتھ حملہ کیا، کریم الدین پور جو خالص مسلمانوں کا محلّہ ہے، ان کا خاص نشانہ تھا۔

جس صبح یہ واقعہ پیش آیا، رات ہی میں حافظ فصیح اللہ مرحوم نے اپنے چند شاگردوں سے قرآنی آیات اور سورتیں پڑھوا کر راکھ پر دم کرایا اور محلّہ کے چاروں طرف چھڑک دیا، تاکہ بلوائی محلّہ کے اندر داخل نہ ہوسکیں، صبح کے وقت ہزاروں کی تعداد میں دشمنوں نے محلّہ پر یلغار کر دی، مٹھی بھر مسلم نوجوانوں کی حوصلہ مندی نے ہزاروں گئورکھشنیوں کا مقابلہ کیا، تائید غیبی سے مسلمانوں نے انھیں شکست فاش دی، اس معرکہ میں راقم السطور کے پر دادا جناب محمد عباس مرحوم نے بڑی بے جگری کے ساتھ مقابلہ کیا اور ان کے سب سے بڑے شہ زور کو جو تیغ زنی اور فن حرب وضرب میں ماہر تھا، تہ تیغ کر ڈالا، اس کے قتل ہوتے ہی دشمنوں کے قدم اکھڑ گئے اور انھوں نے راہ فرار اختیار کی، کہتے ہیں، کہ شدت جوش کی وجہ سے آپ کا ہاتھ تلوار کے قبضہ پر اس طرح جم گیا تھا، کہ معرکہ کارزار ختم ہوجانے کے بعد بھی تلوار سے ہاتھ جدا نہ ہوتا تھا، جب ہاتھ آگ کے سامنے رکھا گیا، تو گرفت ڈھیلی پڑی اور تلوار ہاتھ سے جدا کی گئی۔

تمت

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari